

الکھنکری

ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الکھنجرى

”علی پور کا ایل“ کا دوسرا حصہ

ممتاز مفتی

ناشران و تاجران مکتب
عزیز شریعت آباد و بازار لاہور

الفیصل

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

928 Mumtaz Mufti
Alukh Nagri / Mumtaz Mufti - Lahore:
Al-Faisal Nashran , 2005,
1120p.

1.Sawaneh 1. Title card

ISBN 969-503-077-7

محترمہ ڈاکٹر عفت شہاب

محترم خواجہ جان محمد

محترم سید سرفراز شاہ

کے نام

جن کی کرم نوازیوں نے

مجھے کیا سے کیا بنا دیا

ممتاز مفتی

۱۹۹۲ء

اٹنی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے فوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سٹ کر پہاڑ ان کی ثبیت سے رائی

جملہ حقوق محفوظ

دسمبر 2005ء

محمد فیصل نے

میٹروپولیٹنز سے چھپوا کر شائع کی۔

UrduPhoto.com

قیمت: 700/- روپے

AL-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan

Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387

http : www.alfaisalpublishers.com

e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پہلی بات

ملتی کوئی ذات نہیں بلکہ خاندان مفتیاں اپنے لکھنے لکھانے کی صفت کی وجہ سے مشہور تھا جو بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کے درباروں سے وابستہ لکھنے لکھانے کا کام کرتے تھے۔ درباروں میں تاریخی حالات و واقعات، احکامات، شاہی لکھنے والے یہ قلم کار لکھنے کے اس حد تک عادی تھے کہ گھر میں بھی اپنے معمولات زندگی کو لکھ کر (Document) کر لیا کرتے تھے۔ ممتاز مفتی کے والد مفتی محمد حسین گھر میں موجوداً لوپیاز کی تفصیلات بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے لکھنے لکھانے کی یہ موروثی صفت ممتاز مفتی کو بھی منتقل ہوئی مگر اس کے ساتھ ہی حالات و واقعات کی تبدیلی کا ایک انعکاس بھی انہیں پہنچا۔ قیام پاکستان، ہندو مسلم فساد، بے گھر ہو کر در بدر کی ٹھوکریں، خونی رشتوں اور باپ سے بغاوت، ہجرت، پھر اپنے وطن میں مسلسل سیاسی عدم استحکام اور سب سے بڑھ کر انقلابی سماجی اور معاشرتی قدروں میں یک دم اتنی بڑی تبدیلی، غرض یہ کہ ممتاز مفتی کو تبدیلی زمانہ کے بہت بڑے ٹھیلے کھانے پڑے۔ غصہ تو ان میں تھا ہی، پھر تبدیلی کی اتنی بڑی لہر نے باپ سے بغاوت کو رشتے داروں، معاشرے، سماج اور مکہ بند روایات سے بغاوت تک پھیلا دیا اور ان کی ساری زندگی اسی لڑائی اور بغاوت کو نبھاتے گزر گئی۔ یہ ان کی معاشرے کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔

ممتاز مفتی کے لکھنے کو یہ داؤد دینی پڑے گی کہ ان پر جو بیتی وہ انہوں نے کسی لگی لپٹی کے بغیر سچ لکھ دی۔ لوگوں کا خیال ہے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ میں بھی جو ہر واقعے کو دلیل، عقل اور سائنس کی روشنی میں دیکھنے کا عادی ہوں پہلے میرا بھی یہی خیال تھا اور میں شرماتا رہتا تھا۔ اس کی حقیقت تو اس وقت معلوم ہوئی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی ذاتی ڈائریاں دیکھیں۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بالخصوص پہلی روزنامہ لکھنے کے عادی تھے حتیٰ کہ یہ تک لکھ لیتے تھے کہ آج کون سی دو کتنی قدر میں کھائی۔ ان کی ڈائریاں پڑھ کر ”علی پور کا ایلی“ اور ”الکھ نگر“ میں درج واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ نہیں یہ محض داستان آرائی نہیں۔ ممتاز مفتی کی زندگی اس قدر سچی اور سادہ تھی کہ اس نے اپنی اس سرشت کو اپنی آپ بیتی میں بڑی شدت سے برتا اور

رواج سے ہٹ کر نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی ذات پر کوئی طمع چڑھائے بغیر وہ لکھ دیا جو حقیقت تھی۔ اس انکشاف حقیقت کے بعد مجھے شدت سے راسخاں ہو رہا ہے کہ اگر میں نے حالات و

دیباچہ برائے بار دوم

۱۹۹۵ء

گذشتہ تین سال کے دوران مجھے الکھ نگر کی کے حلقہ اسے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ
 پہلی ہے اس بات پر کہ گرامر قیادت ہونے کے بعد جو اسے لوگوں نے الکھ نگر کا مطالعہ
 کیا ہے۔

مجھے علم ہے کہ ہر خط کا جواب لکھو لیکن خط و کتابت کی عیاشی میں پڑنے سے گریز کرو۔
 پندرہ تقریباً پندرہ میں خط موصول ہوتے ہیں۔ بیشتر خطوں میں الکھ نگر کے حوالے
 سے سوال پوچھے جاتے ہیں۔

در حقیقت میں الکھ نگر سے مطمئن نہیں تھا اس کی دو وجوہات تھیں ایک یہ کہ یہ
 کتاب میں نے پہلے میں عمل کی تھی مجھے یہ غرض لگا رہتا تھا کہ شاید میں کتاب عمل نہ کر
 سکوں۔ اسی وجہ سے میں اسے "رش" کرنے پر مجبور تھا۔ دوسری وجہ ظاہر ہے کہ ایک اسے
 بارہ سال کا مطالعہ کرنے کے لئے میرا قلم بہت چھوٹا تھا۔

قدرت اللہ کی ایک اسطور پر بیٹے تھے۔ میں صرف ایک سنگ مرمر وود تھا
 پہلے کئے ہیں قرآن حکیم کا ہر لفظ "منسوب" کے حوالے سے کتاب کے پھول کے ہاتھ ہوتا
 ہے۔ ایک "منکرمی" لفظ تو بچے ایک اور "منکرمی" ہوتی ہے۔ اسے لفظ تو بچے ایک اور "منکرمی"
 ہوتی ہے۔ "منکرمی" "منسوب" میں جی حال بزرگوں کا ہے وہ ایک وقت کی ایک
 اسطور پر بیٹے ہیں۔

قدرت اللہ شاپ، مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے مفتی صاحب! عقیدت کوئی اچھی چیز نہیں اس
 جی شاپ ہے اور شاپ کوئی اچھا وصف نہیں آپ عقیدہ پالے چونکہ عقیدے میں توازن
 ہے۔

شاپ جی میں میں سے کہا کرتا تھا کہ شاپ صاحب میرے اندر تو عقیدت ہی عقیدت ہے

اگر قدرت اللہ شاپ ہند میں آخری باب کا اضافہ نہ کرتا تو میں الکھ نگر لکھنے پر مجبور نہ
 ہوتا۔

میں قدرت اللہ سے اس لیے سنا نہیں ہوا تھا کہ وہ بزرگ تھا یا اس لیے کہ اس کی زندگی
 میں چوتھی ست کو دخل حاصل تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ بڑا انسان تھا۔ اس کا مسلک محمد پڑ
 (Mohammad Hood) تھا۔

وہ قدم افغان سے پہلے سوچا کرتا تھا کہ ایسے حالات میں حضور علیہ السلام کا رد عمل کیا ہوتا۔ اس
 کے نزدیک افضل ترین مہارت (Identification with Mohammad) تھی۔

اس کتاب کے پہلے تیس باب اعلیٰ کی زندگی کا حائل ہیں۔ اس کے بعد میری زندگی میں
 کا پلاٹ قسم کی تبدیلی واقع ہوئی اور پھر اعلیٰ کی قدرت اللہ شاپ کے گرد گھومتی رہی۔

اس کتاب میں واقعات کو حائل کے مطابق نہیں بلکہ موضوعات کے مطابق تحریر کیا گیا
 ہے۔ حائل کے مطابق لکھتا تو یہ کتاب ڈائری کی شکل اختیار کر لیتی۔ یہ بات مجھے پسند نہ تھی۔

موضوعات کے مطابق لکھنے میں کہیں کہیں زبان و مکان کی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔
 ۱۹۵۶ء سے میں نے باقاعدہ ڈائری لکھنے شروع کی تھی۔ اس کتاب کا قدرت اللہ شاپ
 سے حلقہ حصہ ہوا اور ان سے اسے لکھ دیا گیا ہے۔

میں نے اپنی دیگر تحریروں میں اپنی آپ بینہوں کا جبکہ جبکہ تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب
 میں مجھے ان واقعات کو دہرا دہرا دہرا ہے۔ ایک مجبوری تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

شدت ہی شدت۔ میں عقیدے اور توازن سے محروم ہوں۔ جو چیز میرے اندر ہی موجود نہیں وہ میں کیسے پال سکتا ہوں۔

شباب صاحب عام بزرگوں کی طرح نہ تھے وہ دانشور بزرگ تھے۔ وہ محبت کو برداشت کرنا جانتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ ٹیڑھی لکڑی کو زبردستی سیدھا کیا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

لگتا ہے وقت کے بعد وہ زیادہ فعال ہو گئے ہیں زیادہ پر اثر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میرے دل میں وہم پیدا کر دیا کہ جب تک میں عقیدے پر کتنا چپہ نہ لکھوں گا تجھے چھٹی نہیں ملے گی۔ چونکہ میں جاننا چاہتا ہوں اس لئے مجبوراً میں نے عقیدے کا مطالعہ شروع کر دیا۔

مشاہیر نشر و اشاعت کا خیال ہے کہ شباب نامہ گزشتہ پانچ سال میں بسٹ سِلر (Best Seller) رہا ہے ایک اندازے کے مطابق گزشتہ پانچ سال میں شباب نامے کی ایک لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ اسلام آباد کے ایک مقامی کتب فروش کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ساڑھے چار ہزار جلدیں فروخت کی ہیں۔

شباب نامے کے حوالے سے الکھ نمبری کی فروخت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سبک میل نے الکھ نمبری کی پہلی ایڈیشن جو دو ہزار کاپیوں پر مشتمل تھی ۱۹۹۲ء میں بڑی محنت اور محبت سے شائع کی تھی۔ دوسری ایڈیشن انہیں دسمبر ۱۹۹۳ء میں شائع کرنی چاہیے تھی لیکن سبک میل کا مصنف کے ساتھ معاہدہ کرنے کا رویہ بدل گیا ہے، معاہدے میں وہ کاپی رائٹ کو رہن رکھ لیتے ہیں۔ یہ بات مجھے گوارہ نہ تھی۔ اس پر قدرت اللہ نے گورے کو میرے پاس بھیج دیا۔ لہذا اب دوسری ایڈیشن طاہر اسلم گورا اپنے اشاعتی ادارہ گورا پبلشرز، پیش کر رہے ہیں۔

ممتاز مفتی
جون ۱۹۹۵ء

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پاکستان



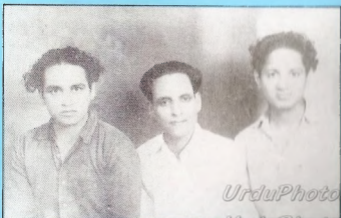
خوشید بیگم (بیگم اشفاق حسین)

۱۔ ہوں نہیں ہوں

۲۔ ۲۶ ہندیاں

۳۔ پرمیلا، پریتے، شکنتلا

۴۔ شاہ کا کو کا بارکا



اشفاق حسین (۱۹۲۳ء) ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

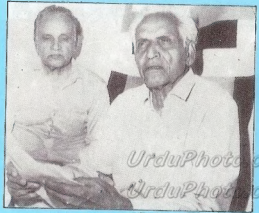
اہوں نہیں ہوں

وہ رہ کر مجھے خیال آتا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان کیوں چلا آیا؟ ملائکہ، بمبئی میں مجھے ہر ایک کانٹریکٹ مل چکے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ہزاروں روپے کمانے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود میں بمبئی میں مسلمان نہیں تھا۔ ساسلہ اکھوا اکھوا کر رہا تھا۔ لاہور بھی کر رہی یوں مسلمان ہو گیا تھا جیسے کبھی گھونسلے میں آ بیٹھا ہو۔ ملائکہ لاہور میرا کوئی گھر نہ تھا۔ ذریعہ معاش نہ تھا کیا میں اس لیے مسلمان ہو گیا تھا کہ پاکستان میں آ گیا تھا۔ میں یہ کہہ سکتا تھا۔ مجھے پاکستان سے کوئی لگھو نہ تھا۔ میں نے کبھی پاکستان کو اپنا یا نہ تھا۔ جب قیام پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو میں حیران ہوا کہ آقا کا کہنا تھا کہ مسلمان پاکستان بنانے کے لیے کیوں تیار ہو رہے ہیں۔ ملائکہ مجھے ابھی طرح شعور تھا کہ ہندوؤں کے دل مسلمانوں کے خلاف تھے۔ سب سے بڑھ کر وہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کسی میدان میں آئے۔ ہندوؤں کے دل کے واسطے میں رکھ نہیں سکتی کہ ہندو اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے قیام پاکستان سے نفیس ہو رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ میں نے خود کو کبھی مسلمان نہ سمجھا تھا۔ میں اپنے تمام مسلمان قلم، مہم، شہری کا مسلمان۔

میرے دل میں ہندوؤں کی بڑی عزت تھی۔ بحیثیت قوم وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی فکر تھا، احساس تھی، عقل تھا، دھرم رکھو تھا، استقامت تھی۔ وہ مسلمانوں کی طرح ہندوئی نہ



ممتاز مصطفیٰ (۱۹۴۷ء)



تھے۔ جوش میں نہیں آتے تھے۔ اپنی مومن دونوں سروں پر چلانے کے شوقین نہ تھے۔ میرے ذہن میں سیاست کا غلطہ سرے سے غلط ہے۔ سیاسی خبوں سے مجھے قطعی طور پر دلچسپی نہ تھی۔ سرسری طور پر سرخیوں پڑھ لیتا اور متن کو نظر انداز کر دیتا۔ مسلمانوں کے اظہارِ مذہب میں رنگے ہوتے تھے اس لیے میں روزنامہ شمعین پڑھا کرتا تھا۔ قاضی اعظم مجھے پسند نہ تھے۔ میں اس بھڑے قاضی و قادیان پر اس قدر خود اعتمادی اور اصول پرستی، اصول انسان کے لیے بنتے ہیں۔ انسان اصولوں کے لیے نہیں بنتا۔ سب سے بڑھ کر مجھے یہ اعتراض تھا کہ قاضی بھٹو بیکور تھے۔ مسلمانوں کی فلیڈ کی کرتے تھے، لیکن اسلام سے باخبر نہ تھے۔ فضیلت پر اسلام کا رنگ نہ تھا۔

مغربی مفکر

درحقیقت میں خود سیکولر خیالات کا مالک تھا۔ مذہب کو اچھا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے مذہب پر شرمسار تھا۔ میرے دل میں شک و شبہات ہوں جن جن کرتے جیسے بھڑوں کا چمٹا لگا ہو۔ یہ چمٹا میں نے بڑی محنت سے چلا تھا۔ مغربی علماء نے میری رہبری کی تھی۔ کالج میں میں ایک خاکسار لڑکا تھا۔ مشکل سے بی اے پاس کیا تھا۔ پھر محبت کا ایک بہت بڑا بلبل پھانسا تو غم فراق کرنے کے لیے اتفاقاً میرے ہاتھ کتاب لگ گئی اور میں مطالعے میں ڈوب گیا۔ یہ ایک اور قرار تھی۔ علم حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ اس نائنٹھ میں اردو کی کتابیں عام نہ تھیں۔ سکولوں میں اردو صرف آٹھویں جماعت تک پڑھائی جاتی تھی۔ نویں جماعت میں اردو زبان لازمی نہ تھی۔

کالجوں میں اردو زبان سرے سے رائج ہی نہ تھی۔

مشرق زبانوں کی درسگاہیں لگ گئیں۔ اے اے کے بعد تو اہل کرنے کے بعد صرف انگریزی میں بی اے پاس کرنا پڑا تھا۔ پھر کمر لیا۔ اے اے کی ڈگری حاصل ہوئی تھی۔

اپنے ظاہر کو جو مشرقی علوم کے بعد بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرتے تھے۔ اور انجمن تفسیر دلیا، مینشیا اکا جاتا تھا۔

میں مشرقی زبانوں اور ادب سے قطعی طور پر کور تھا۔

اس لیے میرا مطالعہ صرف انگریزی تک محدود تھا۔

اور کے علاوہ جو تک اس کی حیثیت قرار کی تھی۔ اس کی کوئی منزل نہ تھی۔ سرت نہ تھی۔

اس مطالعہ سے مجھے صرف ذہنی آوارگی حاصل ہوئی۔ میرے خیالات سیکولر ہو گئے اور میں

نہایت دور ہو گیا۔

اللہ میاں

میرا ذہن مغربی مفکروں نے ترحیب دیا تھا۔ جس گھر میں میں نے پرورش پائی تھی۔ وہاں اللہ کا نام بچوں کو ڈرانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل کہیں نہ نہ یہ نہ کہو اللہ میاں ناراض ہوں گے۔ داری لیں کہیں ایسا کرے تو اللہ میاں غصے ہوں گے۔

ان دنوں میرے ذہن میں تو اللہ کا تعظیم تھا اس میں دو آئیں چش چش تھیں ایک تو اللہ ہماری بہت بڑے تھے۔ بڑے زبردست تھے دوسرے وہ بڑے خود مجھے تھے بات بات پر ناراض ہو جاتا کرتے، لیکن اللہ میاں کی ناراضگی کی دھونس بیڑوں پر نہیں صرف بچوں پر چلتی تھی۔ پھر یہ اہل تھا کہ گھر میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ میاں اس بات پر خوش ہوتے ہیں۔ بچوں لگتا تھا کہ اللہ میاں خوش ہو جاتے ہی نہ تھے۔

کتاب میں داخل ہوا تو وہاں جا کر اللہ میاں کی ایک اور بات ظاہر ہوئی۔ پتہ چلا کہ اللہ میاں نے ایک دماغ تخلیق کر رکھا ہے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی بھٹی تیار رکھی ہے اور ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ بھڑوں کو پکڑ پکڑ کر اس بھٹی میں ڈالنے جائیں۔

لیکن یہ ہوا کہ ذہنی میں میں ذہنی طور پر اللہ کا شکر رہا اور مذہبی طور پر اللہ سے خوف زدہ رہا۔ عقل ہی کہ میری شخصیت کا بنیادی جذبہ خوف تھا۔ میں ایک ڈرا ہوا سما ہوا تھا۔ اگرچہ اللہ ہی تھا۔ یہ خصوصیت صرف بچپن پر محدود نہ تھی۔ زندگی بھر میں ایک ڈرا ہوا سما ہوا فرد رہا۔ رات بھر ڈرتی اور میرا چمٹا جانا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا اس وقت خدا یاد آ جاتا کہ دن کے

اجالے میں خدا کی کوئی حیثیت نہ رہتی۔ بلکہ دن کے وقت میں خدا کا مقام اڑا کر آقا محمد
لاہور پہنچ کر دوسرا جذبہ جو میرے دل میں پیدا ہوا۔ حیرت کا تھا حیرت کی بات تھی کہ میں
صحیح سلامت لاہور کیسے پہنچ گیا۔ پہنچنے کے امکانات بہت کم تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس
خیال کو توجہ سے ہٹا دوں۔ دوسری باتوں کی طرف توجہ مبذول کروں، لیکن بنتا میں اس خیال کو
ذہن سے نکالنا ہی وہ مسلما ہو نہ تھا۔ نہیں ایسے کیوں ہو تھے، لیکن ایسے ہو تھے۔ خوف، باتو
خطرے کے آنے سے پہلے اور یا اس کے گزر جانے کے بعد پیدا ہو تے تھے۔ خطرے کے وقت
انہیں چند ساعت کے لیے بے خوف ہو جاتا ہے۔ غلو گزر چکا تھا لیکن اب اس کی ایک ایک
تفصیل میرے ذہن میں آ رہی تھی۔ خوف طاری ہو رہا تھا۔ خوف اور حیرت۔ وہ کوائف جو
خطرے کے دوران دھندلے پڑ گئے تھے۔ اب وضاحت سے سامنے آ رہے تھے۔ سوچنا۔ قتل و
خون کے اس جھگڑے میں میں کیسے نکلنا۔ حیرت بدھتی جا رہی تھی۔

اتفاقات

میں مجبور کو میں ٹرک لے کر لاہور سے ہٹا چکا تھا جو چٹا کوٹ روڈ پر امرتسر ۲۴
میل دور۔ ضلع گورداسپور میں واقع ہے اور جو خلاف اصول خلاف توقع ہجرت میں شامل کر دیا
گیا تھا تاکہ اپنے والدین بھائی بہنوں اور بیٹے کو پاکستان لے آؤں۔ ہٹانے کے بعد وہاں نے
اعلان کر دیا تھا کہ وہ ہمیں تجربے کے بعد مسلمانوں کو سمجھ لیں گے۔ پہلی آنکھ کو ہٹانے کے
مسلمانوں پر بہت برا حملہ ہونے والا تھا۔ اگرچہ تقسیم چودہ اگست کو ہو چکی تھی، لیکن شر میں
مسلمان فریئر فورس مقیم تھی تیسے تجربہ کی رات کو وہیں سے ہٹایا جانا تھا۔

اگر میں ایک دن کی تاخیر سے ہٹانے پہنچتا۔ سنہیں مٹنے کی ایش سے ایش نہ ہائی جا چکی
ہوتی۔ اور وہاں جلتے ہوئے دھیرے سوا کچھ باقی نہ ہوتا۔ میرا بچن وقت پر پہنچ جانا کیا محض اتفاق
تھا۔

پھر جب ہم ٹرک میں سوار ہمارے سے امرتسر کی جانب آ رہے تھے تو سڑک پر کوئی بلوائی نہ
تھا صرف کوئے تھے، کتے تھے، چلیں تھیں اور گدھے تھے، جو سڑک پر پڑی ہوئی لاشوں کو جھنجھوڑ
رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بلوائیوں کو اٹھانے کی بجلی تھی کہ گورداسپور سے مسلمانوں کی

اور اللہ کی زمین آ رہی ہے۔ یہ خبر سن کر تمام بلوائی ریلے لائن کے دو سو پتھاروں سے ٹرین
کی رفتار میں کھڑے تھے۔

اس نے باتوں میں درختوں کی شنیلیں اٹھا رکھی تھیں تاکہ دور سے جھانپوں کی قطاریں
معلوم ہوں۔ سڑک سے ریل کی لائن صاف نظر آتی تھی۔

بلوائیوں نے ہمارے ٹرک کو سڑک پر چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ دیکھ کر نعرے بھی لگائے تھے۔
اتفاق ہمارے سے جانے نہ پائے، لیکن وہ دھڑکتے تھے کہ اگر سڑک کی طرف آئے تو ریلوئی ٹرین
انہیں نکل جائے گی۔ ٹرین میں سوار ہزاروں مسلمانوں کو تھپ چھ کرنے کی لذت کے مقابلے
میں ٹرک کے چند ایک مسلمانوں کو قتل کرنے کی کیا حیثیت تھی۔

وہ ریلوئی ٹرین نکل آئی تاکہ اگر اس روز ریلوئی ٹرین کی آمد نہ ہوتی تو ہم سب کی بوئیاں
کھلی ہوئی ہوتیں۔ کیا یہ بھی ایک اتفاق تھا۔

پھر جب ہم امرتسر میں داخل ہو رہے تھے تو سپاہی نے ہاتھ دکھا کر ہمیں روک لیا تھا اور
اتفاق سڑک کے پہلو میں پیچھے ہوئے بلوائیوں کو انتشار کر دیا تھا۔ بلوائی ٹرک کی طرف دوڑے
تھے۔ ہمیں کیا ہوا۔ چوک کے سپاہی کی جگہ ایک دوی ٹوٹی والا اُبھر آیا۔ اس نے ہمارے
کو رامت دے دیا تھا۔ ٹرک چل پڑا اور بلوائی پیچھے رہ گئے۔ پھر ٹرک ڈرامپور نے جو ایک
تھا۔ ٹرک کو سڑک سے اٹار کر کھیتوں میں ڈال دیا تھا۔

وہ دوی ٹوٹی والا کوئی تھا۔ سکھوں نے گڑھ میں دوی ٹوٹی۔ بات میری سمجھ سے بالاتر
امرتسر سے اٹاری تک یہاں وہاں سکھوں کے جتنے موجود تھے۔ وہ ٹرک کو دیکھ کر ہچکچاتے
تھے۔ کہتے تھے۔ کراہیں ہلاتے تھے، لیکن کسی نے ٹرک پر حملہ نہیں کیا تھا۔ کیوں۔ وہ
بھی کھڑے تھے جیسے کسی نے ان کو کیل دیا ہو۔

کیا یہ سب اتفاقات تھے۔

پھر مجھے بھی سے لاہور آنے سے متعلق تفصیلات یاد آجائیں۔

میں انہی بھیرور مجھے قتل طر پر طم نے تھا کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی پاکستان کو جانے
داغے نہ کر دیے جاتیں گے اور مسلمانوں کے قتل و خون کا بازار گرم ہو جائے گا۔ یہی

میں ہمارے پاس روپیہ ختم ہو گیا تھا۔ ضروری تھا کہ لاہور جا کر پالشیر سے رقم حاصل کی جائے۔
میں نے احمد بشیر سے کہا تم چلو۔ وہ نہ مانا لہذا مجھے خود لاہور آنا پڑا۔ وقت یہ تھی کہ دہارے پاس
کرایے کی رقم بھی نہ تھی۔ لہذا اصرار مانگنا پڑا۔ پہنچتی میں لوحار حاصل کرنا آسان کام نہیں۔
جس گاڑی سے میں لاہور پہنچا۔ وہ آخری گاڑی تھی۔ اس کے بعد امرتسر سے لاہور کا
راستہ بند ہو گیا۔ سارے شروع ہو گئے اگر قرض حاصل کرنے میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی تو میں
کبھی لاہور نہ پہنچ پاتا۔ اگر میں لاہور نہ پہنچتا تو ترک لے کر مٹلے نہ پہنچ سکتا تو میں ممکن تھا کہ
میرے تمام عزیز مٹلے میں ہی ختم ہو جاتے۔
اسنے سارے اتفاقات۔

میری حیرت یہ جوتھی جاتی تھی۔ اگر میرا اللہ ہو تو کہتا کہ یہ سب لفظ کا کرم ہے۔
یوں حیرت شکرگزاری کے جذبات میں بدل جاتی تھیں میرے ذہن میں اللہ کے کرم کا کوئی
مفہوم نہ تھا۔ لہذا میں حیرت کے سمندر میں ڈبکیں کھانا رہا کھانا رہا۔

لاہور

یہ ان دنوں کی بات ہے جب برصغیر دورہ میں جہلا تھا۔ پاکستان کی پیدائش کا اعلان ہو چکا
تھا۔ لیکن عمل جاری تھا اور یہ عمل اس قدر حیران کن لڑتے ناک اور خوشیوں تھا کہ مسلمان
شاک کے عالم میں تھے۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔
مسلمانوں نے کئی سال آزادی کی جدوجہد میں گزارے تھے اور اب ان کی کوششیں
کامیاب ہو چکی تھیں۔ وہ آزادی کی جدوجہد میں اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے کبھی سوچا
ہی نہ تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو دشمن انتہائی کارروائی کر سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر
بھی توجہ نہ دی تھی۔ کہ دشمن منصوبہ بندی سے کام لے رہا ہے اور اپنے چٹان کو عملی صورت
میں لا رہا ہے۔ وہ شیخون مار کر قیام پاکستان پر ضرب مار سکتا ہے۔ ایسی ضرب ہو تو دنیا بھر ملکیت کو
اس قدر کمزور کر دے کہ وہ سارے سال اپنے قدم تھالے میں ڈھلے رہے۔ اس شیخون کی وجہ
سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہنگامہ لاہور کی طرف تھا۔ لاہور
ذہان کی بو سے متھن ہو رہا تھا۔ امرتسر اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں نے وہ وہ کچھ دیکھا

دیکھا کہ ان کے گاہوں پر دغا بگی مسلط تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کو لٹا رہے تھے۔ انتقام
لے لیتے تھے۔

میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا شکر کا چاند لے رہا تھا۔ سڑکیں مسلمان پڑی تھیں۔ چاروں
اٹھ رہی تھیں۔ یہاں وہاں لاکھ لاکھ لوگ سر ٹھکائے چل پھر رہے تھے۔ بد کہیں کہیں
پھر بھی نہ گھر لے آئے تھے۔

لاہور نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔ دن بھر خاموشی چھٹی رہتی۔ لمبے وقتوں کے
بعد آواز سنائی دے جیسے بہت سے لوگ چل رہے ہوں چٹکناڑ رہے ہوں اور پھر سے ہمایاں
کھینچ رہے ہوں۔ رات کے وقت چار چار آوازیں سنائی دیتیں۔ گولیاں پلٹیں۔ پٹاٹے چھوٹتے۔
تھپ تھپ کی آوازیں سنائی دیتیں اور پھر ڈروائی خاموشی طاری ہو جاتی۔

ایک دن تو میں چھت پر کھڑا ہو کر یہ مقرر دیکھا کہ پھر ایک روز گھر وار کر باہر نکل گیا۔
میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں ایک کھٹکھٹ گنگ جاتی۔ اس تکلیف دہ کھٹکھٹ سے
میں باہر نکل گیا۔

میں نے اس کوئی رولہ کر چکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ڈرا ڈرا سا سما۔
میں نے اس میں کہیں کہیں لاشیں پڑی تھیں سڑکیں تھیں۔ تھپوں میں خون جما ہوا تھا۔
میں نے اس کو ہار پکا رہے تھے۔ وہ اشتعال پر ناک تھے۔ یہ بھی خوف کی ایک صورت
تھی کہ وہ ان کے ان تھے فرد سر چھپائے گھر بیٹھا تھا۔

میں نے ان کے ایک گروہ سے میرا راستہ روک لیا۔ مجھے سارنگیل سے انکار لیا۔
میں نے ان کو ان کے ہائی سٹک گھماتے ہوئے پوچھا۔
میں نے اس سے مطلب میں نے فٹے میں کہا۔
میں نے ان سے پوچھا۔
میں نے ان کے ایڈرے کہا نہیں تو۔

جیسے خوف نے چٹائی پر رکھا ہو۔ باہل خانہ میں ڈبے کی طرف بڑھ کر دروازے میں رک گیا۔ وہاں خون کا چھڑکا ہوا قتلہ سامنے ایک بوڑھی عورت چٹوڑی کی طرح پڑی تھی۔ آنکھیں چڑھائی ہوئی تھیں دونوں ہاتھ پیٹ پڑے تھے۔ سامنے پیٹ سے نکلی ہوئی آنکھوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دیر تک میں بڑھیا کو گھورتا رہا خون کی بو سے طبیعت ہلش کر رہی تھی۔ سر پکڑا رہا تھا۔ نظروں سے اوجھل رہی تھی۔ گاڑی کے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی دروازے میں کھڑے کھڑے ڈبے کا جائزہ لیا سارے ڈبے میں کتے ہوئے گوشت کی ڈھیریں لگی ہوئی تھیں۔ دو ڈنڈے اوپر جھنڈے سے لٹک رہے تھے دو کتے ہوئے سرفروش پر لڑھک رہے تھے۔ ایک چھبک سے لٹک رہا تھا۔

گھبرا کر میں باہر نکل آیا اور پلیٹ فارم کی ایک بچہ پر دھڑام سے گر گیا۔ مٹی کیا ہو رہا تھا۔ پلیٹ فارم گھوم رہا تھا۔ دیکھا جا رہا تھا۔ جب طبیعت سنبھلی تو قریب ہی سے آوازیں سنائی دیں یہ گاڑی شلے سے آئی ہے۔ سنٹرل گورنمنٹ کے ملازموں کی گاڑی ہے۔ قریب ہی دو شخص آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ یاد ہے جب لاہور سے ہندو گورنمنٹ سروس کی گاڑی مٹی خسی تو ان کے گلوں میں بار والے گئے تھے۔

شاہد شیلے میں ان کے گلوں میں بھی بار والے گئے ہوں۔ ہاں۔ اور ساتھ ہی امرتسر کے غزٹوں کو بھیار کر دیا گیا ہو کہ جتنے نہ بنیں۔ یہی ہندو مسلمان کا فرق ہے مسلمان اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے ہندو دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔

ہر دو لعنت ہر دو لعنت میرے دل سے آواز آئی۔ میں اس وقت ایک شخص گاڑی سے نکل کر بیٹھنے لگا۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ اس کے منہ سے کٹ جا رہی تھا آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

چند نہیں اس وقت مجھے کیا ہوا۔ میری مٹھیاں از خود بند ہو گئیں۔ ہاتھ ہوا میں لڑ گیا۔ کوئی بچہ نہ جانے میرے منہ سے جیسی نکلی اور میں جوش میں اٹھ گیا۔ میری کتھیاں پھڑک رہی

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

உதயசுந்தரி

۱۰۱- اگر با قتل گلیاں یک دہاقتل اندر ہم سب پر گھبراہٹ طاری تھی، لیکن فکر

پاس آیا بولا آج سے میری ذمہ داری ختم۔ اگر وہ اندر آکر فکر کے پیٹ

وہی تو مجھ پر الزم نہ دھریں

میں نے ان کے کارکنوں نے پوچھا۔

... دوسری ہے وہ بولا۔ ساتھ ہی فکر کی طرف اشارہ کیا۔

بازاروں میں گھوم رہے ہیں۔ امرتسر میں ہزار ہا مسلمانوں کو = قتل کر دیا

انہوں نے غلوں کو آگ لگا دی کئی دوکانوں کو لوٹ لیا ہے۔ جو بیج کر رہے ہیں

تجھے والے کہہ رہے تھے۔ اسے ہندو شاف کو نکال دو، خیر، تو ہم دیکھیں۔

یہ کہہ کر میمنجر سر پہاڑ کر بیٹھ گیا۔ چلو فکر تو نسوی میں نے کیا۔ چلو گھر

۱۱۔ میٹر پاپا۔ اسے ساتھ لے کر باہر لے توں تم کو بھی چھرا کھوپ دیں گے۔

بلکہ خوف کی انتہا تھی۔ خوف حد سے بڑھ جائے تو انسان ڈسٹریٹ

$$-\frac{1}{4}(\psi^2 + 1)$$

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 84

تو کیا اس نے پوچھا۔

تو تم کیا کرو گے۔

کچھ بھی نہیں وہ یوں۔

اگر فصلات یونہی پڑھتے گئے تو۔

پڑھتے جائیں اس نے بے پرواہی سے کہا۔

تم بھارت جانے کا تو نہیں سوچ رہے۔

میں کہیں جاؤں گا۔ میں اسی دھرتی کا پوتا ہوں اس نے جواب دیا۔

واقعی فکر تو نسوی اسی دھرتی کا پوتا تھا۔

جس ادارے میں ہم دونوں کام کرتے تھے اس کا ہنگ چودھری برکت علی ایک وسیع القلب

تھانہ کا کڑواہات کا کھرا نور منہ پر آئی کہہ دینے والا۔

اگر تم نے فکر تو نسوی سے کیا تھا۔ فکر تم ہمیں چھوڑ کر جانا چاہو تو بے شک جاؤ تمہاری

میں، لیکن ہم ہمیشہ کے لیے تمہیں پاس رکھیں گے۔ اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ کسی کی

ات نہ ہو گی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

بچہ ایک روز فکر متکر نظر آ رہا تھا۔ چونکہ جس ہندو محلے میں وہ رہتا تھا وہیں کے سب لوگ

دلت جا رہے تھے۔ یہ سلطان تھا کہ اس کے چہرے پر فکر کے آثار نظر آئے۔

جس ایک روز کے بعد دفتر کی سہ ماہی سڑک پر ٹھنڈے راولپنڈی کرنے لگے تھے۔

لہذا اے کامیاب کٹر قسم کا مسلمان تھا۔

میں اندو اور مسلمان لڑ رہے ہوں۔ ملک نے کہا تو میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کس
 نے کہا ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ یہ نہیں پوچھوں گا کہ کون حق پر ہے۔ پوچھئے بغیر سوچئے۔ کبھے بغیر اندو کو
 اندو کہنا شروع کر دوں گا۔

میں اندو کہتا ہوں کہ جو تعصب سے بھرا ہوا میں نے پوچھا
 ہے۔ وہ تعصب مسلمانوں کے حق میں تعصب غیر مسلم کے خلاف تعصب۔

سائیکل چلاتے ہوئے میں نے اپنا منہ باہر نکالا ہوا تھا اور باہر تکہ رام لال کے
 پیچھے چھپا نہ رہے۔ میرا چہرہ چلا کر کتا رہے میں مسلمان ہوں۔ یہ میرے آگے بیٹھا ہوا شخص
 ہندو سی، لیکن میں مسلمان ہوں۔ میرا خیال رکھنا
 میں ایسے راستے سے گھر کو جا رہا تھا جہاں جھوم سے لٹھ بھیڑ ہونے کا امکان نہ تھا۔ پھر بھی

اس وقت دوبارہ آؤ۔ گھر میں بڑی چھری موجود ہے پھر جو میں نے دیکھا تو میں لالہ جی کو لے کر اس کے پاس کھڑا تھا ہاتھ میں روٹی کا ٹکٹ تھا۔ دو روٹیاں لوہہ والی۔

۷۔ مسلمان نہیں مسلمان بڑوں نہیں ہوتا ڈر ہو کہ نہیں ہوگا۔

میں نے آواز اٹائی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوائی کرے۔

مصدق تو ایک مضمی چیز ہے۔ مقصد تو ہندو کو قتل کرنا ہے۔ مصدق تو مجبوراً لہا جاوے گا۔

آدمی رات سے پہلے یہاں سے باہر نہ نکلتا اور دیکھو یہ دھوئی اجڑ

۱۱۔ اگر لٹور چادر کی طرح پٹنہ لو۔ لالہ میرے پاس پڑ گیا۔ بھگوان تسلیم اہلا کرے۔

اے بڑے ہوئے ہاتھ۔ اس کی گود و زاری۔۔۔۔۔ نہیں نہیں میں بوجھایا۔

اور نگہ کے دروازے کے قریب ایک لائوٹل رہا تھا۔ اسے یہ تو کتابیں ہیں۔ میں

۱۔ قرنی کی اور کتابیں دیکھئے لکھ۔ سلسلہ لایف ان، سموما۔ کیتا سنجا، راجا پشاپور،

مہراج میں اہل دہلی ہوں۔ دہلی سے یہاں چھاپٹیا ہوں۔
یہ کیا ہے میں نے کالے صندوق کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ پیشاب ہوا تھا یہ میرا سامان ہے

مہاراج۔ بس یہی میری بات ہے۔ سارے جیون میں بس یہی کہتا ہے۔
ہوں، میں نے چھاتی پہلا کر کہا۔

امرتسر کو کوئی گاڑی نہیں جاتی، میں نے چولپ دیا۔

یہ کہہ کر وہ میرے پاؤں پر گیا۔

لہذا اٹھ کر رونے لگا۔

سیالکوٹ کی گاڑی کس وقت جائے گی مہاراج۔ رات کی گاڑی ہو۔ آدھی رات کی۔
میں۔ (کھانا ہلکا)۔ ابھی آؤں گا۔ تم یہیں بیٹھے رہنا یہاں سے ہٹنا نہیں۔

میں شیخ کی طرف چل پڑا۔ کانا صندوق میرے سامنے معلق ہو گیا۔ پھر اس کا ڈھکنا کھل گیا۔ وہ سونے کے زوارات سے بھرا ہوا تھا۔

کوئی بچ کر نہ جائے میرے دل سے آواز بلند ہوئی۔
.....

میں بھاگ کر سانگیل پر چڑھ گیا۔ سانگیل کے نیچے چھپنے لگے میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔

بنا ہوا شے میں بیچ رہا تھا انہوں نے امرتسر میں قرآن پاک جلائے تھے۔ حدیث شریف کو آگ لگا کی تھی۔

میں چھری لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے خود کو تباہی آج رات کے بعد کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔

.....

انہوں نے ریلوئی کیمپ بنا دیا ہے، میں نے کہا۔

واللہ اعلم، اس کا چوروہ عمل سے خلی تھا۔

پانچ سو آدمیوں کی سی میں ریلوئی کیمپ کی طرف جا رہے تھے جہاں ہندوؤں کے لیے فوج کا

.....

.....

.....

.....

ابو الہر شہزادوں کی تھی۔

ابو الہر ایک خصوصیات تھی۔ خوش شکل تھی۔ اچھی پوشاک پہنتی تھی۔ سزا
 دینے کے فن میں ماہر تھی۔ انہیں بٹے سنور نے کاشق قبا۔ بن سنور کردہ میاں کو
 دیکھ کر رنج و غصہ میں مبتلا تھی۔ اسی وجہ سے انہیں ابو الہر میں شہزادوں کی چلتی تھی۔

کی عزت کا سوال ہے۔ اگر ہم گاڑی کو نہ روک سکے تو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔
 گویا ان کے لوگ بیٹے دیں گے۔

.....

فلسفہ میں آئیں۔

اگر آپ اس کچھ ہو اور شیخوں کو کچھ علم نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آئندہ سے ایسا نہیں

اپنی خلقت کا احساس قسوں میں خوں دوڑاتا ہے۔ کل گال ہو جاتے ہیں۔

پھر میں برکتے کہتی۔ آخر ہم نے ہندو دھانوں کو بھی پتلا کیا ہے۔ وہ تو مشکل کام تھا۔

گاڑی کو پتلا دینا مشکل تو نہیں۔

اگرچہ یہ

اگرچہ یہ خبر پھیل گئی کہ ہندو رنچو جیوں کی گاڑیوں کی آمد ملتوی ہو گئی ہے
اس لیے ان سے مسلمان زفیوں کی گاڑی آرہی ہے جو سیدھی جہلم جائے گی۔

اسی سے کم ہوئی تو بات میں بنے گی۔ جگ ہنسائی ہو گی۔

جب اشفاق اور میں اماٹے میں پہنچے تو حلف اٹھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی۔

اشفاق حسین کو دیکھ کر اندر ہنیر کا خوش و خروش اور بڑھ گیا۔

۔ شاہ کی شیش ماسٹر صیلا پڑ گیا۔ گاڑی کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کا دستہ ہو گا۔ وہ قاتل

کو مار دیا۔ کچھ لیں گے۔ شاہ نے کہا اور جھانڑیوں میں چھپے ہوئے لوہوں کو اشارہ کیا۔

اللہ ستر لوہوں باتوں میں کھا لیا اٹھائے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے یات

کہا۔ ستمل ہوتے ہی ہمیں شیش پر رش کرنا ہے۔
وہ دیکھو احمد بشیر نے کہا شاہ شیش پر پہنچ چکا ہے۔

شاہ لور میجر

میں بھی ہوں شاہ نے جواب دیا۔

گاڑی آگے جانے کی میسر چلایا۔

دھاری لاشوں پر آگے جانے کی۔ صوبے نے تقری گانگ سے ہٹ لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ پرواہ میں مجبور لاپاہے لاشوں پر جانے مگر جانے کی۔

مسلمانوں کی بیسیوں گاڑیاں کٹ چکی ہیں شاہ نے کہا۔

یہ گاڑی ہر حال میں کٹنے کی مجبور لاپاہے۔

ہم مسلمانوں کے خون کا بدلہ لیں گے صوبے نے کہا۔

ہم قازق کاکھم دیں گے۔ مجبور لاپاہے۔

دسے دو حکم۔ شاہ بولا ہم تمہاری ہندو قوتوں سے نہیں ڈرتے۔ یہ کہہ کر شاہ نے اللہ اکبر کا

نعرہ لگایا۔ جواب میں سرنوجوانوں کے غرے سے کبھی لرز گئے۔ نوجوانوں نے پیٹھ کر فوجی

سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا۔

گاڑی میں سے آدھان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اندر ہندو بھائی چچ دی تھیں۔ باہر حملہ آور

چنگھاٹھ رہے تھے۔ درمیان میں میجر فیسے سے ہٹ کر رہا تھا۔

کھولو قازق شاہ نے کہا میں چلایا۔ مسلمان لادھر فوجوں کے ہاتھوں کٹ رہے ہیں لادھر فرض

شناس افسروں کے ہاتھوں کٹیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اس کے منہ سے کلف جاری تھا۔ مارو

مسلمانوں کو مارو۔ لاشوں کے پٹے لگا دو۔

میجر غاسوش کھڑا تھا۔ سپاہی اوڑھے ہوئے تھے۔ نظر اموہ مجبور کو کٹ کر داخل ہوا۔

میجر وہ بولا۔ آگے دیں کی پشروی آگزی ہوئی ہے۔ گاڑی آگے نہیں جاسکتی۔

کہاں سے آگزی ہوئی ہے خوالد مار بولا۔

یہاں سے ایک ڈیڑھ میل دور صوبے نے جواب دیا۔

تمہارا مطلب ہے تمہارے قتلے کی حدود میں۔ جس میں یہ نہیں ہو سکتا ساری مصیبت

تمہارے سر پر آ رہے گی۔ پولیس کا ہیڈ کوارٹریل چلایا۔

مصیبت تو مسلمانوں کے سر پر پڑی ہوئی ہے۔ لادھر بھی کٹ رہے ہیں۔ لادھر بھی کٹ

رہے ہیں۔ لادھر تم کو اپنی فوجیوں کا ٹھہر ہے۔

لادھر لادھر نہیں۔ واپسی لگی ہوئی ہے۔ مجبور لاپاہے۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کوہلو۔ منہ ایک رپے ہو۔ شاہ بولا۔

ہندو ہاتھ جوڑ کر منتیں کر رہے تھے۔ حملہ آور اپنا جوش و خروش قائم رکھنے کے لیے چنگاڑا رہے تھے۔

دیہ تک خون خرابہ جاری رہا پھر حملہ آوروں کی توجہ لوٹ کی طرف مبذول ہو گئی۔
مندوق سوٹ کیس بستر تو کھریاں دھڑا دھڑ پٹ قارم پر ڈھیر ہونے لگیں۔

میری پتیاں

اس وقت اسی دے کا رونا دکھا جسے اشفاق اور شیر کلڑیوں سے گات رہے تھے ایک
لوچڑ مرکب بنی پھر گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک دول قابض جس میں چپاں تھیں۔
بجھان کے واسطے مجھے نہ مارو۔ بجھان کے واسطے مجھے نہ مارو۔ دول ہاتھ پاندھ کر ان کے
درد کو کمزور کر دیا۔ مجھے اپنے پاس رکھ لو۔ تو کرنا تو یہ مارو نہیں۔

وہ باغی گڑھوں سے اشتقاق کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے پیچھے پیچھے کسی ایک بی بی بھنڈو بدنام بدنامی کڑکڑوں میں آئیں وہ سب ہاتھ جوڑے تمسک کر رہی تھیں۔ بھگوان کا واسطہ دے رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر احمد بغیر کا جوش دم دم پڑ گیا۔ اتنا خون دیکھ کر اسے لڑا ہوا ہاش کرنے لگا۔ چاہتا تھا کہ اس منظر سے دور بھاگ جائوں۔

عمر رسیدہ ہندو نے جبکہ کراشٹھک کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ میں جلدی بھرتی سید اکبر کی
 سی۔ مجھے ساتھ لے چل۔

اشفاق لاول پڑھ رہا تھا۔ کیوں ہند کر۔ پیچھے ہٹ جا۔ وہ مصنوعی غصے میں چلا رہا تھا۔ اس لڑکے میں دو نوجوان اشفاق حسین کے قریب آکھڑے ہوئے۔ ایک نے ہاتھ بڑھا

ہندی کے ڈول سے ایک بڑی اٹھارہ منہ میں ڈال لی۔
ہندی شیرینی کی طرح اٹھ بیٹھی۔ میری پیٹیاں میری پیٹیاں وہ ڈول کی طرف لگی۔

لوگوں کا منہ جس نے بچی منہ میں ڈال لی تھی۔ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے بچی ہاتھ پر دی۔ بچی میں سے سونے کا بندہ نکل آیا۔ اسے وہ چٹایا ان پٹیوں میں سونے کے زیور پہنا

UrduPhoto.com

اشفاق نے کلمہ چھپ چاہا۔

ہم تینوں رک کے اور سڑک کے کنارے لگی ہوئی جہازوں میں چھپ گئے۔ جہازوں میں ایک اویسر عمر ہندی چھپی ہوئی تھی۔

جب ہم ایکس آپریشن پر آؤں تو اسی رات کا وقت ہو گا۔ بازار ویران تھا لیکن گھروں میں بتیاں جل رہی تھیں۔ لوگ جاگ رہے تھے۔ شیتائیاں ہاتھ پاء چلا کر بائیں کر رہی تھیں۔ جب شیتائیاں نے جہازوں کو پر اٹھے دئے کر شیش کی طرف رشت کیا تھا تو وہ بہت خوش تھیں۔

پھری شیریں

پھر صوبہ کی بن کے بھاڑا چلو دیا۔ اس نے سردار اس کو بتا دیا کہ صوبہ سردار ان چھرے اور کھانیاں و صوبہ دار رہا ہے۔ یہ سن کر شیتائیاں کو شک پڑ گیا پھر تو ہمارے صاف کہہ دیا کہ مسلمان رابطہ جیوں کی خبر تو جہازوں نے اس لیے اڑائی تھی تاکہ مزاحمت سے بچیں اور تصادم نہ ہو۔

اس پر شیتائیاں غصے سے لال ہو گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ ان کی توہین کی گئی ہے۔

انہوں نے گھر گھر پیغام پہنچا دیا کہ فیروں اور قاتلوں کو ذلیل کیا جائے۔ ان سے ایسا برتاؤ کیا جائے کہ عمر بھر یاد رکھیں۔

اگرچہ شیتائیاں قتل و غارت کے خلاف تھیں لیکن اس وقت ان کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ نوجوانوں نے گھروائیوں کی رضا مندی حاصل کیے بغیر قدم کیوں اٹھایا تھا۔ یہ گھروائیوں کے اقتدار کے خلاف سازش تھی۔ اگر اس کا سد باب نہ کیا تو ہن کی صدیوں پرانی برتری کی روایت ختم ہو جائے گی۔

اس کے باوجود گھروائیاں بیڑوں بھائیوں کے لیے فکر مند بھی تھیں۔ ہمیں چراغ لے دروازوں پر بٹھائی ہوئی تھیں۔ ہمیں کھڑکیاں ملے جہاں رک رہیں۔

نوجوان دانوں کے دل مرکز رہے تھے۔ لب خاموش تھے۔ اقتدار کی اہانت نہ تھی۔ جب ہم گھر پہنچے تو اشفاق کی بیوی ثور شید بیڑیوں میں کڑی تھی۔ اس نے خون

کھینچ کر لائی، اس کا ہاتھ لگا کر اٹھایا۔ اویسر عمر ہندی آہستہ آہستہ بیڑیوں پر بیٹھنے لگی۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی کو دیکھ کر سارا غصہ بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی اور اویسر عمر ہندی کے لیے دوسری دوسری دوپٹے پھاڑ کر پٹی بنانے لگی۔

اویسر عمر ہندی نے دشمنی کے مرام پٹی کے فارغ ہو گئیں تو انہوں نے حیرت سے اویسر عمر ہندی کی طرف دیکھا۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی پر کیوں جھٹی ہے۔

اویسر عمر ہندی نے حیرت سے بن کی طرف دیکھا۔ دوسری نے اٹھ کر اس کی طرف چلائی۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی کو دودھ نہیں پلایا۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ بن تو آرام سے بیٹھ۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ بن تو آرام سے بیٹھ۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ بن تو آرام سے بیٹھ۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ بن تو آرام سے بیٹھ۔

اویسر عمر ہندی نے اویسر عمر ہندی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ بن تو آرام سے بیٹھ۔

ہندنی مل جاتی تو اسے ساتھ لے آتیں اور کسی ذمہ دار شیفتنگ کے سپرد کر دیتیں۔ یہ لے ماسی انت
تو اپنے گھر میں رکھ لے۔ انہیں صرف ایک غلط فہم تھا کہ انہیں ایڈ میں کسی ہندنی کی آہود نہ لٹ
جائے۔

اس رات شیفتنگ کا چلوس انہیں آہاد کی گلی میں گھوم رہا۔
اس رات انہیں آہاد سے کل چھپیں ہندنیاں پر آمد ہوئیں۔

پرمیلا، پیتے، شکنتلا

آہاد میں ہندنیوں کی آمد نے مل جل چا دی۔

آہاد میں آہاد نے جب دیکھا کہ شیفتنگ نے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم
کچھ نہ کر سکتے۔

آہاد میں آہاد سب تو ہمار کی حویلی میں اکٹھے ہو گئے۔ بڑی باتیں ہوئیں۔ اتنی کہ ڈھیر لگ
گئی۔ آہاد میں درست فنی شیٹوں کا شیفتنگ سے مقابلہ جو ٹھن گیا تھا۔ سوئی یہ تھا کہ ہم کون سا
کھیل کر سکتے ہیں۔ ہر کسی نے اپنی اپنی تجویز پیش کی جس پر دل کھول کر بحث ہوئی۔

پرمیلا

آہاد میں آہاد میں انداز میں بولا، یعنی سیدھی بات ہے۔ شیفتنگ نے ہندنیوں کی
کھیل چلا دی۔ تو ہم لوٹ کاہل اکٹھا کرتے ہیں۔ ایک مل خانہ بناتے ہیں۔ جب لے پٹے
کھیل کر سکتے ہیں۔ آہاد کے توہن میں تقسیم کر دیں گے تاکہ وہ آہاد ہو سکیں۔

آہاد میں آہاد کے لوگ دلو دلو کرے گئے۔

آہاد میں آہاد کے انخلا کے بعد تو ہمار انہیں آہاد کا واحد سرمایہ دار تھا۔ اسے تقسیم

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

سے چندوں دلچسپی نہ تھی، لیکن لوٹ کاہل۔ کیا مصافحہ ہے۔ اپنی حیثیت کو معکم کرنے کا بغور موقع تھا۔

اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ شیخ نو مسلم تھے اور بیڑوں کے خواص ابھی ان میں باقی تھے۔ لیکن ہونا تو ہاتھ آگے بڑھتا۔ دینا ہونا تو ہاتھ پیچھے کر لیتے۔

شیخوں کی اس خصلت پر کسی زندہ دل شیخ نے ایک لٹیفہ ٹھکڑ رکھا تھا کہ ایک شیخ کسی کڑے میں کر گیا۔ بہت کوشش کی، لیکن باہر نکل نہ سکا۔

اسے میں ایک آدمی اور سے کڑا رہا۔ شیخ نے ہاتھ باندھ کر چلایا کہ مجھے اس کڑے سے نکالو۔ راہ گیر نے اپنا ہاتھ بڑھایا بولا شیخ مجھے اپنا ہاتھ دیں۔ لیکن شیخ چپ چاپ کھڑا رہا۔

راہ گیر نے کئی ایک بار کھلے شیخ کی اپنا ہاتھ دیں، لیکن شیخ نے ہاتھ نہ دیا۔ راہ گیر حیران تھا کہ کڑے سے نکلتا تو چاہتے ہیں، لیکن ہاتھ نہیں دیتے۔

اسے میں ایک بوڑھا شیخ آگیا۔ راہ گیر نے کامیں کب سے کہہ رہا ہوں کہ دیجئے اپنا ہاتھ۔ لیکن یہ ہاتھ بڑھاتا ہی نہیں۔ اس پر بوڑھا بیٹے لنگ بولا بر خوردار شیخ دے گا نہیں۔ تم کو شیخ ہی کیجئے میرا ہاتھ۔ تو وہ جھٹ اپنا ہاتھ بڑھا دے گا۔

بہر حال لیکن کھارے کے شیخ سوڑے کے کچے تھے چاہے منہ زبانی ہو۔ گواہ کوئی نہ ہو۔ سوڑا ہو جیسا تو ہو گیا۔ پیسے بھر پر تکیہ پر مگنی۔ وہ اہانت میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ بے شک ان میں ہل کی حرص تھی لیکن دوسرے کے ہل کو ہتھیالے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

نو بہارن تنصیلت کو اچھی طرح سے جان تھا اس لیے شیخوں کو کھلے کھلے بے گناہی کے لیے اس نے اپنی ہل کی وضاحت کی بولا بھائیو لوٹ کاہل ہم پر حرام ہے۔ ہمیں اللہ نے کھائے پینے کے بہت دے رکھا ہے۔ وہ ہل دراصل ان مسلمانوں کا حق ہے جو بھارت سے لے پٹے یہاں آئیں گے۔

شیخ ہم نے کھلے بے شک بے ہل ہم پر حرام ہے ہمارے پاس اللہ کا دیسا ب کچھ ہے۔ شیخ ہم سے پاس اللہ کی دی ہوئی ایک بچی کو کھری تھی۔ جو بھارت کے دلوں میں چوٹی تھی اور شیخ ہم اسے نکالنے کے خواب ایک مدت سے دیکھ رہا تھا۔

سب نے شیخ ہم کی بات پر رولہ وا کی۔

خبردار بولا۔ بھائیو میں معافی چاہتا ہوں۔ بوڑھا ہوں بہت نہیں کہ تمہارے ساتھ گھر گھر

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔

بھائیو میں یہ خدمت کر سکتا ہوں تو بہار بولا کہ اپنی کوشش کر کہ اور دو ایک تجوروں

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ آپ سے گھر ہو کر ہل آگیا کریں اور اسے بیت اللہ میں جمع

کریں کی فرست دینا کہ اپنے پاس رکھ لیکن جب بھی چاہے پڑنکی کر لیں۔ میرا شیخ ہر جہز کا

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ ہم ہل کی رکھو لی کریں گے اور جب مسلمان مابوہرین یہاں آئیں گے تو

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

کاہل رہا۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔ اللہ آپ کو بڑا سے خیر دے گا اور

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔
 یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔
 یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

خونخوار قوم ہے جو گوشت کھاتے ہیں اور بات بات پر فحش سے بھرتی بن جاتے ہیں۔

کور نے کسی مسلمان کو قریب سے نہ دیکھا تھا اور اب اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کئی ایک دن اس کی آنکھوں پر خوف کا غلام چڑھا رہا۔ پھر خوف دور ہو گیا اور خلیا حیرت سے دو گرد و پیش کو دیکھتی رہی۔

اشفاق حسین روز صبح شہنشاہ کے کوٹھی کمر پر اٹھائیتا اور ڈاکٹر شریف کی دوکان پر جا پہنچتا۔ وہاں اسے دیر تک انتظار کرنا پڑتا تھا کہ بہت سی ہندوئیوں جو اس روز انہیں آپد میں لائی گئی تھیں دھمی تھیں۔ جیسی ڈاکٹر شریف نے کہہ دیا تھا کہ زفیوں کو دیکھنے کے لئے میں گھروں میں نہیں جاسکتا۔ انہیں اٹھا کر میری دوکان پر لایا جائے۔

ڈاکٹر شریف ہندو زفیوں کی مرہم پٹی کی کوئی قیمت نہیں لیتا تھا۔ ملائے انہیں آپد کے شیڈوں نے فیصلہ کیا تھا کہ زفیوں کی دیکھ بھلی کے لیے سٹل وار چندہ نکالیا جائے اور چندے سے جو رقم موصول ہو وہ ڈاکٹر شریف کو ملانے کے طور پر دی جائے، لیکن ڈاکٹر نے رقم لینے سے انکار کر دیا تھا۔

صبح سویرے اس کی دوکان پر زفیوں کو لایا جاتا۔ اس وقت انہیں آپد کے مقامی مریش ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرتے رہتے۔

چند ایک دنوں کے بعد شہنشاہ کی بیٹہ کا زخم اچھا ہونا شروع ہو گیا۔ اس کی کر سیدھی ہوئے گی۔ پھر گھر والوں کو پتہ چلا کہ وہ بچی نہیں بلکہ نوجوان لڑکی ہے۔

اور شہنشاہ کو اشفاق حسین کی بیٹہ پر چڑھنے سے لاج آئے گی۔ اس نے ضد کرنی شروع کر دی کہ میں اپنے ہاؤں چل کر شریف کی دوکان پر جاؤں گی، لیکن اشفاق حسین نہ ہلا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ خود چل کر گئی تو اس کی بیٹہ پر دباؤ پڑے گا۔ اس دباؤ سے زخم کا پھرت ہرے ہو جانے کا اندش ہے۔ اشفاق حسین کے مکان کے ملحق غلام سردار کا گھر تھا۔

غلام سردار اس

غلام سردار اشفاق حسین کی دودھ کی دشت دار تھی۔ وہ ایک پاک پاؤں خدا ترس مسکرا

غلام سردار وہ تھی۔ سارے قصبے میں اس کا دبدبہ قلم نوجوان اس سے ڈرتے تھے۔

جس بات پر غلام سردار اس کھڑی ہو جاتی اسے منوار دیتی۔ وہاں غلام سردار اس کے جہلم میں دکان کرتا تھا۔ دکان اتنی چھوٹی تھی کہ زیادہ آمدنی نہ تھی۔

لیکن غلام سردار اس بڑی فیور تھی۔ گھر میں دیکھی مسی کما کر باہر لے جاتا تھا۔ گوشت کما کر لٹی ہو۔ ملائے اسے بیوہ ہوئے سات آٹھ سال ہو چکے تھے۔

غلام سردار اس نے ایک قلم وہ بن خن کر باہر نکلتی۔ گردن اٹھا کر پٹائی اور اپنے لڑکے کو لے کر دکان آئے نہ دیتی۔ اس کے پلوہو کسی کی عیال نہ تھی کہ آٹھ اٹھ اکر اس کی

پر تیاران کو اٹھایا قلم غلام نے بچے کو گھر میں داخل

پر تیاران کی ہاتھ پکڑ کر بچے کو دھکا دیا قلم

اس نے اپنے استر پر دھلا ہوا کھس بچھا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے جسم کا بند بند ٹھولا

تھی تو میں لگا پھر جب اس کی قلمی ہو گئی تو وہ پھینکے کو بیٹھے

اور وہ بچے کی ہاتھوں میں گر کر بے ہوش

دیکھ کر بہتیں کھل گئیں وہ اتنی شدت سے روئی کہ غلام

غلام سردار اس کی طرف جا پہنچی۔ ملائے وہ غور شد کہ غلام

غلام سردار اس کی ہاتھوں میں لگا کر لٹی تھی۔ وہ سارے محلے کی غلام تھی ہر

غلام سردار اس کی ہاتھوں میں لگا کر لٹی تھی۔ وہ سارے محلے کی غلام تھی ہر

اے گھر کی لڑکی ہے اور اچھا کھانے کی عادی ہے۔ پھر ایک دن وہ ہاتھ دھو کر کھانے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بولی پیتے پیتے میری عزت اب تیرے ہاتھ میں ہے۔

اور پھر وہ نے کی چٹنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لڑکے نے جملہ سے دو مہینے سے پہلے ہی ہاتھ دھو کر کھانے کی عادی ہے پر میں مجبور ہوں۔ اگر مجھ میں تو تیرے

اے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

اور شیعہ کے گمراہی اور اشتقاق حسین سے کہنے لگی۔ مجھے آپ سے ایک
صحن میں جا کھڑے ہوئے اور وہ ایک دوسرے سے باتیں
کرتے رہے۔ اور ان کے ہاں کو جو نالے جا کر کھد کر کے لور اور رنگیں دھانکا
بارگشتہ میں کرتوں پر پھول بوٹیاں کاٹنے میں مصروف ہو گئی۔

پیارے دل کو یہ چلا کہ بیٹیاں چیرے کمانے کے لیے کلام لاتی ہے تو ہنسے
 بیٹیاں کو تو کچھ نہ کہا میدی خود شید کے گھر پہنچی۔ اشفاق حسین
 اس کے خدا کی بناہ۔ اشفاق حسین اور خود شید گردیں اٹکائے سنتے رہے۔
 چاہے وہ کتنا غلام سردار اس کے سامنے ہونا ممکن نہ تھا۔

اب کیسے ہو گا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ میں نے اسے چلی بیٹھا ہے۔ اب کیا

میں نے کہا کہ میں اس کو لے کر آؤں پھر کرسن دیں گی۔ وہ باہر نکل آئی اور
میں نے کہا کہ میں اس کو لے کر آؤں پھر کرسن دیں گی۔ وہ باہر نکل آئی اور
میں نے کہا کہ میں اس کو لے کر آؤں پھر کرسن دیں گی۔ وہ باہر نکل آئی اور

شکنتے نے چی کر کہا۔ بھابی میری ماما جی مل گئی۔ سب

چونکہ کرنے دو تاکہ ان کا دھرم بھڑٹ نہ ہو۔

خالد سردار اس کی طرح پھر گئی۔ بہت بڑے سے بچرتے ہو تھے۔ میں مانا ہوں۔ میرے پاس کھانا کو طویلے ہائے میں ہیں، لیکن آپ چاہے چٹنی کھائیں اسے سو۔ کاناوا کھائیں گی۔ خالد سردار اس کی ایسی گزری بھی نہیں جتنا کہ سمجھتی ہو۔

اس روز سارا دن خالہ سرداراں کی آواز سارے محلے میں گونجتی رہی۔ لوسن لوہمن ۱۰ آتے جاتے سے قصہ چھیڑ لیتی۔

اسی روز اس نے جس کا چہرہ لہجہ اناگ کر دیا۔
تیسرے دن غلام سردار اس کے چہرے پر جا بیٹھی۔ پوری جہی میں بھی تیرا پکڑا ہوا گھبراہٹ
گئی۔ تو میرے ہاتھ کا گھماؤ نہیں کما سکتی۔ میں تو تیسرے ہاتھ کا کما سکتی ہوں۔ تیرا دھرم بھروسہ
ہوتا ہے۔ پر میرا تو نہیں ہوتا۔

ساری عمر مجھے یہ آرزو رہی کہ میری بھی ایک بیٹی ہو۔ خالہ سردار اس آئندہ ہو کر اپنی لب لباب بھی آخری عمر میں تو میں اسے اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتی۔ اسے مجھے کتنا چاہا تھا۔ خالہ سردار اس دامن دامن کر کے روئے گئی۔

پرتیوں نے چلے گا چکا چورو کو غلہ سراسر کو دونوں بازوؤں میں قلم لیا اور اس کے گلے کو روکنے لگی تو میری آواز آئی ہے تو میری بھی آواز ہے۔ میری اپنی آواز پہنچنے میں سوگ باؤ ہو گئی تھی پھر بتائی ہے کہ اس پر سارا کر لیا اور میں سوچنے کے گھر لپی۔ چاہی ہے بھی نہ مولانا جیون میں کسی نے مجھے اتنا پیار نہیں دیا جتنا تو نے دیا ہے۔ تو مجھ سے ہو چکھی ہے۔ پرتیوں تو میرے گھر میں اپنی جہان پریشان کیوں رہتی ہے۔ تجھے یہ گھر گھر میں لگا کیا؟

میں حیرے گھر میں اتنی حیران اس لیے ہوں کہ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں پتہ نہ دیکھ رہا ہوں۔ اُردو ہوں کہ آنکھ نہ کھل جائے۔

خالد سرداراں اپنا رونا بھول گئی اس نے پریتوں کو اپنی ہانوں میں سمیٹ لیا۔
مجھے کبھی کسی نے پیار نہیں دیا تھا۔ بہنوں بولی۔ پیار ملا بھی تو کہاں ملا۔

خاندان سردار اہل غریب عورت تھی۔ وہ مشکل سے اپنا گزارہ کرتی تھی۔ بہنیاں کے آسے اسے خاصی مشکل پڑ گئی تھی۔ کئی ایک دن تو وہ بہنیاں کو اچھا کھلاتی رہی چونکہ

بیلہوں کی طرف بھاگے دیکھا تو شکنتلے اور کور کے ساتھ ایک اور عورت کھڑی ہے۔
 چونکہ شکنتلے کا بیٹہ کا دھم بھر چکا تھا اور ڈاکٹر نے اسے چلنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے اب اشفاق حسین کو اسے بیٹہ پر اٹھا کر ڈاکٹر کی دکان پر لے جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لہذا صبح سویرے ناشتے سے فارغ ہو کر کور شکنتلے کو ساتھ لے کر دکان پہنچ جاتی۔ وہاں وہ اپنی باری کا انتظار کرتیں اور پھر دوا لگوا کر گھر لوٹ آتیں۔
 اس روز جب وہ دوا لگوا کر چکری چوک میں پہنچیں تو شکنتلے نے کور سے کہا کہ رات میں ذرا پانی پیا لوں۔
 چکری چوک بازار کے عین درمیان میں واقع تھا وہاں سے چار ایک گلیوں کے راستے

تھے۔ ایک گلی میں سلوتری اور شکنتلے کے ٹاپ کی باتیں ہوتی رہیں۔
 دوسری گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔ تیسری گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔
 چوتھی گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔
 پانچویں گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔
 چھٹی گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔
 ساتویں گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔
 اسی گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔
 اسی گلی میں کبھی کبھی کسی کہ ماما جی سرگباش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔

تو ان لڑکیوں کو بھی اس پر رنج بھی ہوئی تھیں۔

فیضو اور احمد ایں

شیخ عاتق اللہ بولے، 'میں نے چھوٹی چھوٹی چال مچھلیاں پکڑنا کوئی بات نہیں مزا تو جب ہے کہ آٹا، نمک، پیاز، لہسن کر کے دکھائے۔'

اس پر جیسا ہمارا بولا۔ شیخ جی اپنے سہیلیاں میں ایک جٹی ہے۔ یہ قد بہت۔ دلیر لڑکی
بوڑھوں کے ڈاکو سہیلیاں آئے تھے، ڈاکو ڈالنے۔ ایک ڈاکو کی وہی امراں جٹی کے ہاتھ آگئی

ہالے کو لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر سرسری طور پر
سکراتا، جھوٹی کلیڈ آئی چٹکاتا اور آگے نکل جاتا۔

کام کے معاملے میں ہالا بے حد متکا تھا۔ باپ نے زبردستی اسے سکول میں داخل کر دیا تھا۔
وہ مشکل سے آٹھ سال کا تھا تو تک چل سکتا پھر اس نے سکول چھوڑ دیا۔

اب اس کا کام آوارہ گردی کرنا۔ اٹھارے میں ڈنڈ بیٹنگ لگانا اور جوان لڑکوں کے ساتھ
گیند بٹا کھیلنا تھا۔

جب احمد اس دینی واپس امن آباد میں آئی اور اس نے دیکھا کہ گھر میں ایک ہندو لڑکی بیٹھی
ہے تو اس نے جوتا اٹھا لیا اور مار مار کر ہالے کا بھر کس نکال دیا پھر وہ اس کا منہ نکلا کر بے ہوش
کے سامنے لے گئی۔

وہاں سے واپس آکر اس نے ہالے کو گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا خود بخود تو نے اس گھر میں
قدم رکھا تو۔

پھر وہ پر میلا کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا منہ دھلایا۔ کپڑے بدلوائے کھانا کھلایا اور پھر بار
سے بولی۔ ہے بھاری کی مال بنا ہے تیرا۔ ہے میں کیا کروں یہ لڑکا ہاتھوں سے نکلا ہوا ہے۔ میں
بس مار بیٹھ ہی کر سکتی ہوں۔ مار کھا لیتے ہے پر اپنا چلا نہیں چھوڑتا۔ یہ بتا لڑکی کل رات کو اس
نے۔

وہ رک گئی۔ پھر بولی۔ تو آجی کی تھیں یا نہیں اس نے۔
وہ پھر رک گئی۔

پر میلا نے سر جھکایا، جھکائے رکھا۔

اس کے بعد جب پر میلا احمد اس سے بہت باتوں ہو گئی تھی، جب وہ اس کی ہر بات کا
آواز نہ جواب دینے لگی تھی۔ تب احمد اس نے کئی بار اس سے یہی سوال کیا تھا، بار بار کیا تھا
لیکن جب بھی وہ یہ سوال پوچھتی پر میلا سر جھکاتی۔ اس کے چہرے یا انداز سے کبھی پتہ نہ چلا
تھا کہ اس رات کیا ہوا تھا، کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ یہ تفصیل آج تک سرستہ راز رہی تھی۔

اگر پر میلا ابھی سی جنبش سے سر ہلا رہی، چاہے فنی یا لہجہ میں یا اس کے چہرے پر نفرت
تھارت، غصہ یا شرم کا جذبہ، جھک چکا، تو احمد اس کے سینے سے بوجھ اتر جاتا، لیکن ایسا نہ ہوا۔

تھی وہ ایک دانی پر دہلی لڑکی تھی۔ بی۔ اے کر چکی تھی۔ فصل و
تھی اس نے اسے نو بہ صورت کہا جاسکے، لیکن تھی بڑی چارمب نظر اور اتنی جلیبی تھی
تھی اس نے اسے لڑکی تھی۔

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی اس نے اسے اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

تھی اس کے اندر اندر پر میلا گھر یوں چھا گئی کہ احمد اس ہر بات اس کے مشورے سے
تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔

تھی اس نے اسے لڑکی تھی۔ وہ احمد کو موسیٰ کہا کرتی تھی۔ موسیٰ بیٹے کو گھر سے نکالے
تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی اس نے اس کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے چاہتے کے گھر رہتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

وہ کہتی تھی 'اے لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکی کو اپنے ہاتھ کاٹنے پر مجبور کر رکھا

پھونسا دیا۔ وہ نہ شرافت گھر پر گزارنے لگا۔

تو کوئی اسے نہیں لے پاس رکھتا۔

سکھ میرا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

برہنستان چلا کر بولی میں گئی میں نہیں آؤں گی۔

تم اندر آ جاؤ۔ سردار نے کہا۔

سکھ میرا لڑکی میں کھلت پر بیٹھ گیا۔ خالہ سرداروں برہنستان کو سارا دیے لڑکی

میں لے آئی۔

سکھ میرا لڑکی ہم لڑکی سے اکیلے میں بیٹھ گئے۔

خالہ سرداروں بولی ساری بات میرے سامنے ہو گئی۔ اے میں اپنی بیٹی کو غیروں کے ہاتھ

میں کیسے دے دوں بھلا۔

سکھ میرے پوچھا لڑکیوں میں جانا چاہتی۔

برہنستان نے جواب دیا۔ کیوں کا کیا مطلب ہے بس میں نہیں جانا چاہتی۔

سکھ میرے کہا لڑکی تم پر دیکھ ڈالا جا رہا ہے۔

برہنستان نے جواب دیا ہاں مجھ پر دیکھ ڈالا جا رہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلی چوں۔

پھر بڑے بڑے آگے وہ سب اصرار کرنے لگے۔ بولے تجھے کوئی زیروستی نہیں لے

جائے گا تو صرف اتنا بتا دے کہ تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

برہنستان سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر بولی میں صرف ایک صورت میں

سکتی ہوں کہ میرا بھتیجہ امرتسر میں رہتا ہے وہ آکر مجھے لے جائے۔

وہ نہیں آسکتا میرا فریاد راستہ بند ہیں۔

تو نہ آئے وہ بولی میں یہاں خوش ہوں بہت خوش ہوں۔

یہ سن کر خالہ سرداروں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

تجھے ہم پر اعتبار نہیں کیا، سکھ میرے گویا دھکی دی۔

نہیں وہ بولی۔

مجھے پر سکھ ملاری ہو گیا۔

مجھے چہ ہے کیوں میں کیا ہوتا ہے برہنستان نے کہا۔

کہاں کہاں اپنی پر گیا۔

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ ہونے لگیں تو قصبے کے سب لوگ وہاں موجود تھے۔

کہاں کہاں پر چھ رہی تھیں۔ ہندوؤں کی کواڑیں گلو کیر تھیں۔

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے زمین کھلی گئی، بولی تو کھلی چھپی رہی پر پیلے تو نے تو میری عزت

کھلی لے لی۔

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

خالہ سرداروں نے کہا کہ وہاں سے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

لیکن واڑھی والے میجر نے کہا۔ میں پڑا کے پار جا نہیں سکتا۔

تو پھر میں نہیں جاؤں گی، پریتیاں نے جواب دیا۔

اچھا بسن میجر بولا۔ چاہے کچھ ہی عیوں نہ ہو جائے۔ میں خود تجھے امر تر لے کر جاؤں گا اور

تیری بانہ تیرے بھائی کے ہاتھ میں پکڑا کر آؤں گا۔

پھر میجر احمد اے 'ما' اے سمجھایا کہ اگر ہندو لڑکیاں لوہرے نہ گئیں تو مسلمان لڑکیاں

ادھر سے کیسے آئیں گی۔ میں شام کو پھر آؤں گا تو سوچ لے۔

اسی شام جب وہ سارے ڈاننگ فمیل پر بیٹھے چائے پی رہے تھے تو دراز می والا میجر پھر آیا!

یولاء۔ حسن بر میلا میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

برمیلا نے آنکھ اٹھا کر میجر کی طرف دیکھا اور ہنسی کی رو مٹائی۔ پھر اس نے احمد اس کی طرف

دیکھا۔ احمد اس سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گال پر ڈھلک

27

میجر ہولا اگر تو نہ جائے گی برمیلا تو لودھر کی مسلمان لڑکیوں نہیں آئیں گی۔ مسلمانوں کی

عزت کا سوال ہے

تم مجھ سے ملنا، کہو، فیصلہ کر لیتے۔ رہسٹا نے منت کیا۔

میں نے ان سے کہا کہ یہ سب کچھ ہے۔

رسالہ (آخری مرتبہ) کے حوالہ دیکھو۔ یہاں مجھ سے کتاب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

پڑ جائے اگر کسی گرجہ، مدرسے یا سرکٹ دیکھتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ

میں نے تجھے شہزادہ کے حوالے کر کے دیکھا ہے۔ کہ کونسا شہزادہ ہے؟

لوگوں سے ہندوؤں کے سرواے کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ

محمد اکرم خان صاحب

پھر اس کے فاضل پاس پاس ہو گیا۔ بولا پرچے جسے آپ کے ساتھ کے ہیں۔

اس پر پر میلا نے اک بیج ماری اور اپس لر بے دھڑک

شاہ کا کو کا بابا

۱۔ اہل شوق حسین اور احمد بشیر مجھے لاہور کی گاڑی میں بٹھا کر چلے گئے تو

میں نے احمد بشیر سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ بمبئی سے ایمن آباد کیسے پہنچا

اس قدر شہرت تھی کہ کوئی اور بات سوچتی ہی

یہی وہ نظارہ تھا کہ کبھی ایک بے نام ڈیپریشن طاری ہو گیا۔

دعا کا ای قہی ہو ہر شیشین پر رکعتی قہی۔ ہن دنوں عام طور پر لوکل گاڑیوں میں

نہیں کیوں اس روز گاڑی خال خال سی تھی۔ جس ڈبے میں

سب کو ہمارے ساتھ مسافر تھے۔ سب جہاں بیٹھے تھے۔ میں نے مسافروں کا

اور یہ کہ ان کے پاس ہرگز نہیں تھا۔

نہ اس امر کا کہ راقیہ عابدوں طرف لڑائی کے اندر ملے ہوئے تھے۔ کہتے

دیرین پڑے تھے۔ کہیں سے ہانسی یا ماسیجے کی آواز میں آ رہی تھی۔ پہری پر کوئی رادہ نہیں چل رہا تھا۔ نہ ہی ڈھور ڈھوروں کے گھگھے کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جب میں لاہور سے چلا تھا تو میرے ذہن میں صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک کٹا صندوق اور ایک خوبصورت ہنسی، لیکن انہیں آپد میں دونوں چیزیں میرے دل سے نکل گئی تھیں۔ میں صرف اس لیے انہیں آپد کیا تھا کہ خود پر یہ ثابت کر دوں کہ میں مسلمان ہوں، مگر ہندو کے پیٹ میں چھرا گھونپ دوں، لیکن انہیں آپد میں یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ہندو

تقریباً ایک سال پہلے جب لاہور میں سکھوں اور ہندوؤں نے پہلا جلوس نکالا تو اس کے بعد ازاں رام اناثاچند جی کے ساتھ جال روڈ پر گھوم رہا تھا۔

میں کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ اتنا بڑا جلوس نکلی کہا نہیں۔ سکھ انہیں لہرا رہے

گئیں تھیں، نہ بازار وہ بازار تھے، نہ محلہ وہ محلہ تھا۔ محلے والوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔
 ہندوؤں کے جی مہاراج میں دھولس ملوث تھی جس مہاراج، ذرا خرنیشور فوس کو یہاں
 سے چاہئے وہ جی مہاراج۔
 سارے شہر کے مسلمان اپنے گھروں میں یوں بیٹھے تھے جیسے مسافر ہوں۔ ایک چھوٹے
 اعلان نے مسلمان اکثریت کے علاقے کو یوں ہلا دیا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

سراب

دفترا، گاڑی کو شدید جھکا لگا۔ میں اچھل کر سامنے والی سیٹ پر جا کر۔ پھر میں نے اٹھ کر
 کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا۔ پر ایسے ہوا۔ میں سمجھا لاہور آگیا ہے۔
 اٹھا کر میں گاڑی سے اتار گیا۔ سوچنے لگا یہ کس پایت فلام پر گاڑی کھڑی کی ہے انہوں نے۔
 ریشیوں کی طرف چلتے ہوئے دفترا، مجھے خیال آیا کہ وہ جو تلوں کی قطار میں نے کھانا
 سے دیکھی تھی۔ وہ کیا ہوئی اور وہ ٹی سٹل۔ گیٹ پر جلی حوض میں کھانا کھا ہوا تھا۔
 مڑا کر گاڑی میں پھر سے بیٹھ جاؤں، لیکن گاڑی جا چکی تھی۔ لائن خالی پڑی تھی۔ شیشیں دیر
 تھا۔

پھر دور سے ایک جھلکتی ہوئی حق کھانسی دی جو میری چاہ آرہی تھی۔ دب وہ قریب
 تو میں نے دیکھا کہ ایک دھلا پٹا نہ فرق آدمی میرے سامنے کھڑا ہے۔
 یہ کون سا شیش ہے۔ میں نے پوچھا۔

کھانا کھاؤ۔

لاہور یہاں سے کتنی دور ہے۔

دو شیشیں آگے۔

آپ کون ہیں۔

اشیش بٹلر۔

لاہور کو گاڑی کب جاے گی۔

دب پٹے آدمی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ بولا آپ تو لاہور کی گاڑی سے

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔ فلام نظر سے مجھے دیکھا آپ مجھے یہ لاہور ہے۔

کب آگیا۔

لاہور آگیا۔ آئی، وہ بولا پر کتنی نہیں۔ صبح والی رک کی۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔ اسی پنج پر پڑے ہو، لیکن۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔ کوئی جگہ بھی محفوظ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اشیش بٹلر چل

لاہور آگیا۔ پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔ اکیلے کا خوف نہیں۔ اکیلے کا خوف، اندھیرے کا خوف، ہماری خاموشی کا

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔ پانوں کی چاپ ہی سہی۔ دیر تک ٹھٹھا رہا جی

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔ میں نے سوچا شاید کوئی چیز بھول گیا تھا، لیکن

لاہور آگیا۔

میرے ساتھ چلے۔
 (اگر وہ چاہتا ہے)

پراسرار وہ

وہ میرے پاس آکر رک گیا۔ بولا آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے ساتھ چلے۔

[illegible]

سے، 'نہیں اتر کیا۔ تو نے دیکھا کہ تیلوں کی قطار کھڑی ہے۔ سٹال پر لوگ چائے پی رہے تھے۔
دیکھا تھا نہ تو سمجھا لاہور آگیا ہے۔ تو گاڑی سے اتر گیا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا فیورڈ اڑ گیا۔ کیا تم نے مجھے یہاں اتارا ہے جو اب وہ۔

ڈھکے چھپے کوائف

میں نے اس میں بڑا مل ہو کر چارپائی پر گر گیا۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آتے تھے۔ شہر کا کوئی ایک کون قتلہ اسے کیا حق پہنچا تھا کہ میرا راستہ کاٹے۔ مجھے مشورہ

دیا کہ چارپائی چلے گاؤں۔ کیوں گاؤں۔ زبردستی ہے کیا۔ میں گاؤں گ۔ میں اپنی زندگی کا حق لے رہی تھی۔ گاؤں کا بیٹا گ۔ جہاں گاؤں گا رہوں گا۔ اور اور۔ کون ہے جو مجھے پٹری میں جلا رہا ہے۔ میں اس کی حاضری کیوں دوں

گاؤں گا۔ میں لاہور چھوڑ کر میں گاؤں گ۔ مجھ میں اپنا آپ دوسرے کے ساتھ لے کر گیا۔ ابھی تک بیدار نہیں ہوئی۔ اللہ کرے کبھی نہ ہو۔ اس کے باوجود میرے دل میں ابھی تک وہاں کا بیٹا تھا۔

میں چارپائی پر چڑھا۔ میری بیوی اقبال بیگم غصے میں میرے گرد و برادری



ممتاز مفتی، مسعود، عماد، عمر، عکسی، افغانی (چھترپار)



دہائی تھی مگر میں کمانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ دوکان دار غرض دینے سے ہٹ چکا تھا۔
تھے۔ پشاور نے مزید دیکھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان دنوں کاروبار شپ ہو چکے تھے۔ کوکڑ
کی توجہ یا تو ان دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے پر مرکوز تھی جو ہندو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یا
دعائی لٹے پٹے مہاجرین کی طرف لگی ہوئی تھی جو مشرقی پنجاب سے لاہور تہج رہے تھے۔

جاگتے کے خواب

اس نے انبار میرے ہاتھ میں تھا دیا۔ انبار کی
جاگتے کے خواب

ان دنوں نوکری تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آ رہا
پیدا ہوتی تھی۔ کہ کسی ہندو کے مکان میں بیچنے سے کس جاؤں اور وہاں سے سارا مال اکٹھا
کے لے آؤں۔

پھر لالہ آگئی۔ اسے دیکھ کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی تمام تر مظلومیت اور دکھ میرا
وجہ سے تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا اس کے باوجود میں محسوس کرتا تھا۔
میرے طور طریقے سے ناخوش ہو۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

اس چلی گئی تو میں میرے جاگتے کے خواب دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔
جاگتے میں خواب دیکھنا میری طبی کمزوری تھی 'ایک بیماری' ایک کہیں۔ فن خوابوں
تین موضوع تھے۔ 'دکان' 'دولت' 'شہرت'۔

وہ بے ہمت سامنے جھری تھی۔ جو لوگ زندگی میں کچھ کر دکھانے کی ہمت نہیں رکھتے
حالت کی بے رحم دغا کو بنا کر فینٹسی کی مدد سے ایک اپنا جہان بنا لیتے ہیں اور خوابوں
سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کرنا پڑتا ہے۔

جاگتے کے خوابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آنکھ نہیں کھلتی۔ جوں جوں چاہتیں
تو ہوتے جاگتے ہیں۔ ان دنوں خوابوں میں مجھ پر اپنی ہوتی جاتی ہے۔

وہ ایک بے ہمت سامنے جھری تھی۔ جو لوگ زندگی میں کچھ کر دکھانے کی ہمت نہیں رکھتے
حالت کی بے رحم دغا کو بنا کر فینٹسی کی مدد سے ایک اپنا جہان بنا لیتے ہیں اور خوابوں
سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کرنا پڑتا ہے۔

جاگتے کے خوابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آنکھ نہیں کھلتی۔ جوں جوں چاہتیں
تو ہوتے جاگتے ہیں۔ ان دنوں خوابوں میں مجھ پر اپنی ہوتی جاتی ہے۔

وہ ایک بے ہمت سامنے جھری تھی۔ جو لوگ زندگی میں کچھ کر دکھانے کی ہمت نہیں رکھتے
حالت کی بے رحم دغا کو بنا کر فینٹسی کی مدد سے ایک اپنا جہان بنا لیتے ہیں اور خوابوں
سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کرنا پڑتا ہے۔

میں نے انہیں دیکھ کر شدت سے محسوس کیا کہ اگر وہ فداوات میں مر جائے تو میرے
یوں زندگی کے سوتے خشک ہو جانے کے بعد زندہ لاشوں کی طرح چنے چٹائے میں نے
بحرِ بھری محسوس کی۔

رہو جیوں کا یہ اتھوڑا ایک مہل میں بٹا ہوں قتل شاید پانچ یا سات کپ تھے۔

میری قینقاں کپ نمبر ایک میں ہوئی تھی جو فیوڈ پر روڈ پر برب مزک واقع تھا۔
لیے میں کپ نمبر ایک میں گھومتا رہا دیکھتا رہا حتیٰ کہ مزید دیکھنے کی ہمت نہ رہی
دکھ سے بھر گیا۔ ذہن پر بے غام غم کے ہل چلائے۔ پھر میں یوں چل پھر رہا تھا جیسے
قتل۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

پاکستان کے خلاف

ان دنوں میرا شعور پختہ نہ تھا مجھے پاؤں کا علم نہ تھا میں اس حقیقت سے واقف نہ تھا
قیام پاکستان پر جتنا بھی گفت خون ہوا تھا وہ رہا تھا وہ پاکستان کی بنیادوں پر چلنے کی کام
تھا پاکستان کی بنیادوں کو پختہ کر رہا تھا اس کے قیام کو مضبوط تر کر رہا تھا اس کو زائید و مستحکم
استحکام بخش رہا تھا۔

قدرت نے ہندو کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا عدم تشدد کے داعی کو تشدد پر ابھارا تھا
اس نئی اسلامی مملکت کو لپٹے پاؤں پر کھڑا ہونے کی قوت حاصل ہو چاہے۔

ان دنوں میں جس ایک دانشور قتل چٹوں کو پر کئے کے لیے میرے پاس صرف ایک
تھی۔ محلِ دولہا کی مرنی۔

میں سمجھتا تھا کہ محفلِ دولہا انہیں کی واحد دہریہ ہے اس کا واحد امتیاز ہے۔ ان دنوں

میں نے انہیں دیکھ کر شدت سے محسوس کیا کہ اگر وہ فداوات میں مر جائے تو میرے
یوں زندگی کے سوتے خشک ہو جانے کے بعد زندہ لاشوں کی طرح چنے چٹائے میں نے
بحرِ بھری محسوس کی۔

رہو جیوں کا یہ اتھوڑا ایک مہل میں بٹا ہوں قتل شاید پانچ یا سات کپ تھے۔
میری قینقاں کپ نمبر ایک میں ہوئی تھی جو فیوڈ پر روڈ پر برب مزک واقع تھا۔
لیے میں کپ نمبر ایک میں گھومتا رہا دیکھتا رہا حتیٰ کہ مزید دیکھنے کی ہمت نہ رہی
دکھ سے بھر گیا۔ ذہن پر بے غام غم کے ہل چلائے۔ پھر میں یوں چل پھر رہا تھا جیسے
قتل۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا۔ مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی طاقتوں میں امید کا دیا جانا ہو گا
انہوں نے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نہیں ہو گا یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگانے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

وہ ابھرنے لگی، ابھرتی گئی۔ حتیٰ کہ ساری کائنات پر چھا گئی۔ میں بھول گیا کہ کون کیوں وہاں آیا ہوں، وہ جگہ کون سی جگہ ہے، ساری کائنات میں صرف وہ فرد باقی رہ گئے ایک باشندہ، جو بالکل معدوم ہوا جا رہا تھا اور ایک وہ جو فرش سے عرش تک محیط و مسلط تھی وہ جگہوں کی ایک شیار تھی۔

اس کا قد لمبا تھا، جسم بھرا ہوا تھا، دوانی پٹلی چارویں تھی، رنگ سانوا تھا، شخص چمکے آنکھیں مدھ بھری تھیں اور انداز میں بے نیازی کے انہار گئے ہوئے تھے۔ وہ کھڑی باتن کی طرف دیکھ رہی تھی، کسی خیال میں اس قدر غور تھی کہ اسے پتہ بھی نہ تھا کہ سامنے کوا شخص سمٹ سمٹ کر بالترتیب بن چکا ہے اور مسلسل اس کی طرف دیکھے جا رہا۔ عام عورت کی طرف غنکی پاندہ کر دیکھو تو وہ دیاں چونک کر متوجہ ہوتی ہے جیسے کانٹا ہو، لیکن وہ جیسا اتنی بے نیاز تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا۔

پھر دفعتاً گویا وہ جاگ پڑی۔ اس کی نگاہیں باتن سے لوٹ آئیں۔ اس نے میری طرف دیکھا، کچھ اس طرح کہ یہ کیا ہے۔ پھر اس کی نگاہ میں حقیر بھرا جسم جھلک اٹھی، حقیر کاٹ کر رکھ گئی، جیسے اس کی نگاہ کہہ رہی ہو تو تو کیا ہے۔ ایک پلٹا کیزل پھر وہ میری اور دیگر میں داخل ہو گئی۔

دفعتاً مجھے ہوش آیا۔ شیار کی اس ایک نگاہ نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ میں نے اپنے ٹکڑے بنے اٹھیں، دوڑا اور پھر چپ چاپ بائیکل پر سوار ہو کر گھر کی چل پڑا۔

دو مظلوم

گھر جا کر میں چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔ میری بیوی اقبال بیگم میری طرف دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ بات کیا ہے۔ اقبال بیگم اور میں ایک ہی گھر میں اٹھتے رہتے تھے، رشتے کے لحاظ سے ہم بھائی تھے، لیکن اس کے علاوہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اٹھتی تھے، ایک دوسرے سے...

خصوصیات میرے ذہن کی آئیڈیل عورت کی خصوصیات تھیں۔ ہر مرد کے ذہن میں آئیڈیل عورت ہوتی ہے۔ جس کی تلاش میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔

میں نے زندگی میں کئی ایک محبتیں کی تھیں، لیکن مجھے کبھی اپنی آئیڈیل عورت نہیں مل سکی تھی۔

ہر مرد کی محبت کے کوائف منفرد ہوتے ہیں۔ میں کسی لڑکی سے محبت نہیں کر سکا تھا۔ میرا لگاؤ میں یوں گتھی تھی جیسے کپا پھل ہو، مجھے کپے پھل سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اپنے آپ کو ایک لڑکی کے سپرد کر دینا میری دانست میں ایک اعتقاد بات تھی۔ عورت کی سب سے خصوصیت ایک گوبہ، ہر مردی بھری، متا بھری گود۔

وہ مرد، لڑکی کی محبت کے خواہاں ہو سکتے ہیں، جو اسے اپنا لینے کے خواہش مند ہوں۔ کے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہوں، جو اس کے محبوب بننا چاہتے ہوں۔

میں محبوب طبیعت کا مالک نہ تھا۔ عورت کو اپنا لینے کا خواہش مند نہ تھا۔ لانا میری تھی کہ میں اپنا آپ صرف اس کے حوالے کروں، جسے شعور ہو کہ آپ سے کیسے برتاؤ کرنا ہے۔ آپ کے محبت کے مطالبات کیا ہیں۔ کس طرح آپ کو جذبہ محبت سے سرشار رکھنا ہے۔

جذبہ محبت کے قیام اور استحکام کے لیے صرف محبت کرنے کا عمل ہی کافی نہیں ہوتا، کافی نہیں ہوتی مجھے محبت کے جذبہ سے سرشار رکھنے کے لیے بے وفائی کی دھمکی از میں تھی۔

میری محبت کے کوائف میں عورت کا شیار ہونا ضروری تھا۔ میں صرف متا بھری سے محبت کر سکا تھا۔

میری محبت کے کوائف کے حلقہ میں دوسری اہم بات یہ تھی کہ محبوب کے خطاب میں ہونے لگے ہوں۔ میں اپنی قوت کا مالک نہیں تھا کہ تخیل کے زور پر ان ابھرتے ہوئے گستاخوں، میرا مطالبہ تھا کہ محبوب عملی طور پر ان باتوں کو اہلکارے اور اپنے برتاؤ میں کی گئیں تاکہ۔ اور ان میں بے پروائی پیدا کرے اور اگر محبت کے پس منظر میں انتخاب بھی ہو جائے تو یہاں لے۔

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں میں کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی

اس کے پاس بیکار تھی۔ سوائے کسی دھڑ تک تک چل رہے تھے۔ اس کے پاس جو

علم جنس میں جانکا قتلہ

جنس کے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنس میں عیسیٰ علی دلچسپی سم سے کم تر ہو گئی۔ دل میں ایمان ابھر آیا کہ نئی نوع انسان کے پیشتر مسائل جنس کی وجہ سے ہیں۔ ہر عورت کی طرف دیکھ کر میں اندازہ لگاتا کہ یہ کیسی عورت ہے، اس کا نظام آرزو کس رنگ میں رنگا ہوا ہے، اس سے "ایرو جنیک" ذہن کون سے ہیں، 'مطالبات' کیسے ہیں، 'کس حد تک' لاشعوری ہیں، 'کس حد تک' شعوری۔

کیمپ میں جا کر میں ایک عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ بڑی ہمدردی سے گرد و پیش کا جائزہ لیتا۔ جذبہ خدمت سے بھیک جاتا۔ لئے پئے مہاجرین کے دکھ کو شدت سے محسوس کرتا۔ پھر ان جانے میں کہیں مٹوں کی تک تک سنائی دیتی۔ چونک جاتا، احساس شرمندگی چاروں طرف سے گھیر لیتی، لیکن میں اس احساس کو خود پر طاری ہونے نہ دیتا تھا۔ تک تک کو ان سنی کر دینے کی کوشش میں لگ جاتا۔ نہیں نہیں، یہ عورتیں نہیں، یہ تو مہاجرین میں ظلم و تشدد کے بارے

علم جنس

ان مہاجرین کو دیکھ کر بیٹے ہوئے دنوں کی یادیں آئے لگیں۔ ہاں یہ جیسی عورت تھی، جس کا جسم کے ہاتھوں سنائی ہوئی۔ ہر وقت کی تک تک تک نہ موقع کا غور نہ تھا۔ جسم سے پیٹھ کر کوئی ظالم نہیں، مہاسینا چاری، اور پھر اس قلم کا کسی کو شعور نہ تھا۔ لاشعوری اور لا چاری کی امتیاز ہے۔ شو کی ایک نظر بڑھ جائے تو اندر کی سنائی گزری

علم جنس میں جانکا قتلہ

لڑائی کہتا ٹرلور مردانہ نگاہ پیام کے درمیان دل حائل ہوتا ہے۔ نگاہ سیدھی دل سے اے قبول نہ کرے، تو سنائی کہیں ٹرچلو میں ہو تک قبول کر لے، تو تک تک لڑائی، لیکن جیسی عورت میں نگاہ پیام کا تعلق براہ راست جسم سے ہوتا ہے۔ لوصح

علم جنس میں جانکا قتلہ

ہلک کر چپ چپ کرتی ہیں، جیسے جتا اور ہل چپ چپ کیا کرتے تھے۔
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں ڈاکٹر میں خلاف ہوا تھا۔ ہل چاہو تاک ہی تاک تھا۔ اتنی لمبی اور ہل
نیچے تک پھیل ہوئی تاک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چہرے پر تو تاک ہوتی
پال کے چہرے پر تاک تھا۔

شاید وہ تاک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلچل کر بیٹھ کر عامادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانا نہ دیتا پتہ نہیں پال نے راز دانی کے لیے از خود میرا ہاتھ
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا لڑا ایک روز پال نے ترک میں آکر کہہ دیا پتہ ہے میں جیسے کہ
جا رہا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھا کے گھر جا رہے ہو۔

پھوپھی تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھا کا گھر نہیں ہے پال۔

کہا۔

تو پھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نہتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا تاک اور لہیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چہرے کو کات کر لو لہیاں
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

مجھے ایسے لگا جیسے اونی ہوئی تیزی کے پر جھڑ گئے ہوں اور وہ سنڈی
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں ڈاکٹر میں خلاف ہوا تھا۔ ہل چاہو تاک ہی تاک تھا۔ اتنی لمبی اور ہل
نیچے تک پھیل ہوئی تاک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چہرے پر تو تاک ہوتی
پال کے چہرے پر تاک تھا۔

شاید وہ تاک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلچل کر بیٹھ کر عامادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانا نہ دیتا پتہ نہیں پال نے راز دانی کے لیے از خود میرا ہاتھ
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا لڑا ایک روز پال نے ترک میں آکر کہہ دیا پتہ ہے میں جیسے کہ
جا رہا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھا کے گھر جا رہے ہو۔
پھوپھی تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھا کا گھر نہیں ہے پال۔
کہا۔
تو پھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نہتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا تاک اور لہیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چہرے کو کات کر لو لہیاں
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

مجھے ایسے لگا جیسے اونی ہوئی تیزی کے پر جھڑ گئے ہوں اور وہ سنڈی
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں ڈاکٹر میں خلاف ہوا تھا۔ ہل چاہو تاک ہی تاک تھا۔ اتنی لمبی اور ہل
نیچے تک پھیل ہوئی تاک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چہرے پر تو تاک ہوتی
پال کے چہرے پر تاک تھا۔

شاید وہ تاک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلچل کر بیٹھ کر عامادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانا نہ دیتا پتہ نہیں پال نے راز دانی کے لیے از خود میرا ہاتھ
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا لڑا ایک روز پال نے ترک میں آکر کہہ دیا پتہ ہے میں جیسے کہ
جا رہا ہوں۔

تم سامنے نہیں آتی۔ پال نے اپنی ٹوپی سے پوچھا۔
کڑی تو ہوں، بادلوں میں کسی نے سسکی بھری۔

دودھ آیا کرو۔

کوئی آنے دے گی۔

سوچتی ہے دینی ہو۔

اونٹوں۔

ابا سے۔

اونٹوں۔

کس سے۔

کسی نے نہیں۔

وہ گھر سے نکل دے گی۔

اللہ کرے۔

پھر کیا کرو گی۔

کچھ نہیں۔

دل چاہی۔

اس گھر میں رہنے کی نسبت اچھا ہو گا۔

ابا نہیں اپناتے کیا۔

اپناتے ہیں۔ سوچتی کو۔

اُور تمہیں۔

کوئی نہیں۔ دودھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔

میں جو ہوں۔

منہ زبانی۔ کواڑ میں ڈاکر دھار تھی۔

ایک بجلی سی گری، پال، کچا، ترپا، دبا، غاموشی چھائے دہی، لیکن وہ ترپ سارے سسکی

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی، لیکن وہ یوں مطمئن تھی۔

بیگ جاتا۔

شروع شروع میں تو میں اس صورت حال سے گھبراہٹ ہی محسوس کرتا رہا تھا، لیکن پھر لذت آنے لگی۔ عجیب لذت تھی وہ دکھ میں لپٹے ہوئے رویوں کی لذت۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں کسی لڑکی کو اپنا روگ بنا لوں اور پھر آنسوؤں سے بیگلی بیگلی باتیں کروں۔ آہوں اور اُکھڑے چال میں پھنس کر رہوں۔ شاید اسی لیے میں نے جیتا سے اکیلے میں بیٹے کی کوشش کی وہ ایک بار۔

ہائیں۔ تم بھی

جیتا میں نے پوچھا تھا، تم چاہتی کیا ہو۔

کچھ بھی نہیں۔

پھر بال سے ملاقاتوں کا مقصد۔

برہادی اور کیا۔

کیوں۔

بس۔

چل تم سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتا۔

پتہ نہیں۔

تم اسے کتنی کیوں نہیں۔

کیا۔

کہ مجھ سے بیاہ کر لو۔

جیتا نے، 'ہاں' مٹی جیسی چلی گئی۔ میں نے پہلی مرتبہ اسے ہنسنے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ اس طرح سرخ ہو رہا تھا جیسے ہسٹرا کا دودھ پڑ گیا ہو۔ اس کے بلو جوڑیوں گھٹا تھا جیسے وہ دوسرے کسی کے عالم میں ہو۔ خوشی اس کے آنکھ سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی جیڑی نے اسے دیکھتا رہا۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے اسے اس کے گھر لے گیا۔ وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

نوشاب بات کے بغیر روٹی رہی، روٹی یہی تک کہ ظفر محمود نوشابہ کے آنسوؤں سے سر
پاؤں تک بیگ گئے۔

پھر وہ بول گئے کہ وہ مکمل تھے اور ان کے سامنے موکا بیٹھی تھی۔

ظفر محمود نے زندگی بھر سے یہ دیکھی تھی، لیکن وہ دکھ سے بھی سرشار نہ
ہوئے تھے۔ چونکہ پردیش کا ساحل تھا، ان کی نگاہ میں صرف ایک زاویہ نظر تھا، قانونی رہا
ان کی توجہ بھی موکل کے دکھ پر مرکوز نہ ہوئی تھی۔ دکھ کے جیسے اڑتے رہتے تھے اور وہ قانون
کی چمڑی لگائے، جیسے سے محفوظ رہتے۔

اگر اس روز نوشابہ بھی آتے ہی بات پیچیدہ رہتی تو ظفر محمود کی توجہ بات کے قانونی پہلو پر
گرتی۔ قانون کی چمڑی مکمل جاتی، پھر چاہے نوشابہ کتنے ہی آنسو بٹاتی، چاہے آہوں اور کراہوں
سے مارے کمرے کو بھر دیتی، اس سے کچھ فرق نہ پڑتا۔

بے چاری نوشابہ بھی نہ جانے میں مادی گئی تھی۔

نوشابہ ادویز عری عورت تھی۔ ان عورتوں میں سے تھی جن پر ادویز عریں ہمار آتی ہیں۔
اس نسائی ہمار کے متعلق کوئی اصول نہیں چلتا، کسی پر تو جوانی میں آجاتی ہے، کسی پر جوانی ہی
آتی ہے، کسی پر ادویز عریں، کسی پر سرے سے آتی ہی نہیں۔

آج کل تو خیر "لڑکی دودھ" ہے۔ ہر لڑکی خوف زدہ رہتی ہے کہ کہیں نسائی ہمار نہ آجائے
وہ اس کو کشش میں لگی رہتی ہے کہ سدا لڑکی ہی رہے۔

پر اسے ناپوں میں صدیوں خیال کا دور دورہ ہوا، نسائی ہمار کی دھوم رہی۔ لوگ لڑکی کو دور دور
اقتا نہیں سمجھتے تھے، اس لیے لڑکیوں کو دماغ میں مانگتے تھیں کہ نوشابی ہی میں ہمار آجائے۔
دنوں میں ہمار یا بلوم عورت کی کائنات تھی۔ یہی خواہش تھی کہ جلد عورت بن جائوں۔ وقت
وقت کی بات ہے۔ آج کل لڑکی کو صرف ایک ڈر ہے۔ ہر وقت کا ڈر کہ کہیں عورت نہ
جائوں۔

بہر حال بات تو نوشابہ کی ہو رہی تھی۔ نوشابہ پورے جین پر تھی۔ اس جین میں چھپو،
پن نہ تھا۔ وہ ایک معزز خاتون تھی۔ وہ ظفر محمود کے ہاں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے یا اسے کا
میں لانے کے خیال سے نہیں آئی تھی، بلکہ اسے تو اس راز کا پتا ہی نہ تھا کہ ہمدردی کا جذبہ

وہ ایک اختیار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس سے بڑے بڑے
دو ظفر کو بھگو دینے کے خیال سے نہیں دودھی تھی بلکہ اس لیے وہ

ظفر محمود کی پہلی توجہ اس کے سامنے ملنے سے پھر وہ اس قدر بیگ
نہیں لگتا اور اس کے سر پر دست شفقت بھرنے لگے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ تو کچھ نہیں جانتا۔ اپنی جان بچان کرنے کا فائدہ۔ تو مجھے جانتا
تھا کہ وہ لڑکی تھی۔

ظفر محمود کی شدت نے نوشابہ کو آپ سے تم بنا دیا اور شفقت بھرا ہاتھ جو سر پر دھرا تھا
وہ کچھ نہ تھا۔

اگرچہ شدت ہماری تھی مگر طویل نہ تھی۔ ہاں اس کی آہوں اور کراہوں نے
نوشابہ کی دلچسپی میں اس وقت ملامت خود اس قدر طویل پکڑ چکے تھے کہ بات کی
شدت نہ رہی تھی۔

اس قدر تھی کہ میاں کی وفات کے بعد نوشابہ کے سوتیلے بیٹوں نے اسے تین
دنوں کے بعد اہل اہل تہذیب خالی گھر سے نکالا ہوتا تو بھی اس قدر دکھ کا باعث نہ ہوتا، آنسوؤں
کی بجائے ہاں کی تھی، اس تبدیلی میں تشدد اور بدگلی کے ایسے عناصر تھے کہ نوشابہ کی
دلچسپی نہ رہی تھی۔

ظفر محمود نے کتنے کتنے کمرے ہو گئے پھر وہ ابدیدہ ہو
گئی کہ جذبہ اپنے جین پر پچا تو پتہ نہیں کیسے، ان جیسے میں آک کالیا پٹ عمل
رہی نہ رہی نہ لپٹا، ماری پن لکھا اور چند ہی ملاقاتوں میں بے کچھ ہوتے ظفر محمود
کی دلچسپی نہ رہی تھی۔

یہاں یہ مقصد تو نہ تھا۔

یہ میں نے کیا کر دیا۔

لیکن انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ ساری شرارت جذبہ ہمدردی کی

کیمپ میں نوشابا کی بھی تھیں۔ جنہوں نے کیمپ کے کارندوں کو اپنے دکھ کی داستانیں سنائی تھیں اور کارندوں نے جذبہ بھردری سے سرشار ہو کر ان کے سروں پر دست شفقت پھیرے تھے اور پھر وہ مقدس ہاتھ آٹو پھینچتے گئے تھے۔ اور پھر ————— ”میرا یہ ہتھ تو نہ تھا“ وہ ”یہ میں نے کیا کر دیا۔“ کسی سرکشیاں ابھری تھیں ”اور نوشابا کی اذیتوں کو روکنے کے لیے“ تھیں ”میں کرنے لگی تھیں کہ یہ کیا ہو۔“ دھنوں کے ہاتھوں سے تو بچ گئی تھی انہوں نے کو۔

لیا۔

میں نے بھی اپنے آپ پر جذبہ بھردری طاری کر رکھا تھا میری خواہش تھی کہ کسی دیکھا نوشابہ کے پاس جائیوں اور جذبہ بھردری سے سرشار ہو کر کہوں۔ بڑا ظلم ہوا ہے تم پر لی لی مجھے تم سے بڑی بھردری ہے۔ یہ تاکہ ہو آئیے۔ کیا ان دردوں کی اپنی بو چٹیاں نہ تھیں میرا بھی یہی چاہتا تھا کہ ایک بار کسی کو اپنی آپ جیجی سے ملنے پر آدھ کر لوں ”ایک بار کسی میں جذبہ بھردری کا سارا لینے کی آرزو پیدا ہو جائے۔“ باقی رنگ تو جذبہ بھردری خود بھر دیا ہے۔

کیمپ میں قیام کے دوران میں نے جذبہ بھردری ”حقائق“ اٹھائی پڑ کر مجھے کہاں لے جاتا۔ اور پھر میرے جذبے کی شمع کسی کس رنگ میں بجتی اور اس زریں موسیقی سے میں کیا کیا لیا تھا

————— ”میرے کھو دیا سب کچھ میرے کھو دیا“ آکڑی ہوئی ”بھش نفیس“ اور ساری کائنات اس کے درود ہاتھ باندھ کر کمری ہو گئی۔ پھر میری نظر میں نہ کیمپ رہا۔ نہ مہاجرین رہے۔ نہ غور تیں رہیں۔ نہ وہ دکھ بھرنا مولا رہا۔ جب ذاتی لاگ لگاؤ کا مغربیت سر اٹھا ہے تو گرد و پیش دھندلا جاتا ہے۔ سب کچھ معدوم ہو جاتا ہے۔ پھر ذات کا جنم ابھرتا ہے۔ ابھرے چلا جاتا ہے حتیٰ کہ زمین اور آسمان سب اس کی لوٹ میں آ جاتے ہیں۔

یہ کیفیت میری تھی۔

نانو

نانو کو دیکھتے ہی سب کچھ معدوم ہو کر رہ گیا تھا۔

نانو میری آنکھیں میں غور تھا۔

نانو میری اصل تھی۔ اصل لور ہو

کیمپ میں نوشابا کی بھی تھیں۔ جنہوں نے کیمپ کے کارندوں کو اپنے دکھ کی داستانیں سنائی تھیں اور کارندوں نے جذبہ بھردری سے سرشار ہو کر ان کے سروں پر دست شفقت پھیرے تھے اور پھر وہ مقدس ہاتھ آٹو پھینچتے گئے تھے۔ اور پھر ————— ”میرا یہ ہتھ تو نہ تھا“ وہ ”یہ میں نے کیا کر دیا۔“ کسی سرکشیاں ابھری تھیں ”اور نوشابا کی اذیتوں کو روکنے کے لیے“ تھیں ”میں کرنے لگی تھیں کہ یہ کیا ہو۔“ دھنوں کے ہاتھوں سے تو بچ گئی تھی انہوں نے کو۔

لیا۔

میں نے بھی اپنے آپ پر جذبہ بھردری طاری کر رکھا تھا میری خواہش تھی کہ کسی دیکھا نوشابہ کے پاس جائیوں اور جذبہ بھردری سے سرشار ہو کر کہوں۔ بڑا ظلم ہوا ہے تم پر لی لی مجھے تم سے بڑی بھردری ہے۔ یہ تاکہ ہو آئیے۔ کیا ان دردوں کی اپنی بو چٹیاں نہ تھیں میرا بھی یہی چاہتا تھا کہ ایک بار کسی کو اپنی آپ جیجی سے ملنے پر آدھ کر لوں ”ایک بار کسی میں جذبہ بھردری کا سارا لینے کی آرزو پیدا ہو جائے۔“ باقی رنگ تو جذبہ بھردری خود بھر دیا ہے۔

کیمپ میں قیام کے دوران میں نے جذبہ بھردری ”حقائق“ اٹھائی پڑ کر مجھے کہاں لے جاتا۔ اور پھر میرے جذبے کی شمع کسی کس رنگ میں بجتی اور اس زریں موسیقی سے میں کیا کیا لیا تھا

————— ”میرے کھو دیا سب کچھ میرے کھو دیا“ آکڑی ہوئی ”بھش نفیس“ اور ساری کائنات اس کے درود ہاتھ باندھ کر کمری ہو گئی۔ پھر میری نظر میں نہ کیمپ رہا۔ نہ مہاجرین رہے۔ نہ غور تیں رہیں۔ نہ وہ دکھ بھرنا مولا رہا۔ جب ذاتی لاگ لگاؤ کا مغربیت سر اٹھا ہے تو گرد و پیش دھندلا جاتا ہے۔ سب کچھ معدوم ہو جاتا ہے۔ پھر ذات کا جنم ابھرتا ہے۔ ابھرے چلا جاتا ہے حتیٰ کہ زمین اور آسمان سب اس کی لوٹ میں آ جاتے ہیں۔

یہ کیفیت میری تھی۔

نانو

نانو کو دیکھتے ہی سب کچھ معدوم ہو کر رہ گیا تھا۔

نانو میری آنکھیں میں غور تھا۔

نانو میری اصل تھی۔ اصل لور ہو

زندگی بھر میں اس کی تلاش میں سرگرداں تھا۔
 آج وہ میرے دل سے کھڑی تھی۔
 کتنا عظیم اتفاق تھا۔
 مجھے اپنی نگاہ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
 دیر تک میں اپنے آپ کو چٹکیاں بھرتا رہا کہ سو تو نہیں رہا یہ عالم خراب تو نہیں ہے۔

خند ملی والیاں

میرے دل کی تاریکی دور ہوتی تو مجھ پر حوا کی اور سپردگی کا جنون مسلط ہو جاتا تھا۔
 میں ایک مجذوب ہوں۔ محبت کا جذبہ طاری ہوتا تو اندر کا مجذوب، عقل و
 حواس کو ہار کر باہر نکل آتا۔ اس وقت صرف ایک خواہش بھوت بن کر سوار ہو جاتی
 کہ مجھ کو وہ شخص ملے جس سے مجھ کو خود کو ٹپید کر دوں۔ سب کچھ دیوی کی بھیشت

میں مجھ میں صرف ایک خواہش پیدا ہوتی تھی صرف لمس کی خواہش "ہیشن"
 ازاں پکار لوں یا ہاتھ تھام لوں۔ میری زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جب میں
 ایسا رہتا تھا یا اس کے پاؤں سے کیلا رہتا تھا اور شزاروے کے جسم کی خوشبو
 میرے گتے کھیرے رکھتی۔ چھٹی رات تھی۔

خواہش مروانہ میں، بلکہ نسائی خواہش ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا ہائے کہ
 خواہش مروانہ کے زور پر قائم ہے۔

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چلتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا میلہ آئے، دوسرا میلہ آئے نہ آئے۔

طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں میں ہو، لہجے میں ہو، ٹھنڈی ہو، ٹھنڈی ہو، ہوتی۔ ہوتا ہے، روانی نہیں ہوتی۔ جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو، تا تو محبت کی بجلی کے پچھلے زلزلے میں گزر رہا چلتا ہے، شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنہ نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہر حال مجھ میں نسائی کھلیاں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ لہجہ کمزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری کھلیائی کا وار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ لہجہ صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دونوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی نکٹش پیدا نہ ہوئی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہر ایک نکٹش کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ لہجہ نے میرے اندر نکٹش پیدا کر دی تھی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاہوں گا۔ اس بار کی طرف چاہوں گا، جس اور دہتی ہے۔

بارگاہ میں چاہا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لہا۔ اسے میرے ہنٹ کر دیا اور پھر صاحبزادے سے باتیں جو ان میں ادا کیا گیا، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکلا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے ان

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چلتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا میلہ آئے، دوسرا میلہ آئے نہ آئے۔

طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں میں ہو، لہجے میں ہو، ٹھنڈی ہو، ٹھنڈی ہو، ہوتی۔ ہوتا ہے، روانی نہیں ہوتی۔ جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو، تا تو محبت کی بجلی کے پچھلے زلزلے میں گزر رہا چلتا ہے، شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنہ نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہر حال مجھ میں نسائی کھلیاں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ لہجہ کمزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری کھلیائی کا وار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ لہجہ صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دونوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی نکٹش پیدا نہ ہوئی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہر ایک نکٹش کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ لہجہ نے میرے اندر نکٹش پیدا کر دی تھی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاہوں گا۔ اس بار کی طرف چاہوں گا، جس اور دہتی ہے۔

بارگاہ میں چاہا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لہا۔ اسے میرے ہنٹ کر دیا اور پھر صاحبزادے سے باتیں جو ان میں ادا کیا گیا، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکلا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے ان

اس اللہ ماری دیوار کی طرف "وہ بولی۔

ہاں! "اے کیا پتہ کہ سامنے کون کھڑی ہے۔ میں نے پھر منہ
 نہ دیا۔" (پتہ نہ دیا۔)

[illegible]

”اوہ بولی“ دیکھتا ہی ہے۔“

۱۸۷۰ء - "میری طرف دیکھو تو تم کو کھڑی ہو گئی" - میری کوئی احد

1941-1942

...
...

میں اسے جانتا ہوں۔ سنا سنا جاتا ہوں۔ میں اٹھ کر

اللہ نے اسے ہاتھ مار کر کما اور چل پڑی۔

میں نے اپنے اہلکاروں کو دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ ان کے ہاتھوں میں تو گولہ باریک ہو چکے تھے۔

... کی طرف سے ہے۔

اس وقت کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایک نئی شکل دے۔

و منظر میرے ذہن پر ہمیشہ کے لیے

۱۳۸۵/۱۰/۱۵

ہے "تو دیکھنے دے۔ تیرا کیا لیتا ہے پھر وہ تن کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی " اے دیکھ " اور
دیکھ " اور اسے دیکھ " وہ پہلا دن تھا جب اس کے ہونٹوں پر حقیر نہ تھی۔

”دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔“ چاہا۔ وہ چچا سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”تو خا خواہ کر کے
 ہے۔“ اسے دیکھ کر مری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بھائی اے کدو“

پھر خرمیں خرمیں چل پڑی۔

ساری بارک کے لوگ منہ اٹھا کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میر اپنا بے چارہ

پھر جب میں بڑی سڑک پر سائیکل چلاتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا تو میری گردن اٹھی

خاصی، آنکھوں میں چمک تھی، اونٹنوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔

وہندلا جاتیں، دل دھک دھک کرتا۔ لیکن اس روز مجھے توہین کا احساس نہیں

میں تو اسے اپنی محبت سمجھ رہا تھا۔ نیار نے یہی مرتبہ میرا نوٹس لیا تھا، مجھے اپنا تھا۔ مجھے "بازار" پر غصہ نہیں آتا تھا۔ جب اس نے سب جارا کہا تھا تو اس نے کہا کہ میرا یہ اس کا تھا۔

بھرا آئی تھی۔ نہیں نہیں، اس نے خالی بے چارہ نہیں کہا تھا۔ ”میرا اپنا بے چارہ“ کہا تھا۔

کولی بے چارہ کہہ کر اپنا لے، تو پھر بے چارہ، بے چارہ ہمیں رہتا۔ بے چارہ تو دور رہتا ہے، یہ
 گناہ ہو۔ اور۔ اور۔ اور۔ اور کس طرح بہت بھرا

نہی۔ ”مجھے ہی دیکھتا ہے نا تمہارا کیا لیتا ہے۔“ اور پھر اس نے نگاہوں سے کہا ”اے اے“

کسی شخص کو جرات نہ ہوئی تھی کہ اسے ٹوکے۔

گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے، میں اس مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ اور وہ رو بہ گھڑی پہنچا۔

"اگر یہ کہلاؤ، تمہیں کچھ لگاؤ، کچھ لگاؤ، کچھ لگاؤ"

دوپہر کے شام پڑ گئی لیکن میں دیکھتا ہی رہا، دیکھتا ہی رہا۔ پھر میری بیوی میرے قریب

UrduPhoto.

کنڈی والیاں ایک گھون تھا؟ جس ہم شادی پر گئے تھے۔ ساری شرارت ارجند کی تھی۔

کنڈی والیاں

کنڈی والیاں میں ارجند کے دوست محمود کی بیوی من کی شادی تھی۔ محمود نے بایا تھا۔ ارجند آگیا جانا میں چاہتا تھا اس لیے اس نے شادی سے چند روز پہلے والیاں کا پارٹی ملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

محلے کی کسی لڑکی کو دیکھ کر ارجند حسب عادت سینے پر ہاتھ رکھ لیتا پھر روٹ کر اٹھانے کے بہانے ہوں جھٹکتے کورٹس بھالا رہا ہو۔ جب وہ چلی جاتی تو حسب عادت "مجھے پیاری مطلب ہے خاصی ہے" ایسے کراٹھڑی رچانے کے لیے گزرا رہا۔ کنڈل والے ہوتے تو شاید بات بن جاتی۔ ارے یار کنڈل کے کچھ دیکھتے ہوں تو کبھی کنڈل چلو۔ بے کیا نیار میں ہیں وہاں کی، جیسی تو گھوں کلام ہی کنڈی والیاں بڑ گیا ہے۔ ہاں ہاں ہاں جیسے چل نکھ رہے ہوں پڑا پڑا در پڑا "اوجھ اوجھ" اوجھ اوجھ "اوجھ اوجھ" اوجھ اوجھ ہے کیا نقشہ ہے اور پھر اچھی اچھی جیسے چاکن کنڈی مار کر بیٹھی ہو۔ لوہر تم نے سر نہ لگایا ہے نہیں پھیلا یا۔ یہاں محلے میں تو سب عورتیں ہیں نہ بیا کچن نہ بچن نہ پھل نہ یہاں تو کچھ ہے ہی کچھ ہے ہیں" چے چان رنگتی ہوئی سنڈیاں۔

میں سوچنے لگا کہ ارجند کنڈی والیوں کے گمن کیوں گانے لگا ہے۔ ہر بات میں کنڈی کا ذکر کیوں لے جیتا ہے؟ بات کیا ہے؟

ایک روز میں نے کہا "یار یہ کنڈی والیاں کہاں واقع ہے۔ کتنی دور ہے تو؟"

بچے بچے وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا "یہی تو قیامت ہے کہ اپن وہاں گئے ہی نصیبی۔ ہاگل ہنصیبی کنوئیں پر بیٹھے ہیں پر پنا سے ہیں۔ محمود نے کئی بار یہاں کپ کپ میں اتنے مصروف رہے کہ محل و فرد جواب دے گئی۔ دیکھ لو! انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب تیار ہو اور میں کوس پر تیار ہال ہاتھ سے لکھتا جا رہا ہوں میں ہیں کنڈی والیوں کی۔ اب پھر محمود نے بایا ہے۔ اس کی من کی شادی ہے۔

یہاں کنڈی دیکھنے دیکھنے کی جنت" لئے لہانے کے مواقع، کہنے سننے کے بہانے، کنڈی والیاں اور دوسرے شادی سونے پر ساٹھا، ارے اتنی شادی کے دوران تو کنڈی والیاں نے ہال ہے پھر بھری ہوئی کے کیا کئے، اندازہ لگا لو۔

کنڈی والیاں کا رشتہ بولا "ہاں یار اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دیں" دونوں کے لیے محلے کی کسی لڑکی کو دیکھ کر ارجند حسب عادت سینے پر ہاتھ رکھ لیتا پھر روٹ کر اٹھانے کے بہانے ہوں جھٹکتے کورٹس بھالا رہا ہو۔ جب وہ چلی جاتی تو حسب عادت "مجھے پیاری مطلب ہے خاصی ہے" ایسے کراٹھڑی رچانے کے لیے گزرا رہا۔ کنڈل والے ہوتے تو شاید بات بن جاتی۔ ارے یار کنڈل کے کچھ دیکھتے ہوں تو کبھی کنڈل چلو۔ بے کیا نیار میں ہیں وہاں کی، جیسی تو گھوں کلام ہی کنڈی والیاں بڑ گیا ہے۔ ہاں ہاں ہاں جیسے چل نکھ رہے ہوں پڑا پڑا در پڑا "اوجھ اوجھ" اوجھ اوجھ "اوجھ اوجھ" اوجھ اوجھ ہے کیا نقشہ ہے اور پھر اچھی اچھی جیسے چاکن کنڈی مار کر بیٹھی ہو۔ لوہر تم نے سر نہ لگایا ہے نہیں پھیلا یا۔ یہاں محلے میں تو سب عورتیں ہیں نہ بیا کچن نہ بچن نہ پھل نہ یہاں تو کچھ ہے ہی کچھ ہے ہیں" چے چان رنگتی ہوئی سنڈیاں۔

میں سوچنے لگا کہ ارجند کنڈی والیوں کے گمن کیوں گانے لگا ہے۔ ہر بات میں کنڈی کا ذکر کیوں لے جیتا ہے؟ بات کیا ہے؟

ایک روز میں نے کہا "یار یہ کنڈی والیاں کہاں واقع ہے۔ کتنی دور ہے تو؟"

بچے بچے وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا "یہی تو قیامت ہے کہ اپن وہاں گئے ہی نصیبی۔ ہاگل ہنصیبی کنوئیں پر بیٹھے ہیں پر پنا سے ہیں۔ محمود نے کئی بار یہاں کپ کپ میں اتنے مصروف رہے کہ محل و فرد جواب دے گئی۔ دیکھ لو! انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب تیار ہو اور میں کوس پر تیار ہال ہاتھ سے لکھتا جا رہا ہوں میں ہیں کنڈی والیوں کی۔ اب پھر محمود نے بایا ہے۔ اس کی من کی شادی ہے۔

"اور کس بات کا؟" رضائے پھر اپنی ہانک تک گھمائی۔

"پتہ نہیں مل رہا دھک دھک کرتا ہے۔"

"تو پھر تو کٹلی والیاں نہ چلے۔"

"کیوں۔"

"اس علاقے کے لوگ اونچے لمبے ہوتے ہیں۔ لوسر جنبیاں واقعی ہیں۔ دھک دھک

لوچے پتے یہ بدن پائے پکڑ لیں تو چھڑائی نہ جائے۔"

"اچھا۔" میرا دل دھک دھک کرنے لگا میری آنکھوں کے سامنے لوچی لمبی میرے

جنبیاں آکڑی ہوئیں۔ جی چاہئے لگا کہ کوئی میری ہانہ پکڑ لے، ایسی پکڑ لے کہ پھر پڑا

جائے۔

"یہ تیری آنکھیں کدھر لگ گئیں۔" رضائے کہہ

میں چونک پڑا۔ "میں نہیں کچھ بھی نہیں۔"

"بہل پھر بنا چاہتا ہے کیا۔"

"کیوں۔"

"لوسر کٹلی والیاں ہیں۔"

"کیا وہی واقعی کٹلی والیاں واقعی ہیں۔"

"مجھے کیا پتہ؟" رضابولا۔ "چل چل کر دیکھ لیں گی۔"

"اور اگر وہاں پائی ہو سکتی تو۔"

"میں جو تیرے ساتھ ہوں گا۔" رضائے مجھے حوصلہ دیا۔

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ ساری رات کٹلی والیاں میرے گرد بابتی رہیں اور

امید پر کھڑا رہا کہ کوئی میری ہانہ پکڑ لے، ایسی کہ چھڑائی نہ جائے۔

دراصل میں ایک تخیلی فرد تھا۔ میرا جسم ٹھنڈا تھا اور ذہن گرم۔ سارے جسم

ذہن میں بھٹل ہو جی گی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

"میں نہیں کٹلی والیاں پہنچے تو دوسرا کا وقت تھا۔ محمود ہمیں بڑے تپاک سے

لوٹنے کے لیے آیا۔"

"اور میں دوسرے دور تھی، جسے وہ لوگ مروانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں نے اسے پہنچا دیا۔" رضابولا۔ "جب ہم ایکے ہوئے تو اور بند نے محمود کا

ہاتھ پکڑ لیا۔" رضابولا۔ "تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

کریں؟" رضابولا۔ "وہ تیری کٹلی والیاں۔"

لے گا۔

"وہائی سے ڈرتا ہے۔" ارشد نے منہ بیٹھا۔

"ہاں۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی اور دیرانتی ہے کہ اکیلے دو جوانوں کا ساتھ لے کر آئے ہوتے رہتے آئے پر وہ نہیں مانی۔ شر کا ایک غٹھا پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے دھمکیوں دی تھوڑے دنوں میں اس کی ہانتہ توڑ دی۔"

نہ نہ نہ نہ ارشد بولا۔ اپنی تو صلیب بند آوی ہیں اس پہلوان کو چھو کسی لور کی بات رضا اور میں بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ رضا کے انداز میں یہ تھی۔ لیکن میرا دل دھک دھک کر رہا تھا میں چاہتا تھا کہ محمود اس "پت" یا "کاٹھ" سنانا دیر عورت پر میری چال چلتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں شر کا پیچھے ہٹ جانے والی عورت دلچسپی نہ تھی۔ آگے بڑھ کر ہانتہ پکڑ لینے والی عورت سے مجھے عشق اتنے سارے مردوں میں آگے بڑھ کر سکے۔ مجھے ہی دیکھنا ہے۔ بد دیکھنے دے، تجھے کیا ہے۔"

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ میں جرات نہ تھی۔ میں تنہا کر ڈر کر پیچھے ہٹ والا مرد تھا۔ اس لیے میری آواز تھی کہ کوئی ایسی ہو جو آگے بڑھ کر ہانتہ پکڑ لے، ایسے چھڑائی نہ جاسکے۔

پھر محمود ہمیں اپنے کیتوں میں لے گیا۔ وہاں ایک بار پھر رشوک کی بات چل پڑی اور سارا وجود گویا کلن بن گیا۔

"شاد بڑے میرے بڑے بھائی کی نظر تھی۔" محمود زبردست بولا "لیکن اس نے نہ کر دیا پتہ میرے گھر میں میرا گزارہ نہیں، میں تو کسی اپنے پیسے کے گھر جاؤں گی۔ نخل پر گھڑ نہیں لگتی۔"

بھائی نے کہا "نخل کی تو تو خود ہے۔" کہنے لگی "تو مجھے ایسا دیکھے ہے جیسا میں دیکھتی دیکھے پر نہیں جاتے، اصل پر جاتے ہیں، تو مجھے نہیں جانتا۔"

محمود نے پھر سے بات شروع کی اس کی علاقے کا چھاپنا ڈاکو چرا ہے۔ چرے نے کہا شاد وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے۔ تو۔ یہاں آ جا میرے پاس، میرے گھر والی بن کر۔

لے گا۔

"محمود نے جواب دیا۔ جیسا کہ اس نے کہا تھا، جو آپ نہ آئے گی تو میں اسے اس کا شوق لے گا۔ اسے کہہ دیا ہے شک آ جا۔ پر اکیلے آنا بے خبری میں اس کے سامنے اس کی طرح۔ میں بھی کسی دوسرے کو خبر نہیں دلیں گی، پھر جو تو لے جائے تو میں اسے لے جاؤں گا۔ ہانتہ لے کر پھر منہ پر کلک ملے رکھا، جیون بھر۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

محمود نے کہا "محمود نے کہا۔" محمود بولا "شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ کچھ کر ہی آئے گا جو میں اسے لے جاؤں گی، کوئی کہہ دے گا کہ ہم تو کرشن اور گویوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فلو نہیں۔ یہ لے گا۔ میں سورا ہے۔"

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور قلم نہ وہ خوش تھا نہ حلقین البتہ صورت حالات پر اسے کسی آدمی
نے لکھ کرے کتا قلم کتا "میں ہار گئے تھے۔ ان کٹلی والے ساتھیوں کو رام میں
نہ کہہ کر تو کھڑکیوں کی دروازے سے۔ ابو کرد کے کھڑکیوں کے صحن صاف نظر

چلا "ابو کو اس کی تو دوسری ٹانگ بھی تو ڈولنا گا۔"

ابو نے جیسے کھڑکیوں میں دو راتیں بسر کرنا تھیں۔

ابو نے "ارمند ہار ہار آؤ بھر کر کتا" ہم تو میں دو روز کے لیے قید ہو گئے۔ مراد ابو

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بیگنوں کو دیکھ کر جینپ کر جینپ نہیں ہٹتی تھیں، بلکہ ہوا
بے باکی سے کھڑی رہتیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے وہ کتنی شرمیلی ہی نہ ہوں۔ جس طرح
شرمی بیگنات خرابے والوں کے درہدیوں کھڑی رہتی ہیں جیسے وہ مردی نہ ہوں۔

وہ ایک نے تو مجھ کو نہیں دیکھا اور پھر محمود نے پوچھا تھا کہ کون ہیں یہ محمود کے ہوا
پر کہ مہمان ہیں شرمے آئے ہیں، تو ان کی نگاہوں میں نرمی آگئی تھی۔ ہم لکھ کر کہہ دیا
کہ کالج میں مصروف ہو گئی تھیں۔

ارے! ارمند انہیں دیکھ کر چلا۔ یہ کیا چیزیں ہیں نہ ہائے، نہ لونی لٹہ۔ نہ کھر پھر
شرم نہ جینپ انہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ کون تھیں ہیں۔ یہ ہم کہاں آجینے ہیں۔

"میں پتہ نہیں" محمود بولا۔

تو پھر یہ مردوں کو دیکھ بھائی کیوں نہیں۔

"یہ شرم والوں کو مرد نہیں سمجھتی۔" محمود ہنسا۔

"بڑا پیمان ہے ہمارا" ارمند بولا "عورت ذات کو محبوب ہوتی ہے اسے تو ہر مرد کو
کھنکھاتا چاہیے۔ محمود ہنسا بولا "شرمی عورت محبوب ہوتی ہے۔ کھڑکی کی نہیں۔ یہاں کی عورت
تو عاشق ہوتی ہے۔ کوئی بلادر اولاد بے نیاز مرکز ہائے تو اسے دیکھنے کی۔ ہر کسی کو نہ دیکھتی ہے
نہ لپٹا آپ دکھاتی ہے۔"

کچھ دیر ہم کھڑکیوں میں گھومتے پھرے۔

مجھے صرف ایک لگن تھی ہوئی تھی کہ کسی طرح شادو نظر آئے، لیکن اس کے گھر کا دروازہ
باہر سے بند تھا۔

"کیس باہر گئی ہوئی ہے۔" شادو "محمود نے بند دروازے کو دیکھ کر کہا۔
شادو کے گھر کے سامنے کچھ دیر تک ہم منڈلاتے رہے، لیکن وہ نہ آئی۔ کھڑکی کی نگاہوں
میں اول تو گھومنا پھرنا بہت مسیوب ہوتا ہے، کھڑے رہنا تو پاگل ہی جبرناہ فعل ہے، لہذا وہاں
زیادہ دیر کے لیے رکا ممکن نہ تھا۔

چہاڑے میں پہنچ کر میں قریب گلیہ شادو کو نہ دیکھنے کی وجہ سے، مجھ پر ایسی چمٹکی ہوئی
تھی۔ ارمند تو کھڑکیوں میں آکر اپنی تمام تر حیثیت کو چکا تھا۔ "لا حول ولا قوہ" وہ مٹکنا رہا تھا یہ

ہاں لیکن "اور ان کے گیت اتنی جی سرول والے تھے کہ ایسے معلوم پڑا تھا
"ارمند چلا رہا تھا۔" بہت دھوکا ہوا ہم سے۔ یہ کٹل والیوں تو بنڈل

”نکس۔“

میں چپ چاپ کھڑی سے لگا دیکھے جا رہا تھا۔

”تو کیا دیکھ رہا ہے بھو۔“ رضا بار بار مجھ سے پوچھتا۔

”اے کیا پتہ کہ دیکھنے والی چیز کیا ہوتی ہے۔ بالکل کورا تھا یہ۔ وہ تو میں نے آج
باقاعدہ بس دنگر لے کر نکلتے، پھر کہیں کچھ سدھ بدھ پیدا ہوئی۔ کیوں بے سچ ہے یا نہیں
میری تمام تر توجہ پردوس کے گھر کی طرف مرکوز تھی۔ میں اس امید پر کھڑی سے آگیا
کہ شاید شاید نظر آجائے۔“

پردوس والے گھر کا صحن چاندنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ صحن کی ایک جانب درخت
چھپر سا پڑا تھا۔ چھپر میں چوہا نما جمل رہا تھا ایک اندھی لالہ میں کے گرد دوسرے حرکت کر
تھے۔ کبھی کبھی ایک سایہ درمیان والی دیوار پر آکھڑا ہوتا اور دیوار کے اوپر سے محمود کے گھر
جھانکتا۔ لیکن ایسے دوسرے سے دیکھنا کہ گیس کی روشنی اس کے چہرے پر نہیں پڑتی تھی۔
”اے بچے! ارجمند چلایا! کیوں اپنی آنکھیں خراب کر رہا ہے تو! جہاں دوسرے رکھا ہی
تھے تو دیکھ رہا ہے۔“

”یہ شاید کوڑھوڑ رہا ہے۔“ رضا نے کہا۔

”اے اپنی میں بیٹھی ہوگی کبھی یہ جو قہر کلاس مال نیچے صحن میں ڈھیر ہو رہا ہے۔
مجھ آئی! میں کو یہ محمود ہے تو نامیلا جھوں میں رہ کر اس کا شیڈرو کتا ہو گیا ہے۔
ارجمند نے لپک کر مجھے اٹھایا اور چارپائی پر دے مارا۔ کیوں خواہ مخواہ اپنا پھول خرچ
ہے تو! دوسرے کی حرکت نہیں ہوگی۔ بیٹھ میں تاش کھیلے آرام سے۔
کچھ دیر تک ہم تاش کھیلنے رہے پھر آکر سو گئے۔“

جیرا ڈاکو

رات کو کسی نے میرے شانے جھنجھوڑے۔ میں ڈر کر اٹھ بیٹھا دیکھا کہ رضا مجھ پر بڑا

ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

”نہ نہ نہ!“ رضا نے کہا۔

عورتوں کا شور من کر اورد گرد کے گھروں میں حرکت ہوئی۔ ایک دروازہ کھلنے کی آواز
اس پر گلی میں کھڑے ایک ڈاکو نے چلا کر کہا "کوئی گھر سے باہر نکلا تو خیردار۔ اپنے اپنے گھر
کے اندر رہو۔ کسی نے دخل دیا تو جیڑا بھی نہیں بخشے گا۔
اس اعلان کے بعد چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں "مدم آوازیں۔

"یہ تو چرا ہے۔"

"جیڑا آیا چرل۔"

"باہر نہ نکلا چرا ہے۔"

پھر آہستہ آہستہ وہ آوازیں مدم پڑتی گئیں۔

بچے عورتوں کی آوازیں بھی ختم ہو گئیں۔

سارے گھروں پر سنا چھائی۔

بیری لگیں شلو کے گھر پر گئی ہوئی تھیں۔

محسن دیرین پڑا تھا۔

پھر دوبارہ پر ایک سایہ سامنے لگا "اس کو نے کی جانب جہاں درخت تھے ڈاکو کھڑا تھا۔

آہستہ آہستہ سایہ ابھر نکلیا۔

پکڑو دھکڑو

دلچسپ کسی نے چھلانگ ماری۔ درخت تلے کھڑا ڈاکو چونکا۔ "کون ہے۔" وہ چلا آیا۔ اس نے

آواز میں رعب تھا "دھکی تھی۔ پھر ایک ساعت کے لیے درخت کے نیچے پکڑو دھکڑو سنائی دی۔

"اگر یہ تو عورت ہے۔" اور جھنڈ چلا آیا۔

"اس نے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی ہے۔" رشا بولا۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

ڈاکو نے بہت کوشش کی کہ بیٹی چھڑا لے۔ وہ دونوں لاکھڑائے ہوئے محسن کے درمیان

آہستہ

دلچسپ "میرا دل پلٹے پلٹے دھک دھک رہا ہے۔ اور میری سب سے کٹ کر چھت سے جاگا

ہاں کی ہانڈی میں شلو کھڑی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ بار بار اپنی کھائی چھڑانے کی کوشش کی۔ شلو نے ٹپ کر اس کے چہرے کا

دھک دھک

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔"

دو لاکھڑی کھڑا رہا۔ وہ تھک کر لمبے سانس لے رہا تھا۔

"مدم گلوں پر ہی پڑنا تھا تو نے۔" شلو بولی۔

"مدم گلوں پر تو نہیں پڑا میں۔"

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔" اس گھوڑ کے سارے گھر میرے ہیں۔"

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔" اس گھوڑ کے سارے گھر میرے ہیں۔"

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔" اس گھوڑ کے سارے گھر میرے ہیں۔"

تھی۔ ایک بار پھر کھائی چھڑانے کی کوشش کی۔ شلو گیند بن کر اس کی ہانڈ پر ٹپ

کر رہا تھا۔ اس نے ایک دوسرے میں گھٹا رہے، لیکن بیٹی نہ چھٹی، پھر دونوں ہانڈے لگے۔

دو لاکھڑی کھڑا رہا۔ وہ تھک کر لمبے سانس لے رہا تھا۔

تھی۔ ایک بار پھر کھائی چھڑانے کی کوشش کی۔ شلو گیند بن کر اس کی ہانڈ پر ٹپ

کر رہا تھا۔ اس نے ایک دوسرے میں گھٹا رہے، لیکن بیٹی نہ چھٹی، پھر دونوں ہانڈے لگے۔

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔" اس گھوڑ کے سارے گھر میرے ہیں۔"

تھی۔ ایک بار پھر کھائی چھڑانے کی کوشش کی۔ شلو گیند بن کر اس کی ہانڈ پر ٹپ

کر رہا تھا۔ اس نے ایک دوسرے میں گھٹا رہے، لیکن بیٹی نہ چھٹی، پھر دونوں ہانڈے لگے۔

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔" اس گھوڑ کے سارے گھر میرے ہیں۔"

تھی۔ ایک بار پھر کھائی چھڑانے کی کوشش کی۔ شلو گیند بن کر اس کی ہانڈ پر ٹپ

کر رہا تھا۔ اس نے ایک دوسرے میں گھٹا رہے، لیکن بیٹی نہ چھٹی، پھر دونوں ہانڈے لگے۔

"اوپر۔" "دوبلی۔" "تو ہے جبرے۔" اس گھوڑ کے سارے گھر میرے ہیں۔"

تھی۔ ایک بار پھر کھائی چھڑانے کی کوشش کی۔ شلو گیند بن کر اس کی ہانڈ پر ٹپ

کر رہا تھا۔ اس نے ایک دوسرے میں گھٹا رہے، لیکن بیٹی نہ چھٹی، پھر دونوں ہانڈے لگے۔

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔

"خیردار" شاید چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چھڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔
"خیردار" شاید چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چھڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

زنانی اور جنسٹرا

میں ۲۵ سال پہلے ملازمت کے ساتھ 'از سر نو' چتا رہا تھا۔
 چیتے کی طرح انگریزوں کے کرکٹ میچوں میں۔ وہ کرکٹ میچوں کو
 دیکھ کر کسی نے حرکت کی تو میں نے اسے لہان دی ہے۔ مجھے اپنا وعدہ بھانا
 سے باہر چھوڑ کر آتی ہوں 'چل وہ مجھ سے بولی' اور میں میں جبرے
 کے پیچھے چل پڑا، جس طرح کنڈلی والیاں میں جبراشد کے پیچھے
 گھومنا شروع کر گئیں اور ہمارا قہار اور پیچھے چھٹی ہوئی تھو مجھ سے چٹنی چاری
 کے لئے دوڑنے لگی تھی 'دور ہے' اور دور ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میری رات کنڈلی والیوں میں چہ پارے سے شادو کو دیکھا رہا۔ چاندنی سے بھر
 ویزے میں 'درخت کے نیچے' شادو میری بنی پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ میرا جی ہمارا
 بے بسی میری بنی پکڑے بیٹھی رہے 'بیٹھی رہے' اور اسی طرح زندگی بیت جائے۔

جائے سینے

چہ پارے کی کھڑکی سے میں خود ہی اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور ویزے میں 'درخت
 سے' خود ہی شادو کے ہاتھوں میں اپنی کھائی تھامے بیٹھا تھا۔ ہر چند منٹ کے بعد میں
 کھائی چھڑانے کی شدید جدوجہد کرتا تھا ساتھ ہی ڈرتا کہ کہیں وہ کھائی چھوڑ نہ دے۔
 کھیل گزرتا ہے 'کہیں' کھیل گزرتا ہے 'کہیں' شادو اس کھیل سے آگاہ نہ جائے۔
 شادو 'کہیں' اس پر بھید نہ کھل جائے کہ یہ مقابلہ میں کھیل ہے 'ایک ایسا کھیل'۔
 کی ساری پیچیدگیاں قہر کی چاکنی ہیں۔

یہ شادو جس نے میری بنی پکڑ رکھی تھی، کنڈلی والیوں کی شادو نہ تھی۔ بلکہ
 تھی۔ سادو رحمت، تجھے نقش کھما جائے والی آنکھیں اور ایک عجیب شان ہے نیازی

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کے کھڑا ہے۔

ہیں۔

یہ تو سارے خواب معلوم دیتے ہیں، وہ بولی۔ پیٹ خراب نہیں کچھ اور خراب ہے۔
 کرو نہیں پڑی۔

دو گھنٹہ ٹھنڈے آکھڑی ہوئی، بولی یہ بے چاری تو معصوم ہے، اسے کیا پتہ خواب اور
 سے بحث کیوں کرتا ہے تو۔

نہیں نہیں جہاد وہم ہے، میں نے اقبال بیگم سے کہا کہ کئی بات نہیں۔
 بات تو آپ کے ہاتھ پر لکھی ہوئی ہے، اس نے جواب دیا۔

کچھ کہتی ہے، ٹھنڈے مسکرائی، بات ہاتھ پر لکھی جاتی ہے، چھپانے سے نہیں چھپتی۔ اور
 ماتا تو اتنا بڑا ہے۔

میرے ہاتھ پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا، میں نے اقبال سے کہا۔
 بیٹو قہقہہ مار کر تھی۔

آپ سے کون سر کھپائے، اقبال بیگم نے آہ بھری۔ آپ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔
 بے وقوف ہوں جواب کرتی ہوں۔ جب سننے والا ہی موجود نہیں، تو بات کرنے کا فائدہ...

ہوئی جلی جلی۔
 اگلے روز صبح سویرے ہی میں کیمپ کی طرف چل پڑا۔ صبح کے وقت میرا دہلی ہوئی

تھا۔ اور کام تو میں نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ کام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے
 میں کیمپ میں باقاعدگی سے جاتا تھا۔

حسب معمول میں کیمپ ٹینٹ سے نکل کر اوپر چل پڑا۔
 اتنی قریب۔ اتنی دور

دو گھنٹہ میں رک گیا۔ دنگر کے چاروں بالکل ایک طرف، وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی
 رہی تھی۔ ایک دو ٹانگے لگا کر پھر دور نہ چلے کہ حد تک تھکی دیکھتی رہتی، دیکھتی رہتی۔

جیسے کوئی ہوا اور سلامتی کا کپڑا وہ میں پڑا رہتا پڑا رہتا، پھر وہ چوتھی، پھر وہ چوتھی اور پھر۔
 اٹھا کر لے بیٹھے گئے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میرے ہندو ہمسایوں نے مجھے گھبرائے۔ میں نے جواب دیا۔
 کیا اے گاجے! اس نے پھر ٹانگہ لگاتے ہوئے کہا۔
 نہ۔ میں کیا مانگا ہوں، کچھ جھجھجے۔ کچھ کتابوں۔
 کیوں نہیں کتاب کچھ؟ وہ بولی۔ کیوں نہیں مانگا۔
 تو ناراض ہو جائے گی! اس نے۔
 وہ دفتر مار کر فحشی میں کیوں ناراض ہونے لگی خواہ مخواہ۔
 پھر جھجھجے گھبرائی کیوں ہے۔
 خواہ مخواہ وہ مسکرائی۔

شرابی جو ہے۔
 چھہ سے؟ اس نے قہقہہ لگایا۔ کوئی کھجور کا جینز ہوتا تو شرابی بھی 'دورک' مگنی۔
 لوریہ جو اسے سارے مردوں کیپ میں ہے جینز۔ تمہیں ہیں کیا میسنے پوچھا۔
 یہ تو شرکے ہیں، وہ بولی۔
 شرکے جینز۔ تمہیں ہوتے کیلا۔
 یہ تو لوریہ ہیں، چٹانوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تو بھی تو لوریہ ہے۔
 اجمل۔

یہ بار کچھ نہیں کہتے۔ تو بھی تو کچھ نہیں کہتا تا ————— رو چپ ہو گئی۔
 آواز میں بول۔ جو کچھ میں انگلیاں نہیں کہتا اس سے کیا شراعت
 میں سمجھا تھا کہ کچھ نہ مانگا ایک بات بڑی خبی ہے، جو صوفیوں کے خلاف ساری بدکاری
 و دودنی ہے۔ اس کی بات سن کر میں ہلکا رہ گیا۔

وہ بھی مرد ہوتا ہے کیا وہ بھی جنگی لگا ہوں۔ سب سے ہونے پوئی جو کچھ نہ لائے
کے اور یہ پاؤ لوگ انکس بھی تو مت کر کے اٹھتے ہیں۔ کبھی مرد بھی منت کرنا ہے۔
میں نے کبھی اس ذوالے سے نہ سوا تھا۔ میرا سارا فلسفہ دھجیل بن کر اڑا گیا۔

UrduPharm.com خاموش ہو گیا

نہ جانے کب تک ہم دونوں خاموش رہیں گے؟

WYOMING

UrduPhoto.com

دیکھا، جب میری نگاہوں میں باغیچہ نہ کسی تو کیسے روکنا۔ میں
 اس کی ہنسی کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ "اس کا کام ہے
 اس کو جانے دیکھا ہوتا ہے۔"

پتا چلا کہ اس کی خوشبو سے گرد پیش بھرا ہوا تھلا اس کی موجودگی
 کا اظہار کرتا تھا۔

$$-\frac{1}{2} \frac{V}{V_0} \ln \frac{V}{V_0} \quad (1)$$

ہم ان لوگوں کو ایسا نہیں۔

14/11/19

— 54 —

...یہ کہ میں تو سب مجھے چتری کہتے ہیں۔

میں نے حیرانی سے دہرایا۔

گلابی تھی۔ چڑی، اس کے پروں پر کالے سفید ٹمکنے تھے۔ کالا پاری تھی۔ پالنے میرا نام بھی چڑی رکھ دیا، وہ ہنسنے لگی، بس۔

اس طرح مضموم باتیں کر رہی تھی۔ شیرنی پتہ نہیں کیا ہوئی تھی۔ اس
 تھی۔ 'اچھے' بھیز کا چھوٹا سا لیلو ہو، جو کھا نہیں بھرتا ہے، شوخیاں کرتا ہے۔

۱۱۔ میں نے پوچھا۔

— ۱۰۰ —

$$-\frac{x}{y} = \frac{1}{1} \left(\frac{1}{1} \right)$$

۱۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۲۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۳۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۴۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۵۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۶۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۷۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۸۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۹۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔
 ۱۰۔ اس کی طرف سے کچھ نہیں کیا گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

و دفترا وہ سنجیدہ ہو گئی "اواس۔ اب تو کہیں کی بھی نہیں" وہ آدھ بھر کر پانی لیا۔
کہاں کی۔
قلعہ جٹ خائن اس نے کہا۔
وہ کہاں ہے جٹ خائن۔
اب تو کہیں بھی نہیں اس نے ایک آدھ بھری گاڑوں کو انہوں نے تھک کر ڈالا۔
کو کات کے رکھ دیا۔ یہ کہتے ہوئے چپری نے کچرا ایک طرف رکھ دیا اور ٹنگلی بنا۔
طرف دیکھنے لگی۔ ہاں وہ درے لب سنگٹی۔ میں نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا کچھ
_____ نہ پشاور اور جاؤں میں چھوٹ پڑتی نہ سکھ ہمارے گاڑوں کا گھیراوا
ہوتا نہ فطری آبی نہ کچھ نہ کچھ _____ وہ غلاموش ہو گئی۔
درے تک روکھ کوئی کھوئی بیٹھی رہی۔

اگر میں اچھی نہ فہمی تو کتنا اچھا ہوتا نہ خون خرابا
میں نے پوچھا۔

میں نے اسے لے کر بھی نہیں دھویا کرتی تھی، سنے کہڑے نہیں پہنتی تھی کہ

تو میں نے اپنے بچے کے بعد اس نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔ ہمارے گھڑوں میں ایک تو
 دوسرے سے باٹ۔ پھلن زمیندار تھے، پیپے والے تھے، بات پیپے والے نہیں
 تھے، موٹیجھ مرؤڑ کر رکھتے تھے۔

تو تو پاگل بن کر رہے۔

کیوں۔
میں چھان دیکھتی ہوں کیا۔
مجھے کیا پتہ میں سے کیا۔
مجھے تو کچھ نہیں پتہ وہ پھر بننے لگا۔ پھر بولی ہمارے گاؤں کی چھتیاں ایسی ہی
کہ بس دیکھتے رہو میدے سندھو سے گندے ہوئے منہ یہ ذات چوڑے لٹا رہا
رعب کہ دیکھا نہ جائے انہیں کوئی نہیں کتا تھا مجھے اچھی گنتی ہے۔ ہر کوئی مجھے ہی
پتہ نہیں کیا ہے میرے میں کہ لوگ کہتے ہیں تو ہمیں اچھی گنتی ہے۔ ہر رات کیرٹ
ہے۔ جو مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا چیز ہے تو میں اسے نکل کر باہر پھینک دوں۔ میں بڑی اچھی
بڑی دیکھتی ہوں اس اتھے گنتے کی وجہ سے۔ اس نے ایک لمبی آٹھری پھر تو بھی یہی کہا
تو مجھے اچھی گنتی ہے۔
لور کیا کہوں۔

یہ اچھا لگتا مجھے کہا گیا کھٹک کا نیکہ لگا ہے میرے ماتھے پر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

جب میں چھوٹی تھی تو زمیندار چھان کا لڑکا مجھ سے کھیلا کرتا تھا ہر وقت میرے پیچھے

لور لور۔ ہزار لور لور ہوتی پر وہ کہتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ میں جو کتنی وہی

میں جو چیز چاہتی کہیں نہ کہیں سے لے آتا۔ پھر بلا کہنے لگا چڑی اب تو جوں ہو گئی ہے تو تو

سے نہ کھیلا کہ میں نے اس کے ساتھ کھیلا چھوڑ دیا۔ وہ رک گئی لور اگیوں میں

موڑنے لگی۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر وہ لڑکا ہمارے گھر کے ارد گرد مڑتا رہا چار ایک دن مڑتا رہا۔ اٹا نے کہا ہاں

کھبادے کے ہمارے گھر کے پکڑ نہ لگائے لوگ کیا کہیں گے۔

پھر تو اس سے ملی کیا میں نے پوچھا۔

ہاں ٹی۔ بیو نے جواب دیا میں نے کہا اب تو نہ آیا کر اور۔

جواب میں وہ بٹ بٹ میرے منہ کی طرف دیکھ رہا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

میں چھان دیکھتی ہوں کیا۔
مجھے کیا پتہ میں سے کیا۔
مجھے تو کچھ نہیں پتہ وہ پھر بننے لگا۔ پھر بولی ہمارے گاؤں کی چھتیاں ایسی ہی
کہ بس دیکھتے رہو میدے سندھو سے گندے ہوئے منہ یہ ذات چوڑے لٹا رہا
رعب کہ دیکھا نہ جائے انہیں کوئی نہیں کتا تھا مجھے اچھی گنتی ہے۔ ہر کوئی مجھے ہی
پتہ نہیں کیا ہے میرے میں کہ لوگ کہتے ہیں تو ہمیں اچھی گنتی ہے۔ ہر رات کیرٹ
ہے۔ جو مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا چیز ہے تو میں اسے نکل کر باہر پھینک دوں۔ میں بڑی اچھی
بڑی دیکھتی ہوں اس اتھے گنتے کی وجہ سے۔ اس نے ایک لمبی آٹھری پھر تو بھی یہی کہا
تو مجھے اچھی گنتی ہے۔
لور کیا کہوں۔

یہ اچھا لگتا مجھے کہا گیا کھٹک کا نیکہ لگا ہے میرے ماتھے پر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

جب میں چھوٹی تھی تو زمیندار چھان کا لڑکا مجھ سے کھیلا کرتا تھا ہر وقت میرے پیچھے

لور لور۔ ہزار لور لور ہوتی پر وہ کہتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ میں جو کتنی وہی

میں جو چیز چاہتی کہیں نہ کہیں سے لے آتا۔ پھر بلا کہنے لگا چڑی اب تو جوں ہو گئی ہے تو تو

سے نہ کھیلا کہ میں نے اس کے ساتھ کھیلا چھوڑ دیا۔ وہ رک گئی لور اگیوں میں

موڑنے لگی۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر وہ لڑکا ہمارے گھر کے ارد گرد مڑتا رہا چار ایک دن مڑتا رہا۔ اٹا نے کہا ہاں

کھبادے کے ہمارے گھر کے پکڑ نہ لگائے لوگ کیا کہیں گے۔

پھر تو اس سے ملی کیا میں نے پوچھا۔

ہاں ٹی۔ بیو نے جواب دیا میں نے کہا اب تو نہ آیا کر اور۔

جواب میں وہ بٹ بٹ میرے منہ کی طرف دیکھ رہا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

میں چھان دیکھتی ہوں کیا۔
مجھے کیا پتہ میں سے کیا۔
مجھے تو کچھ نہیں پتہ وہ پھر بننے لگا۔ پھر بولی ہمارے گاؤں کی چھتیاں ایسی ہی
کہ بس دیکھتے رہو میدے سندھو سے گندے ہوئے منہ یہ ذات چوڑے لٹا رہا
رعب کہ دیکھا نہ جائے انہیں کوئی نہیں کتا تھا مجھے اچھی گنتی ہے۔ ہر کوئی مجھے ہی
پتہ نہیں کیا ہے میرے میں کہ لوگ کہتے ہیں تو ہمیں اچھی گنتی ہے۔ ہر رات کیرٹ
ہے۔ جو مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا چیز ہے تو میں اسے نکل کر باہر پھینک دوں۔ میں بڑی اچھی
بڑی دیکھتی ہوں اس اتھے گنتے کی وجہ سے۔ اس نے ایک لمبی آٹھری پھر تو بھی یہی کہا
تو مجھے اچھی گنتی ہے۔
لور کیا کہوں۔

یہ اچھا لگتا مجھے کہا گیا کھٹک کا نیکہ لگا ہے میرے ماتھے پر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

جب میں چھوٹی تھی تو زمیندار چھان کا لڑکا مجھ سے کھیلا کرتا تھا ہر وقت میرے پیچھے

لور لور۔ ہزار لور لور ہوتی پر وہ کہتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ میں جو کتنی وہی

میں جو چیز چاہتی کہیں نہ کہیں سے لے آتا۔ پھر بلا کہنے لگا چڑی اب تو جوں ہو گئی ہے تو تو

سے نہ کھیلا کہ میں نے اس کے ساتھ کھیلا چھوڑ دیا۔ وہ رک گئی لور اگیوں میں

موڑنے لگی۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر وہ لڑکا ہمارے گھر کے ارد گرد مڑتا رہا چار ایک دن مڑتا رہا۔ اٹا نے کہا ہاں

کھبادے کے ہمارے گھر کے پکڑ نہ لگائے لوگ کیا کہیں گے۔

پھر تو اس سے ملی کیا میں نے پوچھا۔

ہاں ٹی۔ بیو نے جواب دیا میں نے کہا اب تو نہ آیا کر اور۔

جواب میں وہ بٹ بٹ میرے منہ کی طرف دیکھ رہا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

پھر وہ ہیرا تھا، چڑی نے بات پھر سے شروع کی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا، پتہ نہیں چلا۔
 لیا۔ پھر وہ دھرمادار کر دہلے گھر کے سامنے بیٹھ گیا۔ لکھ کہنے لگی، یہ یہی کیوں بیٹھ گیا
 میری سیلیوں نے کہا چڑی ضرور یہ میرے لیے بیٹھا ہے۔ اس پر میں ڈر گئی، اب کیا ہو
 میرے دل میں کھتر بھتر ہونے لگی۔ پہنچا ہیرا میرے لیے بیٹھا ہے، میرے لیے۔
 اس وقت گاؤں کے سارے مرد باہر کھیتوں پر گئے ہوئے تھے، کٹائی کے دن تھے۔
 آگے بچا کر باہر نکلی۔ باہر جو نکلی تو وہ بٹ بٹ میری طرف دیکھنے لگا۔
 میری طرف کیوں دیکھتا ہے تو میں نے جھوٹ موٹ پوچھا۔

اس وقت گاؤں سے دس میل دور میرے گاؤں تھا۔ سارا گاؤں سکموں کا تھا۔ ہیرا
 کا بیٹھنا تھا۔ بونے آہ پھری، ہیرا سیاں، لوگ اس کے غلام تھے۔ اتنا اچھا تھا وہ۔
 دیکھ سکھ میں ساتھ دینا تھا اور من سے نکلا دھن بھانا تھا۔ چاہے کچھ ہو
 اس کے روپ۔
 اس کے روپ کر کے دوتے چڑی پھر سے شیرنی کا روپ دھارے جاری تھی۔ اس کے
 اس کے روپ دھارے جاری تھی۔
 اس کے روپ دھارے جاری تھی۔
 اس کے روپ دھارے جاری تھی۔

پڑی تھی۔

کچھ دیر کے بعد نوجو نے لمبی سانس بھری۔ پھر پاکستان بن گیا اس نے کھلوا بیٹھا۔
بھی مان جاوے نہ تھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گاؤں کا ایک آدمی بھی پاس
پہنچے گا۔ سیدھی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی تیرا سا ہوں۔

پھر میں نے بے کلمی سے پوچھا۔

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کام اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کہ دکھایا اور کیا۔

کیا گاؤں کا کوئی آدمی نہ تھا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر ہٹ کر مٹی باندھا۔

تو کیسے چٹکی میں نے پوچھا۔

نہ جاتی تو اچھا ہوتا چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کیوں؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ نہیں آئی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگنی دنیا ہے۔ وہ بولی۔

اچھا ————— کیوں کیوں؟

میں یہاں بازو لوگ رہتے ہیں نہ جسے جوں نہ ڈیٹیاں۔

تو مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھراؤ

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پڑی تھی۔ میرے نے خاتون کو کھلا بیٹھا اگر چڑی کو

کچھ دیر کے بعد نوجو نے لمبی سانس بھری۔ پھر پاکستان بن گیا اس نے کھلوا بیٹھا۔
بھی مان جاوے نہ تھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گاؤں کا ایک آدمی بھی پاس
پہنچے گا۔ سیدھی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی تیرا سا ہوں۔

پھر میں نے بے کلمی سے پوچھا۔

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کام اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کہ دکھایا اور کیا۔

کیا گاؤں کا کوئی آدمی نہ تھا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر ہٹ کر مٹی باندھا۔

تو کیسے چٹکی میں نے پوچھا۔

نہ جاتی تو اچھا ہوتا چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کیوں؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ نہیں آئی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگنی دنیا ہے۔ وہ بولی۔

اچھا ————— کیوں کیوں؟

میں یہاں بازو لوگ رہتے ہیں نہ جسے جوں نہ ڈیٹیاں۔

تو مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھراؤ

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

نصیبی 'اس نے کہ بھری' میں پھر بچ گئی۔

وہ پھر خاموش ہو گئی۔

ہم دونوں نہ چلے کتنی دیر چپ چاپ بیٹھے رہے، بچوں لگا جیسے صدیاں بیت گئی
آسمان پر گرد کی ایک تہہ سی بدلی کی طرح چھا گئی تھی، سورج اس کی اوتار میں
فضا میں گرد کا گرد ارباب بھرا ہوا قند سب کچھ بھورا نظر آ رہا تھا۔ ہوا تیزی سے چلا
چاروں طرف گرد آلود دیر لپٹی چھا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے میرا شانہ پکڑ کر بھجھوڑا۔

میں نے چونک کر پیچھے دیکھا، پیچھے چڑی کا چاچا کھڑا تھا۔

ہوش کر، وہ بولا، کچھ خبر ہے بچے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سب تیرے میری ہو رہے ہیں، یوڑے نے کہا، بڑی باری آکر تجھے دیکھ رہی ہے
کہ پاس کیوں بیٹھا ہے۔

زنگی

کیوں نہ بیٹھے، شیرنی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ کولوں پر رکھے
سینہ تن گیا، آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

میں نہیں کہتا یوڑے نے کہا، وہ کہتے ہیں۔

وہ کون ہیں، چڑی نے آگے پیچھے کر چلا کر پوچھا۔

وہ ————— جو سامنے کھڑے ہیں۔ یوڑے نے اشارہ کیا، وہ۔

ہم سے ہیں، جھکی قدم پرے، چہرہ مات کب کے کھڑے کھڑے ہمیں کھڑے ہو کر
یہ بچہ جو سامنے کھڑے ہیں، چڑی با آواز بلند عقارت سے بولی۔

انہیں دھکا نہیں کھلی یوڑے بچے نے کہا، وہ اسے پکڑ لیں گے۔ وہ اسے
اکیلا ہے۔

کون کہتا ہے، یہ اکیلا ہے، شیرنی زنگی یہ اکیلا تو نہیں، میں جو اس کے ساتھ ہوں۔

آواز بکڑ کر بجے، اٹھا اور پھر بجے، ان بچوں کی طرف کھینچے گئے۔

وہ اٹھا اور آگے کسی طرف کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھا اور اس کی رو بہد جا کھڑی ہوئی۔ کیا کہتے ہو تم، وہ غرائی۔

وہ اٹھا اور پیچھے ہٹ گئے۔

وہ اٹھا اور اس کے لگا، یہ تیرے پاس کیوں بیٹھا تھا۔

وہ اٹھا اور اپنے پاس وہ غرائی۔

وہ اٹھا اور اس میں نہیں کرنا، وہ سرا بولا۔

وہ اٹھا اور اس نے جواب دیا۔

وہ اٹھا اور اس نے تیرا بولا۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے کیا۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

وہ اٹھا اور اس نے پتہ دلا، وہ اسے گھورنے لگی۔

میں نے لال کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر دکھ اور بے بسی کے انہار لگے ہوئے تھے، چور چور ہو گیا ہو اور ابھی بننے لگے گا۔

اب کیا ہو گا بیٹا، اس نے اپنی بات کو پھر دہرایا۔

اب اہل کے دل میں کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ صرف میرے لیے
ڈرتی تھی کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو، پریشانی نہ ہو۔

مگر میری بیوی اقبال بیگم تھی۔ بیاہی طور پر وہ بھی ایک دھکی عورت تھی۔ اس کی چل چل شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہونے والے خاوند نے بار بار اپنے والدین سے میری شادی نہ کرو، میری شادی کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن ماں باپ چیز کے لالچ میں رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برات کی رات دو لاکھ نہ آیا۔

سات سال اقبال بیگم بیٹی دولہا کا انتظار کرتی رہی اس کے دل میں دولہا کے
بچا ہوا مگنی۔

اقبل بنیم پر بھی کھنسی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ماتھے پر ہاتھ رکھے۔ رسول کی باتیں، دین لیکن کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا لاکھ لاکھ تھا۔ اقبل بنیم کہیں آئیگی تھی۔ اس چھوٹی بلی سرور کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں نکلی تھ۔ اس کی عمر چھ سال کی ہو گی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھ۔
اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔

جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا قتلہ ایک سال کے بعد باپ لوٹ ل چل گئی، بیشک کے لیے لے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا کھن چھوڑ کر چلے گا سے اپنے گھر کو واپس پھر دس برس نہیں رہا تھا پتہ نہیں کہ کب لے چھوڑ کر چلا جائے گا ایک دو ماہ تھا جہاں کے مقیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے 'لیا' کے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہانے میں رہتے تھے۔ یہ چوہا ایک احاطے میں،
گھر میں، ہم تنہا فردا فردا رہ رہے تھے۔

UrduPhoto.com

میں نے اس کو دیکھا تھا۔

[illegible]

میں نے اس وقت میں وہ سوئی سلائی کے کام میں تاک تھی۔ فارغ وقت میں وہ ہمارا کاکڑ کرتی تھی۔ کھڑکی پر جلدیں باہر عاکڑ تاکہ میں لوہ میرے کھڑکی سے وہ لوٹ تھی 'چور چور ہو چکی تھی۔ لیکن چور کے کاڈ میر

پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ ابھی میری زندگی میں کوئی واقعہ ہوا تو اتنی کم پختہ ہو کر رہا کرتا تھا جس پر ابھی ہمہ تن تکیہ کیا۔

اسلامی صاحب کی ہیئت کی تھی۔ اسلامی صاحب اسے ہونے والی بات سے
 روکا کرتے تھے، حالانکہ اسلامی صاحب دلی میں رہتے تھے۔
 ایسے آئی تھی کہ اس کو کیسے پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن مجھے پتہ تھا کہ اسے
 پتہ چل جاتا ہے اور وہ مضلل ہو جاتی ہے۔

میں نے اس کی بات کو دل سے لے لیا۔

چراغ

چار چہرے دل گھر میں میں بے بارو مددگار پڑا رہے مجھے یوں پڑے دیکھ کر لاش کا
چہرہ چہرہ ہو گیا اقبال کو شب پڑ گیا کہ میری فکری چھوٹ چکی ہے 'اب کیا ہو گا۔
کسی کچھ اور کھو گیا۔ گھر کی اداسی اور گھری ہو گی۔

شام کے وقت دروازہ بند۔

کھولا تو میرے دروازہ چراغ کھڑا تھا۔ جسے ہم ہمارے گلی کہا کرتے تھے۔

گلی میرا بچپن کا دوست تھا۔ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ اور سونے کے سر

چل نہ سکتا تھا۔

گلی اگرچہ لنگڑا تھا، لیکن قہامت دل رہا۔

جہت سے پہلے وہ امرتسر میں دکن کرتا تھا۔

تو گلی نے سیرت سے پوچھا 'امرتسر سے کیسے آیا تو' امرتسر میں تو لکھنؤ
کر دیے گئے۔

کوئی بات نہیں 'وہ بولا 'امرتسر کا کوئی مسلمان چار ہندوؤں کو مارے بغیر نہیں رہا۔
مارے تھے۔ اس کے بعد میں مارا بھی جاتا تو کوئی غم نہ ہوتا۔ لیکن میں بچ گیا تھا۔
گیا۔ اب ہم ٹوبے جارہے ہیں۔ چار دن کے لیے یہاں رکے تھے۔ میں نے کہا تجھے مل
گلی کے آنے سے گھر میں چل پہل ہو گئی۔

رات کو میں نے گلی سے کہا 'میرا ایک کام کرے گا۔ کپ میں جا کر پتہ لگا دو۔'
کیا حال ہے۔ میں نے اسے ٹانگوں کی ساری کھائی سنائی۔

وہ ہنس بولا چہرہ چوری سے چائے کا میز ابھیری سے نہیں جانے گا۔ تو کسی چیز
پسنا ہی رہے گا مگر بھر۔

اگلے روز وہ کپ سے لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک کاندھا تھا۔ کسے لگا چڑی تو
حوالی میں چلی گئی ہے۔ چائے ہوئے وہ ہے۔ پر پی اپنے چاہے کو دے گئی تھی۔ کہ اگر
آئے تو اسے دے دیتا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

ہاں، کھانا لے کر کی ماڑی۔ کھڑو لگا کھو، چائیں دلا۔

انہوں نے یہ پتہ دیا ہے۔ کوڑو والے کھوہ کے پاس میرے کی ماڑی میں اپنی ماڑی
رہتی ہے۔

یہاں اجاڑ میں رہتی ہے کیا؟
پتہ نہیں لگائی بولا یہ جاٹ لوگ ڈرتے نہیں۔
لوہا کر دیا۔ نہ ملی تو۔

نڑا ہی بس سے والیں چلے جائیں گے یہ آخری بس ہے۔

ہمارے رائیں ہاتھ ڈنڈی سے پیاس کر کے قافلے پر چار ایک کپے کمر بنیوے
لے غور سے اس آبادی کی طرف دیکھا شاید کوئی آدمی نظر آجائے۔ وہاں، ایام،
کسی گھر سے دھواں تک نہ نکل رہا تھا۔ دو منزل سے کتنے گندکی کے ڈھیر پلاؤں سے
میں بھونکنے کی جی سکت نہ تھی۔

یہ گھاؤں دیکھ رہے ہو، میں نے گھٹی سے کہا۔

ہاں۔

لٹا پٹا معلوم دیتا ہے۔

ہاں۔ اب بارڈر پولیس آگئی ہے، گھٹی نے کہا اب لوگ واپس اپنے گھروں میں
گئے۔ "آہستہ آہستہ۔"

ہم پھر خاموش ہو گئے۔

کوڑو والا کھوہ دیرین پڑا تھا۔

پھر ہماری توجہ میرے کی ماڑی کی طرف مبذول ہو گئی۔ میرے کی ماڑی کی طرف
حوالی تھی۔ جو چاروں طرف سے بند تھی۔ باہر کی چار دیواری کے پیچھے ایک بچہ عین
کے ایک طرف اونچی لوہر میں دوامی کڑی تھیں۔

پرانی ڈرائی سی حویلی تھی۔ چلی خیل میں ایک بڑا سانپ کا دروازہ تھوڑے
جگہ جگہ تک کڑکھیں کھینچتیں تھیں، جن پر سانپیں لگی ہوئی تھیں۔

باہر کی چار دیواری کا پھاٹک ٹوٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔

صدر دروازے پر پہنچ کر گھٹی نے کدور سے دروازہ بجلیا۔ مکان میں ان کے

یہ دروازہ، بایا، کوئی ہے، وہ چلائی، پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔
میں نے کہا، میں کوئی نہیں ہے۔
یہ دروازہ تو اندر سے بند ہے۔ یہ کہہ کر
میں گھر میں پھر گئی۔

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

یہاں تو اوپر کی منزل کی کڑی کھلی تھی۔ کون ہے، ایک زنانہ گھر

ہو کر ہوئی کوئی بات اپنی سمجھ میں نہیں آئی تھی توڑی۔ پھر وہ میری طرف مڑی۔
اب یہ لڑکا گڑا ہے، اس نے مجھے ڈانڈا۔

لوہار تم بے حد حیران ہوئے۔ کسی کمرے میں کوئی سالن نہ تھا۔ سارا گھراؤ
ہو تھا۔

مجھے تو چڑی نے کہا مجھے پتہ تھا تو آئے مجھ۔

چڑی بول گیا ہے، ماسی نے کہا۔ اس بے چارے کی زندگی کیوں حرام کر دو
گیا تھا۔

چڑی بولا پتہ چڑی نے کہا۔

پتہ ماسی بولی، سب کچھ سامنے دھرا ہے۔ تجھے نہیں دکھایا، اندھ سی ہے۔

وہاں لہجہ اس اسی کا دم تھا، چڑی نے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی، پھر بولی۔

لوہارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چڑھتا ہوں، ہر کوئی جانتا کہ

وہ تو تھی۔

وہ تو تھی، ماسی بولی، میں نے پوچھا۔

وہ تو تھی، میں بولی۔

وہ تو تھی، میں بولی، میں نے پوچھا۔

وہ تو تھی، میں بولی، میں نے پوچھا۔

وہ تو تھی، میں بولی، میں نے پوچھا۔

وہ تو تھی، میں بولی، میں نے پوچھا۔

وہ تو تھی، میں بولی، میں نے پوچھا۔

وہ تو تھی، میں بولی، میں نے پوچھا۔

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔ جب تک جی چاہے گا رہوں گی۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔ تو کیا پائے گا وہ نہیں۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گاٹنی بولا۔

زنگن کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔ بس اک جی کا بھید ہی تو ہوتا ہے جو وہ کل جانتے تھے۔

رہا کیا۔

گاٹنی تترہ مار کر چلا۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گاٹنی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی، میں نے اسے چھیڑا۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی نہ گیا تھا اور کب میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتادی تھیں تجھے۔

وہ ہیرا سیں والی بات بنا۔

ہاں میرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آ گیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح ماسی میری

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات مانوں نہ مانوں، غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، وہ جانتا

کر۔

لور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانا ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتائی ہی نہیں اسے۔

ماسی تاریقی ہو گی گاٹنی نے کہا۔

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گاٹنی بولا۔

زنگن کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔

رہا کیا۔

گاٹنی تترہ مار کر چلا۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گاٹنی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی، میں نے اسے چھیڑا۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی نہ گیا تھا اور کب میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتادی تھیں تجھے۔

وہ ہیرا سیں والی بات بنا۔

ہاں میرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آ گیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح ماسی میری

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات مانوں نہ مانوں، غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، وہ جانتا

کر۔

لور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانا ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتائی ہی نہیں اسے۔

ماسی تاریقی ہو گی گاٹنی نے کہا۔

قائد اس وقت نہ وہ رانی تھی نہ شیری۔ شاید اس لیے کہ کیپ میں وہ احساسِ رانی تھی۔ اسے اپنے گرد و پیش پر غصہ آتا تھا یا شاید اس لیے کہ کیپ میں رانی پر مرکوز رہتی تھیں۔ اور ان نگاہوں سے وہ ابھرتی اور ابھر کر رانی بن جاتی کی ماڑی کے دیرانے میں وہ سٹ کر بیٹھی ہوتی تھی۔ اس چھائی ہوئی عورت نے قائد پھر بھرے کا خیال بھی تو قائد اس کی تمام تر توجہ بھرے پر لگی ہوئی تھی۔ اس کے لیے کافی قبول تھا یا نہیں، لیکن بھرے کی مکن اتنی عظیم تھی، اتنی شدت پر بھرے پر لگی تھی کہ چڑی کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ اس آغوش میں وہ یوں محسوس ہوتی تھی جیسے ایک بچی ہو۔

سگری نے جگ کہا تھا، عورت صرف دو صورتوں میں مجبور ہوتی ہے، ایک سہارا دے، اعلانیہ سہارا، ساری دنیا کے خلاف اٹھ کر ہانگ دلی سہارا اور دوسرے بے کسی سے چور چور ہو کر اس کا سہارا مانگے۔

ہاں مایہ کی جگہ تھی، میں نے سوچا۔ میں نے چڑی کا سہارا مانگا تھا۔ اسی لیے وہ متوجہ ہوئی تھی۔ میں نے کبھی کسی عورت کو سہارا نہیں دیا۔ مجھ میں سہارا دینے کی عادت نہیں ہے۔ میں جینزوں میں ہوں۔ میں نے بیشہ اپنے پر سے ہی طاری کر کے سہارے کی بیک مائی ہے۔ وہ شہزادہ تھی، وہ بھی سہارا دینے کی شوقین تھی شاید اس سہارا دینے والا کوئی نہ قائد سہارا صرف وہ دے سکتا ہے جو عظیم تر ہو۔ جس کی آواز رکھ کر لگروں سے چمکا کر مل جائے، اپنے دکھوں، غموں کی جھڑپوں اس کے کندھوں پر رکھ کر نہات مل جائے۔

کیا ہے تجھے چڑی نے تجھ سے پوچھا کس سوچ میں پڑا ہے۔ میں چوٹا، کچھ بھی نہیں، میں نے جواب دیا۔

سگری اٹھ بیٹھی۔ بولی رات ہو گئی ہے۔ آج ہمیں دروازہ کھلا رکھنا ہے۔

دروازے کے پاس بیٹھ کر بہرہ دے۔ کیوں کھلا رکھوں رکھنا ہے۔ کھلی ہے پوچھا۔

بھرے کو دروازہ کھلانا ہے۔ جو رات کو لوہے کا دروازہ بجا تو پاؤں دار۔

دو بھالے اور دو
گلی گھڑی تھیں۔ ہم لٹاف پر بیٹھ گئے۔
پیشہ رہے۔

اس نے سن لی تو مشکل پڑ جائے گی۔ اس لیے
کی نظر دروازے پر تھی۔ دروازے کی کھڑکی کھلی تھی۔ لوہے کی
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

پت کھول کر دروازے کے پت کھول کر دروازے کی کھڑکی کھلی تھی۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

خدا کا لگا ہے، لیکن حیرے دل میں نہیں بیٹھا۔ اسی سچ کہتی ہے، حیرے دل میں
نہیں کیوں نہیں بیٹھا۔

تجھے کیسے پتہ چلا کہ نہیں بیٹھا، میں نے پتہ چلا۔
جو بیٹھا ہوتا تو میں یوں بھری ہوتی جیسے گاہن بھری ہوتی ہے، پر میں تو خالی ہوں۔
یقین نہیں آتا کیا بول۔

آتا ہے، آتا ہے، میں نے جواب دیا، اتنا آتا ہے۔ جتنا کسی اور پر نہیں آتا کبھی
مجھے بھی تجھ پر اتنا ہی محروس ہے جتنا کسی اور پر نہیں۔ میں تو دعائیں مانگتی تھی
بائے جلدی آ جائے۔

کیوں؟
تجھ سے پوچھتا تھا۔
کیا۔
کہ حیرے کو کیا جواب دوں۔

تیرا دل کیا کہتا ہے۔
میرا دل نہیں مانتا۔
تو پھر نہ کر دے، پوچھنے کا سہارا کیوں لیتی ہے۔
تجھ سے پوچھ کر دل "ہولا" ہو جائے ہے نہ۔

اب آجھی جا چڑی، بچے سے اسی کی آواز آئی۔
وہ بڑا دیر ہے تجھے، میں نے کہا۔
چڑی اٹھ بیٹھی۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔
پوچھ۔
جو تیرے کے ساتھ ہانا چاہے تو یہ اسی بگڑی تجھے جانے دے گی؟ روکے لی تو
وہ تو نہیں روکتی۔ سنہ زبانی چاہے جو مرض ہے کہے پر روکتی نہیں۔ وہ تو تجھے
نہ کہو دے، قسم ہے۔

تاریخ و جغرافیہ، ۱۹۲۷ء، ص ۱۰۷

[illegible]

یہ بات کہ افریقہ کے افریقہ کے ایک ملک لومبریا ہے۔

اگرچہ یہ سگری نے کہا۔

$$-\frac{1}{4} \frac{d^2}{dt^2} \left(\frac{1}{t} \right) = \frac{1}{4t^3}$$

۱۱. میں نے کہا۔

اس کی بہن کی لڑکی چتری کا پتہ لگائے آئے ہیں، وہ یکمپ سے کم ہو گئی

میں نے دلی کی تلاش کی تھی، پھر وہ باجوس ہو کر چلے گئے۔

بعد کئی نے کہا، ان سپاہیوں پر فخر رکھنی چاہیے۔

کی طرف جا کر تلاش نہ کریں۔

اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا نیچے جا کر چور

$$-M_{\frac{1}{2}}^2 / \hbar^2 c^2$$

...ہیں مایہ نے کہا۔

۱۰۰۰ روپے میں چلایا۔

رہی میں ہایا اس کے محل پر وہ آنسو ڈھلک آئے۔

اسی نے "مضطرب انداز سے پوچھا۔

’ہیں آئے کی‘ ماسی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

پہری کا فیصلہ نہیں سنا تھا کیا۔

۱۰ پہلے میرے نے اسے سہارا بنا چاہا تھا۔ چڑی نے اس کا سہارا لینے

لیکن اب وہ اسے سہارا دینے لگتی ہے۔ خود اس کا سہارا بہن کر

فصل میں بچھاؤ دیکھ لوں، ماسی بولی۔ شاید پاؤں واہوں نے حویلی کو گھیر رکھا ہے، ا
کہ۔

محکم دہائی، ان جو ہر دوے سو ہر دوے - ہے جیوندے رہے چڑھتے فیرتیں باب

لے گئے تے ساڑا ایل وی ایہرا نہیں، یہ کہہ کر وہ چل پڑا۔

ٹھہر جا، ماسی پولی، بچہ واڑے کی طرف ایک چور دروازہ ہے۔

سافوں پتہ اے، میرا بولا، اسی ایس حویلی واپت پت چاندے آں امد حویلی سا۔

مترجمہ دی اے۔ اچھا ماسی' میرے نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے' واہ

ساڑا سمجھ کوئی ٹ نہیں گیا ماسی، ایسے جے جہنم دا بندھن اے، فیر ملاں گے۔

24

لاج کی بات

فصیر جاویرے، چری چلائی۔

کی کہنی ہیں تو، میرا رک گیا۔

میں تمہیں اگلے جان نہیں دلاں گی۔

گیارہ

تو میرے لئی آیا ہے، نہیں! میں تجھے خود چھوڑ کے آؤں گی۔

اور ہنس کوئی ماروئی ہے فیر، ہیرے نے کہا۔

مردیں چل میں مینوں چمڑے آؤں چری چل پڑی۔

نصوں تک چلوں کی سلائے تل: ہیرا سلائی۔

جد کو پور پار ہیج جائے گا سے میں اجاڑوں گی۔
عقل کا حشر، سگ بر ذکا

نمبر: ۱۳۱ اور اکڑا غلطی: ۱۰۰

اس وقت تک کہ آگے آگے ہی تم کو بھیجے یہ اس وقت

جب روئے کے توکلہ نے دوا کر صدر روزانہ کھوا دیا۔ پولیس والے

(UrduPhoto.com)

مانی کی کہانی

کئی سال پہلے ایک گاؤں میں نے پوچھا
 کہ ایک لڑکے کا نام تھا مانی۔ یہ لڑکا حسیب نے دیا تھا مجھے کہ
 یہ لڑکا اس کا بہنوئی تھا۔ مانی نے اس کا نام لیا تھا اور وہی
 تھا۔ مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔
 مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔
 مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔
 مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔
 مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔ مانی نے دیا تھا۔

اس روز ایک بہت خوش تھی۔ خیر از معمول خوش تھی۔ کہ وہی تھی۔ سب تھا
 کا اکتانہ۔
 کیسے لیک ہو جائے گا؟ اقبال غصے میں ہوئی۔
 ہو جائے گا ہو جائے گا؟ اکیس نے اسے تسلی دی۔
 لیکن کیسے اقبال نے کہا خوش نہیں کریں گے تو فوری کیسے لے گی۔
 کہیں گے کہ
 لی جائے گی فوری میں نے کہہ
 دھوڑے بغیر لی جائے گی کیلک سارا دن تو یہ گھر بڑے دھچکے ہیں۔ پتہ نہیں کہ
 میں کون سے دھچکے ہیں مگر دھچکے کا ہوش ہی نہیں۔
 وہ کہتے ہیں 'پھر نہ کہو لی جائے گی' اکیس نے کہہ
 گون گئے ہیں 'اقبال غصے میں ہوئی۔
 چھوٹا لڑکا دھچکے دھچکے بچا۔
 میں نے دیکھا کہ وہ لڑکا تو سارے امیر بھر کھڑا تھا۔
 میں نے فریاد دست تھے 'لیکن دونوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔

UrduPhoto.co

ہم دونوں

III



منشی محمد حسین (والد) (۱۹۵۳ء)



(۱۹۶۴ء)

پتہ نہیں۔

کب تک یہاں قاتل کرے گا تو اس نے کہا دیکھ میں بہت غریب ہوں۔ اور کوئی امید نہیں دی۔ کیسے لے گا یہاں قلم کا کام رک گیا ہے قلم کے کام میں مسلمان ہیں پر اب وہ مسلمانوں سے کام نہیں لیں گے۔ پھر قلم کا کام کیسے چلے گا نہ چلے۔

راج کمار نے جب سے دس کالونٹ نکالا میرے پاس اس وقت صرف یہی ہے تیری روٹی چل جائے گی۔

میں ہنسی کر پیچھے ہٹا تو وہ بولا نہیں میں یہ تو اوجھار دے رہا ہوں میں۔ جب وطن پہنچے تو اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں تجھے کرلیہ دے دیتا تاکہ تو اوجھار اب تو یہاں نہیں رہ سکتا ہے۔ یہاں رہتا اب بہت مشکل ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے نوٹ میری جیب میں ڈال دیے۔

میراجی

پیسے ملنے پر میں نے پھر بار بار جانا شروع کر دیا۔ صبح سویرے اشتا اور منہ دھو کر ہاں ہی مجھے تیار ہوتے دیکھ کر کٹ سے اٹھ بیٹھا اور میرے ساتھ چل پڑا۔ وہ بے ہمارا طرح تھا۔ جیب میں پیسہ نہ تھا کام ملتا نہ تھا اس نے کبھی کوشش ہی نہ کی تھی کہ کام کایہ سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اس کی کیفیت اس کی کشتی کی تھی جو باریان پتھر پہنچ چکی تھی۔ نہ کوئی سم تھی نہ جدوجہد تھی نہ آرزو تھی نہ امید تھی۔ گورو راج جاسے لوگوں کے ساتھ چل پڑتا اور انہیں ڈانٹ ڈنٹ کر گزارہ کر لیتا۔ لوگوں کو تنہا کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

خیر ملنے لگا تو ہم بے مقصد باہر نکل جاتے، کبھی خواجہ غلام عباس کے گھر یا سیوا پری پارک میں رہتا تھا کبھی دھڑا ستر محل کے ہاں پہنچ جاتے، کبھی ساحر کے۔ سارا گرو دی کرتے۔ شام کو دادور میں سکھوں کے ہوٹل میں غوری روٹی اور وال کھاتے۔

محرم علی سڑیٹ یعنی جہاں جہاں ملتا تھا مسلمانوں کے علاقے میں تھا۔ وہاں چمرا

و شدت اختیار کیے جا رہے تھے۔

لیکن مسلمان نکلے خصوصی طور پر توجہ کا مرکز بن گئے۔ ان کی حالتوں میں ہوتی تھی، یہی آگ لگ جاتی اور چھرا تو خیر اسطابق چلا تھا۔ مسلمان علاقے کے لیے وہیں جانے پر پیشہ تیار رہتا تھا۔ مجھے چھرے کی پر وہ مسلمان ہجرت ہجرت کی وجہ سے تھی۔ مسلمان علاقے کا نام سن کر اس کے پیچھے چھرا تو خیر اس کے لگتیں۔ پھر مجھے اس پر ترس آ جاتا اور میں اعلان کرتا ”چلو“

کرشن کے چند رشتے دار لاہور سے بھی آ



بدین عاطف (کشیرواحرہ)

وہ ایک بڑی پاکیزہ عاتون تھی۔ جسم سوتلی ساڑھی پہنتی تھی اور چپ چاپ اپنے آپ میں گمن رہتی تھی۔ ہر لحاظ سے وہ ایک مہجرت تھی اور چپ چاپ اس کی سیدائیں لگی رہتی۔

دو گاہ راتی تھی۔ دو گاہ بستی کی گھاٹ تھی۔ نہ اس کا کوئی آکا تھا نہ بہن۔ ”چھرا تو خیر“ ساٹوا رنگ۔ پرست خلکی تھی وہ ”معموم اور خلکی۔“ اس کے بھائی مندرو نے اسے گھر ڈال رکھا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی



بھی میراں تھی۔ مجھ میں بچپنا ہے نالور وہاں تھی ”سکند میں“ دو گاہ اور مندرو کو تو جانتا ہی ہے۔ وہ کرشن کی خدمت قلب کرشن دیوتا تھا۔

انسان۔ اتنا پیارا آدمی کہ اس پر دم لگتا تھا، مانی پشہ لگا۔ اس نے سلسلہ کلام جاری کیا کرشن کے گھر کچھ رشتے دار آ گئے۔ یہ انہوں نے آ کر وہاں کے حالات بیان کئے تو کوور لاج میں ایک کچاؤ

اُس، شائبہ، قدرت اللہ شہاب، تہہ نہائی

ہاں! اور سلاوی ہنس ہنس کر انہیں اکٹھا کرے گی اور پھر ہم
 ہاں! اٹھائیں گے۔

ابو ابراہیم اور گاور بخت باا کو خدا حافظ نہ کہا۔ بلکہ چپ چاپ سوٹ کیس
 لے کر نکل گیا۔ دروازے میں پہنچا تو اتفاق سے میں نے مڑ کر دیکھا
 کہ ابھی مجھے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

۱۸۸۱ء کھڑی تھی۔ اس نے سفید دھوٹی پہن رکھی تھی، شادی
کے بعد تھی۔ اسے کچھ کر میراجی دھک سے رہ گیا۔ اسے کیسے پتہ
نہیں تھا کہ سوچا۔ پھر میں نے ہاتھ لایا۔ اسے قتل دینے کے لیے یہ پہلا
اولیٰ تھا۔ اس وقت مجھے شعور نہ تھا کہ یہ آخری اشارہ ہے۔ وہ

ہاتھ پر ہات شروع کی کہنے لگا۔ ہن دلوں میں گاڑیوں میں
دبا بھاگ اور جن جھکی مسافروں کو روکے میں بیٹھ جاتے تھے اور
کہہ رہا تھا کہ چھوڑو کہنے والی ٹوئیاں منظم طور پر سڑک کرتی تھیں۔۔۔
اور وہ جانتا تھا۔

ہاں! ہلچل مچ گئی۔ سب نے دیکھا کہ ایک اور شخص بھی وہاں پہنچ گیا ہے۔ اس شخص کی طرف سے بھی یہی بات کہی گئی تھی کہ وہاں ایک اور شخص بھی آگیا ہے۔

تھے، لگا ہوں میں دھمکی تھی، سوچیں کچھ زیادہ ہی آکڑی ہوئی تھی، پہاڑاں میں لے کر
 لنگ رہی تھیں۔

چمڑا کر خود چمڑا لیا۔ کچھ ایسے انداز سے جیسے وہ چاقو
 چل قتلے، وہ لڑکے کو گھور کر بولا۔ "فستا" میں نے

جان نہیں دی تھی۔

بے زاری

ذبح کے اندر پہنچ کر دھڑکے کے قریب ہی میں دھڑام سے گر گیا اور وہیں اس کا
کچھ دیر کے لیے خاموش رہا اور پھر وہاں
پتہ نہیں مجھے کیا اور گردن پیش محوم ہوا قاتل لوگ میرے ارد گرد کھڑے قریب
تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لڑکے جیسے تھے۔ آدم بوم، آدم بوم، وہ سب چلا رہے تھے۔ مجھے
تھامیے وہ سب آدم خور۔
میرے دل میں ڈرنا خوف نہیں تھا، ایک عجیب سی بے زاری تھی۔ مجھے
میں نے محسوس کیا ہو کہ کتنی چیز کے قتل نہیں دی، انسانیت کا ہاتھ کھل گیا،
انفاق، یہودی سب ختم ہوئے۔
زندگی میں پہلی مرتبہ نے خود کو کوچ محسوس کیا۔ بے بسی کے احساس نے مجھے ار
دیا تھا، بیکار ہے سب نے آپ۔
میں نے کچھ ایسے لڑکے یا عیسے سب کچھ بے معنی ہو چکا ہو۔ اب جو کچھ گزرا
پر گزر جائے، بے شک گزرا۔ مجھ میں کوئی امید نہ رہی تھی، تڑپ نہ رہی تھی۔
نہ خوف، نہ جینے کی خواہش تھی۔
پتہ نہیں کتنی دیر میں ہلاک ہوا جان پڑا رہا۔
پھر پھر کوئی چلا رہا تھا
کوئی کوئی ہے کوئی گولہ
کوئی ہے جس نے مولانا کو قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔
کوئی ہے۔

میرا ہی چاہتا تھا کہ جان لیا میں نے دیکھا ہے۔ میں نے اس ہندو نوجوان کو
صاحب کے بیٹ میں چھرا لگے دیکھا ہے۔ میں نے اس نوجوان کو کوئی سے چھرا
بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا اس نوجوان کو پکڑا تھا قاتل میں نے اسے پولیس کے پاس

دل انداز لڑکے، پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۱

دل انداز لڑکے، پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۱

دل انداز لڑکے، پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۱

دل انداز لڑکے، پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۱

دل انداز لڑکے، پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۱

دل انداز لڑکے، پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱۱

گیارہواں باب

میں نے اس کا کیا تھا جیسے روٹیاں بچھ گئی ہوں اور گاڑھا ڈراؤنا اندھا میرا چادر
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

میں نے اس کے لئے دہن سے اتر گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی
 کو دیکھ کر کہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دہم سائے وضاحت پکڑتے گئے۔

میں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں وہ رہا انتہوں کا ذخیرہ۔ وہ بعد ازاں ہے۔
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

مان سنگھ

میں نے اس کا دل کر رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دہم سائے وضاحت پکڑتے گئے۔
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

میں نے اس کے ساتھ وہی چمڑے جسم کا توجہ کر لیا تھا جس نے مولوی صاحب
 کو دیکھا تھا اور پھر کڑی سے چلا گیا کہ دوڑا تھا اور میں اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

میں نے اس کا دل کر رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دہم سائے وضاحت پکڑتے گئے۔
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

میں نے اس کے لئے دہن سے اتر گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی
 کو دیکھ کر کہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دہم سائے وضاحت پکڑتے گئے۔

میں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں وہ رہا انتہوں کا ذخیرہ۔ وہ بعد ازاں ہے۔
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

میں نے اس کے ساتھ وہی چمڑے جسم کا توجہ کر لیا تھا جس نے مولوی صاحب
 کو دیکھا تھا اور پھر کڑی سے چلا گیا کہ دوڑا تھا اور میں اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

میں نے اس کا دل کر رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دہم سائے وضاحت پکڑتے گئے۔
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

میں نے اس کے لئے دہن سے اتر گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی
 کو دیکھ کر کہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دہم سائے وضاحت پکڑتے گئے۔

میں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں وہ رہا انتہوں کا ذخیرہ۔ وہ بعد ازاں ہے۔
 اور اس کا دل کر رہا تھا۔

چائے پیتے ہوئے مانی نے ایک بھر تھری لی اور پھر سر اٹھا کر بولا۔

پتہ نہیں میں کچھ بگڑی ہوئی کڑی پر ہے جان پڑا رہا۔ پھر دھنسا گاڑی

اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھ رہا کہ گاڑی دھم دھم سے چل رہی ہے۔ باہر جاؤں

سے سائے حرکت کر رہے ہیں۔

کچھ دیر تو مجھے کچھ نہیں لگا نہ کیا کہ میں کہاں ہوں اور میرے رویہ وہ

اس وقت مجھے قہقہہ پڑا تھا کہ میں سمجھتی رہے آ رہا ہوں اور مجھے لاناور چاہیے

سینٹین پر ٹون کی پٹیاں دیکھ کر میرا ذہن موقوف ہو گیا تھا۔ معذہ ماش کر کے لگا

قادر آنکھوں کے لئے اندھا بن گیا تھا۔

UrduPhoto.com

دراصل میرا یہ نیت تھا کہ اور لوگوں کو دیکھ کر میں ہوئی تھی بلکہ لوگوں

دیکھ کر میں نے عمر کا تھا جیسے دھنسا سب سارے نوٹ گئے ہوں۔ جن

رہا تھا انسانیت کے بارے میں جو کہ مجھے زندگی جینے کے قابل محسوس ہوئی

اس کا اور لوہا ایک چار پیٹ لی۔

پندرہ سال پہلے۔ اب لگا تو گاڑی انبالے کے مشین پر رکی ہوئی تھی اور پنڈت
 کے پیچھے چھپے گاڑی سے اتر گیا۔

اب وہ ایک دیو سے ہوئے کھڑے تھے۔ گیٹ پر ٹکٹ لینے کے لیے

نروش، نرمل

جامنہ دھو، لیکن سیاں پنڈت نے کہا۔ میں نے منہ پر ہاتھ پھیر لیا میرا ہاتھ خون سے
 پانی نہ تھا۔ بلکہ تازہ خون تھا۔

میرا دل ہلش کرنے لگا اور میں غسل خانے کی طرف بھاگا۔

ابھی میں منہ دھو رہا تھا کہ پیچھے سے دروازہ کھلا۔ پنڈت کو دیکھ کر میں کرا

لیکن ہرٹس نے مجھے بھیج لیا۔ اس کی

کر وہ تیزی سے چل پڑا۔

اچھا تو میں ڈیوٹی پر ہوں، میں نے سوچا یہ سب اعجازِ کھدر کے جو گیا سوٹ ۱

مجھے نہ بتاتا تو اب بھی میں چٹلون پہنے ہوتا اور لوگ مجھے شک کی نظروں سے دیکھتے۔

جب میں ڈپے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو ٹہنگ اوپر کے تختوں پر لیٹ گئے

مخفی سیٹ پر لپٹے خزانے لے رہے ہیں۔

ٹھانٹھے والا جو مہلے سٹھوڑی رہتا ہوا تھا۔ میری اسٹوڈنٹ روڈ اُڑا تھا۔ اس کا سر میری

اس کے قریب تھوڑے سے جگہ پر بیٹھ کر اگلے روز صبح ۱۰ بجے کے بعد

اس کے قریب سوڑی سی جلد پر بیٹھ لیا۔ گاڑی چل پڑی۔ پھر شاید جیسے اونٹ نے آگے

دھن "گاڑی کا زبردست جھٹکا لگا اور میں ٹھانھے والے پر جاگرا۔ اس کے پاؤں

گرفت میں لے لیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔

اٹھے "کی ہو یا اے" ایک نے پوچھا۔ میں پتہ لانا:

ایسہ دونوں سوں گئے نے، بڑھا تنگ ہوا۔

کون سوں گئے، اور سے نہنگ نے پوچھا۔

کچھ درتوں میں ہر گزے کا گرفت میں نہ آتا ہے

پھر دیکھ لو میں ہر ماہ کی سرفت میں پڑا رہا کرتے ہیں وہ صفت واپس آ گیا اور

کئی عرصے میں سرداری اپنے اردن نل سوں جاؤ۔

کٹدی دی لیں وچ کسی نے

لئی۔ فیرپہ = نہیں کے لئے

لیکچر سن 'بڑھے' نے پڑھا۔

ہاں، وہ بولنا، دونوں۔

گنڈی کیوں

میں مانجھے دی آں۔ پنڈ جانی آں پئی۔ امیر قسرتوڑی تیرے

’اے والد! وہ کچھ وقتے سے پولی‘ تو میرے بل بند چل‘ میرے کول رہو‘

ابو جہل نے کہا: اب جاکے بتاؤ کہ تمہارا گھر آگ لگا رہا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔

2.1.1

UrduFarsi.com ہے اہل کول آدمی

بھلا بھلا۔ فیر ٹھیک ہے 'بڑھا ہوا۔

UrduPhoto.com

Theridion sp. nov.

ہر ہاتھوں نے میری جھڑپ کو بیکار نہ کیا تھا۔ انا میں ڈرتا تھا، کہیں وہ کوئی دھوکہ دے۔ کہیں پھر سے پھٹے ہوئے وہ ہونٹ میرا منہ ٹھونکا شروع نہ کر دیں۔

سب سے بڑی بات تو ہر ہاتھوں کی محبت تھی۔ زندگی بھر کسی نے اتنی محبت سے میں کو لے نہیں ڈالے تھے۔ میری اپنی ماں نے کبھی مجھے اتنی محبت سے نہیں کھلیا تھا اور پھر اس کا مجھے 'اڑیا' کہنا اس قدر بھرپور نظروں اور جھکی جھکی نگاہوں سے دیکھنا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ نے مسکراتے ہوئے کہا، تجھے پتہ ہے میں کدو پڑ کا ہوا ہوں، ہر ہاتھوں میرے لیے ایک پر اسرار لاد پھر تھی۔ وہ ایک پر اسرار عورت تھی جو خدا کا مسز کر رہی تھی، اتنی دلبری تھی کہ صورت حال سے ذرا غافل نہ تھی، غصہ پانچہ روپ میں مسز کر رہی تھی اور چادر کی کوٹ میں ایک مسلمان لڑکے سے عشق لڑا اور اسے مولیوں والے پرانے کے لولے کھلا رہی تھی۔ ہائی پٹنے لگا۔

وہ ایک عجیب چھوٹا تھی، ہائی نے چلا کر کہا، ہاں خون ہی خون تھا، لاشیں ہی لاشیں، کچا گوشت تھا اور چادر کے اندر ایک اچھے کی سکنی مسلمان سے عشق لڑا رہی تھی۔

میرا جی چاہتا تھا کہ وہ بلا کسی میرے منہ میں پرانے کے لولے ڈالتی رہے، ڈالتی ساتھ مجھے بے ختم کھاتے دیکھ کر ہنسی رہے۔ میرا مذاق ڈالتی رہے۔ اپنے بڑے سے میرا سر سلاتی رہے، 'تھی' کہ امر ترسہ آجائے، جگہ امر ترسہ آجائے ہی نہیں، یا اگر گاڑی چلتی رہے۔ امر ترسہ نکل جائے، لاہور نکل جائے، ہندوستان نکل جائے، پاکستان نکل جائے، پھر نہ ہندو رہے، نہ مسلمان رہے، کچھ بھی نہ رہے، صرف اس چادر کا آسمان ہو، جو ہم لوہر چن رکھی تھی اور اس آسمان تلے وہ ہو لوہر میں ہوں، اور کبھی کہ وہ لولے

ڈالتی رہے، ڈالتی رہے۔

وے۔ اڑیا

اب خواب نہ دیکھو، میں نے ہائی سے کہا، یہ بتاؤ کہ پھر کیا ہوا۔

ہائی جیسا، یوں وہ دن کا کمرہ کا قتلہ

ہر ہاتھوں نے میری جھڑپ کو بیکار نہ کیا تھا۔ انا میں ڈرتا تھا، کہیں وہ کوئی دھوکہ دے۔ کہیں پھر سے پھٹے ہوئے وہ ہونٹ میرا منہ ٹھونکا شروع نہ کر دیں۔

سب سے بڑی بات تو ہر ہاتھوں کی محبت تھی۔ زندگی بھر کسی نے اتنی محبت سے میں کو لے نہیں ڈالے تھے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ہاتھ روم جانے کی حاجت محسوس کی۔ ہاں، اصل ہول۔ اس وقت ہر ہاتھوں سو رہی تھی۔

صرف یہی نہیں، بلکہ نے مسکراتے ہوئے کہا، تجھے پتہ ہے میں کدو پڑ کا ہوا ہوں، ہر ہاتھوں میرے لیے ایک پر اسرار لاد پھر تھی۔ وہ ایک پر اسرار عورت تھی جو خدا کا مسز کر رہی تھی، اتنی دلبری تھی کہ صورت حال سے ذرا غافل نہ تھی، غصہ پانچہ روپ میں مسز کر رہی تھی اور چادر کی کوٹ میں ایک مسلمان لڑکے سے عشق لڑا اور اسے مولیوں والے پرانے کے لولے کھلا رہی تھی۔ ہائی پٹنے لگا۔

وہ ایک عجیب چھوٹا تھی، ہائی نے چلا کر کہا، ہاں خون ہی خون تھا، لاشیں ہی لاشیں، کچا گوشت تھا اور چادر کے اندر ایک اچھے کی سکنی مسلمان سے عشق لڑا رہی تھی۔

میرا جی چاہتا تھا کہ وہ بلا کسی میرے منہ میں پرانے کے لولے ڈالتی رہے، ڈالتی ساتھ مجھے بے ختم کھاتے دیکھ کر ہنسی رہے۔ میرا مذاق ڈالتی رہے۔ اپنے بڑے سے میرا سر سلاتی رہے، 'تھی' کہ امر ترسہ آجائے، جگہ امر ترسہ آجائے ہی نہیں، یا اگر گاڑی چلتی رہے۔ امر ترسہ نکل جائے، لاہور نکل جائے، ہندوستان نکل جائے، پاکستان نکل جائے، پھر نہ ہندو رہے، نہ مسلمان رہے، کچھ بھی نہ رہے، صرف اس چادر کا آسمان ہو، جو ہم لوہر چن رکھی تھی اور اس آسمان تلے وہ ہو لوہر میں ہوں، اور کبھی کہ وہ لولے

ڈالتی رہے، ڈالتی رہے۔

وے۔ اڑیا

اب خواب نہ دیکھو، میں نے ہائی سے کہا، یہ بتاؤ کہ پھر کیا ہوا۔

ہائی جیسا، یوں وہ دن کا کمرہ کا قتلہ

میں نے جواب دیا۔

لڑا، اوشا، ہرناموں

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ
میرے پاس رہے، کتنی رہے، کتنی رہے، ہرناموں چاروں کنارے ٹھہری۔
اس کا منہ تنفس سے لیل ہو گیا۔ تو اس نے میری طرف
پہرہ چڑی سے مخاطب ہوئی۔ "کیا یہ ہے میرا منہ سکھ؟"
"ہاں کی قطیر تھی۔ میں بڑی امید سے چڑی کی طرف دیکھ رہا
تھی کہ یہ ایک بار" ہیں یہ میرا منہ سکھ ہے۔"

"یہ میرا ہے۔"
"میں نے کہا تھا کہ کوئی شیار مجھے اپنا لے سکے۔" یہ میرا ہے۔"
"میں نے کہا تھا کہ ایک نئی خواہش ہے۔ مجھے علم نہ تھا کہ عورت یہ چاہتی
تھی کہ میری ہے۔"

"جسٹ" نہیں تھا اپنی بے نیازی
میں نے کہا تھا کہ اسے بھی صرف میں کی گود میں آ سکتی تھی۔

ہرناموں کی بات کرتے کرتے "وہ تھا" اپنی اٹھ بیٹا "درا قصہ" وہ ہوا "ہمیں
سے ہو آؤں۔"

ہرناموں کی بات نے مانی کے دل میں تہجان برپا کر دیا تھا۔ بیٹے ہوئے اور
تازہ ہو گئی تھی مانی کی ہرناموں نے میرے ذہن میں چنگاری لگا دی تھی۔ لہذا وہ
دھواں نکلے گا۔

میں نے کہا تھا کہ اسے دیکھ کر دم لگا تھا۔ یہ محض اتفاق کی
تھی، میں نے دلچسپی نہ تھی، تھی بھی تو سرسری۔ مانی کو صرف ایک
حوالہ تھا۔ لڑکیوں کو تاکنے یا ان سے چمچ چھا کر لے کر اسے

۱۵۷

”مس“ اس نے اپنی طبعی بے نیازی سے پوچھا ”آپ کو پتہ ہے یہاں آنا ہے۔“

”ایس“ بڑی لڑکی ہوئی“ ”ہو رہا ہے۔“

”کہاں ہو گا“ مس۔“

”یہیں ہو گا۔“ وہ شرارت سے مسکرائی۔

”یہ تو رہائشی کو بھی نظر آتی ہے۔“

”ہولے-ہے۔“

”کس کی کوٹھی ہے یہ۔“

"یہ کرٹل صاحب کی کوٹھی ہے۔"

”کون سا کر قل۔“

”جو انڈیو کریں گے“

”تم بیٹھ جاؤ۔“ پھوٹی نے لقمہ دیا۔ ”جائے گئے۔“

”پلا دو تو پی لوں گا۔“ مانی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ چھوٹی نے ہیرے لہا لہائے لاک۔“

اگر مانی غور سے ان لڑکیوں کو دیکھ لیتا، ان کے چہروں کے آثارِ حیا کی طاقتور توثیق اسے سمجھ میں آ جاتا کہ وہ دونوں شرارت پر آمادہ ہیں۔ لیکن وہ وہاں یوں بیٹھا گرد و پیش کی طرف دیکھتا رہا جیسے وہ لڑکیوں ہی نہ ہوں۔ محالاً کہ وہ دونوں عام زیادہ جاذبِ نظر تھیں۔

دیر تک وہ وہی بیٹھا چھپیں ہانک رہا حتیٰ کہ باقاعدہ انٹرویو جو ایک قریبی راجہ

۱۔ اے اللہ! کہہ دی تمہیں۔

انکار یہ کیا ہو رہا ہے۔

۱۔ دونوں لڑکیاں اس سے لپٹی ہوئی تھیں۔

کھڑا ہو گیا۔ گھور کر بولا۔

41

$$-\frac{1}{2} \int_{\mathbb{R}^d} |\nabla u|^2 dx$$

11

“...¹”

" $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$ "

$$u = \frac{1}{k} \int_0^x f(\tau) d\tau + \frac{1}{k} f(x) + C$$

۱۵۱ اس فیو اس نے پوچھا۔

$$-3x^2y^2 = f''_{xy}(x,y)$$

"اور نہیں مانگتا۔"

$$-\frac{1}{4} \frac{d}{dt} \left(\frac{1}{t} \right) = \frac{1}{4t^2}$$

¹⁹ *Id.* 116 (citing *id.* 116).

۱۷۷۷ "نائب" ۱۷۷۷

پہلو کری "بول" تحقیق ہو سر"

... جو ابھی آپ نے بتایا ہے ہے

میں سر۔

"ہی کس لٹ ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہی اڈو سٹیک" چھوٹی نے کہا۔
 "ہی ڈیجرا کی لیک۔" کرنل نے تیری چڑھائی۔
 "نفل آف ڈیجرا پٹے ڈیڈ۔"
 "تم انٹرٹینر بننا پند کرے گا،" کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 "انٹرٹینر؟" ہانی نے دہرایا۔
 "سولین آفسر" کرنل نے وضاحت کی۔
 "لیس سولین آفسر" ہائٹ انٹرٹینر "ہانی نے کہا۔
 "یہ تو پتہ ہے ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہیڈ؟" کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 "نو نو نو۔" لو پوٹ سر۔" ہانی چلایا۔
 "تم شراستہ کیوں ہو" بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 "ہی اڈو ہسبل ڈیڈ۔" چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کندھے سے لنگ گئی، دوسری گردن سے اور
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔

"کل رائٹ آل رائٹ۔" بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ آئے
 "تم سولین آفسر ہے، تمہارا کام انٹرنیشنل منٹ پونٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیوٹی گن گن
 ہے" پوٹ۔"

میں ہی میں

ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی گالری
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا ابھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

نہم دونوں کی زندگیوں میں کتنا بڑا فرق پیدا کر دکھا تھا۔ اتنی سی بات نے ہانی
 کی زندگی بدل دی تھی۔

نہم دونوں کو ایک دوسرے سے بے خبر رہنے کا درد تھا۔ وہ ڈیڈ انٹرنیشنل کرتا رہا۔
 وہ بھی اپنی فوج ہے۔ اس میں قیام ہوتا ہے، لذت ہوتی ہے، حرکت ہوتی ہے، جسے
 "پوٹ" کہتے ہیں۔ وہاں محبت اور عشق، تھیں وہ دیئے ہیں، جو "پوٹ" کے قتل
 کی وجہ سے رہتے ہیں۔

ہانی اس مسلسل روشنی سے تنگ آکر تہہ تیہ کی خاطر کسی وقت منہ ڈیڈ کو تیاگ
 کر دیتا۔ لیکن اس کے اعصاب پر کرنل کا خوف سوار تھا۔
 ہانی چلے گی یہ روشنی چند ایک ماہ تک اس کے بننے کے کرے کو منور
 کرے گی کہ پوٹ کے پوٹ کرنل کی تھی اور دونوں بڑی لڑائیوں سے چل کر کمر آ
 لے لے آتے ہی صورت حالات کو سمجھ لیا اور وہ اپنی سولٹی بیٹیوں کے ساتھ
 "پوٹ" میں شامل ہو گئی۔

پوٹ، وقتیں پیدا ہو گئیں۔

اپنی سولٹی بیٹیوں کی طرح معصوم نہ تھی۔ اس لیے وہ منہ

نہانی کی ناکل نہ تھی۔
 کرنل نے جب دیکھا کہ لڑائی توجہ انہیں پر مرکوز ہے تو وہ چونکا ہوا کہ: "اللہ! اللہ!"

ایکس پر مرکوز ہونا در بات حقی۔ لیکن راوی ہی۔
ایک دوزخ لڑا کے پیچھے پیچھے ایسی میں آیا اور دوزخ کے پیچھے چپ کر دیکھا۔
فرمانی کا طواف کرتے کرتے پار کھلی گئی تو وہ پردے سے باہر نکل آیا۔
مائی نے کرنل کو دیکھا تو اس کا دم خشک ہو گیا۔ کرنل بولا ”دیکھو پیو تم نے اس
انٹرنیشن کرنا ہے۔ تم نے نوک کو انٹرنیشن کرنا ہے۔ ہمارے ہم صاحب کو نہیں سمجھا۔“

”آپ مہمان کو روک لیں۔“ مانی نے مظلوم بن کر ہمدردی طلب کی۔

”مہمان صاحب کو نہیں روک سکتا، کرنل یو، لیکن ہم تو کو روک سکتے ہیں۔ یہ کرنل نے پتھوں کو روک لیا۔“

”میں تو؟“ اس نے پتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

”اچھے روز جب ہمیں مانی کے ہاتھ کے ساتھ ایسی ہی داخل ہوئیں تو کمرہ خالی تھا۔“

لوچ ہی لوچ

ہانی کے اخراج کی وجہ صرف کرنل کا ڈور نہیں تھا۔ اگر صورت حالات دیکھی نظر نہیں
تک محدود نہ ہوئی۔ اگر اس سکیل میں ایڈیوٹر کا مشغل ہو جاتا تو کرنل کا ڈور جھاگ
بالوں کی طرح اڑ جاتا۔ بالکل ایسے جیسے لوشار دانی کے ساتھ ہوا تھا۔

مائی کو لوٹا رانی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے نزدیک وہ ایک رہنمائی کھیل تھی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اوشا خوبصورت نہ تھی۔ خوبصورت تھی یا نہیں، دل آویز، خوش
تھی۔ بے انداز دل آویز تھی۔ وہ عین جگر باہر نکلی تو ایسے گنگا جیسے ریشمیں "ہمیں" "ہمیں" "ہمیں"

جیلوں کی طرح اڑ جاتا۔ بالکل ایسے جیسے لوشارنی کے ساتھ ہوا تھا۔

ہائی کو لوٹا رہی تھی۔ اس کے نزدیک وہ ایک رنگین کھیل تھی۔
اس کا مطلب یہ نہیں کہ اوشا خوبصورت نہ تھی۔ خوبصورت تھی یا نہیں، دل کو یہ خبر
تھی۔ بے اندازہ دل کو یہ خبر تھی۔ وہ بین جگ کر باہر نکلی تو ایسے گنگا جیسے رشتے میں "مومن" ہو گیا۔

میں نے کہا کہ میں اس سے مراد ہوں۔

”گمن میں آج اس کے ساتھ نہیں تھا“ ہائی نے جواب دیا۔

"پھر" رنجی نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"کافی دیر تک وہ ڈری ڈری رہی کم سم بیٹی رہی۔"

میں نے کہا ڈرتی کیوں ہے رہی، میں تجھے کھا میں جاؤں گا۔ اور دیکھ میں

کی۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔ وہ اب بھی کھڑی

ارد کوئی بیٹری ہو تو دینا میں اسے ہلا کر ٹاکر لوں۔"

میں نے کہا، "خدا کا نام لے۔ ہر سال، اس کے لئے ایک ایک تہہ، عہد۔"

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

الاط منٹ

کرشن عمر میں اس امید پر گھومتے پھرتے کہ کوئی امیرانہ گھر دیکھ لیں اور
اسی اصرار پہلاک کر رسم و رواج کی تلاش کریں۔ سم و زر نہیں، تو چلو سازو

ہندو علاقوں میں پولیس متعین کر رکھی تھی۔ بلیاں پھینچاڑوں

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کوشیوں کی طرز پر بنے ہوئے تھے۔

کرشن عمر کے ہندو منظم طریقے سے ہجرت چاہتے تھے۔ تمام مکانات، بار

مقتل۔ یہ مکانات سازو سامان سے بھرے ہوئے تھے۔ تالین، کرسیاں، صوفے،

منظم انتظام کے باوجود ہندو صرف وہیہ چیزیں دیکھ کر دوسری قیمتی چیزیں سامان

تھے۔ گھر باقی فرنیچر جوں کا توں چھوڑ گئے تھے۔

جب وہ گئے تھے تو انہیں پورا یقین تھا کہ صرف چند ہفتوں کی بات ہے،

کے بعد وہ اپنے اپنے گھروں میں لوٹ آئیں گے۔ سامان شاید لٹ لٹا جائے۔

خطرہ نہیں۔

چند نہیں اس پختہ یقین کی بنیاد کیا تھی، لیکن یہ یقین ان کے دلوں میں

نے بٹھایا تھا، معلوم نہیں شاید کسی سیاسی پارٹی نے بٹھایا ہو۔ بہرحال قرآن

ہندوؤں کو یقین تھا کہ تقسیم ایک عارضی چیز ہے اور چند دن کے اندر اندر

$$-U^2 = -U^2(1)$$

۱۰۰۰ کی۔

بانی نے جواب دیا۔ مکان حاصل کرنا تو کوئی پر اہم نہیں۔

پھر میں نے پوچھا۔

اس کی ————— مجھے تو نہیں لگتی۔

سائل ہوں گے۔ الٹ منٹ مجسٹریٹ کی منتیں کرنی پڑیں گی۔ مہاجر ہوئے

نہیں۔ اور کہا کیا کرتا رہے، تم سمجھتے کیوں نہیں۔

$$= \inf_{\mathbf{f} \in \mathcal{F}} \int_{\mathcal{X}} \ell(\mathbf{f}(\mathbf{x})) d\mathbf{P}(\mathbf{x})$$

— 50 —

۱۔ یہ کہ ایک شخص کو ایک نیا کام ملے۔

۱۰۔ سرورہ سکول میں سے دس ایکڑ زمین پر پانی نہ بہا گیا۔

السلامة في كل وقت

۱۰۰/۱۰۰

۱۰۸

... کے لئے ہسٹریٹ کے گھر سے نکلا دیا۔

ہم قانونی طور پر مکان لاث کرانیں گے۔

اس فیصلے کے بعد ہم دونوں کرشن نگر میں محوم پھر رہے تھے۔ اپنے اپنے کام کے لئے تھے تاکہ کوشش کر کے اسے اپنے نام لاث کرالیں۔

جوں جوں میں مسلمان سے بھرے ہوئے مکان دیکھتا توں توں میرے اندر کی ہر آنکھوں تلے ہل خزانے کے ذخیرہ گرجا جاتے۔ میرا ہی چاہتا کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ مگر مکان کے اندر داخل ہو جائے تو مکان پر قبضہ کرے۔ مجھے اس بات پر فائدہ پہنچتا کہ یہ ہے۔

اس کے برعکس اپنی یہ سمجھتا تھا کہ میرے لیے اس کی تجویز ناقابل قبول ہے۔ جاگوار گزرتی ہے اور وہ نہایت سے سر لٹاک کر آگے چل پڑا۔ چلو نہ سہی، جیسے تم کہو، اس روز محوم پھر کر ہم نے چار پانچ مکان پسند کیے، ان کے نمبر نوٹ کیے اور گئے۔

زیور سے لہری چندی ہندنی

ساری رات مجھے نیند نہ آئی۔

ساری رات میں ان مکانات میں گھومتا رہا۔

کبھی ساڈو مسلمان کا جائزہ لیتا، کبھی الماریوں کی صفائی لیتا، کبھی مچن کے کونے میں لپکتے زین کو دیکھتا، زین سے آوازیں آتیں، ہل ہل میں بیٹیں ہوں۔ قوسوں کی گولائی اور کھوروں اور کھوروں۔

ایک مکان میں گھومتے پھرتے تو ایک حادثہ رونما ہو گیا۔ میں گھوم رہا تھا، چوتھی کا دروازہ کھولا چاہا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے سوچا شاید اس کا کوئی دوسرا دروازہ ہو۔

—و—

دفعۃً میں نے دیکھا کہ سامنے ایک کھڑی ہے، جس میں بیشہ لگ ہوا ہے۔ میں اس کی چوڑی شیشہ چور چور ہو گیا، بازو اندر ڈالا۔ چھٹی کھلی اور اندر داخل ہو گیا۔

اُسے میں حیران دیکھ کر سامنے پیچ کے ایک کونے پر، ریشمیں چادر میں لپیٹ کر رکھی تھی۔

ایک دفعہ پھر اسے دیکھا۔ چادر میں حرکت ہوئی، ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ میری طرف دیکھ کر آگیا۔

میں نے اسے دیکھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر آگیا۔

وہ گھڑی ایک جیتی جاگتی ہندنی تھی۔ اس کا جسم سونے کے دیو رات سے

سب کچھ لے لو کر مجھے مارو نہیں۔

لیجھا تو وہ غلی بھائی ہی نہیں تھی۔ وہ ایک حسین و جمیل دامن تھی، جس کے ہاتھ میں کچھ میرے قدموں پر پڑا تھا۔

کرشن نگر کے حوروں کے مکانوں میں جاگنے کے خواب دیکھتا رہا۔

میں فینٹسی کو مت پڑا دخل ہے۔ فطری طور پر میں جاگنے کے خواب

دیکھتا رہا۔ اندکی کا ہر موقع واقعہ چاہے وہ طریب ہو یا البیہ، وقوع پذیر ہونے سے پہلے

یہ میری مجبوری ہے۔ جاگنے میں خواب دیکھنا میری کمزوری میں پڑا

میں نے کرشن نگر کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں سے گھرا رہا۔ پھر میری آنکھ لگی اور میں سوتے میں وہی

دیکھتا رہا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

دیکھا۔ ہندوؤں کے حوروں کے مکانات میں، ساڈو مسلمان، خفیہ خزانوں اور زیور سے

بجسٹریٹ لوجیز عمر کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی بے تعلقی اور بے ہوشی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اس کے روزیہ کھڑے ہو کر اپنی بد قسمتی کا رونا روٹے، تو وہ انہیں دیکھ کر ہنس دیتا۔

اگر جمع ہو گئے۔ چاہے بولے۔ ضروری کارروائی مکمل ہو سکتی ہے۔ اب وہ نام بیان الٹ کیا گیا ہے۔ اس پر ایک موٹا تازہ مٹول ٹھنک آگے

اول تو اسے سنائی نہیں تھا۔ مجبوراً سناتا تو وہ آنکھیں موندھ کر بیٹھ رہتا۔
یوں لگتا جیسے گہرا دھماکا ہو۔ ہر حال سناؤں کی منتوں سناؤں کے ساتھ ہی اسے
صرف ایک لفظ کا آقا تھا، یعنی ہو جائے گا۔ اور نہیں۔

اس کا طریق کار ایک سرست راز تھا۔ جس کی کبھی کتاب کے ہاتھ میں تھی۔

تپ ایک چٹا پرہو شیار آدمی تھا۔ وہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ جب کوئی کام
وقت بھی اس کے انداز سے لیا لگتا جیسے شدت سے مصروف ہو۔

سوتا مجسٹریٹ جاگتا تپ

تپ کے ہاتھوں میں ہر وقت کلڈوں کا ایک پلندہ پکڑا رہتا۔ ہر چند ایک منٹوں
اس پلندے کو کھول کر دیکھتا، اس راز تو تپ دہا اور پھر سے لپیٹ کر ہاتھ میں لے لیتا۔
مجسٹریٹ سویا سویا تھا، اتنی ہی تپ جاگتا جا رہتا۔ بلکہ بعض اوقات ٹک پڑنے لگتا۔
سے کچھ زیادہ ہی جاگ رہا ہے۔

وہ مجسٹریٹ کا تپ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ مجسٹریٹ کو یوں چلاتا تھا جیسے اس کے ہاتھ
ہو۔ اب یہ کہتا ہے جب اب لوہر جانا ہے۔ جب اب بی ۳۳ کی لٹ منٹ منٹ ہے
اس کا لہجہ تھکا ہوا لگتا تھا جیسے ہر بار جب تپ کہہ کر وہ اسکات کو شوگر کوٹ لے جاتا۔
مجسٹریٹ بغیر چوں و چرا کے تپ کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ یوں جیسے سڑکیں کو
انجن مسٹری ڈرائیور کے طالع ٹریفک ہو۔

سناؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہا
’میں بد بلی بد بلی جا رہی تھی۔ جو کہ لٹ منٹ آرڈر ایسے لوگوں کو مل رہے تھے
نے بھی دیکھا نہ تھا۔

ہر روز وہ ایک نئے لوگ بھرم میں شامل ہو جاتے اور لٹ منٹ آرڈر لے کر چلے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیچھے پیچھے پھرتے والے لوگ اور ہیں اور لٹ منٹ حاصل
اور۔ اس کے علاوہ بھرم کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہر اسرار مال خانہ جس میں ہر مکان کی
منتقل کی جاتی ہیں۔ مہاجرین کا مال خانہ نہیں بلکہ مجسٹریٹ ’تپ‘ پولیس اور کارندہ ہیں۔

یوں لگتا جیسے گہرا دھماکا ہو۔ ہر حال سناؤں کی منتوں سناؤں کے ساتھ ہی اسے
صرف ایک لفظ کا آقا تھا، یعنی ہو جائے گا۔ اور نہیں۔

تپ ایک چٹا پرہو شیار آدمی تھا۔ وہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ جب کوئی کام
وقت بھی اس کے انداز سے لیا لگتا جیسے شدت سے مصروف ہو۔

تپ کے ہاتھوں میں ہر وقت کلڈوں کا ایک پلندہ پکڑا رہتا۔ ہر چند ایک منٹوں
اس پلندے کو کھول کر دیکھتا، اس راز تو تپ دہا اور پھر سے لپیٹ کر ہاتھ میں لے لیتا۔
مجسٹریٹ سویا سویا تھا، اتنی ہی تپ جاگتا جا رہتا۔ بلکہ بعض اوقات ٹک پڑنے لگتا۔
سے کچھ زیادہ ہی جاگ رہا ہے۔

وہ مجسٹریٹ کا تپ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ مجسٹریٹ کو یوں چلاتا تھا جیسے اس کے ہاتھ
ہو۔ اب یہ کہتا ہے جب اب لوہر جانا ہے۔ جب اب بی ۳۳ کی لٹ منٹ منٹ ہے
اس کا لہجہ تھکا ہوا لگتا تھا جیسے ہر بار جب تپ کہہ کر وہ اسکات کو شوگر کوٹ لے جاتا۔
مجسٹریٹ بغیر چوں و چرا کے تپ کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ یوں جیسے سڑکیں کو
انجن مسٹری ڈرائیور کے طالع ٹریفک ہو۔

سناؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہا
’میں بد بلی بد بلی جا رہی تھی۔ جو کہ لٹ منٹ آرڈر ایسے لوگوں کو مل رہے تھے
نے بھی دیکھا نہ تھا۔

ہر روز وہ ایک نئے لوگ بھرم میں شامل ہو جاتے اور لٹ منٹ آرڈر لے کر چلے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیچھے پیچھے پھرتے والے لوگ اور ہیں اور لٹ منٹ حاصل
اور۔ اس کے علاوہ بھرم کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہر اسرار مال خانہ جس میں ہر مکان کی
منتقل کی جاتی ہیں۔ مہاجرین کا مال خانہ نہیں بلکہ مجسٹریٹ ’تپ‘ پولیس اور کارندہ ہیں۔

کرشن نگر

IV



اشفاق احمد



جسٹس

ان لوگیاں

باہر لٹا تو مانی دوڑ کر اس کے رو بہد کھڑا ہو جاگ۔ زور سے پاؤں زمین پر مارا۔ ہر
 قوی انداز سے سلوٹ مار کر کہتا، 'صاحب ہم بھٹوں سے آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔'
 پھر ہم سید سے کرشن نگر چلے جاتے۔

جب بھی مجسٹریٹ لائٹ منٹ کرنے کے لیے مکان سے باہر لٹا تو مانی دنگے دنگے
 چر کر اس کے رو بہد کھڑا ہو گیا۔ زمین پر پاؤں مار کر اٹیشن ہو جانا اور پھر قوی
 حضور ہماری طرف بھی توجہ فرمائیے۔

اس طرح دن میں ساتھ ساتھ آٹھ مرتبہ مجسٹریٹ کو سلوٹ کیا جاگ حتیٰ کہ جب دو
 کے مقام سے فارغ ہو کر گھر پہنچتا تو دروازے پر ہم دونوں استہدہ ہوتے اور حسب
 اٹیشن ہو کر سلام مارا۔

پہلے روز ہی 'چھپے سلام پر' مجسٹریٹ نے چونک کر پہلی بار غور سے مانی کی طرا
 پہلی مرتبہ تھی۔ جب اس نے پوری طرح جاگ کر کسی سائل کا جائزہ لیا تھا۔
 تیسرے روز مجسٹریٹ کی قوت برداشت نے جواب دے دیا۔ اس کی بے

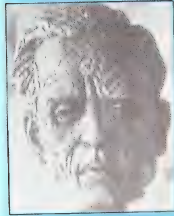
اس وقت وہ مکان سے جیتی اشیاء کے انخلاء کے بعد لائٹ منٹ آرڈر دیتا ہے
 لٹا تھا۔ اس روز بھیڑ بست زیادہ تھی۔ مانی نے اللہ اکبر کا ایک نعرہ لگایا۔ مجمع سسٹم کا
 دنگے دنگے ہوا غنڈوں کی طرح آگے بڑھ کر مجمع کو پیچھے ہٹ گیا۔

مجسٹریٹ کے رو بہد پہنچ کر اس نے خود پر ایک حیرت انگیز تہذیبی پیرا کی۔
 حضور

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"



فدوی کا بنایا ہوا بسٹ (۱۹۳۹ء)

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

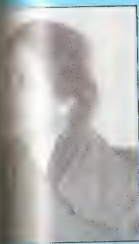
محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"

محبوبہ مانی نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 وہ پہلا دن تھا کہ
 میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "محبوبہ مانی سے کہہ چکا تھا۔"



ادو اجعری، ادبی تنظیم

منشی یاد، ادبی تنظیم رابطہ

ArduPhoto.com

ArduPhoto.com

جو ہر سائل کے دل میں بہتوں سے اچھل رہی تھی۔ وہ بات جو دلوں میں رستا رہا ہے۔
تھی۔

مائی کی باتیں سن سن کر سائیکوں کے دلوں میں ہمت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ دلی دلی

اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اتفاق سے نائب ڈاٹر نکلا۔

مائی چلا کر بولا 'نائب صاحب دیکھئے کوئی چیز انہر نہ رہ جائے' ساری نگاہیں

لے چائیں 'لے چائیں میرے گھر کو پاک کر دیجئے۔'

نائب کو یہ سن کر پیش ٹالیا۔ اس نے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر

کرنا ہمارا فرض ہے، رہ بولا اور۔

ضروری کارروائی، کوئی قہر۔ مار کر رہا۔

ضروری کارروائی، ایک گروہ چلایا۔

ضرور کیجئے ضروری کارروائی، اوسر سے آواز آئی۔

ضروری کارروائی بہت ضروری ہے، کوئی بولا۔

نائب صاحب بہت سیانے ہیں، غیر ضروری کارروائی نہیں کرتے۔

کچھ زیادہ ہی سیانے ہیں۔

اللہ بچائے اس سیانے سے۔

بے زبان زبانیں

چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

نائب نے 'گروہ' کا رخ دیکھ کر تفرق کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور چپ چاپ اندر ہار دیا۔

ہر ایک نے عجیب تبدیلی عمل میں آئی۔ لوگوں کو گویا زبان مل گئی۔

میں چندہ دلوں سے مجسمت کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہوں، ایک نے کہ۔

بارہ دن ہو گئے ہیں، وہ میری بات ہی نہیں سنتا۔

یہ مکان آخر کے الٹ ہو رہے ہیں۔

پتہ نہیں، بس ایک بار آتے ہیں اور مکان لے کر چلے جاتے ہیں۔

بھرا تھا، مضبوط تھا۔ اس میں انگریز کے دور کے سیکڑ گلاس وینک روم کی دھانی

نودلیے

سلان دیکھ کر مجھے اندر ہی اندر دکھ بول میرا ڈرائینگ روم کا خوب ہوا
لے، لیکن پھر بھی میں بہت خوش تھا، چلو ڈرائینگ روم نہ سہی۔ "جینک تو
اگرچہ غلطی نہ تھا، لیکن فریجیئر تھا۔
بڑے روز میں بہت ہماری بنگ تھے، بڑے بڑے آگے
ہوئے موٹے ڈگ قسم کے میز۔

مندوق کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں کی نوعیت ان
لڑے بازار کے فٹ پاتھ پر کپڑوں کے ڈھیر گے ہوتے ہیں اور پرچوں فروش
دروپے "کا آواز لگتے ہیں۔

بہر صورت ہم محسوس کر رہے تھے جیسے دفعتاً غمت سے لہارت میں آنا
ایک صاف ستھرا مکان ایک الگ جینک، اتنے سارے برتن اور طرح طرح کے
ہر سائز کے کپڑے، سٹے ہوئے، اگلے سٹے، ان سٹے۔

اس لہارت میں صرف ایک کرسی وہ یہ کہ گھر میں بچلی نہیں تھی ہوئی تھی
کلی کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا تھا لیکن اتنے خوبصورت گھر کو لائے۔

میرے لیے قابل قبول نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچلی کے پول کی تدریس مکان کی
سے گزر رہی ہیں۔ میں نے تہ خانے سے تین رطلے گلوب لپ ٹکا، "ان
کے تدریس لکائیں۔ مچن میں گئے ہوئے پیڑ پپ سے نیکیو کرٹ حاصل کی
بیٹھ گیا۔ جب شام کا دھنکلا ہوا تو میں نے ایک لیے پانس سے تیار کیا جس کے
تھا۔ پانس کی مدد سے کپ پول کی تدریس لکائیں تھیں بلب روشن ہو گئے۔

پھر جارا معمول ہو گیا رات کو ہم میں لاش پر کب کب دیتے اور صبح سویرے
کر دیتے مشکل یہ تھی کہ اپنے اپنی طرف کی وجہ سے میں تینوں کو کھانا لگا
لے گھر میں مدیم روشنی رہتی۔ ملتی اس پر سخت نہیں تھیں، ہو کہ کتنا تھا، کھلم کھلا

لاحول ولا قوۃ

مادران میرے دل میں ہم چمتی کی حقیر تلواری طرح تھی راتی راتی۔

پھر جب رات کو سو رہا لیٹ کر پڑنے کی کوشش کرتا تو کتاب پر چبھتا ہوتا ہوتا

تھے پچھتے اور بیچ کر ہانک کر ہانک کر لیتے تھے ہم چمتی کی کتاب

کتاب سے نکل کر نکلیں ہٹا لیتا۔ پھر دوش آتا تو سامنے وہی نیم چمتی کی کتاب

ی آواز آتی۔ تھک ٹھک جاتا۔ کونکی کے پٹ چلوں کر کے لے لے

بن جاتی اور اس درز سے درز رات کے اڑے جھانکتے۔

چار چہ دن تو یہ کھنکھن گئی رہی۔ آخر ایک رات کتاب پیچیک کر میں اللہ

میں کیا صبح ہے۔ یہ تو حق کیراشی ہے، لالچ تو میں۔ کیراشی تو ایک صبح

دیکھتا تو صرف یہ ہے کہ اس نیم چمتی میں ہے کیا۔

کیون سرسبز تھک۔ اگر تالے کی مروت بھی تو کیا ہو گا۔

میں نہیں فضول ہے۔ خلوہ خلوہ خود کو ذلیل کر لیتا ہے

پھر دھن۔ خیال آتا، دیکھوں تو سنی نیم چمتی کتنی پیڑی ہے۔ اگر

کوئی درز تو ہوگی۔ میں اٹھ بیٹھ۔

نیم چمتی کی کونکی کمرے کے دروازے کے عین اوپر تھی۔ اس میں داخل ہو

کوئی زینہ نہ تھا۔

اُسے وہ اونچا سٹول جو ہے۔ ہاں یقیناً وہ سٹول اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس

کے۔

پہلی مرتبہ جب میں نے وہ سٹول دیکھا تھا تو حیران ہوا تھا کہ اونچا سٹول

میں آسکتا۔ پھر اُنک اونچا بنانے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

سے ٹفنوں کی تلاش کی تھی تو اقبل جینک سے وہی سٹول اٹھا کر لے آئی تھی

نے غور سے دیکھا تھا کہ سٹول کی ایک طرف اوپر تک ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔

میں بڑبڑاتا ہوں۔

ہاں تو خیر خرابے بند ہوں گے۔ میں بچے اچھے آؤں گا۔ یہ سوچ کر

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔ کھنکھناتا ہوں۔

برتنوں کے اس ڈھیر کے پاس ہی کپڑوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ چہرہ لڑکھٹے، قیض، انگوٹ، رومال، زیب کن، ڈسریہ

ایک لڑکھٹے کا تھیلہ رکھ کر اقبال کو اشارہ کیا۔ وہ ڈبے

اور میں ایک تھا ہمارا مسافر تھا۔ میں نے کئی ایک مختصص کی تھیں اور میں نے

یہ دھار کر دیا تھا مجھے ہاتھ کرنے کا شوق تھا لیکن بلند بخت کو سامنے بیٹھ دیکھ کر

بھول جاتی تھیں۔ وہ ذاتی صورت نہ تھی۔ اس کے خیالات رسمی اور مجید تھے۔ اس

خیال ممکن نہ تھا۔ اپنی آکٹہٹ کو دور کرنے کے لیے 'ذاتی شدت سے نجات پا

میرے پاس دو گھڑی کے جسی ملاپ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہ تھا لیکن بلند بخت کا

نظام ملاپ سے مخالف تھا۔ اس کا سارا جسم اس کے خلاف احتجاج کرتا تھا۔

اسی وجہ سے آقبل نیگم کی تمام تر توجہ گھر پر مرکوز تھی۔ سارا سارا دن وہ گھر کی

کمرے میں بسر کر دیتی۔ فرمت کے اوقات اس غم میں آئیں بھرے میں کٹ پاتا۔

کوئی اس سے ہاتھ کرنے والا نہ تھا۔

لولی لانج میں آکر وہ بالکل ہی گھر میں کسوٹی تھی 'جو کچھ پہلی مرتبہ اسے چھو

آیا تھا۔ چھوڑ کر دیکھا اور پھر پھرتے کے بعد ترتیب کو بدل دیا اس کا

تھا۔

ڈرا، سما

لولی لانج میں کئی بہت خوش تھا۔ پہلی بار اسے کھینچنے کے لیے ایک لہا چوڑا

تھا۔ وہ سارا دن چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھی کر کے مچھ میں کھینچ رہا تھا۔ آتا تو ہمارے

کر سامنے چوگان میں کھینچے ہوئے بچوں کو دیکھتا رہتا۔ اس میں اتنی جرات پیدا نہ

دروازے کو پار کر کے چوگان میں اتر جائے۔

انہی طور پر کئی ایک ڈرا ہوا، سما ہوا۔ اس کی عمر صرف چھ سات سال کی

اس نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا تھا۔

بالینے میں گھر میں بیٹھ تھی، ہاتھ میں 'بھائی جے' ایسی تھی 'ایو تھا۔ اور وہ

سے محبت کرتے تھے اور لاؤ لڑاتے تھے۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا 'ابو چلا گیا۔ پچھ میں کہہ

تھی کہتے تھے کہ وہ اب دلیس نہیں آئے گئے۔

پھر ابو دلیس آ گیا اور چھپ چھپ کر اسے مل رہا وہ اسے چھپ چھپ کر کہتا

پہنچی ہیں۔ دنگو دنگو کھڑی سے منڈیر پر، منڈیر سے کوٹھے پر، کوٹھے پر، ہاتھوں پر کھڑکی میں۔ کبھی دوپٹہ سنبھالتیں، کبھی ہنس کر دھری ہوئی جاتیں، کبھی کبھی اشارے کرتیں، مسکاتیں۔

مائی کو لڑکیوں سے دلچسپی نہ تھی، صرف چھیڑ چھاؤ کا متوالہ تھا۔ یوں، اس لڑکیوں کے چہنچہ کو چھیڑ کر خوش ہوتے ہیں۔

مائی کسی ایک لڑکی کو چھیڑتا تو وہ اس حد تک چھیڑ جاتی کہ آپاں میں دھڑکی، آنکھیں گھمائی، طرح طرح کے پوز بناتی اور خود کو ہر دایرے سے دکھائی داتی ہو جاتی۔ پھر وہ دن بھر چھتری رہتی اور ایسی مسی دھکائی کہ مائی کی جگہ لالہ مارا اس پر چڑ جاتا۔ پتہ نہیں مائی کس مٹی سے بنا ہوا تھا۔ وہ لڑکی کو چھیڑ کر آرام دیکھا کرتا تھا۔

اگلے روز وہ کسی دوسری لڑکی کو چھیڑتا۔ اور پھر وہ بچپاری اس خوش مٹی اور کامرکز بن گئی تھی۔ پھر وہ پروانہ صفت پر پھر پھر زانی، تڑپتی، خود کو پکھان لیتی، مائی کی اس تلاش میں چھیڑ چھاؤ سے محلے کی تمام لڑکیوں میں چھڑ مٹی جسم ہاتھ ہوں۔ ان چھتری ہوئی بہن بہن کرتی ہوئی کھیلوں کے سامنے مائی یوں بہتیرا سائیلوں میں بیٹھا بین بجا رہا ہو۔

شخص، ذہنی

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

مائی کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک ویران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹنی کے تھیلے کے ساتھ، مائی، فطرت سے بھری ہوئی، قدرتی طور پر بخیر، تعمیران میرے دوبرو کے ساتھ تھی۔ آپ متنازع متفق ہیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں وہ پولا ہم مکتسدر میں رہتے تھے، فیروز پور ضلع میں میر کرنے کے کرتے تھے۔ دن قمر میل میں چڑھ جاتے تھے اور قصور اتر جاتے۔

میں نے حیرت سے سیندھوری میدان سے بنی ہوئی خانوں کی طرف دیکھا۔
ملنے آئے ہیں آپ۔ میں ساتھ والے کپ میں کھرک ہوں اس نے جواب دیا۔
اور۔

داستان گو

ہلکی مرتبہ میں اشفاق احمد سے ملا تو ایسے لگا جیسے گلابی ٹھل پر سرے آگے۔
کڑھے ہوں۔ اس کی بھرپور روٹی، جھل جھل کر رہی تھی اور اس پر انبساط کی
ٹانگی ہوئی تھی۔

پھر ہم کہیں ملنے گئے۔

پہلے اتفاقاً برسرے راہے۔ پھر اترا ملے شدہ جگہوں پر فن دونوں ایک ہی
احمد نہیں بنا تھا۔ ابھی بننے کا عمل شروع نہیں ہوا تھا۔ غالباً ملا جلیں ابھی خوابہ
ایک خصوصیت اپنے جوہن پر تھی۔ وہ دوسرے طور پر داستان کو تھا۔

نگاہ غالب ہے کہ آپ داستان کو "کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھتے"۔
کبھی روایتی لوگ داستان کو نہیں دیکھے، نہیں سنے۔

روایتی داستان گوئی میں غنہ ہوتا ہے، ساز ہوتا ہے، ڈرامہ ہوتا ہے، ساز ہوتا
ہوئے ہیں۔ داستان گو داستان سناتا ہی نہیں داستان پر قائم کرتا ہے۔ اشفاق احمد
طور پر پر قائم رہا۔ اسے بہت سے لطیفہ کہتے ہیں، داستانوں کے کلوئے، ڈراموں کے
ایسی بیسیوں چیزیں یاد تھیں۔ پہلے وہ محفل لگا تھا، لگ جاتی تو خود سٹیج بن جاتا اور
پڑاؤں دینا کہ محفل باغ ہو جاتی۔

اشفاق کی پاؤں میں تھیلیاں کی چاشنی تھی۔ بات میں تھیلیاں کی پھول پٹا،
اس کی شخصیت سے انبساط کی پھوار آتی، یوں اتنی جیسے فوارہ چل رہا ہو۔ اور وہ

تھی۔ اولی کے ہاں لے گیا۔

میں نے اس کے ٹکار خانے میں طرح طرح کے نقش تھے۔
گلری سے بنے ہوئے گورکھ دھندے تھے۔ جنہیں دیکھ کر
اور کیا ہوتا تھا مجھے سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں ہوتا تھا یہ تو خیر
کا نام شعور تھا کہ کچھ ہوتا ہے ایسے ہوتا ہے جیسے میری نیلی

کی قطار لگی ہوئی تھی۔

اسی صبا سے رنگ افقہ کر کے کائنات کو رنگوں سے ترتیب دے
پہلی کر کائنات کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ پاس ہی خانہ سے نہایت
میں کے بندہ سے خواہش کی پھوار پھوٹ رہی تھی۔

دیکھا رہا دیکھا رہا یوں دیکھا جیسے اندھا پہلی بار دیکھ

جسم کی ساری زندگی آنکھوں میں مٹ گئی۔
حیرت جس میں لذت تھی، مہرانی تھی، فحش تھی۔

اور اس وقت کہ تم کو تھا کہیں بات میں پہچانی تھی۔ چھوٹا تھا، مٹھا ہوا
لیکن خود غل ایسے تھے کہ ذہن کی چمک منظر عام پر نہیں
پر بے نیازی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، اپنے ڈھیر کے جود کا
بے نیازی کا کردار ادا جاتا۔
لیکن کڑک پیدا نہیں ہوتی تھی، چونکہ وہ مدہم
تھا۔

میں نے بعد میری زندگی میں گویا ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ جب میں

تو ایک خوبصورت سرسبز گلستان میں جا پہنچا۔

پچھ ہو کر رہ گیا۔ اندھیرے اجالے پھر سے گڈو ہو گئے اور ایک ایسا دھندلا پن پکڑا
راستہ کوئی ڈنڈی بھٹکی نہ دیتی تھی۔

میں سوچتا یا لکھتا یہ کیا بھید ہے۔ اس پتھر کے بت میں وہ کون سی بات ہے۔
پکاروں میں تبدیل کر دیتی ہے 'روح کی پکار میں' 'ذہن کی' 'جسم کی'
والیاں بلیاں۔

اس شخص میں وہ کیا بات ہے جسے دیکھ کر نسلی پھول چٹاں جھڑ جاتی ہیں۔
اُبھرتا ہے اور پھر مسلط و محیط ہو جاتا ہے۔
اس شخص کی پاندھی نہ تھی۔ جسم کی پاندھی نہ تھی۔
ایک لمبا نچہ لگتا، چنلخ دو سرا۔

جاذبے۔

یہ تو خیر معمول اور عام سی باتیں تھیں۔ مروجہ گمراہی تائین کر دینا اور
کے استادوں پر چاڑھتے رہے ہیں۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گمراہ کوئی کوئی جوان لڑکی یا لڑکی محترمہ آہائی
ہوتی یا دور کی 'چاہے دو ایک گھنٹے کے لیے یا دو ایک دن کے لیے آئی، اسے اپنے
ہر فرد کو جانا تیار ہی نہ کر داسن کیوہو جاگہ کو وارد دیتا کہ چروں میں بیٹھ جاتا
نہ پاسے۔ اس وقت ہر فرد کھڑی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تھنے میں
لوہر سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تن دو۔ لوہر ایک سوراخ ہے اسے
میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پوں کو چھینا دے کر بھگو دو۔ اس
تقلی سنڈی بن کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے، دیو تاکڑا دور بیٹھا آگ شل ہے یا
اتہام کو دیکھا رہتا۔ پورہی اس کے ارد گرد پکائے پوسٹے میں مصروف رہتے ہیں
بچ جاتی۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا دل میں ذہنی سے نکلنے والی
لین میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا ذہنی کی کیفیت کی
بند میں لہریں لہتی تھی، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔

دروازہ - بند

ایک روز میں مختصر بیٹھا رہا کہ کب ذہنی کے ٹیوٹر کے کار دروازہ کھلے
اس روز ایک محترمہ قسم کی غلوں ذہنی سے ملے آئی تھی۔ اندازے معلوم ہو
مرتبہ آئی ہے۔ اس وقت وہ لڑل لگائے ایک پشل سکے ج بنائے میں مصروف تھا۔
غلوں صوفے پر بیٹھ گئی۔ ذہنی کچھ بنائے میں مصروف رہا۔

آپ آکر ذہنی ہیں غلوں نے پچھا

ہی اس نے کچھ سے سرائے پھر کر

آپ کو کچھ سے دلچسپی ہے، گمراہ یا ڈھنگ سے۔ وہ بڑی بے نیازی۔

UrduPhoto.com

جاذبے۔

یہ تو خیر معمول اور عام سی باتیں تھیں۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گمراہ کوئی کوئی جوان لڑکی یا لڑکی محترمہ آہائی

ہوتی یا دور کی 'چاہے دو ایک گھنٹے کے لیے یا دو ایک دن کے لیے آئی، اسے اپنے

ہر فرد کو جانا تیار ہی نہ کر داسن کیوہو جاگہ کو وارد دیتا کہ چروں میں بیٹھ جاتا
نہ پاسے۔ اس وقت ہر فرد کھڑی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تھنے میں
لوہر سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تن دو۔ لوہر ایک سوراخ ہے اسے
میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پوں کو چھینا دے کر بھگو دو۔ اس
تقلی سنڈی بن کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے، دیو تاکڑا دور بیٹھا آگ شل ہے یا
اتہام کو دیکھا رہتا۔ پورہی اس کے ارد گرد پکائے پوسٹے میں مصروف رہتے ہیں
بچ جاتی۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا دل میں ذہنی سے نکلنے والی

لین میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا ذہنی کی کیفیت کی

بند میں لہریں لہتی تھی، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔

ایک وقت کی آواز آئی اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

اس واقعہ میں اندازہ نہیں آتا تھا کہ دروازہ کیوں بند ہو جاتا ہے۔

میں نے سوچا ہے کہ میں بہت اچھی طرح واقف تھا کہ میرا سارا بچپن گور جوالی دروازہ

میں بند رہتا تھا۔

میں نے سوچا ہے کہ میں بہت اچھی طرح واقف تھا کہ میرا سارا بچپن گور جوالی دروازہ

میں بند رہتا تھا۔

میں نے سوچا ہے کہ میں بہت اچھی طرح واقف تھا کہ میرا سارا بچپن گور جوالی دروازہ

میں بند رہتا تھا۔

ریز کی گزیا چوں چوں کرتی ہوئی پل پر چڑھ جاتی۔

آخر میں 'ہی ہی ہی ہی کی آواز آتی۔

پھر ایک معنی خیز خاموشی چھا جاتی۔

اور پھر 'چراں ٹھٹھ سے دروازہ بند ہو جاتا۔

پھر گھر کے سارے در و دیوار سرگوشیاں کرتے 'دروازہ بند ہو گیا' دروازہ بند ہو گیا

سرگوشیاں میرے کانوں کے ارد گرد منڈلاتیں 'میرا منہ چڑا دیتی' 'خسرو اڑا دیتی' 'دروازہ بند ہو گیا'

دروازہ بند ہو گیا مجھے غصہ آئے لگک میرے نزدیک دروازہ بند ہو چلا آگوشی کاٹنے کی

کاٹناں قتلہ میں بند دروازے والے کمرے کی طرف دیکھا اور محسوس کرتا ہوں وہ کمرہ

ہو جس سے پیپ رس رہی ہو۔ یہ جب کی بات تھی۔

اب بند کمرہ میری نگاہ میں پھوڑا نہ رہا تھا۔ اس میں سے پیپ میں رستی تھی

بلند ہو مجھے بند کمرے پر غصہ ضرور آتا تھا 'اس لیے نہیں کہ میرا احساس پاکیزگی

لب میں خود آگوشی سے اس قدرت پت ہو رہا تھا کہ کس منہ سے پاکیزگی کا تصور

اب بند کمرے کو دیکھ کر مجھے اس لیے غصہ آتا تھا کہ میرے علم کے منہ پر پانا

پڑا۔ میرا احساس ہر دلی چور چور ہو جاتا۔ مجھ میں نہ آتا کہ دروازہ کس اصول

ہوا ہے۔

ذہنی کی شخصیت اور جسم میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ اس کی باتوں میں کوئی

اس کا ہر ٹکڑے 'نیازی' ہے پر دای اور آکاسٹ سے بھرا ہوا قتلہ پھر دروازہ کیسے بند ہوا

معصوم فنکار

اس روز میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ذہنی سے بات کروں گا۔ اسی لیے میں دروازہ

بٹھا تھا۔

دروازہ کھل گیا۔

محترمہ باہر اٹھیں۔ میں نے غصہ بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ یوں دھوئی دھلی

دیکھنے لگی جیسی کوئی بات ہی نہ ہو۔ پیچھے وہ پار سے کوا کوا لپ کی آگئی ہوں۔ اترے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

..... اس کا کیا ہے۔

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے 'نیکیتے' خرابی میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی 'نہ نہ نہ نہ' وہ بولا 'پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ' فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا' میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا' میں تو مرزا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں' یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں' وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے' جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں' اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
چپنے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔

میری آواز دہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لفت نہیں
میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا رہا پھر بولا 'کیا تمہارے ساتھ کیٹی نہیں

ہے۔

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے

چہرے پر

معصومیت کے

ڈھیر لگے

ہوتے تھے۔

جھوٹے

'نیکیتے'

خرابی میں

نے گالیاں

بکھی شروع

کر دیں۔

ذہلی نے

انگلی ہانپی

شروع کر دی

'نہ نہ نہ نہ'

وہ بولا

'پری بات۔

تم جی بات

کیوں نہیں

کرتے۔

نہ نہ نہ نہ'

فکار لوگ

کبھی جھوٹ

نہیں بولتے،

بڑے معصوم

ہوتے ہیں۔

میں نے

معصوم آدمی

ہوں۔

دیکھ

ذہلی میں

نے بیٹرا

بدلا' میں

تیری فن

حکمتوں کو

برا نہیں

مانتا' میں

تو مرزا

ہوں۔ تجھ

سے باتیں

پوچھنا

چاہتا ہوں۔

یہ جو

تیرے پاس

آتی ہیں۔

کون آتی

ہیں۔

یہ لڑکیاں،

محترماں'

یہ کیوں

آتی ہیں۔

پتہ نہیں

میں نے ان

سے کبھی

پوچھا نہیں

کہ کیوں

آتی ہو۔

کو تو ہم

دول گا

جہیں۔

یہ جھاکہ

تم میں

کوئی مفت

ہے' جس کی

وجہ سے

عورتیں

تمہاری

طرف

آتیں۔

جگہ وہ

بولا۔

عورتیں

میرے

طرف

کھینچی

آتی ہیں'

اس کے

ہونٹ

ڈھنگ

کے

چپنے

لگی۔

میں نے

ہر صفحے

میں

گالیاں

بکھی

شروع

کر دیں۔

اس نے

میرے

غصے

کی

طرف

کوئی

توجہ

نہ دی۔

معصومیت

سے

کہنے

لگا۔

میری

آواز

دہی

ہے کہ

عورتیں

میرے

طرف

کھینچی

چلی

آئیں،

مگر

کبھی

کسی

نے

لفت

نہیں

میں

حیرت

سے

کہرا

اس کی

طرف

دیکھا

رہا

پھر

بولا

'کیا

تمہارے

ساتھ

کیٹی

نہیں

ہے۔

نہ نہ نہ نہ'

فکار لوگ

کبھی

جھوٹ

نہیں

بولتے،

بڑے

معصوم

ہوتے

ہیں۔

میں نے

معصوم

آدمی

ہوں۔

دیکھ

ذہلی

میں

نے

بیٹرا

بدلا' میں

تیری

فن

حکمتوں

کو

برا

نہیں

مانتا' میں

تو

مرزا

ہوں۔

تجھ

سے

باتیں

پوچھنا

چاہتا

ہوں۔

یہ جو

تیرے

پاس

آتی

ہیں۔

کون

آتی

ہیں۔

یہ

لڑکیاں،

محترماں'

یہ

کیوں

آتی

ہیں۔

پتہ

نہیں

میں

نے

ان

سے

کبھی

پوچھا

نہیں

کہ

کیوں

آتی

ہو۔

کو تو

ہم

دول

گا

جہیں۔

یہ

جھاکہ

تم

میں

کوئی

مفت

ہے'

جس کی

وجہ

سے

عورتیں

تمہاری

طرف

آتیں۔

جگہ

وہ

بولا۔

عورتیں

میرے

طرف

کھینچی

آتی

ہیں'

اس کے

ہونٹ

ڈھنگ

کے

چپنے

لگی۔

میں

نے

ہر

صفحے

میں

گالیاں

بکھی

شروع

کر

دیں۔

اس

نے

میرے

غصے

کی

طرف

کوئی

توجہ

نہ

دی۔

معصومیت

سے

کہنے

لگا۔

میری

آواز

دہی

ہے

کہ

عورتیں

میرے

طرف

کھینچی

چلی

آئیں،

م

پھر بڑی محنت سے اس نے حلیت اللہ کا نام گنہ گنہی رکھ دیا۔

تخصیل ہے آدھ ہونے کے بعد، آذر دہلی نے ذکر شل کام شروع کر دیا،
انہی دنوں دہلی نے لکھنؤ شہر میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش کو

جب دہلی نے جرات عطا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا دہلی،

شر ہے۔ لیکر اگلا در میں بتنا اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اچھا دہلی اگلا ہو گیا ہے۔

تجھے نظر لی آگیا میں نے پوچھا۔

میں تو بولا۔

کیا نظر آئے، تجھے میں نے پوچھا۔

کتنے لگا لگا کر نظر آئے، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش مل ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل گزرتے جاتے ہیں

ہو ہو دہلی کے لئے آتے بت کے میں متعلق ہو جا رہا ہے۔ دیکھتا ہوں،

یالہ یہ شخص نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

غم خور۔ دیکھ

دہلی نے لکھنؤ جرات عطا تو میں سچے بھروسہ کر اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ کارا لے۔

کیا بتا دیا ہے،

یوں بتا دیا ہے، یاد رکھو یہی ہو۔

اچھا وہ بھروسہ کیا ہے، یہی پڑی ہے۔

میں باقی کی بات کرتے ہو چلا۔

میں کسی مسئلہ پر اس نے جواب دیا۔

پھر بڑی محنت سے اس نے حلیت اللہ کا نام گنہ گنہی رکھ دیا۔

تخصیل ہے آدھ ہونے کے بعد، آذر دہلی نے ذکر شل کام شروع کر دیا،

انہی دنوں دہلی نے لکھنؤ شہر میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش کو

جب دہلی نے جرات عطا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا دہلی،

شر ہے۔ لیکر اگلا در میں بتنا اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اچھا دہلی اگلا ہو گیا ہے۔

تجھے نظر لی آگیا میں نے پوچھا۔

میں تو بولا۔

کیا نظر آئے، تجھے میں نے پوچھا۔

کتنے لگا لگا کر نظر آئے، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش مل ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل گزرتے جاتے ہیں

ہو ہو دہلی کے لئے آتے بت کے میں متعلق ہو جا رہا ہے۔ دیکھتا ہوں،

یالہ یہ شخص نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

غم خور۔ دیکھ

دہلی نے لکھنؤ جرات عطا تو میں سچے بھروسہ کر اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ کارا لے۔

کیا بتا دیا ہے،

یوں بتا دیا ہے، یاد رکھو یہی ہو۔

اچھا وہ بھروسہ کیا ہے، یہی پڑی ہے۔

میں باقی کی بات کرتے ہو چلا۔

میں کسی مسئلہ پر اس نے جواب دیا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

نیم چھتی کا رابنس کروڑو

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڈ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔

ان کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے گھر میں پانچ بھائی تھے۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جانور تھے۔

اشفاق احمد کی بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا۔ لہذا گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڈ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ان کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے گھر میں پانچ بھائی تھے۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جانور تھے۔

اشفاق احمد کی بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا۔ لہذا گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڈ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ان کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے گھر میں پانچ بھائی تھے۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جانور تھے۔

اشفاق احمد کی بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا۔ لہذا گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڈ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ان کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے گھر میں پانچ بھائی تھے۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جانور تھے۔

اشفاق احمد کی بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا۔ لہذا گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیلم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

بھلا، اشفاق کی زندگی دکھ سے آزاد تھی۔ اسے ہر قسم کی سہولت اور آرام حاصل تھا۔ ایک الگ کمرہ، میسر قابل کتابیں تھیں۔ وہ وقت کا مکنا بچے سے آجائے اور ضرورت ہوتی، صرف آواز دینے سے موجود ہو جاتی۔ اپنی سہولت کے لیے اس کا ایک کونہ کھائے پکائے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہاں چل کاچر لہا تھا۔ نہ پتہ نہ پتہ پر کو لیٹر تھا۔ چائے کی کلا پیسک تھی، پیالے تھے، چنب پی چاہتا چائے بنا تھا۔

بھلا ہر وہ ایک بے فکر انسان تھا۔ قتل و جنت کے روگ سے محفوظ تھا۔ نہ لڑائی نہ خیر تھا۔ کوئی بری عادت نہ تھی۔ صرف دو شوق تھے، کتاب اور مشین۔ مشین کا وہ کالہ لہو۔ دلو چلنے والی مشین کو دیکھ کر روک جاتا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنا کیے، جانی کرتی ہے۔ کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔

پھر بار بار دلو سر سے گزرتا۔ ہر بار مشین کو اٹھاتا اور وہ پردہ اس سے کھینچتا۔ اس نے دورے میں پلایا تھا۔ وہ ایک پیدائشی مسز قتل تھیں اسے انجیر بننے سے روکتا۔ فائن آرٹس کا شوق تھا۔

ابتدا میں ادبلی سے متاثر ہو کر اس نے پیشنگ کا شوق آزایا تھا۔ اس زمانہ میں چوری پیشنگ کیا کرتا تھا۔ اس نے چار ایک عمل بنائے تھے۔

سب سے پہلا عمل جو اشفاق نے بنایا، اس کا نام کل مل تھا۔ اس میں مورچہ، حصہ دکھایا گیا تھا، جسے چھیننے سے جن بوتل سے باہر نکل آتا ہے۔ یہ عمل بھی اس لیے کہ خاتون کا چہرہ جو دکھایا گیا تھا، اس پر ایسی کیفیت لگائی تھی کہ جن (خاتون) اشفاق کا دوسرا عمل بھی ایک عورت تھی، جس نے اپنی نہایت سے بھری ہوا کندھوں پر اٹھا رکھی تھیں۔

گہری اداسی

اشفاق احمد کے یہ فنکار بڑے معصوم تھے، وہ خود بھی معصوم تھا، اس لیے وہ کسی جواز نہ تھا۔ لیکن وہ کسی تھا، بے وجہ دیکھی تھا اور صرف وہی نہیں وہ دکھ ساری نیم چھٹی لڑائی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہروا رول نہ وہ نام

ساری نیم چھٹی لڑائی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہروا رول نہ وہ نام

لوگوں سے کہتے تھے کہ اسے دلا کر لایا۔ پھر اس پر گڑ کی گرم پت چڑھائی۔

اس کے لگاڑے کر کے انہیں پانچواں سٹو بنوائے۔ اس نے چپکلیاں بنائیں۔ ہم سب

اس کے ساتھ آئے۔

اس کے لگاڑے گئی تو بولی، شتو مجھے شیشیوں پر چھوڑے نہیں جاؤ گے کیا۔

لوگوں۔

کیا۔

بس شیل ہی میں کیا۔

تو لڑکھا کہ میں سوکھتا رہا۔

چمک کرتی ہوئی سامنے آئی تو پہچانیں کیا ہو اچھے، میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگا۔ میں نے کہا جب سے وہ گئی ہے۔
اور میرا پیلا چاکر چنچ کر رو دیں۔ لیکن میں نے بڑا ضبط کیا۔

کیوں؟ میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی، وہاں کھڑے ہو کر تائیں بٹاتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے کہ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا، شتو نے کہا اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی؟ اس لیے۔

کر رونا رہا۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا، میں رونا رہا، رونا رہا، رونا رہا، دیوار سے لگ کر رونا رہا،
شیشوں پر چھوڑنے کے تھے، وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہنچے میں کتنے شیشوں پر۔

دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں نے پوچھا۔

میں نے اچھے بالکل پہچانے میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں، مجھے تو

پھر کرن کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کیوں

پچکے سے چڑی چڑی کرکے پر چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز

مہینوں میں برسی گاڑی کو دیکھ کر رونا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا، میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا، شتو نے کہہ کر کہا اس کا بیٹا وہی تھا جس نے

گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا پیلا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو رونا نہیں ہے۔

میں نے کہا پتہ نہیں۔

سب سے رونا ہے تو اس نے پوچھا۔

اور وہ ————— اس کا کیا حال ہو۔

کس کا شتو نے چوبک کر پوچھا۔

گزینہ کا۔

۴۲ نہیں، وہ بولا۔

لے پڑ چلا گیا۔

کس بات کا۔

کہ تم گاڑی کو دیکھ کر روتے رہے۔

پتہ نہیں، وہ بولا، پتہ چل بھی جاتا تو وہ فقیر ہمارے گھر میں رہتی۔

ہوں 'اب وہ کہاں ہے' میں نے پوچھا۔

میں ہے شتو نے جو ابدیا۔ پاؤں بچے ہیں۔ ٹٹھکتی ہے تو کھولی بھر ہال

انگور

تمہاری اور کوئی کزن نہیں ہے کیا۔

ہیں، بہت سی ہیں۔

نوجوان ہیں۔

ہاں نوجوان بھی۔

تمہارے گھر آتی ہیں کیا۔

 $-\pi/3$

تمہاری طرف توجہ دیتی ہیں کیا۔

ہاں، اتنی توجہ کہ میرا جی گھیرائے لگتا ہے۔

کیوں گھبرانے لگتا ہے، میں نے پوچھا۔

چہ نہیں کیوں۔ اس توجہ سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایسے نانا

مجھے وہ یا تو خود کو پیش کرتی ہیں۔ سرکشتی ہیں۔ میں بکا، انا کہ

ریا پھر جیسے مجھے پکا ہوا انگور سمجھ کر اپنا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔

144

اس اور خود کو پیش کریں۔ مجھے تو ایسے ساتھی کی تلاش ہے جسے یہ

وہ نہیں جو آگے بڑھے۔ بلکہ وہ جو

100

100

$$-\frac{1}{1} \cdot \frac{1}{\sqrt{1^2}}$$

۱۔ اچھا کیا۔ جیسا کہ ہم چپ چاپ اندھیرے میں بیٹھے

اپنا میں پلٹا ہوں۔

پہلے سے اس کے پاس تھا۔

۱۱۔ انا کر اے لگتا ہے جیسے ہم بھڑوے ہوں۔ کمرہ بند کرنے اور کھولنے

100

$$(2.2) \quad \frac{d}{dt} \left(\frac{1}{2} \dot{q}^2 \right) = \frac{1}{2} \dot{q}^2$$

$\frac{1}{x^2} = x^{-2}$

122

24

کے اس پر ترس آتا ہے۔

۱۔ میں پڑھا ہے، نکل نہیں سکتا۔

۱۱۔ کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

”اے لوگو! اللہ نے کرے کہ نکلتے۔“

— 10 —

کسی الل آیا تو پاش پاش ہو جائے گا۔

وہ کیسے۔

اس وقت وہ جسم کی جنت بنا کر بیٹھا ہوا ہے مگر کسی وقت روح ہلک ہاگا
نظر ہو جائے گی۔ تلاوت کا احساس جائے گا اور یہ جنت جہنم میں بدلی جائے گی۔

نے خواب دیکھا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک فلیگ سٹیشن لاہور آگیا، نہیں نہیں یہ ممکن نہیں۔

پھر میرے دودھ دلی کے ملاتی صاحب آکرے ہوئے جو کہ لاہور

لاہور سے آئے سے بڑے فائدے حاصل ہو جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے

لاہور سے آئے سے بڑے فائدے حاصل ہو جاتے تھے۔ لیکن اس نے بھی اسے درخور افتاد سمجھا

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، مانی نے قہقہہ لگا کر فکری سے استغناء دے کر فرمایا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

میں نے مجھ سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

تو کیا کنڈیشنز آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشنز تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرہلات تھیں۔

پھر چھوڑ دیوں دی تو کری۔

بس چھوڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں ہے۔

مجھے دکاندار سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے گھوڑوں ایمن آپلو سے مراد ہے۔

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکاندار لوگ ہیں۔ وہ دو اور دو چار گنتے ہیں۔ وہ ہر جگہ

انہیں گنتے کی تیار ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے لیے

دو دو چار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں

ہوں۔ وہاں بکڑے کی بل میں دو اور دو چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے۔

گنتے، صرف دو اور دو چار گنتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغناء دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری تو کسی تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہاتھ باندھ دیا، وہ بولا، تم بھی دو اور دو چار گنتے ہو۔ مجھے بس ایک انفس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

UrduPhoto.com

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری

UrduPhoto.com

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، مانی نے قہقہہ لگا کر فکری سے استغناء دے کر فرمایا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

میں نے مجھ سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

تو کیا کنڈیشنز آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشنز تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرہلات تھیں۔

پھر چھوڑ دیوں دی تو کری۔

بس چھوڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں ہے۔

مجھے دکاندار سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے گھوڑوں ایمن آپلو سے مراد ہے۔

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکاندار لوگ ہیں۔ وہ دو اور دو چار گنتے ہیں۔ وہ ہر جگہ

انہیں گنتے کی تیار ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے لیے

دو دو چار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں

ہوں۔ وہاں بکڑے کی بل میں دو اور دو چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے۔

گنتے، صرف دو اور دو چار گنتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغناء دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری تو کسی تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہاتھ باندھ دیا، وہ بولا، تم بھی دو اور دو چار گنتے ہو۔ مجھے بس ایک انفس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری

UrduPhoto.com

لاحول ولا قوۃ

بس میں اسے بیوی نہیں مانتا، کبھی نہیں ملے۔ صرف تم اس بات پر یقین رکھو کہ میں تم سے کبھی نہیں بچتا، رشتے دار نہیں بچتے، کوئی نہیں بچتا۔ تم بات تو کرو۔

میں اور بیلہ ایک ہی گھر میں رہتی ہیں۔ وہ میری کزن ہے۔ اس کے والد نے اسے ہمارے گھر بھجوا دیا تھا۔ والدہ کو اس سے بڑا پیار تھا۔ اس نے کہا کہ اسے اپنے گھر سے لڑتے بھجوتے۔

والدہ نے اسے لے کر پیار دیا کہ بیلہ کے لیے میری ماں ایک بھانجی ہے۔ میری ماں اس قدر اثر انداز ہوئی کہ جب بیلہ جوان ہوئی تو ہو ہو میری ماں نے کہا کہ اس کی طرح اچھی۔ اس کی طرح چلتی، اس کی طرح

پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں بھی گھر جاتا ہوں، بیلہ سے بے تکلفی کا برتاؤ کرتا ہوں، تم بات تو کرو۔ ہم آگے کھانا کھاتے ہیں، چڑی کھیتے ہیں۔ کانٹے بنتے ہیں، ستارے بنتے ہیں، لیکن رات کو میں بیچوں کی طرح منہ موز کر سوجاتا ہوں۔

کہا کہ اس نے کہا۔

کہا کہ اس نے کہا کہ اس کی کوشش کی ہے کیا۔

کہا کہ اس نے کہا کہ وہ نہیں سمجھے گی۔

کہا کہ اس نے کہا کہ اس نے پوچھا۔

کہا کہ اس نے کہا۔

اس کی ایک ایک حرکت بولتی ہے۔ وہ تم سے اس قدر متاثر ہے کہ اس
 کسی لگا رکھا ہے۔ دوسرے میری چھوٹی بہن ہے۔ وہ ابھی بہت جوان
 ہے 'بڑی منقوہ' وہ بھی تم سے متاثر ہے۔
 اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

پھر میری ماں ہے، وہ دو دلی ہے۔
 دو دلی کیا مطلب؟ میں نے پوچھا۔

ملفوظ خاتون

وہ بظاہر رسی ہے، لیکن اس کے اندر ایک بلازن لڑکی چھپی ہوئی ہے۔
 رسالے پڑھتی ہے، روایں پڑھتی ہے۔ اکیلے میں قہقہے مگنا کرتی ہے۔
 رہنے کی وجہ سے اس نے اپنا وہ حصہ دبا دیا ہے۔ اندر کا حصہ جو نکلتا ہے۔
 پردہ تمہاری باتوں میں دلچسپی لیتی ہے۔

حیرت ہے، میں نے کہا۔
 ہاں وہ بولا، حیرت ہے۔
 پھر بات کیا بنی، میں نے پوچھا۔

کہنے لگا، دیکھو تاہم دونوں دیکھائی انگڑے ہیں۔ یہ انگڑے کہلاتے ہیں کہ
 برف ہے یہ انگڑے لازماً ہمیں ماں نے دیئے ہیں۔ اس میں جو ڈھکی چڑھی ہے
 اکیلے کردہ بات بن جائے گی۔ نہ بنی تو کوئی بات نہیں۔ اپنا کیا جاتا ہے۔ ا
 دیکھیں۔

انہی دونوں اتفاق سے ملنی کی والدہ لاہور آ گئیں۔

بغیر اطلاع کے میں نے ان کے ہاں چلا گیا۔ دروازہ بجایا، میں ملنی کی ماں
 بڑے تہذیب کے بعد وہ مان گئیں۔ پھر کہہ کے بیٹھ گئیں۔

میں نے پچھنے ہی پوچھا کہ 'میں نے کہا تو اپنے بیٹے ملنی کی ماں
 جیلہ بھی تو تھری بیٹی ہے، تو نے اسے بڑے پیار سے پالا ہے، اسے بچا ہے، وہ ا
 کی وجہ سے خائف تھا۔

مولانا نے فریڈ کا ذکر چھیڑا۔
 احمد بشیر نے بیوی لاک کی کیس ہسٹیاں سنائیں۔

مولانا نے کلم سوتا کی بات کی۔
 احمد بشیر نے آسن گنوائے۔

مولانا نے ملایا کی ریتوں کے پڑتائے۔
 احمد بشیر نے دیو دایوں کی حواگی کی بات بتائی۔

دلفن مولانا ترکب میں بولے 'بات وہ جو بروقت ہو' بر مقام ہو۔
 طرف چل پڑے۔ اور احمد بشیر صفائی بن گیا۔

ملائی کے صفائی بننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آدمی رات کو کمر آئے۔
 والے اور بھی چڑھے اور مجھے یہ فکر دامن گیر ہو گیا کہ کیس گمراہ ہو۔

رنگ میں گمراہ ہے۔
 گھر آکر وہ قصہ چھیڑ لیتا آج یہ بولیں ہوا 'ایسے ہول اس کی باتیں ہیں'۔

کہ ہم دونوں رات کے دو تین بجے تک بیٹھے رہے۔ مجھے یہ بھی ڈر لگا رہا۔
 باتیں نہ سن لیں۔

دو تماشا بین
 مولانا حسرت اور احمد بشیر کا حلق اپنی نوعیت میں انوکھا حلق تھا۔

اور کشش کے دونوں جذبے کا فرما تھے۔ لغزت، ملائی کی ناچنگلی، کبیری اور اور۔
 کو ہائینڈر تھی۔ کشش اس کی بے بیجا جرأت پر جو مولانا کو نصیب نہ تھی۔

دفتر میں مولانا سو فی صد ایڈیٹر ہوتے اور ملائی ایک خام صفائی۔ مولانا کی فار۔
 کٹ ہوتی۔ وہ ملائی سے کہتے، 'مولانا یہ کیا لکھا ہے آپ نے'۔

ترکب لکھا کرتا تھا۔
 معلوم ہوا ہے، 'آپ صحافت کو کتنے ذرا بے پختہ بننے کا فیصلہ کر چکے ہیں'۔

خونوں کو نام ختم ہوتا مولانا کے لیے کی جتنی کم ہوتی جاتی۔ آخر وہ 'ی' کی۔
 UrduPhoto.com

مولانا نے اس سے پوچھا کہ اس وقت رات کے دو بجے کھلے سے آرہے
 آ رہا ہوں۔ رات کے دو بجے کلن سا دفتر ٹوٹا ہے۔

ایکایک بولا دعاری پولیس اتنی احمق ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ رات
 رات لگتا ہے۔

اور اس شخص کا طبع دیکھو، مرتکا ہے، پاؤں میں جوٹ نہیں ہے اور اس نے کما سنتری جی آپ کو ظلم ہونا چاہیے کہ یہ صاحب بڑا دلدار ہے میں کام کرتے ہیں۔

یہ سن کر سپاہیوں کا رنگ اڑ گیا اور وہ سلام کر کے بھاگے۔

انہرے پیرے قہر لگایا چلا کر یولا، لومیاں سپاہی آؤناہ جنھو جنھیں ہا میں نے کہا، تم نے انہیں بتایا کیوں نہ تھا کہ تم انھار میں کام کرتے ہو مسکرایا یولا، میں نے کہا زار اٹھا رہے گا۔

لیکن تمہارے پاؤں کیوں نیچے ہیں، میں نے پوچھا۔

کتنے لگا، رٹی کے چوبارے پر بوت اٹارے تھے، کوئی اٹھا کر لے آیا۔

پولیس شادی

پولیس اسٹیشن پر ایک عورت کی عورتیں چاند تھیں۔ اس چاندی کی کاکھار وہ بات پر اس نے کہا کہ وہ ناپسندیدہ ہے، لیکن اس نے یہ بات مجھے بھی نہ بتائی تھی۔ اسی ار رہتا تھا۔

تھی، جو نوامین خانہ کو بہت ناپسند تھی۔ کرشن مگر کی اس کلی میں، جہی کی لڑکی بڑی دھوم تھی۔

ان کی لڑکی کی قسم نوجوان لڑکیوں کی کڑیوں میں آکڑی ہوئی۔ جب وہ کلی میں آئی، اس کی ایک ہانگونیوں سے، اس پر ہنگریاں پھٹکی جاتیں۔ دلی دلی ہنسی کی آوازیں اٹھیں، لڑکیوں سے آوازے کے چلتے، بیچ مولوں۔

اس مال بہت خوبصورت تھا، اس قدر خوبصورت کہ سارا نہیں جاتا تھا۔ ہائی کو اس نے دیکھا چاہتا تھا، لیکن وہ خود دیکھتا نہیں تھا۔ ایک لڑکی نما خاتون، سارہ، اس قدر متاثر ہوئی کہ سچے کھیلے کھڑے پن کر ہمارے گھر آگئی۔ کتنے گلی، آپ کی ضرورت ہے کیا۔ اس نے اپنی بے چارگی کی ایسی کہانی سنائی کہ گھروالیوں کو ترس آ گیا۔ وہ لڑکی رکھ لیا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں سر ہلا دیا۔

— کہوں۔

میرا صاحب راجم گھر میں رہتے تھے۔ وہاں انہیں ایک مکان لاث ہو چکا تھا۔

— صاحب سے جاننا۔

مراڈوں میں بڑا فرق تھا۔ میں غریب تھا وہ متمتع مزاج تھے۔ میں بات اگل دیا

— کہاتے تھے۔

میں نے قید کے کہا، آپ ہمیشہ کی شادی کیوں نہیں کرتے۔

— کہتے تھے، میں نے وہ بولے۔

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

— کہتے تھے، میں نے

سارہ نے گھر کا کام اسے شوق، چستی اور سلیقے سے کیا کہ گھر والے اس کے گھر

وہ ساری تھی، مگر بڑی جالب نظر تھی۔ سارہ ہمارے ہاں تین مہینے بغیر جھگڑا کے کام آ

پھر گھر والوں کو شک پڑ گیا۔ پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسے نہ ہو

گن چھپانے سے نہیں چھپتی۔ گھر والوں نے محسوس کیا کہ سارہ کچھ زیادہ ہی گھر

ہے، سلیقے سے کام کرتی ہے۔ سارہ سب سے کمال مل گئی تھی۔ لیکن مانی کی طرف

ہوتی تھی۔

یوں گھر والوں کے لیے مانی ناقابل برداشت ہو آگیا اور میری پوزیشن بہت ہی برا

گئی۔ مانی میرا واحد سارا تھا۔ اس نے ہر بات میں میرا ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ میں بڑا بے

ساتھ چڑ پڑ کرتا رہتا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں میں اس کا بے حد شکر گزار تھا۔

پھر وہ واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے ہمارا اکٹھے رہنا ناممکن ہو گیا۔

ایک روز میری سوتیلی بہن میرے پاس آئی۔ وہ تعلیم یافتہ تھی، سکول میں پڑھاتی

بڑی ہنسی لڑکی تھی۔ بڑی سوڈی، اس میں قیام نہیں تھا، بات بات پر اوتھتی بدلتی رہتی تھی

بڑی شہنی طور تھی۔

بہن

وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور ٹپ ٹپ دوئے لگی۔ اس بات پر میں گھبرا گیا۔ میں نے

بات کیا ہے، دو کیوں دی رہی۔ اس نے میری بات کا جواب نہ دیا اور دو بار چاری رکھ دی۔

چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ آخر میں کہنے لگی۔

اب میری بات، میں سمجھتی ہوں۔

کوئی بات، میں نے پوچھا۔

شادی کی بات، اس نے جواب دیا۔

تم شادی کرنا چاہتی ہو کیا۔

اس نے انہیں میں سے کہا۔

کوئی نہیں، مگر ہے کیا۔

بات کیوں کی۔ خوار ہو کر پھر اسی سے بات کی تو۔

اس پر مجھے غصہ آئیل۔ میں نے کہا تو فکر نہ کر، ہم کوئی تاریخ مقرر کر لیں۔ تمہارا نکاح ہو جائے گا پھر وہ انگل مناسب موقع پر ہو جائے گی، لیکن اس بات کو رو رو کر سے کہنا نہیں۔

گھیراؤ

ہم نے ایک تاریخ مقرر کر لی۔ مشیر نے چند ایک صباؤں کو مدعو کر لیا۔

مقررہ تاریخ کو حسب توفیق ہم نے انکسالت کر لیے۔ مہمان خواتین آگئیں۔

اودا ہونے والی ہی تھی کہ باہر گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ مجھے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ وہ گھیراؤ کیا گیا ہے۔ باہر کسی نے پاؤں لاندہ کہا تو لڑکی کوچ رہا ہے۔ اس پر ہم نے آئیں 'باہر لنگو لور گھر کے دروازے پہنچے گئے۔ پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ یہ ہنگامہ 'شیر' روکنے کے لیے تھا۔

لولی لان میں کھینچ لی گئی۔ لہی مقررہ گھر پہنچے گئی۔ میری بیوی سخت گھبرا گئی۔ ہم

خواتین کو بچھلے دروازے سے نکال دیا۔ مٹی میرے پاس آیا۔ وہ خوشی کے جذبے میں تھا۔ 'یار' اس نے کہا 'مجھے باہر جانے کی اجازت دے دے۔'

کیوں 'میں نے شے میں کہا 'باہر لندوٹ رہے ہیں کیل۔ ہاں اس کی آنکھوں سے مسرت کی پھوار اڑ رہی تھی۔

میرا دل خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔ باہر جانے کا تو ہن جانے گا ان کے ہاتھوں میں لٹھیاں ہیں 'میں نے کہا۔

پھر کیا ہوا 'وہ بولا۔ دیکھ 'یہ سارا غلام میری وجہ سے ہے۔ مجھے باہر جانا چاہیے 'میں نے کہا۔

تو باہر جا کر کیا کرے گا اس نے پوچھا۔ میں 'انہیں سمجھوں گا۔

باہر گاؤں ہے۔ کروڑوں نہشتہ ہے۔ نہ کہتا ہے۔ وہ تھکے ہوئے ہو جائیں گے۔

آپہنکی۔ انہیں دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا میں سمجھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے
دراصل ہمارے مہمانوں میں آئی جی پولیس کی یکم بھی تھی۔ جب وہ
شور مچا دیا کہ کرشن عمر میں قتل ہو گیا ہے، فوراً کچھ کیچے۔ آئی جی نے قاتل
فورا جانے وارادت پر پہنچے۔

پولیس نے آتے ہی ڈانٹ ڈھٹ کر کے لوگوں کو بھگا دیا۔ قاتل وار
گھیراؤ کر لیا۔ اور خود مجھے گھر کے اندر لے گیا اور تحقیق شروع کر دی۔
لڑکی کو حاضر کر ڈھونڈ لیا۔

ہشیرہ اندر آ گئی۔

آپ کا نام وہ بولا۔

ہشیرہ نے اپنا نام بتایا۔

آپ درگت۔ دو مہینے میں کیا۔

ہاں وہ بولی، میں سکول میں منچ رہی ہوں۔

آپ کی عمر۔

ہشیرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

مائی کہنے لگا قاتلے دار صاحب لڑکیوں سے عمر میں پوچھا کرتے خود اندازہ لگا لیا
ہے، استغنی ہے۔

تم کون ہو، اس نے مائی کو گھورا۔

جنتب میں جرنلٹ ہوں، امروز میں کام کر رہا ہوں۔

قاتلے دار غصہ اڑ گیا۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا، آپ کیا کرتے ہیں۔

یہ رائیٹر ہیں، مائی نے جواب دیا۔

کیا نام ہے۔

ممتاز مفتی۔

قاتلے دار سوچ میں پڑ گیا، ممتاز مفتی، اس نے میرا بدمعاش دیکھا۔

ممتاز مفتی نے اپنی بات سن کر کہنے روک دی کہ میں آپ کے خلاف جانے لگا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں جانے لگا، آپ کو آفر کروں گا مائی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ کب سے اس مکان میں رہتے ہیں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ رائیٹر نہیں ہیں۔ ہمارے رجسٹر میں کسی ممتاز مفتی

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں رہتا ہوں۔

کلج کی رسم ادا نہ ہو جائے گی۔ مکان کے ارد گرد زمینیں رہے جگ
چند روز بعد میرے ایک عزیز کا چاند ہو گیا اور وہ مکان چلے گئے۔ چلتے ہوئے وہ
مجھے دے گئے۔ ہم نے مکان میں منتقل ہو گئے اور ملٹی لولی لاج میں اکیلا رہ گیا۔
جب ہم نے مکان میں منتقل ہو رہے تھے تو ملٹی نے کہا سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے
لیا یہ اکیلا کیسے رہے گی۔ سارہ بولی میں تو اپنے بچوں جیوں جا رہی ہوں۔ اس پر گرو دیا
گئیں۔ سارہ نے اپنی گھڑی اٹھائی اور باری باری سب سے مل کر دوڑا ہو گئی۔
چار ایک دن کے بعد ملٹی مجھ سے ملے۔ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا، ہوائیں اڑی ہوئی تھیں
میں نے پوچھا، خیریت تو ہے۔
بالکل نہیں، وہ بولا، خیریت کی تو ایسی تھی ہو گئی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔
وہ کہہ بھر کر بولا، یار ہم بڑے احمق ہیں۔
ہاں، مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔

سارہ

وہ جو سارہ تھی، ہم اسے کیا سمجھتے رہے اور وہ کیا فعلی، اپنی نے کہا۔
بڑی عجیبی تھی، سرجیل تھی، چلاک تھی، میں نے کہا۔
وہ تو کرانی نہیں تھی، اپنی نے کہا۔
تو پھر کیا تھی، میں نے پوچھا۔
اس نے تو کرانی کا سواگ، بھرا ہوا تھا، وہ عیال تھی، تعلیم یافتہ تھی۔ انگریزی بول
تھی۔ آواز بڑی اچھی تھی، سرلی، فنی، کھلے خوب کاتی تھی۔ جب اس نے تو کرانی کا سواگ
تو مجھ سے لہجے کی فنی فنی لہجہ آئی کہ میں ہکا بکا رہ گیا۔
چلو چلو، سو دوست اس کو وہ تو گاؤں چلی گئی ہے، میں نے کہا۔
لو، میں وہ نہیں گئی۔ وہ میرے ساتھ لولی لاج میں رہتی ہے۔ ملٹی نے جواب دیا۔
نہیں، میں چلیا، وہ تو ہمارے سامنے ہمارے ساتھ رہ کر دوڑا ہو گئی تھی۔

رنگیلی ساتھی

اس وقت ملنی اور میں گول باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بانی ...
چند دن میاشتی کر لے۔

میں اس نے جواب دیا 'میاں نہیں' میں تو آگ نکلتی میں پڑا ہوں،
کہ اسے بازوؤں پر اٹھا کر کسی ڈسٹ بن میں پیٹیک آؤں۔ لیکن پھر سہا اور ا
رنگیلی ساتھی ہے تو رک جاتا ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا۔

چند ساتیں خاموش رہا پھر بولا،

ممتازو! لا جواب کمپینین ہے۔ کیا ساتھی ہے۔ اتنی رنگ
شید رنگ، گاٹی ہے، بچتی ہے، لپیٹے سناٹی ہے، چکیں بجاتی ہے۔ اس نے
اکھاڑا ہوا رکھا ہے۔

ایک بچنے کے بعد ملنی پھر مجھ سے آگے۔

میں نے اس کی طرف دیکھا کیا ہوا میں نے پوچھا تو غصے ہو گیا۔
ہاں وہ بولا سارہ چلی گئی ہے۔

کیسے گزریں نے پوچھا۔

پرسوں ایک بیٹپر سا آدمی آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، کہنے لگا میں
یہی سارہ یہاں رہتی ہے۔

تم کون ہو میں نے پوچھا۔

بولتا میں اس کا مسینٹر ہوں۔

میں نے کہا پہلے یہاں رہتی تھی اب جا چکی ہے۔

اگلے روز ایک اور آدمی آگیا میں نے کہا تو کون ہے، کہنے لگا میں

ہوں۔

میں حیران رہ گیا۔ یہ کہتے مسینٹر ہیں۔ میں نے کہا

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے شدید سر درد کا بہانہ بنایا، اسے کہا کہ جا جا کر بازار سے چبن کھر
اس نے صدر دروازے پر تالہ لگا دیا۔ اور خود بخفی دروازے سے اندر آ

نہیں آئے کھٹکھٹایا، میں چپ چاپ پڑا رہا۔

بھائی رسی، بھاتی رسی، رات کے بارہ بج گئے، لیکن میں نے دروازہ نہ

بھائی، میں منہ ڈال کر بتاؤا بلند کھٹکھٹایا، اچھا بھائی بائی، تھیک یو فار آل ویز

کہا۔

اب لالہ اب لالی نہیں رہا۔ میں تو اس قدر آگیا کسی میں ہوا تھا۔

میں نے ان کو اپنا آئینہ سکول میں پڑھاتا تھا۔ فیاض کو کرینٹ ہاؤس میں رہنے کی
 سہولت تھی۔ اس پر مطالعہ کا جنون طاری تھا اور اس کے مطالعہ میں بڑی وسعت
 تھی۔ وہ اس کا اور کوئی شغل نہ تھا۔ اس کے ذرائع بہت محدود تھے، لیکن جو چیز اس
 کی دلچسپی کی یا رسائل خرید لیتا تھا۔ اس کے کرنے میں فرش پر میٹا ہوا کتبوں
 کی مدد سے، ان کی رہتی تھیں، انگریزی ادب، پیٹنگ، لٹریچر، فلم سازی، پاسٹری

ادب بیٹی

میں نے ان کا بھائی شیا دونوں کرینٹ میں مقیم تھے۔ وہ بیلار کے ایک معروف خاندان
 فیاض کے بھائی تھے۔ مجھے بھی پڑھنے کی ترغیب نہ دی تھی۔ اٹھابیس کے ہاتھ میں
 تھا کہ ان کا چھوٹا آپ کتاب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں تو کوئی تصویر
 نہ تھی، لیکن چاہیں گے۔ یہ کہتے ہوئے اس کی بات میں بڑی ہمت ہوئی اور انداز

میں نے ان کی وجہ سے میں چوری چوری فیاض کی کتابوں کی دقت گردانی کرتا رہتا۔
 ان کا احساس مجھے فیاض نے دلایا۔

اب جبکہ بات مکمل ہو چکی ہے کہ علی پور کا ایلی میری سوانح حیات ہے اور
 وہ سراجہ لکھ رہا ہوں تو مناسب ہے کہ میں ادب کے متعلق کوائف کو تحریر
 میرے دل میں بھی آرزو پیدا ہوئی تھی کہ ادب ہوں میرے دل میں
 نہیں ہوا تھا کہ میں اردو میں لکھنے کا شغل اپنوں گا۔
 جوئی میں میں ایک ملازم لڑکا تھا۔ میری توجہ کتاب کی جانب نہیں
 میں بیڑا سڑکا بیٹا تھا اس لیے اساتذہ پاس کر دیا کرتے تھے۔
 کالج میں شدید احساس کمتری کی وجہ سے میرے لیے جماعت میں بیٹا
 ۲۹-۱۹۸۸ء میں جب میں بی۔ اے میں تھا اور اسلامیہ کالج لاہور میں
 رہتا تھا تو اتفاق سے جو کہ مجھے ملا۔ وہ فیاض محمود کے کمرے سے ملتی تھا

میں نے ان کی بات کو دیکھا تھا کہ میرے لیے کون کیا لکھے گا؟ وہ بولا ممتاز
 ان کے لیے کوئی مزاحیہ چیز لکھیں گے۔

علی پور کے ایلی میں میں نے جان بوجھ کر ادب کا ذکر نہیں کیا تھا۔
 مکمل جائے قاری کو پتہ نہ چلے کہ یہ ناول میں بلکہ خود نوشت ہے۔

علی پور کا ایلی میں میں نے اپنے غلیظ پوڑے چوک میں بیٹھ کر دوسرے
 اتنی جرات نہ تھی کہ اپنی حالتوں، غلطیوں، کیوں، کیوں کو اپناؤں۔

اب جبکہ بات مکمل ہو چکی ہے کہ علی پور کا ایلی میری سوانح حیات ہے اور
 وہ سراجہ لکھ رہا ہوں تو مناسب ہے کہ میں ادب کے متعلق کوائف کو تحریر
 میرے دل میں بھی آرزو پیدا ہوئی تھی کہ ادب ہوں میرے دل میں
 نہیں ہوا تھا کہ میں اردو میں لکھنے کا شغل اپنوں گا۔

جوئی میں میں ایک ملازم لڑکا تھا۔ میری توجہ کتاب کی جانب نہیں
 میں بیڑا سڑکا بیٹا تھا اس لیے اساتذہ پاس کر دیا کرتے تھے۔

کالج میں شدید احساس کمتری کی وجہ سے میرے لیے جماعت میں بیٹا
 ۲۹-۱۹۸۸ء میں جب میں بی۔ اے میں تھا اور اسلامیہ کالج لاہور میں

رہتا تھا تو اتفاق سے جو کہ مجھے ملا۔ وہ فیاض محمود کے کمرے سے ملتی تھا

میں نے عرض کی 'عالی جاہ میں انگلش ٹیچر ہوں۔ اپنی کلاسز کو انگریزی 'اساتذہ' ٹاؤنٹ ہوں۔ انگریزی پڑھتا ہوں، پنجابی بولتا ہوں۔
 بیڈ ماسٹر بولے 'سینئر سسٹر میں اپنی بات دہراتا ہوں۔ ممتاز صاحب آپ ا
 مضمون لکھیں گے۔

میں نے کہا 'جناب دلا میں اپنی بات دہراتا ہوں۔
 میرے یہ الفاظ دیکھ کر رگڑ ثابت ہوئے۔ جنی باہر نکل گیا۔ مجبوری میں 'ا
 نے ایک نفسیاتی مضمون لکھ دیا۔ جو گھر کے موضوع پر تھا۔

ن م راشد

اس کے بعد چھٹیوں میں میں ملکن گیا۔ میرے والد ان دونوں وہاں پر اڑا
 انکریکیشن تھے۔

ہمارے پردس میں راشد رہتا تھا۔ ابھی وہ ن م راشد میں بنا تھا۔ ہم اس
 ہوسٹیلٹی کے مریض تھے۔ اس کا باپ بھی نکلہ تعلیم میں تھا۔ میرا اور اس کا
 پروفیشن رقابت کے شکار تھے۔ جس قدر وہ ایک دوسرے سے اچھے تھے 'اتنی ہی را
 قریب ہو جاتے تھے۔
 راشد کا ایک دوست ملکن سے ایک اردو جریو نکالتا تھا 'فکستان۔
 وقتاً 'راشد کے دوست کو گاؤں چانا پڑا 'جاتے ہوئے وہ رسالے کی اشاعت کہا
 راشد کو سوچ گیا۔ راشد کہنے لگا 'یار رسالے کے لیے مضامین کہیں ہیں 'کچھ بھائی ا
 کہتی پڑیں گی۔ تاکہ ضخمت پوری ہو جائے۔
 راشد کے خاندان کے لوگ اردو فارسی دان تھے۔ میں نے کہا 'کیا مشکل ہے۔ تو
 نہیں ہیں۔
 نہیں یار 'وہ بولا 'تم از کم مضمون تو لکھ دو۔
 انہی دونوں ملکن میں ایک رقم چلا تھا 'پٹلی دمن۔ میں نے پٹلی دمن کے
 مضمون لکھ دیے۔

مجھے واپس لی گیا اس پر جا بجا سرخ چہل کی ٹیکرس اور مولیہ نشانات تھے،
طبع وار چڑھ گئی۔

عاشق بناوٹی بھی کیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا ہوا قہقہہ ایک ڈرا ڈرا سا، سا
لڑکا جس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ سامنے کڑا ہو کر بات کر سکے، اس میں آگ
کتنی تھی کہ ایسے دھکے چپے لٹنیاتی موضوع پر قلم اٹھا سکے۔

عاشق نے سمجھا کہ وہ انسان سرتہ ہے، کسی مغربی انسانے کا چہرہ ہے۔

پھر اردو زبان کی بات تھی۔ عاشق اردو زبان قہقہہ وہ زبان کی پارکیوں کی
برعکس میں اردو زبان سے بالکل کورا تھا۔

میں نے اردو زبان صرف آٹھویں جماعت تک پڑھی تھی۔ اس زمانے میں
تھی۔ نویں جماعت میں طالب علم دوسرے مضامین لے سکتا تھا اس لیے میں
میں اردو چھوڑ کر سائنس اور ذرا اینک لے لیے تھے۔

زبان کے لحاظ سے میری دوسری کہانی "ڈاکٹر کا استعمال" خالص سے بھری ہوئی
عاشق حسین نے میری کہانی واپس کر دی تو میں گویا اندر سے کنکریں میں گر
کروں۔ کئی ایک دن وقت اٹھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارا رہا۔

پھر یہ نہیں کیسے "شاہد" نے مجھے ہاتھ ملانے سلائی دلی میں شائع کرنا گوارہ کر لیا۔
خوش قسمتی سے عاشق حسین بناوٹی، کہانی دیا میں زیادہ دیر نہ رہے۔ اس کی
صلاح الدین اور میراجی آگئے۔

صلاح الدین نے آتے ہی مجھے اہل دنیا کے لیے لکھنے کی دعوت دی اور
سے اہل دنیا میں شائع ہونے لگیں۔

ایس ایم شریف

پھر سکول میں ہمارے ڈویژنل انسپکٹر ایس ایم شریف آئے۔ انہوں نے مجھ
کے "سڑمنازہ" میں انہیں لکھنے کا فضل ٹھیک نہیں، اگر بچوں کے والدین کو یہ پتا
بچوں کو پڑھانے والے جنسی تحریریں لکھنے میں کوئی مشکل پڑ جائے گی۔ میں نے ا

کوئی اور صاحب ہیں۔ شریف مسکرایا، کہنے لگا "ہمارے ہاتھ بے کار ہیں۔"

اس نے ہاتھ دیا ہے۔ شریف میرے والد کے دوست تھے۔ میں لیٹراچر کیا۔
ہوئے، اگر آپ لکھنا چاہتے ہیں تو انگریزی میں لکھیے۔ انگریزی میں
کمالی امتحان دینی کی روداد۔

اس نے آپ ان کی کی اشاعت کہ کہانی سن لیجیے اگر چہ دوسری برکت ملی نہ ہو تا تو
میں لکھتی ہوں۔

علی

علی ہاشم قہقہہ سکولوں میں پبلشر آیا ہی کرتے ہیں، وہ بھی کیا کرتا تھا۔
دوسری برکت ملی کی شخصیت نکلی ہے جس میں سے چند اقتباسات پیش کرتا

میں نے اسے سکول میں دیکھا تو خاص توجہ نہ کی۔ لویجر عمر کے پلہتو، وہ ایک
بکول میں پبلشر آتے ہی رہتے تھے۔ بڑے مودب، منہب، جی جناب،
اس کا انداز مفاد تھا، جی، نہ میں سر نہ جناب والا۔ آتے ہی وہ بے
تکبر کر اپنے گویا دیکھ کر ٹھنکنا لگا لیتا پھر اس کے قہقہے کو بچتے۔

پنداس دہائی تھی۔ اگرچہ میرے ہاں محلات بہت خراب تھے۔ چھوڑ
تھے، انفراد زیادہ تھے، قرض پر کر رہے ہوتی تھی، لیکن یہ بات کبھی نہ سوچتی تھی کہ
وہ سائل کیا جاسکتا ہے۔

وہ دوسرے میں آیا تو قرض کا وقت تھا۔ استاد شاف دوم میں بیٹھے تھے۔ اس
دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف دوم
میں حیدر خان میں ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔

بعد میں نے سرخا کر دیکھا تو وہ میرے دیکھتا تھا۔ السلام علیکم کہہ کر وہ

تمسارایم کیا ہے۔ اس نے مجھ سے یوں پوچھا جیسے میں سینئر انگلش ٹیچر نہیں تھا۔
 قلم

مجھے اس کی بے تکلفی اچھی نہ لگی۔ لیکن اس زمانے میں میں بری طرح کا
 کاغذ تھا۔ میرا نام ممتاز حسین ہے۔ میں نے جواب دیا۔

ممتاز حسین، ممتاز مفتی

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولی جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا
 رکھی انکوائری کے دوائے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنسیات کا زلویہ لیے ہو
 زلویہ نظریوں دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے کھل قبول نہیں ہو سکتے۔
 انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولی جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا

رکھی انکوائری کے دوائے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنسیات کا زلویہ لیے ہو
 زلویہ نظریوں دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے کھل قبول نہیں ہو سکتے۔

انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو
 میں نے جواب دیا۔

ممتاز حسین، ممتاز مفتی

ساتھ چلو۔

اس پر مجھے بہت غصہ آیا۔ لیکن اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس کے پیچھے چلتے چلے جا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا یہ کیا بیشتر ہے جو نہ میں آئے کہ اسے ٹھکراتا۔ طبیعت کا چاہت ہے باہر از نظم بر نیلی ہے، بات بات پر ڈانٹا ہے، بات بات ہے۔ بات کا کڑوا ہے، لیکن ساتھ ہی بات سے سچائی اور خلوص کی برکاتی ہے۔ ایک ہوٹل پر جا کر دو رک گیا، بولا، مجھے بھوک لگی ہے، پہلے طعام پھر کام۔ ان دنوں میں نفسیات کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کس نے کہا تھا کہ شخصیت کو جانا چاہو تو اسے کھاتے ہوئے دیکھو۔

میں چودھری برکت علی کو کھاتے ہوئے دیکھا رہا۔ وہ بڑی بے تکلفی اور اشتیاق سے کھا رہا تھا۔ اسے یہ احساس نہ تھا کہ کوئی اس کے نچل میزیز سے بے نیاز لگتی دیکھتا ہے تو پرانا دیکھے اچھا چلائے، برا بلائے، اسے خود کھانے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھی کھلا رہا تھا۔ یہ محسوس ہے کہ یہ ایسا کیسے انسان ہو۔ نہ جمیں بات کرنی آتی ہے، نہ کھانا آتا ہے، نہ چہہ کھانا آتا ہے۔ فارغ ہو کر اس نے بڑے سرسری انداز میں کہا، اچھا تو ممتاز ملتی آج تک تم نے کھائے ہیں۔

اس کے اچانک سوال پر میں گہرا گیا۔

اب آئیں ہمیں شامیں نہ کرنا، اس نے مجھے ڈانٹا۔ میں نے شاہراہ احمد ایئر سٹریٹ پر کرنی ہے ہمارے گیارہ انساے میں نے حاصل کر لیے ہیں، سات انساے تم کو جمعہ چھاپیں گے۔

اس کی بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

کتنے لگاؤ ہم نے ایک ذیلی ادارہ بنایا ہوا ہے، جو اپنی کتابیں چھاپتا ہے، کتب خانہ، میں نے دیکھا، اپنی کتاب سے جمیں صرف ڈھائی ٹن سو روپے ملیں گے، اس سے زیادہ

میں خاموش بیٹھا رہا۔

اور ہاں دیکھنے کے بعد وہ پھر بولا، گھبراہٹ میں ہم کسی کو نہیں بتائیں گے کہ تم

عمل کے حوالے عام طور پر سوچتے تھے۔

وہ ہنسا اچھا تو مجھے مشورہ دے، میں چاہتا ہوں کہ باری کو کچھ دیں۔

اس میں کیا مشکل ہے، دینا چاہتے ہو تو دے دو، میں نے کہا۔

تم بھی نہ اسے ایسا ہو، اس نے باک پڑھا کہ "ممتاز مفتی دینے لگا"۔

انداز ہوتا ہے، یہ نہیں کہ دوسرے سے کہا ہاتھ پھیلا اور دے دیا، یہ کہ اگر

اور چلا گیا۔

باری ایک ایسا تھا، دانشور تھا، اس نے چودھری کے کہنے پر ایک کتاب

کی حکومت" جسے کتبہ اردو نے شائع کیا تھا۔ باری ملی مشکلات میں گرفتار تھا

دار چودھری نے کئی بار اسے کہا تھا۔ باری تو مت کما ہے۔ کچھ لکھ، اپنے لکھ

بیٹھا رہتا ہے۔ غلط دانشوران باتیں کرتے ہیں کچھ نہیں ہوتا، لیکن باری

غلطی دانشوران باتیں کر کے گزر لو گات کر رہا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔ اردو میں حکم کرتا تھا۔

ہوئی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں۔ حیرت کی بات تھی کہ کہیں تو ہزاروں روپوں کی رقم بے درجہ ہوئی۔
معدول رقم کی ادائیگی میں باقی بچر کسی کی کل لگادی جاتی تھی۔

منٹو

پھر یہ بھی ہوتا تھا کہ مینے میں ایک یا دو بار منٹو مکتبہ اردو میں آکر
منٹو وہ تقاضا کرتا۔ چودھری گھبرا جاتا تو منٹو چلاتا، اسے چھپکا تا کہیں ہے۔
کر دے کر چلاؤں گا۔ یہاں تیرے پاس بیٹھ کر لکھوں گا، لیکن دیکھ جاؤں گی۔
اور اوسار نہ ہو۔ چودھری نڈر بکھراتے، کھیراتے چھپکاتے، بکھرتے اور
پڑتے۔ لیبیوں کی مانگیں طرح طرح کی ہوتی تھیں۔ منٹو وحوش سے مانگا تو
کبھی ہوٹنوں تک نہ آئی تھی۔ صرف نگاہوں میں جھلکتی۔ اس میں بھی
کبھی چلتی کبھی چھ جاتی، یہ نہی جلتی بجتی رہتی۔

فکر تونسوی

فکر تونسوی کا ہی تھا، کوٹا تھا، لوب کا رواج تھا، یہ میں کہیں کہیں
چودھری کے پاس آ پٹپٹا تھا۔ چودھری بظاہر فکر کو گھاس نہیں ڈالتا تھا۔
کرتا تھا، اس لیے کہ چودھری کے اوارے میں فکر واعد کا ہی تھا۔ باقی
چودھری کا ہی کی بڑی قدر کرتا تھا چونکہ سرمایہ دار ہونے کے باوجود بنیادی
سے کا ہی تھا۔

تقسیم کے بعد پنجاب اور ہندوستان سے آنے والے لیبیوں کا تانا بانا
بست بوجہ بڑھ گیا مابہر لیبیوں کی مانگوں کا رنگ بدل گیا اور چودھری کی تلخ
حالات نے اسے ڈی سلف کر دیا۔

اس کے فوجیوں عزیزوں نے چار پڑے نکال لیے اور وہ علیحدگی پر خند کر
کا اپنا بیٹا چودھری جیسی سلاطنت کا مالک نہیں تھا۔ وہ چودھری کے کاروبار کے

چھ حسین لڑکیاں - میٹونی

ایک لڑکیاں پر ہم اور ٹیٹا کوئی تھا۔ بولا تو کوئی بدلو گئے۔

میں نے خوشی بھری حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

اب وہاں کی نسبت زیادہ لے گی اور کام اس قدر دلچسپ ہے کہ

کوئی ایسے پہا ہے کیا۔

چپ چاپ چٹا ہو جائے گا۔ تو کرسی سرکاری نہیں ہے۔ لیکن بعد

کا میں نے پوچھا۔

میں نے فیاض محمود چٹا کرے۔

مجھ میں گویا سیدن اپ کی بوتل کھل گئی۔ جیلے ہی جیلے، خوشی بھری

اور اعلیٰ سہل ایک لڑکی میں آگئے رہے تھے۔ ان دنوں کہاں آکر سکول میں

کالج لاہور میں۔

میں نے فیاض کا کام چاہا ہے اور نیا کام کیا۔ بھانور چاہا۔

میں نے ان کی کتاب کی طرف بھی متوجہ نہ ہوا۔ فیاض کی زندگی

میں نے ان کا مطالعہ درسی کتابوں پر محدود نہ تھا۔ اس میں بلا کی وسعت تھی۔

میں نے ان کو محدود تھے، لیکن شوق کا یہ عالم تھا کہ کوئی رقم اس کے ہاتھ لگتی تو وہ فوراً

لو لیتا۔ اس کے کمرے میں یہاں وہاں کتابوں کی ڈھیریاں لگی رہتی تھیں۔

میں نے مطالعے کی طرف راقب نہ کیا تھا۔ لہذا میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر

کتاب دیکھ رہے ہیں، غالباً تصویریں دیکھ رہے ہوں گے۔ کوئی لیم سواری، اس

میں نہیں ہیں۔ اسے وہیں رکھ دیجئے پلیز۔

وہ ایک حقیقی کہنی تھی۔ جو ٹیٹے پر حقیق کلام کرتی تھی۔ ٹیٹے

ایک انوکھی حقیق پر لگا دیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ حکومت کے ایکسپرت لکھار، بازار

لے ساتھ ستر ہزار امیدواروں سے انٹرویو کرتے تھے۔ انہیں ذہانت اور

(Aptitude) کے ٹسٹ دیتے تھے۔ ساتھ ستر ہزار میں سے دو سو نو جوان

جسمانی کو آف ذہانت اور روحان طبع کے لحاظ سے موزوں ترین ہوتے۔ ان

سال تربیت دی جاتی، لیکن بعد میں پتہ چلتا تھا کہ صرف دو یا تین

کی ملاجیت رکھتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یا تو انٹرویو میں مناسب لوگ نہیں پتے

طرح سے تربیت نہیں دی جاتی تھی اور یا امریکہ کے بنے ہوئے ٹسٹ

نہیں تھے۔

حقیقی کہنی کو ان سب باتوں کا کھوج لگا کر نشان دہی کرنی تھی۔

اس زمانے میں میں حکومت پنجاب کے ایک ہفت روزہ پرچہ لکھنے

شامل تھا۔ اگرچہ میری دو کتابیں چھپ چکی تھیں۔ لوگ مجھے جاننے بھی

مجھے نفسیات کے نیکشن میں قیادت کیا گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اعلیٰ درجہ کی شٹ دول۔

اشعار کر دیا۔ واہ! اس خاتون پر کیا سرشاری کا عالم ہے اور یہ دیکھو یہاں

شٹ دول۔

لاورک شاگ شٹ سیای کے وجوں سے بنا ہوا شٹ قبل آپ کاٹنے پر
گرائیں پھر اسے فونڈ کر لیں تو سیای پھیل جائے گی۔ اس پھیلاؤ میں مختلف
اور ان میں سیای کی مختلف کیفیتیں ہوں گی۔ کہیں وجہ بہت گاڑھاں کا
کہیں پیچیدہ کہیں کہیں کاٹنے کی سفیدی چھوٹ جائے گی۔ دور شاگ شٹ ایسی ہی ہے۔
چھپے ہوئے سیای کے وجوں پر مشتمل تھا۔

پہلا امیدوار جو شٹ دینے میرے پاس آیا۔ ایک اونچا لمبا جوان تھا۔ اس کی
پاکیزگی کی مرہلی ہوئی تھی۔ دیکھنے میں سراسر سستی نظر آتا تھا۔ ویسے گاتھا
ایکسرورث ہے، مگر بنیو نہیں 'حرکت کامل وارہ ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس
میں نے اسے پہلا کارڈ دکھا کر کہا 'دیکھیے تو آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ ایک مار
اس نے کارڈ کی طرف دیکھا اور لاجول پڑھ کر اسے میز پر پھینک دیا۔ اس نے
کارڈ دیکھے اور نفرت سے انہیں میز پر الٹا کر کے رکھ دیا۔
میرے اصرار پر 'وہ بولا 'جنتاب یہ تو قس ہیں۔

میں اس کے رد عمل پر بڑا حیران ہوا کہ معصوم سے سیای کے وجوں میں اس کی
نظر آئی 'انتا پاکیزہ شخص اور اس قدر جس آنسو لگا۔

ان سیای کے وجوں پر امیدواروں کے رد عمل نے میرے ذہن میں ایک لہلہ
کسی کو ان وجوں میں یکہ نہ کچھ نظر آتا تھا کسی کو جنگل نظر آتے کسی کو صحرا
دکھائی دیتیں۔ کسی کو ہنگامے نظر آتے جن میں مار جیت ہو رہی ہو تو بھی اس سے

سے بات کرتے تھے۔ یوں نہیں کہ میرا اندازہ ہے کہ 'یا گاتھا ہے کہ 'بلکہ یوں اس
میں آ رہا کیا۔ یہ دیکھنے سے سکندر اعظم کی فوج ہے۔ سروں پر پلاٹن فیمیاں ہیں اور

فوجیں ہیں 'دو میدان میں دو بارہ رہا ہے یہ دیکھنے دریا کی لہریں صاف دکھائی دے رہی ہیں
ایک رنگیلا امیدوار آیا۔ کارڈ دیکھتے ہی بولا 'بھئی واہ! اس کی آنکھوں میں آنسو

رہی تھی۔ بھئی 'وہ چاہتا ہے تو پڈت کو کاٹے آسنوں کی تصویریں ہیں۔ اس کی

ہاں نے میرے ذہن میں جھلکے چا دیے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہم سب ایک سادہ
تھے جسے کچھ پڑنے لگا۔ اگر ہم عام سے سیای کے وجوں کو ایک سادہ
نظر کو ایک سا کیے دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارا نظر کارڈ ایک دوسرے سے اس قدر
ساری شخصیت کے رخ کا آئینہ دار ہے یا شخصیت کے کارڈ پر ایک دوسرے

نفس طرح سفید برکی پر کالے دے ہوئے ہیں۔
بھول بھلیاں میں یہ میری پہلی صفا تھی۔ اس سے پہلے میں انسانی
مقام کے حروف سمجھتا تھا۔ انسانی شخصیت کو سمجھنے میں میں خود کو بنا پائے خان
شٹ نے میرا سارا کلف اتار دیا۔ میری مونچھ کر گئی۔ گردن ڈھلک گئی۔

اب میں ایک امیدوار کا دور شاگ شٹ لینے کی تیاری کر رہا تھا تو ڈاکٹر لطیف آ
ہمارے نیکشن کے انچارج تھے۔

میں سر میں سر کہہ کر ٹرغا دیا کرتے تھے۔ جس طرح سیکرٹ میں بیورو
میں سر میں سر کہہ کر ٹرغا دیتے کے عادی ہوتے ہیں۔

کی شخصیت ہی اتنی تھی۔ وہ چال ڈھال یا بول چال سے ڈاکٹر تھے ہی نہ تھے۔
ڈی کے آؤ قی ہوں۔

ڈاکٹر احمد تھے 'جو سہولت حسن متلو کے چاہتا تھے۔ ان کی شخصیت سارے
جانتے رہتی 'جیسے خیرہ لگا ہوا ہو۔ ڈاکٹر لطیف کی طرح ان کے برتاؤ میں میں نہیں

تھے 'پینڈو لہر تھا 'انداز بے تکلف اپنے باحت لڑکوں کے ساتھ مکمل مل کر
انہماز سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ ڈبل ڈاکٹر ہیں 'فرانس کے ڈی ایس سی اور

ایچ ڈی۔ ان کا نیکشن ابگ تھا۔ ہم دو ڈاکٹر لطیف کے نیکشن میں تھے 'حسرت
ان کی جانب دیکھا کرتے تھے۔

ہاں تو ایک روز جب میں ایک جوان امیدوار کا دروازہ شک لینے کی تیاری کر رہا تھا، ایک لطف آگئے۔

نوجوان امیدوار کچھ زیادہ ہی صحت مند تھا۔ چہرہ سرخی سے لہلہا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنس کر کہنے لگا: "اباس غلام بن شخص انداز میں خود اچھڑی۔"

ڈاکٹر لطف آئے تو نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لوپ کے لیے ٹوپی اتاری، آئیے آئیے آپ میرے ساتھ بیٹھیں، ڈاکٹر لطف نے کہا پھر مجھے مخاطب کر کے یہ شٹ لینے کی پنداشت ضرورت نہیں۔

لیکن ڈاکٹر نے اسے کہا: "ابھی تو میں نے انہیں شٹ کیا ہی نہیں۔"

ٹھیک ہے ٹھیک ہے، وہ بولے۔ پھر مینڈا دے کہ وہ نوجوان کو ساتھ لے کر کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر لطف واپس آئے بولے "میں متفق ہو گیا ہوں کہ اسے شٹ دیا جائے۔"

دبا ہو "ابو کس ہو" اس پر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن غلط خیال پڑی بھی تو کتنی ہے، میں نے کہا۔

ہیلتھ کنسرن

لکھئے، وہ بولے "اے کیس آف ہیلتھ کنسرن۔"

میں نے کہا: "تو نوجوان تو بہت صحت مند تھا۔"

صحت مند دکھتا ہے، وہ بولے "ہے نہیں۔ جو لوگ ہیلتھ کنسرن کے بارے میں نہیں ہر وقت اپنی صحت کا خیال دامن گیر رہتا ہے، یہ چیز صحت کے لیے اچھی عمل صحت پر برا اثر رکھتا ہے۔ آج میری صحت گری کی سی ہے" ایسے لوگ بیمار ہوتے ہیں۔ اور ہیلتھ کنسرن جملہ بیماریوں سے زیادہ خوفناک ہے۔ ڈاکٹر لطف نے قسم کے امیدواروں کو آؤٹ رائٹ ریجیکٹ کر دیا کہ "ہیلتھ کنسرن" خروس اور کھانسی، فکارتانہ صلاحیت۔ ایسے لوگ فوج کے کھل نہیں ہوتے۔

پھر میرے لیے پتہ چلا کہ میں بھی فوج میں تھا۔

صحت کا خیال رکھنے والے لوگ میرے نزدیک صحت مند لوگ تھے۔ یہی وہ

میں نے دیکھا کہ وہ بڑا بہت بڑی بیماری ہے، ایسا ہی فعل ہے جسے "شٹ" کی جس

میں کلم کرنا ہمارے لیے یوں تھا جیسے ایس وینڈر لینڈ میں جا پہنچے ہو۔ روز

حیرت انگیز حقیقت آجاتی اور ہم اسے دیکھ کر حیران رہ جاتے۔

ہمارے لیے ہمدردی کے پارے سے کم نہ تھا۔ صرف نفسیات کے طالب علم

آرس میں دلچسپی رکھنے والے بھی "عالم حیرت" میں تھے۔

اس لیے کہا "آئیے آپ کو خروس نوجوان کا تماشہ دکھائیں۔ وہ ہمیں میڈیکل

ہاں امیدواروں کا میڈیکل شٹ ہوتا تھا۔

پہلی انچارج سے بات کی کہ ہم خروس امیدوار کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے

تھے۔ میڈیکل انچارج نے ہائی بھرلی۔

امیدوار کو بلایا گیا اسے کہا کہ اب آپ کا میڈیکل شٹ ہو گا۔

انچارج نے کہا کہ بڑے ڈاکٹر صاحب تو مجھے ہوئے ہیں وہ کچھ دیر کے بعد آئیں

تو وہی نہیں گئے۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم غیر سرکاری طور پر امیدوار کے

میں سے بات کر سکتے ہیں۔ "پھر پچھلے ای سی جی" سب نارمل تھے۔

آواز بلند اعلان کیا کہ بڑے ڈاکٹر صاحب آگئے اور ہمارے کے مطابق "میڈیکل

انچارج داخل ہوئے۔ انہوں نے امیدوار سے ہاتھ ملایا اور حکم دیا کہ نوجوان کے

شٹ لینے والا عملہ وہی تھا جس نے امیدوار کے غیر سرکاری شٹ لیے تھے۔

مجھے لگے تو ہر چیز تبدیل ہو گئی۔ نبض کی رفتار بڑھ گئی، دل کی دھڑکنیں تیز ہو

گئیں، "میں کبھی کبھار ہوش بدلتا گیا۔ دونوں درجے ہمیں دکھائے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا

تھا کہ شٹ دو مختلف امیدواروں کے شٹ ہوں۔ ایک فرد کے نہیں۔

اس حقیقت کو دیکھ کر میرے دل میں استحقاق کا ایک نیا مفہوم ابھرا، ایک ڈھنگ کا
مجھے اپنی شہرہ کے بیٹے ریاض کی بات یاد آئی۔ ریاض بڑا متقی اور پارسا لڑکا
کسی قسم کی کوئی آوارگی نہ تھی، اتنا وہ خود عالی کردہ ڈسپن کا پابند قتلہ وقت پر
پڑتا اور وقت پر سوتا تھا۔ اس کے والدین دولت میں اس قدر مصروف رہتے تھے
اولاد کے مشاغل میں دلچسپی نہ تھی۔

بی اسے کرنے کے بعد ریاض نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ریاض میں ایم اے کرے
اسے میں وہ سال تعلیم پانے کے بعد جب وہ امتحان دینے کے لیے جا رہا تھا تو کام
اجتہاد سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے امتحان کی تیاری میں کوئی وقت نہ اٹھا رکھا تھا
میں اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ سر پکڑنے لگا۔ سانس لینے کی تکلیف ہو گئی، اس
سیر پکڑ کر آ گیا۔

اگلے سال وہ پھر امتحان دینے گیا، لیکن پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ
میں داخل نہ ہو سکا۔

امتحان کے لیے اس کی تیاری مکمل تھی۔ اسے خود پر بھروسہ تھا۔ کہ وہ
ہونے کی بظاہر کوئی رکاوٹ نہ تھی، لیکن وہ امتحان کے کمرے میں داخل نہیں ہو
سکے تھے۔ تین چار مرتبہ امتحان کے کمرے میں داخل ہونے کی پورے عزم سے کوشش
کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اس نے ایم۔ اے کرنے کا ارادہ ہی چھوڑ دیا۔

پھر ہمارے تحقیقی سنٹر میں امتحان کا ایک نیا مفہوم سامنے آ گیا۔ سنٹر میں
ملیکانہ کے طلباء تھے۔

ان کے نفسیات کے پروفیسر ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ اگرچہ ان کا نام
تھا، لیکن اسے اس نے ایم اے تک وہ پھر امتحان میں قسٹ کلاس قسٹ نہ
پاؤں جو انہیں پاکستان میں کوئی ملازمت نہ ملی تھی۔ اس پر سنٹر کے علیک وفد کی
کے کمانڈنٹ کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ پروفیسر صاحب کو سنٹر میں
دی جائے۔

فصل

پروفیسر کے تعلیمی ریکارڈ کو اچھی طرح جانچا اور پروفیسر کی قابلیت کی بناء پر
الاء ہو گئے اور اس بات کی اعجازت دے دی کہ پروفیسر کے جملہ شٹ لے

اس سے بخوبی واقف تھا، اس لیے لوگوں کو یقین تھا کہ آسانی سے پاس ہو
گا۔ طلبہ گریڈ حاصل کر کے کامیاب وہ ذہانت کا مطلوبہ گریڈ حاصل کرنے میں
کامیاب بات تھی۔ پروفیسر کے شٹ دوبارہ لیے گئے، پھر بھی وہ کامیاب نہ ہوئے
مگر وہ دہرایا، لیکن پروفیسر ذہانت کا مطلوبہ معیار حاصل نہ کر سکا۔

اس امر میں دل چاہی تھی۔ ایک خصوصی کانفرنس بلائی گئی جس میں اس مسئلے پر
واپس پروفیسر جس کا تعلیمی ریکارڈ نمایاں قابلیت کا حامل تھا، جو پھر امتحان میں
اس کی ترقی اور اول آتا تھا، جسے دس سال نفسیات پڑھانے کا تجربہ تھا اور جملہ
ذہانت تھا وہ ذہانت کے شٹ میں مطلوبہ معیار کیوں حاصل نہ کر سکا۔

وہ کیا معاملہ تھے جن کی وجہ سے ایسا ہوا۔
اس مسئلہ ایک فرد کا نہیں، ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا ہر قسٹ کلاس قسٹ
کی وجہ سے جاتا ہے۔ ایک تحقیقی مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ لوگوں کا ایک
کلاس تھا جس میں کما کیا کہ وہ مختلف کالجوں میں تھیں۔ ان طلباء علموں کو چنیں جو
کلاس پر زین حاصل کرتے ہیں۔ پھر انہیں ذہانت کا شٹ دیں۔ بار بار دیں
رہے اور نتائج ریکارڈ کر کے اسٹیبل میں پیش کریں۔

اس کے بعد رپورٹ دی تو ہم سب پر حیرت طاری ہو گئی۔ تحقیق پر معلوم ہوا
کہ طلباء ذہانت میں عام طلباء علموں کی نسبت نیچے رہ جاتے ہیں۔

الاء کرا ہوا۔ حکومت کی طرف سے تحقیقی ادارے کے لوگوں کو رسالہ پور

ادارے نے پاکستان اٹھ فوس کو ایک عرض دی تھی کہ کبھی کے تحت جو
تحقیق کر رہے ہیں انہیں موقع دیا جائے کہ وہ خود اڑ کر پابلیش کی

کتنی باتیں ہیں۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یہ سب باتیں ہیں، بہترین پالیسیٹ کون ہے۔

یوسف ظفر

اے یوسف ظفر! میں نے اے اطمینان سے کہیوں کی فرست بتاتے ہیں۔

تجھے پتہ نہیں کہ ہم پائلٹ کی تربیت حاصل کرنے دسپور چارے ہیں۔

پتہ ہے، بھائی بھئی پتہ ہے، وہ بولا۔

تو تم تیاری نہیں کر رہے۔

تیاری تو میری بیوی کرے گی۔ میں تو مٹی کروں گا، چھریں ہی بیک کرتی ہیں۔

تو بولا۔

دوسرے کی وجہ سے پاکستان ابھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔
پاکستان انٹر فورس کے پاس کتنی کے چند ایک پائیلٹ تھے۔ اور وہ کسی پول تھے۔ چند ایک ٹوٹے پھوٹے جہاز تھے۔

رسمل طور میں چند ایک باریکیں تھیں۔ چند ایک سرکس، چند ایک ہتھیار، ایک ویرانہ علاقہ وہاں صرف دو باتیں چاہتے تھے۔ ایک تو تہیہ کی طرح چاہا دوسرے آسمان کی طرح چھایا ہوا اور خان۔

نور خان رسالہ پر کا کلمہ پڑھتا تھا۔
لوگ نور خان سے ڈرتے تھے، لیکن ساتھ ہی نور خان کے لیے ایک نام کرتے تھے۔

نور خان نے اسٹیبل دوم میں ہم سے خطاب کیا۔ یوں، لڑکوں ہم یہاں کی نہیں دیتے آپ کو ہم نے صرف اس لیے اجازت دی ہے کہ آپ پاکستان کی ہم

اہم مسئلے پر تحقیق کر رہے ہیں۔ یہاں آپ کو دو باتوں کا خیال رکھنا لازم ہو گا۔ ہمارے ڈسپلن میں ظن اندازی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ملک کی سیوری پر آج نہ آ رہا ہو اور ہمارا قیام مختصر تھا۔ جس کے دوران پہلے ہمیں ملائکہ پر چاہا گئے۔ پھر ہوائی جہازوں میں بٹھا کر کل پڑوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔ پائیلٹ کے تحت کو پائیلٹ کی حیثیت سے اڑنے کے چند مواقع فراہم کیے گئے۔

بائیلٹوں کو ہدایات دی گئیں۔ کہ ہمیں انگریزوں کے قلائد کی بنیاد پر کیا جائے۔
پہلی مرتبہ جب میں کو پائیلٹ کی حیثیت سے جہاز میں بیٹھ کر اڑاؤ دیا گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے پہلی بار اڑنا ہے۔
میں نے کہا کہ میں نے پہلی بار اڑنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے پہلی بار اڑنا ہے۔
میں نے کہا کہ میں نے پہلی بار اڑنا ہے۔

چھ حسین لڑکیاں

رسل پور سے واپسی پر ایک ایسا لوٹ روٹا ہوا کہ حقیقی سنٹر جتنا تھا، اس لڑکی پر اس روز انپکشن ڈس تھا۔ ہر مینے دو مینے کے بعد ایک انپکشن ڈس کیا اور اسے بڑے افسر آکر سینئر کا معائنہ کیا کرتے تھے کہ آیا سنٹر ٹیکس طور پر چل رہا ہے۔ ان تو نہیں پڑی، سیکرٹری لو کے ہے یا نہیں۔ انپکشن ڈس پر ہم سب ہانک اٹھتے۔ اسے سترے کپڑے پہنے ہوئے، عمارت سپک اینڈ پین ہوئی، ہانپنے کی لٹنوں پر چڑھ کر ہوتی۔

اے یہ کیل سارے ریسرچ اسسٹنٹس کی آنکھیں غلاؤں سے باہر اٹھنے کے چچے چچے قہار میں چھ لڑکیاں خرابی خرابی آ رہی تھیں۔

ان کے آتے ہی اعلان ہوا، "حقیقی سنٹر کے تمام افراد اسمبلی ہال میں آؤ" ایک اہم خطاب کیا جائے گا۔

ہال میں لڑکیاں بیچ پر بیٹھی تھیں۔ درمیان میں ایک افسر بڑے طور پر خطاب کرتے ہوئے شروع کیا۔ بولایک مین۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑا تھا کہ حقیقی یونٹ کو تکمیل دینے وقت ایک اہم بات کو نظر انداز کر دیا۔

اس حقیقی یونٹ میں ہر مضمون کا ایک ماسٹر موجود ہے۔ جو اس مضمون کی ہے۔ اس یونٹ میں عمر رسیدہ لوگ بھی ہیں، فنکار بھی ہیں، لادب بھی ہیں اور اور آرٹ کی لمانڈگی کرتے ہیں۔ لیکن اس یونٹ میں کوئی خاتون نہیں ہے اور لمانڈگی کرتی ہو۔

آب کو نہ جان کر خوش ہو گا کہ اس کو اور کر دیا گیا ہے۔

اس قدر حسین تھیں کہ ان کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔ یہ احساس ظاہری ہو رہا تھا۔ وہ میلی ہو جائیں گی اور اگر دیکھتے تو سانس لینا مشکل ہو جاتا تھا۔ صرف یہی تھیں۔ سونے پر ساگر اس وجہ سے تھا کہ انہیں علم تھا کہ وہ حسین ہیں۔ انہیں ان لڑکیوں کے دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن ان میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ بالی، "جینپ جاتے ہیں۔ وہ سب جانتی تھیں کہ ان کا حوصلہ کیسے بندھایا جاتا ہے۔ چوتھی نہیں تھیں۔ انہیں دیکھنے کا فن آتا تھا۔ ہندو کنبلیوں کے زیر اثر رہتی تھیں۔ راتی جیسے پیسے ہی نہ ہو کہ دیکھا جا رہا ہے۔

ان کا مختلف تھا۔ چھ مختلف تھیں۔ ایک کتابی چرو تھی۔ ایک سیکرٹری تھی۔ ایک مسکراتی تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ گویا ایک ذاتی پرائیویٹ فعل تھا۔ وہ اس بات نہ پہنچتی تھی۔ ایک نیلی آنکھوں والی تھی۔ وہ آنکھیں نہیں تھیں۔ ان میں وہ دو بونی تھی بلکہ خود ڈوب جاتی تھی۔ ایک سار مرادی تھی، جسم بھاریوں سے نکل نکل کر جھانکنا تھا۔ ایک مرچیل تھی۔ اسے دیکھ کر سوں

ان میں ایک لڑکی متعین کر دی لیکن یکشن زیادہ تھے، اس لیے وہ جینپ کے محروم رہا۔ میرے ساتھی اس محرومیت پر بڑے غمزہ تھے۔ ہم حسرت بھری سیکشنوں کو دیکھتے تھے۔

سرکار کے بیٹے تھے کہ یوسف ظفر آریل یوسف ظفر کے انداز میں دعا کرتے تھے۔ اس روز "ای لیشن" کچھ زیادہ ہی چمکی ہوئی تھی۔ آتے ہی

کم ان اور پھر ایک ناکل کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ لک میں وہ بولا: "ملازمت میں لے گی۔ سوچ لیجئے۔"

نیو رابنڈ سر میں نے آخری وار کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دفتر کا صدر دروازہ بند تھا، وہاں سیکیورٹی کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ مجھے باہر جانا پڑا۔

آپ ویٹنگ ہال میں بیٹھیں سر میں اجازت لے لوں۔

ویٹنگ ہال ایک لمبی پارک تھی جس میں دس پندرہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ابھی میں بیٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ یوسف ظفر داخل ہوا۔

اُسے تم "یوسف ظفر" میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

ہاں میں "یوسف"۔

تم تو اسٹیفن دینے کے جن میں نہ تھے۔

میں نے اپنا ارل وہ بدل لیا "بھائی جی۔"

کیسے میں نے پوچھا "وجہ۔"

فیصلہ وجہوں کے محتاج نہیں ہوں "بھائی جی۔"

تیسرا لڑکا داخل ہوا "یار وہ قسمے میں بھوت بنا ہوا ہے۔ جب دسواں لڑکا ویٹنگ ہال میں۔"

مجاہد ریڈیو

در اصل کہانی کے افسانوں کے رویے کے خلاف ایک احتجاج تھی۔ خطرناک

میں۔ افسانے اپنی حسن پسندی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی رپورتوں میں اسے

حقیقی کہانی ٹوٹ گئی۔ جن اراکین نے اسے نہیں بھی دیکھا

راول دیس

فیاض کے پاس جا کر اس کی منت کرنا مجھے گوارہ نہ تھا۔ پھر یہ بھی قرار دیا تھا کہ فیاض بہت پڑھا لکھا عالم آدمی تھا اور وہ علم کے تکبر کا شکار تھا۔ ایک دن لاہور چرائی ہوئے کے بل بوتہ پر وہ لاہور میں رہنے لگے اور صحت میں زندگی گزارنے لگے۔ اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اور اب جب وہ ایک باعزت مقام پر پہنچ چکا تھا تو اس نے راولپنڈی

مجھے جین تھا کہ فیاض میری بات نہیں مانے گا۔ کسی کی بات نہیں مانے گا۔ پھر یہ تھا کہ اس زمانے میں مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا۔ اسی لیے نہ تھا کہ اس سے اپنی تہذیب کو راکھ کر کے

لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ساری بات پریس میں لائی جائے تاکہ لوگوں کو بہتر علم ملے۔ حقیقی کام جو قوم کے مفاد میں تھا صرف چند حسین لڑکیوں اور چند بچوں سے کیا جاسکتا تھا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ بات پریس میں نہیں آئے گی۔ آگئی تو بات نہ لگے گی اور بگڑ جائے گی۔ میں نے بار بار انہیں سمجھایا تھا کہ پریس میں آئے گا وہیں قاتلہ ہو جائے گا۔ ورپبلک لوینین ہو جو حکومت پر اثر انداز ہو سکے۔ انا ہمارے پاس حکومت اس قدر ہے کہ وہ ورپبلک لوینین کو اپنے کام میں لاسکتی ہے۔

میرا اندازہ تھا کہ افسران خود مخالف تھے کہ پریس میں نہ آجائے اور اپنے مفاد کے تحت اقدامات پر عمل پیرا رہتے تھے۔

ہم روز آہیں میں ملا کرتے تھے۔

پہلے تادم خبریں سن لیا جاتیں۔

پھر ان پر تبصرہ ہوتا۔ پھر ساری چوٹیں کا جائزہ لیا جاتا۔

اور آخر میں یہ سب غلطیوں پر مجھ پر الزامات کی برچھاڑ ہوتی تھی۔ ہمیں مورد الزام نہ

مجھ پر سب سے پہلی جارہی تھی۔ لکھا جاتا تھا۔

ایک دن ایک ایسی ہی روشنی منگب میں شمولیت کے لیے جب یہ سب غلطیوں کا روبرو ہوا تو رستمدرمان میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ چند روزوں میں جانے کے لیے سامنے رہے

ابا ریڈیو
ہندی
دیں کالی بی



محمود نقشبانی



محمد عسر



سجاد حمید



ابو الدین



ابو الدین

یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔
 چپ چاپ بیٹھے تھے۔ یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔



حمید اعظمی



اے آپ نکلیں صاحب، یوسف ظفر اے دیکھ کر چلایا، آپ یہاں کیسے
دیکھ لو بھائی، نکلیں نے جو انوں کو مخاطب کر کے کہا، چاروںوں میں اس
ہوں، لڑھو کا کونہ کونہ چھان لرا ہے اور یہ کس مصیبت سے پوچھ رہے ہیں،

میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ غل ہوا ہوں لیکن مجبوری کی بنا پر
اجازت دیں تو میں ان سے بات کر لوں۔

نکلیں کا انداز بڑا بے تکلف تھا۔ چونکہ مسکرو ہو گئے۔ بولے، بے تکلف
ان سے بات کر لیں۔ ہم اپنی بات چیت کل پر ملتوی کر دیے ہیں۔ دوستو کل
لوہن انٹرستورن کے باہر نکلیں کی جیب کھلی تھی۔ یہ جیب کہاں سے
نے پوچھا۔

یہ جیب تمہیں لینے آئی ہے، وہ ہنسا۔
لیکن ہم تو یہاں بری طرح سے بچنے ہوئے ہیں۔ یوسف ظفر نے ہنسا۔
خوبصورت لڑکیوں کی کمانی نکلیں۔

نکلیں کی آنکھوں سے مسرت کی ایک چھوڑ اڑی۔ بولا۔ چھ خوبصورت لڑکیاں
تھیں جیسی مٹی تھیں۔ تاکہ آپ یہاں سے فارغ کر دیے جائیں۔

نکلیں صاحب، یوسف ظفر نے کہا، چند روزوں کے کیریز کا سوال ہے۔ ان
سروس سے بین کر دیا گیا ہے۔ ہم انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔

افراد کا سوال اہم نہیں، نکلیں نے کہا، اس وقت قوم کی خدمت کا سوال ہے۔
ضرورت ہے، آپ کو میرے ساتھ چھانا ہوگا۔

کہاں میں نے پوچھا۔
مجاہدوں کے محل پر، وہ بولا۔

لیکن ہم پر تو بین لگی ہوئی ہے، یوسف ظفر نے کہا۔
دیکھو بھائی، نکلیں نے کہا، یہ بین دین کی باتیں وہاں جا کر ملے کر لیں گے۔

کے لیے صرف پچیس منٹ کے سکا ہوا۔ کل اس وقت ہم سڑک پر
اور مجاہد کے لشکروں کے مفہوم سے پورے طور پر واقف نہ تھا۔ یوسف ظفر کے

دل میں اسلامی جذبہ یوں بھرا ہوا تھا جیسے مائتار سے بھرا ہوتا ہے۔ نکلی کی بات یہ کہ اس کے لیے جو 'انہوں نے کہا۔

دن میں تین یا چار بار بلاوا آ جاتا۔ آ جاتے ہو چلا۔ بلاوا آ جاتے
جائے، میٹنگ بھی اونٹنی میٹنگ ہوتی، کبھی درختوں کے جھنڈے، کبھی کسی
اوت میں اور کبھی کچھ میدان میں۔ سنو سنو نقلا دلی آواز میں کہتا: تازہ خبر
نہ دنوں ہمارے لیے سب سے اہم بات خبر تھی۔ چونکہ کواڑن کی کواڑ
ترین خبر کو جانا اہم قلم دار سیر، چونکہ اور قلم دار بھی خبر کو غور سے سنتے تھے۔
بولنا پڑے تو تازہ ترین حالات سے باخبر ہوں، یہ خبریں بھی عجیب نوعیت کی تھیں
کسی عجیب کی جرات کی حیران کن داستان، کسی جاننا کی جان کی قربانی کی قصہ
جھپٹا نہ دیری۔
میٹنگ ختم ہوتی تو سب اپنی اپنی جگہ سوچنے لگتے کہ خبر کو پروگراموں میں کیسے
پروگرام کا کاروبار کیا ہو۔ نام کیا ہو۔

استاد معلم

دیے تو سب اہم خبریں میں ایک پر بولا کرتے تھے، لیکن ہمارے پاس
فکر موجود تھے۔ محمد حسین، تاج اور امیر خان۔
محمد حسین چوٹی کا فطرت قلم نہ دنوں مجھے ملے تھا کہ یہ شخص صرف اس
کہ ریڈیائی اور لٹری خبروں میں میری راہ نمائی کرے۔ میں بتائے، سمجھائے کہ
کیا ہے۔ کردار کیسے بنے ہیں اور ڈرامے کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ آج تاج اس
کہ محمد حسین میرا استاد قلم اور ریڈیو آزاد کشمیر میرا معلم قلم جس نے مجھے بات
تاج اور امیر خان دو سمجھیر آوازیں تھیں، جن کے پاس دل دلا دینے والی
نور ایک امیر آہوا فطرت قلم اور بعد میں شہرت سے بھگتا ہوا۔

آزاد کشمیر ریڈیو میں پروگرام عجیب انداز سے مرتب ہوتے تھے۔ ایک دن
ماتے کے بعد کہا جاتا۔ یہ کہیاد وطن ہے، مجھے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔
آگیا۔ بولنا میں کھولیں گاؤں کے جھوٹ بولنا۔ مسعود چلایا۔ دھول کا پال
کواڑن میں اور امیر خان۔

نہ لیا ہوں دو آوازیں، ایک شفا، دوسری دھلا۔

اچھی چلایا، شفا پر دھلا، عمر بڑا چلا چلا یوں جیسے چلائی ہو رہی ہو۔ نکلی
لو اس کے گھر پہنچا کر آنا ہو گا۔

اصل

اصل کا پاول فشر ہو رہا تھا۔ تاج اور امیر خان فشر کہتے تھے۔ ساتھ ساتھ
یوں پہ لائیں لکھ لکھ کر دیے جا رہا تھا۔ وہاں اتنی وقت میسر نہ تھا کہ سرکٹ پورا
یوں اور پھر فشر وہاں لیے۔ سرکٹ ساتھ ساتھ لکھا جاتا تھا اور فشر کرنے والوں کو یوں
یوں کہیاد چلا رہی ہے۔

اصل کا پاول فشر ہو رہا تھا، شفا پر دھلا، بڑا چلا چلا چلائی ہو رہی تھی۔
اتحاد یار یہ ہاتھ ذرا کمزور رہا۔ لگا ہاتھ شفا پر، یوسف ظفر کہ رہا تھا ہم نے کسر
اس چلا چلا کی کواڑن کی ایک سال دلی میں کوئی رہی۔

محمد حسین میرے پاس آیا، بولا، مفتی بی، ایک پروگرام ذرا ہٹ کے ہو جائے۔
میں چلائی تو ہوتی ہی رقت ہے، ایک پروگرام دھمی کواڑن میں ہو جائے۔ میں نے
لکھ لکھ بھارت کے دل کی باتیں باہر لائی جائیں۔ میں نے کہا شفا لائے پڑت جی
یوں بولا کہ ایک سے بول۔ ایسا بولو جو لو پر سے مٹا ہو، اندر نہیں نکلی ہو۔ اوپر
یوں اندر کدود ہو غصہ ہو۔ کچھ پر نہیں ہو، بھل میں چھری۔ کچھ ایسا ہو۔ محمد

آزاد کشمیر سے ایک پروگرام فشر ہو رہا تھا۔ بھارت کی نئی پینک۔ مندر کی
تھیں۔ محمد حسین پڈت کی آواز میں پاگوں کو کر سکا رہا تھا۔ پاگوں بولنے سے
وہات کا کام ہے کہ جو ملے ایسے تھپالے۔ دوجے کی پیچ پر اپنا حق جتانے۔
کاؤٹ آگ ہے۔

محمد حسین آج تو رنگ لگا دیا۔

میں نکلی بولا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ چاچوں کی آواز سن کر بھارتیوں کے

پانچویں باب

ہم نے اپنا کیا کہ آگیا، دیر سے آیا، پر آگیا۔

’اہل نہیں‘ وہ کچھ دیر رک کر یوں۔

الی کہ پڑھا کیا کہہ رہا ہے۔

۱۔ بولا جا امتحان دے۔

میں چوٹا۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ مجھے انٹرویو دینا ہے کہ میں امتحان کے

راولپنڈی

۱۱۱ یاد آگیا۔ وہ بھی یہی کہتا تھا، اوپر چلا جا جہاں پہاڑیاں ہیں، تجھے

۱۱۔ 'نظر دوڑائی' سامنے مری کی پہاڑیوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔

میں رہتا ہے۔ نہیں میں یہاں نہیں رہوں گا، نہیں میں یہاں نہیں

ان کا اثر ڈالنے کے لیے ایپ شاپ بولتے رہتے ہیں۔ ان کی باتوں

۱۱۔ لاشن نے انٹرویو کے فوراً بعد میرے ہاتھ ایک حکم نامہ تمھارا دیا۔

فیڈرل کے ذیلی دفتر آزاد کشمیر پبلٹی ڈائریکٹوریٹ میں اسٹنٹ

۱۰. اے جہان کرلیں۔

۱۱۔ ایسے کہ یہ علم پبلک سروس کمشن کے دستور سے ہٹ کر تھا۔

۱۰۰ ر میں بائیں نمبر چوٹی کی سڑک پر سو بھروم میں دافع تھا ۔

میں صرف یہ نہیں آدمی کام کرتے تھے۔

ایک ایسا بنا کر مستعد آدمی تھا۔ ایسے لگتا تھا۔ جیسے ابھی ابھی ڈرائی

۱۔ ان کو لایا ہے۔ ضیاء الاسلام پر اسکی ادبی محابہ وہ مع ستم و ستم

اپنے لانا بھیجے اسے کسی اور بات سے دلچسپی نہ ہو۔ اس کی بیوی

اس نے ہنسی اٹے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سے میں ہوں گے ایک

یہ ایک ایسے درد و رنج کا برقی کی ٹوئہ اس اس کے ہمدردی میں رہی ہوگی

اور معیاری کا پوچھ جملہ بوجھوں سے زیادہ بوجھل ہے۔ اس لیے اس کا نام 'بوجھ' رکھا گیا ہے۔
 دن کے لیے قلم بوجھوں اور بندھنوں پر چھڑا کر باہر نکل چکا ہے۔
 قوانین بظاہر بڑے آسان ہیں، پر ہیں بے حد مشکل۔

شاعر کا زاد یہ نگار سائنسی ہے۔ نثر نگار کی طرح
 شاعر کا شاعر ہے۔ شاعر کا شاعر ہے۔ شاعر کا شاعر ہے۔
 شاعر کا شاعر ہے۔ شاعر کا شاعر ہے۔ شاعر کا شاعر ہے۔

پلو میں ایمان بندھا ہے، دوسرے میں سائنس۔ ایک جیب میں فنون کا شوق، دوسرے کی دکان۔
 ایک سست ہے۔ ایک حذر ہے۔ ایک سست ہے۔

لوگ رسیا سیاحت کا پروانہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہزار ہوں لوگوں نے اصل چیز تو لوگ ہیں۔ لوگوں کو دیکھو ان سے باتیں کرو انہیں سمجھو ان سے کہ اس نے پاکستان کے دور دراز علاقوں کو دیکھا ہے۔ وہ سب خبردار ہے۔ کچھ میں بول افسانہ ہے اور حیرانہ کے قویہ ہو گا اور حیرانہ کے قویہ ہو گا۔ لیڈر کو اس بات پر فہم آئے کہ انجینئری کیوں جانتا ہے۔ اس کی حق صرف لیڈر کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ نہیں جانتا تو بھی جانتا ہوتا ہے۔ یوں راولپنڈی میں اہل سماجی اور پارلیمانی میں وقت گزارا۔ پھر محمد حسین اور ریڈیو کی مصروفیات تھیں۔

محمد حسین

راولپنڈی آ کر جوں جوں مجھے محمد حسین کے قریب جانے کا ارادہ تھا حسین کے جوہر سکے۔

محمد حسین بنیادی طور پر گونا گونا آدمی تھا۔ محفل میں بات کرنا اس کے لیے دیکھنے میں وہ نہایت مشغول اور شبیدہ آدمی نظر آتا تھا۔ ریڈیو کے لیے سے بالکل مختلف تھے۔ مثلاً تاج تھا اور قاضی امیر خان تھا۔

یہ تینوں صدائیکہ بڑے پائے کے فنکار تھے۔ تاج کو اپنی کتاب پر ڈیوڈی پر غرق تھا اور نور کو اپنی جو دہائی پر بھروسہ تھا۔ یہ لوگ فنکار طبع تھے۔ حسین جیسا کہ ان سے بہت کر تھا۔ نہ اس میں غافل تھا نہ جوش نہ ہوا۔ اس کی معمولی نوعیت کی تھی اور شاید اسی لیے وہ چھوٹی کواڑ کے ذریعہ ہم میں جا رہا تھا۔ سسرل میں محمد حسین کا اداسی ہوا مشکل عام سا مشکل سنائی دیتا تھا۔ ذریعے لائڈر سیکر سے لیا ہوا تو میں اسے سن کر حیران ہو جاتا تھا۔

محمد حسین قیصر میں کام کر چکا تھا۔ وہ چنگیز کے لب و لہجہ سے بہت دور تھا۔ ان دنوں راولپنڈی کا ریڈیو مشین پشاور روڈ پر واقع تھا۔ ان دنوں سڑک تھی۔ سرشام ہی حسین ریڈیو مشین سے آگے چھوڑ رہا تھا۔

لوگوں کے درمیان ویرانے میں غلطے ہیں کو روک کر لوٹ مار کیا

رات گیارہ بجے اپنے سائیکل کھلتے اور راولپنڈی شہر کی طرف

لوہی رات کے وقت ریڈیو مشین سے چل کر کئی چوک پہنچتے اور

اپنا ہاؤس روانہ ہو جاتے۔

ان کا لائق ہی کچھ کریں۔

پوچھا۔

لوہی ریڈیو پر نہیں کی جاتی۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

تھے۔ شر کے پڑے اہل کاروں سے ان کا رابطہ تھا۔ وہ اکثر دوست اہلکاروں
دیکھا کرتے تھے۔ مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس چوٹی میں
لوہار تھے اور وہ آٹا شر کے کیل پیش کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں آٹا
بڑی اچھی طرح دانت قلم انہوں نے چار ایک ہزار اندر سمجھا بھی پیش کیا تھا۔

ترنگالے گیتوں کی نقل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اندر سمجھا ایک نابینا
جب محمد حسین نے اندر سمجھا کا نام لیا تو میں حیرت زدہ ہو گیا۔

عقل کی بات کہ محمد حسین میں نے کہا اندر سمجھا کی بندشیں کون کون
اس کا آپ فکر نہ کریں وہ یوں۔

تم گنا جانتے ہو میں نے پوچھا۔

میں وہ یوں میں گنا نہیں سکتا، لیکن میں اندر سمجھا کے گلوں کی بات
آپ سکرپٹ کو ریڈیو کے مطابق ڈھال لیں، بس باقی میں سب سنہیل لوں

میں نے سکرپٹ لکھ کر محمد حسین کے حوالے کر دیا۔

سکرپٹ لے کر محمد حسین سازندوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دس چودہ دنوں
ریسرل کروانا ایک دن کہنے لگا آج آپ فارغ ہیں تو ذرا ہماری ریسرل میں

ریسرل سن کر میں حیران ہو گیا۔ اندر سمجھا کے گیتوں کی تمام دفعیں وہ
محمد حسین نے ایسی عمدہ کاسٹنگ کی تھی اور میڈیک پائل ٹیپٹر کے رنگ میں ترنگ

جس روز شیٹیں سے اندر سمجھا شروع ہوا تو چاروں طرف سے لوگ بٹے۔ ہمارے
تھے۔ بھی لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اندر سمجھا میں نے پروڈیوس کیا ہے۔

محمد حسین کو کریڈٹ لینے کا شوق نہ تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک عظیم فن کار
محمد حسین کو میں نے سچے دل سے اپنا استاد بن لیا۔

آج محمد حسین اس دنیا میں نہیں ہے لیکن جب بھی میں کسی انٹرنیٹ 'ادرا
مکالمے لکھتا ہوں تو محمد حسین میرے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی مدد ہم

ہے، نہیں ملتی تھی یوں نہیں اگر ہوں وہ جانتے تو کیا رہے۔ اس وقت
چاہتا ہے کہ محمد حسین نے مجھے کیا سکھایا ہے اور اس کی دین کا سلسلہ ختم نہیں ہوا

گزارہ ہو جائے گا۔

میں نے اختیار ڈال دیے۔ اچھا، مہ کن سی بولی بولے گا۔

وہ میں کروٹکا، آپ سیدگی زبان کھ دیں۔

میں یہ نہیں ہوتا، میں نے کہا۔

تو پھر۔

نومے کے طور پر تو سننے کی زبان بولتا جا میں لکھتا جاتا ہوں۔

وہ بولتا کیا، میں لکھتا گیا۔ چار ایک دن میں وہ بولی یاد کرتا رہا۔

پھر ایک مہینے میں سکرٹ تیار ہو گیا۔

میں نے کہا محمد حسین اب تو اسے روایت کر دے۔

کہنے لگا میں نہیں مانتی جی۔ جتنے لکھتے تھے میں جتنے بولتے تھے۔

یہ ایک عظیم حقیقت تھی، جو میں نے محمد حسین سے سیکھی۔

کہنے لگا جب میں سرسل میں بولوں گا تو فقرے آپ بیٹھ جائیں گے۔

سرسلوں میں فقرے بیٹھ گئے۔

پھر وہ کاسٹ کا انتظام کرنے کے لیے لاہور چلا گیا۔

دس دن کے بعد وہ چھ ایک ڈنچی عورتوں کو لے کر آیا۔

میں نے ان خواتین کو دیکھ کر کہا محمد حسین یہ کیا چیزیں لے آیا ہے۔

کہنے لگا مفتی جی، یہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو سچ بولنے کی چیزیں ہیں۔

آٹھ دس دن وہ کاسٹ کو سرسل کو دانا دہا۔ پھر کہنے لگا مفتی جی اب آپ

آ رہا ہے، آ رہا ہے

پیشی کا سرے ایک نیا انداز سوجا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک وال پوسٹر لکھا۔ جس پر ایک بڑا سا سونہ

آ رہا ہے، آ رہا ہے۔

دوسرے پوسٹر پر لکھا تھا چنڈی شہر میں آ رہا ہے۔ نیچے علی عیادت میں آ رہا ہے۔

دوسرے پوسٹر پر لکھا تھا چنڈی شہر میں آ رہا ہے۔ نیچے علی عیادت میں آ رہا ہے۔

UrduPhoto.com

اور اے کے سلسلے میں مجھ سے جرح کرتے رہتے۔

میرا علم نامہ موصول ہوا کہ ممتاز مفتی فوراً سیکرٹری وزارت امور کشمیر کی خدمت میں

گئے کہ شاید سیکرٹری نے مجھے رپہ پمانڈ کرنے کے لیے بلایا ہے یا شاید وارننگ دینے

والے صائب صاحب نے یہ رسک ڈیا، تھو۔

پی آر ڈی

دفتر میں پہلے دو ایک سال تو ڈائریکٹر صاحب مجھ پر بہت خوش رہے۔

پھر دو ممتاز بلیئر کسی وجہ کے فیاء الا سلام نے بات بات پر مجھ سے الہ آباد

ہر بات پر اعتراض کرنے شروع کر دیے۔ بدلتے بدلتے بات اس قدر بڑھ گئی کہ

کیوں۔

جو شخص بغیر وجہ مخالف ہو جائے، اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ دیکھے جنہاں، اگر وہ مجھے ناراضگی کی وجہ بتاتے تو میں اپنی پوزیشن مبالغہ آفرین کر دیتا۔

اظفر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا، کہنے لگے۔

آپ اوتھ ہیں۔

جی۔

آپ قدرت اللہ شباب کو جانتے ہیں۔

صرف نام سنا ہے۔

ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے کبھی۔

جی نہیں۔

آپ ان سے کبھی نہیں ملے۔

جی نہیں، کبھی نہیں۔

اظفر پھر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اس میں سے ایک لاکڑہارا

اللہ شباب نے مجھے یہ خط دکھایا ہے۔

لکھتے ہیں، ممتاز مفتی میرے عزیز دوست ہیں۔ وہ آپ کے ایک ذیلی وزیر ہیں۔

جس کو بڑی مشکلات میں گرفتار ہیں، ہو سکے تو ان کی مدد کریں۔

وہ خاموش ہو گئے، پھر میری جانب دیکھا کہنے لگے قدرت اللہ شباب کا

کے عزیز دوست ہیں، لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ انہیں نہیں جانتے۔

جی۔ میں انہیں نہیں جانتا۔ میں نے جواب دیا۔

پھر وہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ ان کے عزیز دوست ہیں۔ اظفر نے پوچھا۔

جناب یہ بات آپ ان سے پوچھئے کہ وہ مجھے کیوں دوست سمجھ رہے ہیں۔

سفارش کر رہے ہیں۔

ان سے بات تو میں کروں گا، اظفر نے کہا۔

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مضمون سیدھا سادہ تھا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر پنڈی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر ملتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

بے کار ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

وہ اس بات نے کی اہلیت نہیں رکھتا، اکیلا تھا۔

اور

میں نے کہا، حسین بولا، کوئی محبت و جنت کا جینجھٹ تو نہیں پالی جینجھٹ۔

میں نے جواب دیا، یہ بات نہیں۔

وہ بولا۔

میں نے جواب دیا، اشتقاق کو لڑکیوں کا شوق نہیں ہے۔ وہ عاشق مزاج نہیں

ہے، وہ خوب طبیعت کا مالک ہے۔ اچھا یہ بتا محمد حسین۔

وہ بولا۔

میں نے خیال کیا کہ محبت کا جینجھٹ ہے۔

میں اس سوال کو سن کر گھبرا گیا۔ کہنے لگا جی وہ جو کالی ملی ہے اسے دیکھ کر میں نے

اور، کون سی کالی ملی۔

میں نے کہا، میں کس کی ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ وہ ملی شرم چھٹی میں آتی

تھی اس کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے دودھ منگوا کر رکھتا ہے۔ جب وہ آتی ہے تو

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مضمون سیدھا سادہ تھا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر پنڈی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر ملتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

بے کار ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

آپ تو جانتے ہی ہیں، اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔ پہلے میں نے اسے

پورے طور پر نہیں جانا تھا کہ اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔

میں بھی اشتقاق کی باتوں اور محفل آرائی سے اس قدر متاثر تھا کہ میں نے اسے

دوسرے پہلو کو قطعی اہمیت نہ دی تھی۔

زہلی نے جب لوہن اتر تھیں، میں اشتقاق کا مجسمہ بنایا تھا، تو میں اسے دیکھ کر

زہلی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

میں نے کہا، زہلی یہ کیا بنایا ہے تو نے۔

مجسمہ ہے، وہ بولا۔

کس کا مجسمہ ہے یہ۔

اشفاق احمد کا ہے۔

میں نہیں جانتا، میں نے فٹے سے کہا۔

نہ مانو، وہ بولا، میں کب کہتا ہوں کہ جڑ۔

یہ اشتقاق کا مجسمہ نہیں ہو سکتا۔

اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

اس کو بڑے شوق سے دودھ پلاتا ہے، پھر اسے گود میں لے کر اس پر ہاتھ پھیرتا رہتا ہے۔
 میری ہنسی لکل گئی، اس سے کیا پتہ چلتا ہے۔
 نہیں، محمد حسین یوں کہ جب وہ بلی پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو چٹالوں میں گھویا ہوا تھا۔
 جیسے اس کے ہاتھ تلے بلی میں کوئی کچھ اور ہو۔
 محمد حسین بچا کہتا تھا۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا جیسے بلی محض ایک علامت ہو۔

چوکی بھری، چٹی سفید

مجھے پتہ تھا کہ اگر میں نے مکمل کربات کی تو وہ گھبرا کر خود کو سیٹ لے گا۔
 خطرے کے وقت اپنا سر ڈھل میں پھپھاتا ہے، اس لیے میں نے بائی وی دی ہے پتہ چلتا۔
 میں نے کہا، یار تیرے گھر والے تیری شادی کا سوچ رہے ہیں۔
 وہ چونکا، 'جی' تجھے کیسے معلوم ہوا۔
 میں نے کہا، نیچے ہاتھیں کر رہے تھے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
 کیا واقعی وہ گھبرا گیا، پھر آگے بھر کر بولا، وہ اپنا چوک پورا کر کے رہیں گے۔
 وہ تجھ سے منظور نہیں کریں گے کیا میں نے پتہ چلتا۔
 کیا فرق پڑتا ہے، وہ بولا۔
 کیوں تمہاری رضامندی سے ہو جائے تو کیا حرج ہے۔
 تو نہیں سمجھتا کہ وہ بھر کر بولا۔

تو سمجھنا مجھے۔
 خاندان میں سے کوئی لڑکی جن لیس گے۔
 تمہارے خاندان میں کوئی خوبصورت لڑکی نہیں ہے۔
 ساری ہی خوبصورت ہیں، ہنسنا سید رنگ، چوکی بھر جاتی ہے۔
 کیوں چنے سفید رنگ کو کیا ہے۔ میری تو جان کتنی ہے، ہر چنے سفید رنگ پر۔
 مجھے دہم لگتا ہے، اس نے ہنر بھری لے کر کہا۔
 تو خاندان سے باہر کی لڑکی نے کر لیا۔

چھا گیا۔

تقسیم سے پہلے میری ماں نے بتائے میں اپنے گھر کی چلی منزل میں لڑائی اور
کھول رکھا تھا۔ مقصد صرف مصروفیت تھی۔ میری ماں اپنی طور پر ایک کافی تھی۔
یہ سکول جیسے کیسے سات آٹھ سال چلا رہا پھر پینہ نہیں کیسے ادا کی گئی۔
سکول کو باقاعدہ لے لے گئی۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم کے افسر سکول کا معائنہ کر لے گئے۔
ایک بار مسز جنہ بھی آئیں۔

اس روز سے لہاں مسز جنہ کی مداح بن گئی۔ لہاں کی زبانی مسز جنہ کی شہرت
ہمارے گھر تک پہنچ گئی۔
لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی بار
پانچ وقت کی نمازوں ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی بار
پانچ وقت کی نمازوں ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

کما کر اس معاملے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ خاتون مسز جنہ
اشفاق کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اشفاق کے ماں باپ کی رضامندی
اور اس کے وہ تو جو تے مار کر ہمیں گھر سے نکال دے گی۔

ام کا کیا کیا۔

وہاں آیا تو ہمارا خیال تھا کہ روم کی گماہمی میں دھیمان کسی اور طرف لگ
گئی ہو گی۔ لیکن اشفاق نے آتے ہی گلی بلی کی تلاش شروع کر دی۔
اس کی ہمت ہو تا تو دو سال میں بجز بھڑک کرے راکھ ہو جاتا لیکن وہ تو سنگن تھا۔
ہو تو گئی رہتی ہے۔ اور ہوا تو قد سیر بھی خاتون تھی، مشرقی رنگ
کلیں تھے۔

ان اذ سر تو سنے گا، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو،

تو کچھ کر لیں۔

بولی میں کیا کر سکتی ہوں، میری کون سنا ہے، اس گھر میں۔

میں نے کہا، اہل تو اس گھر میں اسنے سارے جنوں کو سنبھال رہے ہیں۔

بات بن جائے۔

وہ بولی، میں بڑے خان نہیں بنائیں گے۔

میں نے کہا، کوئی مانے نہ مانے اگر تو جان جائے تو ہم کر دیں گے۔

وہ بولی، مجھے تو کسی اعتراض نہیں۔

میں نے کہا، دیکھ اہل تو ایک بار بچے دل سے کہہ دیں کہ ہاں میں تو۔

تیک کلام کر دو۔

بولی اندر سے تو تمہارے ساتھ ہوں لوہے سے نہیں، مجبور ہوں۔

میں نے کہا، ٹھیک ہے، ہمیں لوہے کی پرولہ نہیں۔ دل سے ہمارا ساتھ دے۔

کھکھو

اشفاق احمد کے بہت سے بھائی ہیں۔ سارے ہی ٹیلنٹڈ ہیں، فنی ہیں۔

فیلنٹ کا رخ اور ہے۔ اس لیے وہ سارے خاندان سے وکرا ہے، یوں

براہمن ہو۔

اشفاق کا ایک بھائی جسے ہم کھکھو کہتے تھے منڈو کردوار کا مالک تھا۔

منہ پر بات کہہ دینے والا، کڑوی سے کڑوی بات کہہ دینے والا۔ ڈانٹ کر

داری سے بے پرواہ بات کا لپکا، خیر، سچ کا ساتھ دینے والا۔ کھکھو ایک

مالک تھا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کھکھو سے بات کی۔

میں نے وہ چلا کر بولہ۔ میں شتو کی زندگی چاہے ہوں میں کلہ کہ

ہائیں۔

میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی تمہاری بات کبھی آنکھ سے نہیں

دھاک کی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

ہوتے۔

میں نے دھاک کو پاؤ قد سیدھے کند کر دیا تھا۔

اگر کے ایک کوارٹر میں ایک رات مولوی صاحب بیٹھے، اشفاق اور

تھے، محمد حسین اور میں تھر تھر کاپ رہے تھے کہ بڑے خان پولیس لے

اور کھکھو کھڑا ہمیں حوصلہ دے رہا تھا۔ مریدو وہ کہہ رہا تھا، حوصلہ رکھو۔

میں نے کہا، تمہاری طرف کوئی کبھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔

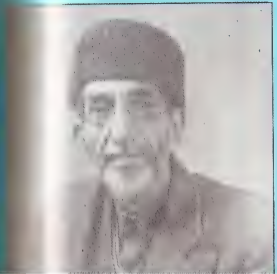
خواجہ جان محمد بیٹ

و وسیع ہیں۔ اوب، حکمت اور اسلام کے متعلق وہ بے تکلن گفتگو کر سکتا
 ہے۔ ملک کی عزت پیدا ہو گئی۔

ملک بھٹ سے آکر لائے گئے تھے معلوم ہوتا ہے آپ پریشان ہیں میں نے کہا
 میں نے ملک کو دفتر کے متعلق تمام حالات بتا دیے۔ میری بات سن کر وہ بہت
 افسوس منہ پر لایا آپ چاہیں تو میں کسی بزرگ سے درخواست کروں کہ آپ کے لیے دعا

کرائے گا۔ میں نے ہاں کہہ دیا لیکن ان دنوں نہ میں بزرگ کے مضموم سے واقف تھا نہ دعا
 کرائے گا۔

پہلی مرتبہ میں نے چاہیہ کے گھر میں سنا تھا۔ چاہیہ میری قریبی عزیزہ تھی۔ پتہ
 تھا کہ وہ بھٹ سے آکر لائے گئے تھے۔



پایہ رک

پایہ کی کوٹری سے صرف دو آوازیں گونجتی تھیں ایک 'فہو' دوسرا 'تہہ'۔
 قہہ اس میں تسخیر تھا، سرت نہ تھی، مست نہ تھی۔ اسے عروہ اس قہہ
 ہی نے بنیادی تھی۔ جب بھی کوئی پایہ سے کسی کی شکست کرتا یا بدھستی کا رونا
 وہ ایک بھر پر قہہ لگاتی، یوں جیسے وہ شکوہ کرنے والے یا بدھستی کا رونا دہنا
 چھوٹی عروہوں اور رنجشوں سے بے نیاز ہونے کی دعوت دے دیتی اور
 چھوڑ دیتا، 'فہو' یہ رام لیا، ایسی ہی ہے۔ یہ نکلتی ہی تو اس پچھت کی رنگ باڑ
 والا ہولی کھیل رہا ہے۔ کھیلنے دو، اسے کھیلنے دو۔ جس رنگ میں چاہے کھیلے۔ اس
 جیون ہے اس کے کھیل کی وجہ سے ہی دھرتی ہری بھری ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۶۱ء کا ہے جب میں پایہ کے گھر میں پناہ گزین کی حیثیت سے کراچی
 ۱۹۶۱ء میں میٹریکولیشن کر کے میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا تھا۔

ہاسٹل میں ایک میٹ دلاؤدی تھی۔ لیکن ہاسٹل میں رہتا میرے لیے نعمان نہ تھا
 گھیر ہی گھیرتے۔ جن کے درمیان ڈرا ہوا 'ساہو' ایک بالشتیہ
 اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں لڑکے نہیں بلکہ چودھری اور دامہ
 لوچنے لپے، بڑی بڑی ٹیموں، کلف دار طرے، جب وہ گھول سے لاہور آئے
 پائین ان پر ایک کالی حق پکڑے بیٹھا ہوتا۔ ہوسٹل میں ایک کالی مٹی چابی
 پاجامے کی جگہ چادر بندھی ہوئی، بے کلف کچھاڑ، قہقہے لگاتے، دوپٹے مڑا
 لگاؤں سے گھورتے 'ایسی گھوری کہ دم رک جائے' جان نکل جاتی۔

ایک ڈرا ہوا 'ساہو' اکلیا، 'فوکرائی' کا بیٹا، بھلا ان گھوڑوں کے ساتھ
 لپے میں ہوسٹل سے بھاگ آیا تھا۔ اور پایہ کے گھر چلا لپٹے پر چھوڑا گیا تھا۔
 دروازے میں تھا اور بھلا دروازہ، ہیرا منڈی کی شاہراہ قہہ ان دنوں
 معیوب نہ تھا، ٹائٹیشن میں تھا۔

ایک دن میں نے پایہ کی بوسے پر چھایا، یہ رانا کا فہو کیوں لگتی ہے۔
 وہ بولے۔

کیا واقعی 'میں نے حیرت سے پوچھا۔

بولی 'ہاں' اور میرا مرشد بڑا طاقت ور ہے۔

جی کون ہے وہ۔

بولی 'تو جو ہے۔

'اس پر میں نے غموں سے کہا جیسے مجھے تخت پر بٹھا کر تاج پہنا دیا گیا ہو۔

دو ایک دن میں اہل نے مجھے دلی بیچنے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔

دلی

دلی میں حیدر میں ایک عزم کے گھر ٹھہرے۔

اگلے دن ہم ملی ملاں گئے، ٹنگ اور گھومتی ہوئی گھیاں ہی گھیاں۔ حلقی صاحب

ایک بند گلی میں واقع تھا۔ ہم نے دروازہ کھٹکایا۔ ایک فوجیوں لڑکا باہر نکلا۔ حیدر

بغائب سے آئے ہیں۔

حلقی صاحب سے ملنا ہے۔ لڑکا ہمیں مشک میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ایک پتھر دار پست قد آدمی داخل ہوا۔

ارے 'میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میرے سامنے ایک نحیف و زہار آدمی کھڑا تھا۔ اس کی ناکھیں مشکل سے جسم کو اٹھا

ہوئے تھیں اور سر ہلکا رہا تھا۔ انداز میں بے بسی بھری ہوئی تھی۔ وہ ہمیں بڑے تپانے

اور جھڑپ سے بے پھر حیدر سے ہٹل لوگوں کی خیریت پوچھنے لگے۔

میں نے سوچا یہ نحیف و زہار بڑھا جس کی ناکھیں لڑکھارہی اور سر جھول رہا ہے۔

باتھ کیسے پکڑے گا چلو جو بھی ہے 'مفتقد دلی کو خوش کرنا ہے۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ حلقی صاحب تو بد پھیلائے ہوئے کچھ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور

میرے دلی کی بیخیز ہوگی۔ جیسے ہمارے ہاں بھڑوں کا دھڑ ہے۔ سر دھن کر کے دلی ٹنگ دار

سے بات کریں گے 'میرا انداز سے سر ہاتھ پھیریں گے۔ لیکن یہاں تو بات بالکل بالکل

خیر خیریت پوچھنے کے بعد حلقی صاحب بولے 'فریاد کیا حکم ہے۔

کہا 'جناب ان کی والدہ نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ فرمائی ہیں کہ

اس وقت میں نے میں تو کرم نوازی ہوگی۔

اس کا حکم سر آکھوں پر 'حلقی صاحب بولے۔

کہا اور ہے کہ اپنے مریدوں کی بات کو اپنے لیے حکم سمجھتا ہے 'میں نے سوچا۔

وہ وقت حلقی صاحب سے مل کر میں بہت دلی ہوا ساتھ خوش بھی۔ دلی اس لیے

کہا کہ وہ نہیں سنبھل سکتا تو مجھے کیا سنبھالے گا 'خوش اس لیے کہ یہ میرا کیا کڑے گا۔

اس وقت حلقی صاحب نے میری طرف دیکھا۔ دو کھلی سیادہ سرے کی دھار والی 'پاکی

سے میری آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے پتہ نہیں کتنی بڑی دولتیں

نے

آگے

وہ اہل خانہ صاحب میں نے چشیرہ آگے کو دیکھا تھا۔

وہ اہل خانہ میں چشیرہ سے واقف تھا نہ چشیرہ آگے سے۔ نہ اللہ کا مہموم سمجھتا تھا نہ اسلام

کا۔ میرے نزدیک فرسودہ رسوں کا ایک گھٹا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ وہ ہوتا ہے جو

ہم سے 'کل ہوئے دلی بات آج ہاں گئے 'پھونک مارے تو بیماری دور ہو جائے لائق

ہو جائوں کا حامل ہو۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ ایک طرح کا ہدایتی ہوتا ہے۔

لیے یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ارے یہ حلقی صاحب تو ایک انسان ہے۔ نحیف

میں 'اس سے بات کی جا سکتی ہے۔ اس کی بات کٹنی جا سکتی ہے۔ اس پر میرے دل میں

آگے

اسی شام ہم تینوں حلقی صاحب 'حیدر بخاری اور میں دلی کی جامع مسجد میں جا پہنچے۔

اس وقت کرلیں 'حلقی صاحب نے کہا۔

اس گھر پر آج بڑے دھڑکے کو انک میں بھول چکا تھا۔

نے مجھے ٹوکا نہ نہ دے ایسے نہیں۔

حلقی صاحب نے حیدر سے کہا 'میں ٹوکے نہیں 'جیسے چاہیں وضو کریں۔

وضو کے بعد انہوں نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔

اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے دیجئے، وہ بولے۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

جی فرمائیے۔ حاجی صاحب بولے۔

یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

آپ کی والدہ محترمہ کا حکم بجا رہا ہوں۔ آپ کو بیعت کر رہا ہوں۔

بیعت کیا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

ہاں، قطعہ مار کر فیسوں۔ یہ صحیفہ و نذر پڑھا جس کی فائلیں لڑکھڑاتی ہیں اور سر

پر چھ پلاسٹک کے پلوے کا آکا ڈھیلا ہو گیا ہو۔ یہ بھلا مجھے دلی کی سیر کیا کرائے گا۔

ایک سال

ایک سال، چاروی بازار دلی کی دامد سیر گاہ تھی جہاں دلی کے بچے گھوما پھرا کرتے تھے۔

میں نے کہا کیا آپ نے چاروی کی سیر کی ہے کبھی۔

اب وہ بولے، ہم تو وہیں رہا کرتے تھے۔

آپ نے اسے آزمایا۔

ہاں صرف ایک بار وہ بولے۔

کیا واقعی عورت مطیع ہو جاتی تھی۔

ہاں وہ بولے۔

دوسری بار کیوں نہ لگایا۔

اس لیے کہ عورت کا ذہن شل ہو جاتا تھا، باقی ایک بے جان بت رہا تھا۔

کیا کہ بے جان بت کو کیا کرنا ہے، ابھی ہوئی لائقین کو دفعتاً پھرنے لگا۔

وہ سربراہی میں پھینک دیا۔

پھینک دیں وہاں میں نے سوچا، کسی کو دے دیجئے۔

ممتاز صاحب، وہ بولے، ساری لذت طلب میں ہے۔

حصول تو اک بے جان کیفیت ہے۔

ایمان اور شکوک

وہاں سے واپس سفر میں مسلسل سوچ میں کودا ہوا، حلقی صاحب کی کنفیوز کر کے رکھ دیا تھا، حلقی صاحب میں بزرگوں والی کوئی بات نہ تھی۔
دولادری اور وسعت خیال۔ وہ ایک انہی انسان تھے، بزرگ نہیں۔

میرے دور دو ایک طرف حلقی صاحب کھڑے تھے دوسری طرف میرے اپنا
برنرینڈرسل، ایڈلر، فرایڈ، نینشے، کاکا، واسٹو و سکی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

کہ ہر بات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھو۔ اسے جانچو، پھر کو، ٹھوکر، ہمارا دور
لاؤ۔ بند آنکھوں سے جو ایمان لیا جاتا ہے اس میں اختتام نہیں ہوتا۔

حلقی صاحب کہہ رہے تھے۔ ایمان آنکھیں کھول کر حاصل نہیں ہوتا۔ ایمان
دوست سے جانتے ہیں جو راہ کوئی کر دیتے ہیں۔ بند آنکھوں کا ایمان سچا ایمان ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الفاظ کا شرف حاصل ہوا، انہیں پاک والا پلا کتے تھے۔ لہذا زبردستی

کی تھی۔ یہ واقعہ ۱۹۳۵ء کا ہے۔

بارہ میل دور بڑی سڑک پر ایک گاڑی ہے، جینسنی پور۔ ایک پلاس

کاڑی لیٹ رکھی تھی، اپنی کھڑی اٹھائے جینسنی پور کی مسجد میں آکر

لوگ کھتے رہے کہ مسافر بے چارے جانے گا، لیکن جوتے روز جینسنی پور

نہروار کے پاس گئے، کتنے گئے مسجد میں ایک ایک آ بیٹھا ہے اور اس کا

ٹھکانا آگے مسجد تو اٹھ کا گھر ہوئی ہے۔ وہاں مستقل رہائش کر لیتا ٹھیک بات

نہروار کو غصہ آگیا وہ سیدھا مسجد میں گیا، پلا کو ڈانٹا ڈپٹا اور اس کا سامان نکل

اٹھا۔

اٹھ کر بڑی سڑک پر ایک گتے درخت کی چھائوں سے جا بیٹھا۔

ایک ایک بیٹھیں بلاوجہ مرگئی۔ اگلے دن دوسری بیٹھیں بیکار پڑ گئی۔ نہروار

نے کہا، یہ پلا کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ اس پر گاڑی والے پلا کی خدمت میں حاضر

کیں، پلا ہم سے قلعی ہوئی نہیں معاف کر دے۔ بے شک تو مسجد میں ڈیرہ

ہو گا، ایک مکان خالی کر دیتے ہیں۔

ایک ایک گاڑی پر کھن نہ دھرب وہ خود سے بائیں کرتے میں لگا رہا، اکھڑی اکھڑی باتیں

کہہ رہے تھے۔

وہاں آئے تو پتہ چلا کہ نہروار کی دوسری بیٹھیں بھی مر چکی ہے۔

میں پاک والے پلا کی دہشت پھیل گئی۔ پلا سارا دن درخت تلے ٹھل لگائے

بائیں کر رہا تھا۔ جب نماز کا وقت آتا تو قرعہ کھیت میں جا کر نماز ادا کرنا اور پھر

وہاں شروع کر دیتا۔ کسی نے بھی پلا کو لینے ہوئے پاسوے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

بات کی بات ہے جب میری زندگی کا وہ طوفان چل چکا تھا جس نے لہاں خائف

میں حلقی صاحب نے کہا تھا کہ یہ ہو کے رہے گا۔

اپنی دھول اڑی تھی کہ ہم بھسودوں کے لیے سانس لیتا ہوں۔ وہ بھسودے دھول سے رہتے تھے اور مکے والے لالٹیاں اٹھائے ہمیں تلاش کرتے رہتے تھے۔ وہ چکا قالاور اپنے عتب میں بدھائی 'لو اسی اور ورائی چھوڑ کیا تھا۔ جب ہم بلیا کے ڈیرے پر پہنچے تو وہ کھیت میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ بچے کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگی۔

ادری۔ نہیں دی۔ بولو۔ کیا نہیں کیا اللہ نے۔ کیا نہیں کیا وہ پھر پکر
 ہدیہ پانچا پورے میں چھپا ہوا تھا تو صوفی صاحب نے اسے حفاظت
 کے لیے در میں شامہ جی نے خود حفاظت کی۔ نہیں کی بولو۔
 ہدیہ پانچا پورے میں چھپا ہوا تھا تو صوفی صاحب نے اسے حفاظت

عاقی صاحب کے کردار کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا۔ وہ کیا نہیں تھا
 قلب ہے۔ کسی بات کا برا نہیں مانتے، کسی بات پر آزرہ نہیں آتا۔

میں نے ان دنوں وہی کوئی آبادی نہ تھی۔ ریل کی پٹری پار
 تھا جس کے عقب میں قبرستان تھا۔

تجربے کا راقبہ۔

والا ایڈی سے ڈرنا قلم۔

... ..

اور لکی رتھین محفل کہ رنگ رس میں ڈوبے بیٹھے رہو گے۔

اور اے مجرمے میں لے گیا۔

ایک کلی میں وہ ایک لپا سا کرا قلہ فرش نور دیواریں مٹی سے لپے پتے
چٹائیاں پھینچی ہوئی تھیں۔ دونوں دیواروں کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ
کھڑیاں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے درمیان میں ایک پہلو ان نما کوئی بیٹھا
تھا۔

ابراہیم باقاعدہ انوار ہدی کرم جو شی سے مجھے ملک بات بات پر مجھ سے
ہے تا یہ بات۔ پامیری بات کو بہت اہمیت دیا تھا۔

میں روز درے پر جانے لگا۔ وہاں چائے عام ملتی تھی، مفت کھور ہار ہار
کے دن ہلکا گیرہ دیکھیں پکا آٹھا اور ہمیں بڑی محبت سے کھانا آٹھا بلکہ وہ
اکہرے چاقوں۔

اس جگہ پر میرا مذاق اڑایا کرتی تھی۔ میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ وہ میری بہن نہیں بلکہ کوئی مسئلہ نہیں پرچھتا۔ نہ غلب ہے نہ ناگ اور نہ ہی دوست ہے۔ بڑا اچھا دوست ہے لیکن میری بیوی میرا مذاق اڑاتی رہی۔

میں گھر جانے سے ڈر رہا تھا۔ اگر گھر میں مجھے دورہ پڑ گیا تو کیا ہو گا۔ میری
 سہیلی نے کہا کہ اگر آپ کو دورہ پڑ جائے تو فوراً ہسپتال آجائیے۔
 لیکن میں یہ سوچ رہی تھی کہ میں یہاں سے کبھی نہیں ہٹاؤں۔

۱۱۔ منہ لٹالے بغیر جواب دیا، 'طبیعت ٹھیک نہیں'، 'میں نے آجائے تو طبیعت

روز کی حاضری

۱۔ ہمارے دیوانے دوستوں کی آگے لڑ میری رضا میں تمہیں سنی۔ اس چار
 طرف سے گھیر لیا ہر مردہ لکڑیاں، سائیں اللہ بخش کے مرتد پر
 دلی توبیٰ تھی، ہاتھ میں تھی۔

اپنے میری نگاہوں سے پرہ انٹھ گیلا حلقی رفیع الدین نے سر اٹھایا بولے

انہیں بہت اچھے لوگ ملیں گے۔

باگ والا بیلا بولا، چاہو، کوئی پناہوں کی طرف، وہاں لال ٹوپی والا،

امر سر کے چوک میں کھڑا سپاہی، تحلیل ہو گیا اس کی جگہ دوسری ٹوپی والا،

ہمارے ٹرک کو راستہ دے دیا۔ امر سر کے خطے ٹرک کے پیچھے بھاگے، اسی ٹرک

دفتر تیز کر دی، اور تیز، اور تیز۔

دھنسا، میرے اندر بیٹھے اٹھے، ہوئی پٹی، میں نے رشتہ کی منہ میں ٹھوس لی۔

پھر جو مجھے ہوش آیا تو دیکھا ہوں کہ بیوی سر پہ لٹری آپ ہی آپ

میں، میں کی کواڑ کھیں سے آئی، میں نے بحث خرابے لینے شروع کر دی۔

کبھی میری طرف دیکھتی، کبھی بولہ اور کبھی

غلط بابا - صحیح بابا

لگے روز جب میں چائے پی رہا تھا تو وہ آکر میرے پاس بیٹھ گئی بولی،

پوچھو، میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

بولی، آپ نے بیلا بولا کیا ہے کیا۔

میں گھبرا کر کیا بات سمجھ میں نہ آئی۔

بولی، رات مجھے خواب میں اشارہ ہوا ہے۔

واقعی اسے خواب میں اشارہ ہوا کرتے تھے۔ مگر میں کوئی بات وقوعہ نہ

اسے خواب میں اشارہ ہوا چاہا تھا۔ اس بات پر مجھے بہت حیرت ہوئی کہ یہ کیا

باتیں انہیں اشارے ہو چاہتے ہیں، جو باتیں ہیں انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اس روز جب اقبال بیگم نے بیلا بولنے کی بات کی تو مجھے حیرت ہوئی۔

بہرحال میں نے معذرتی تجب سے پوچھا، کیا اشارہ ہوا ہے، تجھے بولی،

اگر سوئی اڑھ جاگن پڑی تھی تو کیا دیکھتی ہو، کہ ایک سبز پوش بزرگ اندر

سے کہنے لگے تیرے میاں نے جو بابا اب لایا ہے وہ مجھے، پہلے والا غلط تھا۔

میں کھینچی تھی بسا بی بی، یہ تیرا وہم ہے۔ میں نے کوئی بیلا نہیں لایا

انہیں بہت اچھے لوگ ملیں گے۔

باگ والا بیلا بولا، چاہو، کوئی پناہوں کی طرف، وہاں لال ٹوپی والا،

امر سر کے چوک میں کھڑا سپاہی، تحلیل ہو گیا اس کی جگہ دوسری ٹوپی والا،

ہمارے ٹرک کو راستہ دے دیا۔ امر سر کے خطے ٹرک کے پیچھے بھاگے، اسی ٹرک

دفتر تیز کر دی، اور تیز، اور تیز۔

دھنسا، میرے اندر بیٹھے اٹھے، ہوئی پٹی، میں نے رشتہ کی منہ میں ٹھوس لی۔

پھر جو مجھے ہوش آیا تو دیکھا ہوں کہ بیوی سر پہ لٹری آپ ہی آپ

میں، میں کی کواڑ کھیں سے آئی، میں نے بحث خرابے لینے شروع کر دی۔

کبھی میری طرف دیکھتی، کبھی بولہ اور کبھی

غلط بابا - صحیح بابا

لگے روز جب میں چائے پی رہا تھا تو وہ آکر میرے پاس بیٹھ گئی بولی،

پوچھو، میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

بولی، آپ نے بیلا بولا کیا ہے کیا۔

میں گھبرا کر کیا بات سمجھ میں نہ آئی۔

بولی، رات مجھے خواب میں اشارہ ہوا ہے۔

واقعی اسے خواب میں اشارہ ہوا کرتے تھے۔ مگر میں کوئی بات وقوعہ نہ

اسے خواب میں اشارہ ہوا چاہا تھا۔ اس بات پر مجھے بہت حیرت ہوئی کہ یہ کیا

باتیں انہیں اشارے ہو چاہتے ہیں، جو باتیں ہیں انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اس روز جب اقبال بیگم نے بیلا بولنے کی بات کی تو مجھے حیرت ہوئی۔

بہرحال میں نے معذرتی تجب سے پوچھا، کیا اشارہ ہوا ہے، تجھے بولی،

اگر سوئی اڑھ جاگن پڑی تھی تو کیا دیکھتی ہو، کہ ایک سبز پوش بزرگ اندر

سے کہنے لگے تیرے میاں نے جو بابا اب لایا ہے وہ مجھے، پہلے والا غلط تھا۔

میں کھینچی تھی بسا بی بی، یہ تیرا وہم ہے۔ میں نے کوئی بیلا نہیں لایا



لائے گئے تھے تو عید محمد کا تقرر شاہی مجلس میں بطور پورہی ہو گیا تھا۔

مسجد میں آپ نے قرآن کریم کی تعلیم پائی۔ مدرسے میں پانچویں اور تعلیم سے دل اٹھات ہو گیا۔ بچپن سے ہی ششٹی سے رغبت تھی، بہت ہی خدمت میں حاضری دینے کا اشتیاق تھا۔

لال کزئی میں فضل الدین تھکنڈی رہتے تھے، ان کی خدمت میں ما عقیدت ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بیعت کر لی۔ توجہ پہلوانی سے وٹ کر مبدول ہو گئی۔ ذکر ابھی میں ایسا ہی لگا کہ باقی سب کچھ وھٹلا گیا۔

وگدے مرنے سے پہلے اپنا فرض پورا کرنے کی غرض سے آپ کی غلب پر استغراق عالم طاری تھا۔ شادی کے بعد وینڈ کے پابند رہتا تھا۔ قہار کے بعد المیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اُسے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد ۲۵ مزاری۔

اس کے بعد استغراق اس حد تک پہنچ گیا کہ خود پر اختیار نہ رہا۔ مسہر کرتے، لیکن سچے میں جاتے تو سر اٹھانے کا ہوش نہ رہتا۔ نماز ختم ہو پائی، گھر پہنچ جاتے لیکن آب و ہوا، سکھ سے ہے، دہلے، سحر۔

پہلا احمد خان کی رفاقت کا بہت اثر ہوا۔

نامی مقام رکھتے تھے، آپ کو بہنو خان کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ بہنو

ایمان مائل ہوا۔

اور کہ آپ کی طبعی اور موروثی خصوصیت 'شدت' کو تاویا نہ لگا جس کے کی کیفیت پائی تھی۔

ان نے ایک نو مسلم نیسانی خانوں سے عقد کر لیا۔ خانوں کی سچھ لگ بیٹی کے زیر اختیار رہتی تھی۔ ماں نے چاہا کہ بیٹی کو اپنے پاس بلا لے۔ مشن کے خاتمے کے وقت لے کر گئے سے انکار کر دیا۔ پلوا صاحب نے عدالت میں چارہ جوئی اس پر چڑی کے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا لیکن لڑکی چرکے 'اس لیے پلوا صاحب کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ مسلمان مقدمہ ہار گئے'۔

پہلی

پہلی بخش، ایسا تو ہمارے ساتھ کبھی نہ ہوا تھا۔

۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

سورہ الحمد کا بیان ہے۔

اللہ کی لہجہ ہے۔

اللہ کی لہجہ ہے۔ سورہ قلندر کیوں میرا شکر ہے۔

۳۵ سال تجرہ کی زندگی گزارنے کے بعد سائیں اللہ بخش نے غرضی سے نہیں کیا تھا، ظاہر تھا کہ سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔

حرم خانی ہستی تکیوں کا باعث بنا اور آپ نے فن تکیہ، برداشت کیا۔

۱۹۵۳ء میں مئی کے آخری پختے میں غرضی بیماری کے بعد ۱۱ بجے گئے۔

تذکرہ

عزیز ملک نے سائیں اللہ بخش کا تذکرہ "مرد قلندر" پر لکھا ہے۔

ملک جانے پچانے صاحب طرز لکھتے ہیں۔

اس تذکرے کی غلطی یہ ہے کہ اس میں رمی انداز میں لکھا گیا،

عالمی مقام، حضرت جیسے رمی احترام کے تقابلات سے سہل میں کیا۔

سے بوجھ میں بنایا گیا۔

عزیز ملک نے یہ تذکرہ مذہبی نہیں بلکہ ادبی انداز میں تحریر کیا ہے۔

میں اپنا سکہ میں نے تو مصلحت پیش کرنے کے خیال سے سادہ اور سائیں اللہ بخش کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات پیش کر دیے ہیں۔

مرد قلندر کے مطالعہ کا مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا اس سے پہلے میں نے تھا۔ کتب پڑھ کر میں نے سوچا، ٹھیک ہے یہ ایک بزرگ کے مالا۔

بزرگ نے میری زندگی میں کیوں مداخلت کی ہے۔ کیوں ایسے مالا۔ مزار پر حاضری دوں اور پھر وقت طاری کر کے میرا تشاؤ بنادیا۔

میں دونوں میں اس واقعہ کو کرم نوازی نہیں بلکہ مداخلت ہے یا پھر مجھے یاد آئے کہ دلی میں عالمی رجب الدین نے فرمایا تھا، انہیں

میرے ذہن میں مرتب ہوئی تھی، بھائی جان کی شخصیت اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔
 سائیں اشد بخش میں شدت تھی، جذبہ تھا، دوا دوا غم و غصہ تھا، بھائی جان میں ہوش مندی تھی اور سب سے بڑی بات کہ توازن تھا۔
 اس زمانے میں میں بزرگ اور انسان کو دو مختلف کیفیتیں سمجھتا تھا۔
 انسان سے عقیدت پیدا ہو جاتی تھی۔

بھائی جان کی شخصیت کا بنیادی جزو انسانیت تھا۔ اس لیے اسی انسانیت سے کوئی بات نہ کر سکا۔ میں ان سے دو باتیں پوچھتا جانتا تھا یہ کہ آپ کی رقت کیوں طاری کی اور کیا سائیں اشد بخش یا آپ اپنے حالات اور معبود ارادے کے غرض پر بھیس بھیس کر کے روئے علیہ کر سکتے ہیں اس لیے نہ کر سکا کہ وہاں یوسف ظفر اور عزیز ملک موجود تھے۔ رنج کا خاموش قاتل یوسف ظفر حسب عدالت محفل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ درہم ای کے فن سے واقف تھا اور طبی طور پر سردار شخصیت ہونے کی وجہ سے اختیار کر لیا کرتا تھا۔

راجہ شفیق

میں اس وقت نیچے سے آواز آئی۔ یوسف ظفر، یوسف ظفر، میرا۔
 چندرا اہیت نہ ری اور بھائی جان سے باتیں کرنے میں مصروف رہا۔
 تیسری چوٹی کو آواز پر بھائی جان رک گئے تھے، کوئی صاحب آپ کو ٹھیک ہے، جب ٹھیک ہے یوسف ظفر نے جواب دیا۔ "اکیس بار"

میں یہ صاحب ہیں کون بھائی جان نے پوچھا۔

میرے ایک دوست ہیں، محمد شفیق عکرمہ ری، سبلیٹیشن میں تھے کہ وہ اس محفل میں شریک ہوں۔ یہ ماحول ان کے لیے سازگار ہے۔

ایلا جان مجھ پر حاوی ہو گیا اور لیکٹر ایسی کی دیکھ جائے گی۔
 ایسے لگا جیسے کوئی میرے کمرے میں داخل ہو گیا ہو۔ وہ چپکے سے دبے
 جیسے ایک تلی سی ہو گئی کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔
 روز بانیہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر وہ ہر چند ساعت کے بعد دم

سرانے بیٹھتا۔ سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔
 کیا مجھے جیلوس نہیں آنے لگے ہیں۔ کیا میں میٹل ہو گیا

کا دروازہ چاکھٹایا، ملک صاحب یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کون ہے جو دفتر
 میری چارپائی کے سرانے کھڑا رہتا ہے۔ جو ہر چند
 ہے، سب ٹھیک کہہ کر مجھے تسلیاں دیتا رہتا ہے۔
 تو یکدم اچھا ہے کہ آپ کا حوصلہ بندھ گیا جا رہا ہے۔
 مجھے جھوٹی تسلیاں نہیں چاہئیں میں جانتا کہ میرا حوصلہ بندھ گیا

کون فریق نہیں پڑتا، ملک نے کہا۔ آپ کی قوت ارادی سے
 آپ کو مسئلہ ہو گئی ہے۔
 میں اپنی زندگی خود جیتا چلتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں میٹل
 میری زندگی میں اللہ کیسے داخل ہو گیا ہے۔
 مگر میں نہ کر سکیں۔

(۲۰۱)

میں ایک متوسط سلسلے کے سرانے میں پیدا ہوا تھا۔
 اور مری اسلام رائج قبلہ پڑی بڑیوں کا راج تھا، جن کی زبانیں چھٹی کی
 لوگوں کو اور لوگوں پر کڑی نگاہ رکھتی جاتی تھی، کلمے کے سرو سمسکار

چھبیسویں باب

یہ اللہ، وہ اللہ

رقت کی بات ختم ہوئی تو مجھے اللہ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مجھے جب کہ اللہ
 آسمان کی طرف دیکھتا تو ایک سمجیر آواز آتی تھی میں بولتا ہر ایسے عرس
 آسمان پر من کا تخت بچھا ہوا ہو۔
 درخت کی طرف دیکھتا تو یوں لگتا جیسے ہر پتے کے چپے اللہ چھپا بیٹھا ہو۔
 بنائے بھول رہا ہو۔
 ان دونوں دفتر میں میری کوئی حیثیت نہ تھی نہ ہی میرے پاس کوئی کام تھا۔
 میرے قریب نہیں آتا تھا وہ سب فیاض الاسلام سے خائف تھے۔ میں ان سے
 بشارت تھا۔

اجنبی ساتھی

جب فیاض الاسلام نے مجھے رازدار قرار دیا تھا تو میں نے سوچا تھا چلو لایا ہوا
 میں اپنا کام کیا کروں گا۔ افسانے لکھوں گا یا سطرکے کروں گا۔ وہ ایک دن تو میں اس

کرتی تھی نگاہ اور ہلکی ہوئی گردن سے محلے کے میدان سے گزر جاتے تھے۔ ماری جس گھر میں پیدا ہوا وہ نسبتاً کھانا پینا گھر تھا۔

جب میں نے ہوش سنبھالا تو گھر میں پانچ افراد تھے 'داوی لعل' 'اللہ' 'داوی لعل' 'شروت' جیسے نماز پر بیٹھی رہتی تھی۔ لعل گھر کے مالک تھے۔ اسی محلے کی نہیں تھی 'ہاں سے آئی تھی۔ بڑی خوبصورت' چاہے نظر لگے تو والوں میں کھلتی تھی نہ تھی۔ اور لعل بھی کبھی کبھی نظر آتے تھے۔ گھر میں کسی بچے کی کسی تھی کوئی پرچہ تھا۔ البتہ کسی روک ٹوک چاری رہتی تھی۔

اللہ کا خوف

لعل کہتی 'نہ بیٹا ایسے نہیں کیا کرتے۔ ایسے کو گھر سے تو لے لیں اور لعل کہتی 'نہ نہ لڑکے ایسے مت کرو' اللہ میاں میں سے ہوں۔ لعل والیاں بات بات پر اللہ کی دھمکی دیا کرتی تھیں۔ لعل میں اس دھمکی کو لے لیں ان دونوں اللہ کے متعلق دو باتیں واضح تھیں۔ ایک یہ کہ اللہ بڑے بڑے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ بڑے زور رکھتے تھے۔ بات بات پر ناراض ہو جاتے تھے۔ چھوٹی بھانڈی باتوں پر قصہ کھاتے تھے۔ مثلاً نعت خانے سے پھرتے ہوئے پڑھ لیا جاتے۔ شام کو دیر سے گھر آتا تو ناراض ہو جاتے۔ شور مچاتا تو ناراض ہو جاتے۔ کرتا تو ناراض ہو جاتے۔ داوی لعل کی جیسے نماز پر بیٹھ جاتا تو ناراض ہو جاتے۔ خود سارا سارا دن جیسے نماز پر بیٹھی رہتی تھیں 'اس سے ناراض نہیں ہو جاتا تو اللہ میاں ناراض ہو جاتے۔ لعل جھوٹ بولنے تو ان سے کوئی نہ لیا کرتا۔ میاں ناراض ہوں گے۔ اللہ میاں کی ناراضگی کا کچھ بچہ نہیں چکا تھا۔

گھر میں اسنے سارے لوگ سے کوئی کسی سے نہیں کہتا تھا کہ میں نے لعل سے لعل لے لیں گے۔ اللہ میاں کی ناراضگی کی دھمکی صرف بچہ پر چلتی تھی۔ شاید وہ سب سے چھوٹا تھا۔ محلے میں بھی کسی کوئی بچہ کو نہیں کہتا تھا کہ میں نے لعل لے لیں گے۔ وہی بھی بات پر چھوٹوں کو ڈکا جاتا تھا اور اللہ کی دھمکی پاتا تھا۔

لوں پر اتنی ساری پابندیاں لگا رکھی تھیں۔

ایک اور بات ظاہر تھی کہ اگرچہ وہ بات بات پر ناراض ہوتے تھے لیکن ایسے ہوتے تھے۔ کبھی کسی بڑے نے مجھے یہ نہیں کہا تھا جی بولو اس کو خوش ہو جاتے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے اللہ میاں خوش ہوئے کی لعل کو معلوم ہے۔ چونکہ کبھی کسی نے مجھے اللہ میاں کی خوشی کی خبر نہ سنائی تھی کہ وہ کبھی ہوتے تھے بغیر نعت خانے سے کوئی چیز نہ کھاتا اور سرشام ہی محلے کا رہتا تھا۔ اس لیے ہاں لڑائی نہ لڑتا کوئی مجھ سے یہ نہ کہتا کہ آج اللہ میاں ناراض تھا کہ اللہ میاں میں خوش ہونے کی علامت ہی نہ تھی 'وہ صرف ناراض تھا تو وہ بات بات پر ہو جاتے تھے

اولیٰ اور دوسری مولوی صاحب پر پڑنے لگا۔ جلد ہی میں نے محسوس کیا کہ میں کی صفات موجود تھیں ایک تو وہ بہت بڑے تھے 'قابل تعظیم تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں دیکھ کر ڈر کے مارے ہمارا دم لگتا تھا۔ ہر وقت ایسا ڈر رہتا تھا جیسے بھانڈا گلی دور ہو جو کٹ کر رکھ دیا۔ ایک دھمکی شیم مستور 'شیم عریاں دیکھ رہتی تھی۔ ناراض نہ بھی ہوئے۔ آپ اے آپ اے کہ آپ ہوئے۔ آواز میں کٹ تھی۔ منہ سے نکلے ہوئے تھے۔ تو ایسے لگتا جیسے کہیں بکلی گری ہو۔

اس لیے نئے کے بعد اللہ میاں کی تصویر میں ایک تفصیل کا اضافہ ہو گیا 'تھے اب انہوں نے اپنے متعلق ایک بہت بڑی بکلی گرم کر لی جس سے نکلے پڑے تھے۔ پھر انہوں نے ایک لمبی لاشی اللہ اور کسند لعل میں جو کھانا شروع کر دیا۔ مولوی صاحب نے ہم پر واضح کر دیا کہ گھر کے۔ جو مولوی صاحب کا حکم نہیں مانتے تھے 'جو سبق یاد نہیں لے لیں گے۔ سب کے سب گھنٹے پر اور ان کا انجام اللہ میاں کی بکلی

میں جانا تھا۔

مولوی صاحب کی تفتیش کے مطابق 'انجے' کلم صرف تین تھے، 'نار'، 'ہ' اور 'م'۔
مولوی صاحب کے افکار کے عمل کرنا درحقیقت یہ کلم بھی انجے کلم نہ تھا۔
فرائض میں داخل تھے اور فرض وہ ہوتا ہے جسے عمل میں لانا آپ پر لازم تھا۔
لازم ہو۔ فرض تو ہر صورت میں ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس لیے اسے اپنا کلم نہیں
جوں جوں میں اللہ میاں کی اس تصویر سے مانوس ہوتا گیا تو اس تصویر
میاں کی دہشت بڑھتی گئی اور ساتھ ہی یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں گنہگار ہوں اور
بہن میں جانا ہے جو اللہ نے چلا رکھی ہے۔

یوں میرے لیے اللہ میاں کا خیال تکلیف دہ ہو گیا۔ اس تکلیف نے اپنے
طریقہ تھا کہ حتی الوسع اللہ میاں کے خیال سے بچوں۔ اللہ میاں کو بھلائے دل
دقت یہ تھی کہ اللہ کے خیال سے بچ کر رہنا بہت مشکل تھا۔ ذرے میں 'وادی'
گھر میں وادی اور اسی تھے اور مکے میں بڑے بوڑھے تھے جو بات بات پر اللہ
دیتے تھے۔ کتب کے بعد مجھے اسلامیہ سکول میں داخل کرا دیا گیا۔

گریز

میں دنوں اسلامیہ سکول کچھ زیادہ ہی اسلامیہ تھے۔ وحیات کی کتابیں پڑھ کر
آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اساتذہ کرام کے لیے کچھ زیادہ ہی کراہ
معاشرے میں اپنی سموت کے لیے اللہ میاں کے خوف کو استعمال کرنا کچھ زیادہ ہی
اپنی آسائش کے لیے بچوں کو ڈراتی تھی۔ بڑے بوڑھے اور اساتذہ ان پر صاحب ہاتھ
کا نام استعمال کرتے تھے۔

کسی نے مجھی یہ نہ سوجھا تھا کہ اپنی آسائش حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں کو
اللہ کا خوف بڑے ہیں 'ایسا خوف جو زندگی بھر کے نفس لاشعور کا کاہنہ بنا رہا ہے۔
سے نہایت نہیں پائیں گے۔ بڑے ہو کر ان بچوں کو کبھی یقین نہیں آئے گا کہ اللہ
سے بے حد محبت کرتے ہیں کہ وہ سراسر رحمت ہیں۔

آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ باطن ایک کائنات ہے۔ باہر کی کائنات سے وسیع (Vast) ہے۔ چٹنا چٹایا، لورنوں، مذہب تو ایک مفروضہ ہے۔ سیدھے سادے لوگوں کے لیے ایک گڈ بڈی ہے۔ مذہب تو سمعت خیال کے راستے کی ایک راہ ہے۔ چھوڑو اپنے خیالات کو سب کھل جائے۔

دن مشائیر کی باتیں تھی تھیں۔ چاہت تھیں، معقول تھیں، وقت تھی تھی، ہر کوئی اپنی ذہنی بہت رہا تھا۔ دونوں ذہن میں بہت سی باتیں، ذہنی باتیں، گستاخ، خیر الفتا ہے، بھابھا پیدا ہوتی ہے، بیٹے بیٹے جیلے اتنی ساری باتیں تو میں چھو چکا رہ گیا، کسٹیفور، وہ گیا۔ جوں جوں زیادہ کسٹیفور، وہ زیادہ کرتا۔ جوں جوں زیادہ مطالعہ کرتا توں جوں زیادہ کسٹیفور ہو گیا۔

آوارگی

راست تلاش کرو، یہ دور مسلسل آوارہ گردی میں صرف ہوتا رہا۔ آوارگی پر مبنی اور آوارگی میں لذت آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آوارگی میری خطرات میں اس دور میں یہ عقیم حقیقت میری آنکھوں سے ابھل چکی کہ مانتے نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں بھتا رہا کہ مانتے کیجئے جانا اشد ضروری ہے۔ مجھ میں جاننے کی طلب تو تھی مگر اس طلب کی کوئی سمت نہ تھی۔ یہ طلب کے حروف تھا۔

برٹنڈرسل نے مجھے سائنسی ذالیہ نظر اٹانے کا درس دیا۔ لیکن یہ طلب کی تو اپنی کوئی خطرات نہیں۔ وہ تو خود آوارگی کی دلدرا ہے۔ اس کی تک پہنچ ہے۔

سائنسی ذالیہ نے مجھے غلط بنا دیا۔ کیوں، کیسے، کس لیے، یہ نہیں دیا۔

ذہن میں مکوں کی طرح ریچنے لگے۔

پرانے خیالات، رسم و رواج بزرگوں کے اقوال روایت سب بھول گئے، پتھر کے بت، جنہیں لوگ عبادت گاہوں اور رسوا پڑھتے تھے۔ ہنسی کی باتیں

ہنسی کی باتیں، ہنسی کی باتیں۔

اس خطرناک صورت حال سے بچنے کا صرف ایک طریقہ تھا، وہی اسلام
میں کوتر مصل میں لانا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے: اے اللہ
میں نے بھی اللہ میاں حضور علیہم السلام کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں
لیا۔

ہم جو ہیں

بھائی جان

اللہ میاں کی موجودگی کا یہ دنیا احساس ہو مجھ میں جاگایا مجھ پر ملایا تھا
مختلف تھا، متضاد تھا، ڈر یا خوف کے احساس سے میرا تھا۔
اللہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ انداز میں ایک بے نام انگ تھا۔
باہت تھا۔ گہرا نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے میں ہو، ہم جو ہیں۔
میرے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، باہت حیرانی تھا۔ میں یوں محسوس کرتا تھا
پچھلیوں کی گود میں ڈال دیا گیا ہے۔

ان دنوں میں عالم حیرت میں تھا۔
پہلے میں رقت کے عالم میں بے ساندہ، میں، میں کر کے وہ دنیا
کیا ہو رہا ہے۔

اب میں ڈال ڈال پات پات میں اللہ میاں کو جھانکتے ہوئے،
تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔

مجھے علم نہ تھا کہ یہ سب کچھ مرد مختلہ کے حصار پر حاضری دینے یا برآں
ہے۔

عزیز ملک نے ہمارا مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اللہ کے رسول اور
وہ گزار کھا سکتی ہے، لیکن مجھے ملک صاحب کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔

اللہ میاں کی موجودگی کا یہ دنیا احساس ہو مجھ میں جاگایا مجھ پر ملایا تھا
مختلف تھا، متضاد تھا، ڈر یا خوف کے احساس سے میرا تھا۔

اللہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ انداز میں ایک بے نام انگ تھا۔
باہت تھا۔ گہرا نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے میں ہو، ہم جو ہیں۔

میرے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، باہت حیرانی تھا۔ میں یوں محسوس کرتا تھا
پچھلیوں کی گود میں ڈال دیا گیا ہے۔

اللہ میاں کی موجودگی کا یہ دنیا احساس ہو مجھ میں جاگایا مجھ پر ملایا تھا
مختلف تھا، متضاد تھا، ڈر یا خوف کے احساس سے میرا تھا۔
اللہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ انداز میں ایک بے نام انگ تھا۔
باہت تھا۔ گہرا نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے میں ہو، ہم جو ہیں۔
میرے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، باہت حیرانی تھا۔ میں یوں محسوس کرتا تھا
پچھلیوں کی گود میں ڈال دیا گیا ہے۔

اب میں ڈال ڈال پات پات میں اللہ میاں کو جھانکتے ہوئے،
تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔

مجھے علم نہ تھا کہ یہ سب کچھ مرد مختلہ کے حصار پر حاضری دینے یا برآں
ہے۔

عزیز ملک نے ہمارا مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اللہ کے رسول اور
وہ گزار کھا سکتی ہے، لیکن مجھے ملک صاحب کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔

اللہ میاں کی موجودگی کا یہ دنیا احساس ہو مجھ میں جاگایا مجھ پر ملایا تھا
مختلف تھا، متضاد تھا، ڈر یا خوف کے احساس سے میرا تھا۔

اللہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ انداز میں ایک بے نام انگ تھا۔
باہت تھا۔ گہرا نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے میں ہو، ہم جو ہیں۔

پہنچا ہوا ہے یا مریضوں نے مرنے کے پیچھے پیچھے بھر کر اس کی زندگی اور وہ پکارہ جان پیتا پھر رہا ہے۔

اس کرم سائیں اللہ بخش سکرادے اور ملت گئی۔

بھائی جان کی ملاقات سائیں کرم دین کی وجہ سے ہوئی تھی۔

بھائی جان کے رہنے والے تھے۔ سیالکوٹ کے ایک بزرگ غلام احمد

پہنچا ہوا ہے۔ پھر ایک دن کہنے لگے 'اب مزید تربیت کے لیے تم پنڈی

جائے۔ اب بزرگ جہیں ملیں گے۔ ان کے احکامات کی پابندی کرنا وہ

کے ہیں۔

بھائی جان کے بہت کئی آدمی تھے 'ضروریات بہت کم تھیں۔ گزارہ ہو

تو دیکھ کر اس کی کام میں خاصی مہارت دیکھتے تھے۔ انہوں نے صدر میں

اور وہاں بیکری کی چیزیں بیٹنے لگے۔ بیوی بچے تھے نہیں چونکہ

تھی۔

سال پنڈی میں اس امید پر گھومتے پھرتے کہ مرشد نے جس

فنی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ طبیعت کے بہت صابر اور بے

ملک کی مرضی۔

اس فلام سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش صورت آدمی چلا آتا ہے

کرم دین کو روک لیا 'خیریت پوچھی۔

کہا وہ بزرگ ہیں جن کے پاس انہیں بھیجا گیا ہے۔ ان کے

پھر وہ انہیں اس کنٹین میں لے گئے تھے خواجہ جان محمد بیٹ

بھائی جان کی ملاقات سائیں اللہ بخش سے ہوئی اور وہ عقیدت کے

کے لیے بندہ گئے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ

ان سے مل لوں۔ ایک مرتبہ دوپہر ہوئے عزیز ملک نے مجھے سائیں

میں مل گئی۔

"مجھے ۱۹۳۶ء سے وہ ایام اب بھی یاد ہیں، جب میں نے جان محمد کو پہلا

دیکھا تھا 'دراز قاصت' سرخ و سپید چہرہ 'آنکھوں پر دیدہ و زیب لٹائی پٹہ۔ 'سرم

مل کی دستار' ایک پادشہ حیثیت کا خوش پوشاک 'پادشاہ انسان' اور

خودخواہ اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

کنٹین میں والدہ کی وفات کے بعد آپ نے بہت جگہ سستی کے دنوں میں

جوانی تک حالات بناسا جا رہے تھے۔ پھر مسلسل عنت و مشقت کا دور آیا۔

نوع کے کام کیے، کنٹین چلائی۔ اونچے درجے کے ہوشوں کے میسرز رہے۔

آپ مری میں مقیم تھے اور ان دنوں مری میں انگریز گورنر اور بریٹی شاہ

کرتے تھے اس لیے بھائی جان نے مناسب آداب اور اصولوں کے مطابق

ذہال لیا تھا۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے فنی حقیقہ کا کام اپنا لیا۔ مری اور

آباد میں آپ کی پہلی کوئی بہت سی عمارتیں آج بھی ان کی یاد دلاتی ہیں۔

جوانی میں حسن کا یہ عالم تھا کہ میسین اور خواتین دیکھ کر بس میں نہ رہتی

سائیں اللہ بخش کے دامن حقیقت میں آنے کے بعد بھی یہ کیفیت قائم

کسی طبیعت پسند نے سرکار قبلہ تک یہ خبر پہنچا دی۔ کہنے لگا 'اپنے بھائی کی

توجہ دیکھی حال چاہ۔ آپ کا ایک مرتا مریضوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔

سائیں اللہ بخش کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ طبیعت میں جلال تو قاضی

آجائے تھے تو سببنا مشکل ہو جاتا تھا۔

سائیں کرم دین

خوش قسمتی سے عین اس وقت سائیں کرم دین آجئے۔ سائیں کرم دین

ساری عمر بزرگوں کی حاضری میں گزری تھی 'وہ ایسی صورت حالات میں ان کی

کو دوسری جانب منصف کرنا چاہتے تھے۔ سائیں اللہ بخش فنی سے

دین۔ ہمارا مرتا جو مریضوں کے پیچھے پھرتا ہے تو کیوں نہ اسے حلال کر لیں

جواب میں کرم دین بولے۔ سرکار قبلہ کون جانے صورت حال کیا ہے

مرد ہزار کے آخری سرے کے قریب وہ ایک عام سی دوکھن تھی۔
شکل و صورت دکھن کی سی تھی، لیکن کچھ اونٹوں کی شکل سے وہ ایک بہتر
ایک جانب ایک پینڈو فضا ہاتھ میں ایک بہتر ہزارے افشارے بنی گئی تھی۔
اس کے چہرے پر عجیب سی کشتی تھی۔ نہ نور نہ ظلمت نہ تو اس کے
میں نے جبکہ کر سلام کیا۔

وہ عظیم السلام انہوں نے میری جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔ ذرا غصے پر
یہ کہہ کر انہوں نے بسکٹوں سے بھراٹے یعنی میں ڈال کر یعنی کا دروازہ
طرف متوجہ ہوئے 'آئیے آئیے' بیٹھے
ہم دونوں مچن میں تجھی ہوئی چار پائی پر بیٹھ گئے۔
میں نے اپنا مختصر سا تاقرف کر لیا۔

کتنے گے سرکار قبلہ میں چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔ وہ بڑے دلا سے ہیں۔
ہیں۔ کسی کی بات نہیں سنتے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں دیتے۔ ایک دو گار
کو شش کی تھی۔ بس وہ ایک دن بیٹھے تھے، میرے دن انہوں نے انکار کر
کسی کی جرات نہ ہوئی۔

میں نے کہا سائیں بی میں ہانکل، ان جان ہوں۔ اس راستے پر چلے
اسلام سے کورا ہوں، ہانکل ہی ہے خبر ہوں۔

وہ مسکراتے ہوئے 'ہم سب ہی بے خبر ہیں جی۔ پہلے میں سالکوت لے کر
کھانا رہا۔ پھر انہوں نے یہاں بھیج دیا اب پھر یہاں ٹھہرے کھانا رہا۔ ان
ہے، چل کوئی نہیں ہے۔ شاید ہو، ہر میں پتہ نہیں ہمارا کیم تو بس چلے رہا
آپ راستے سے تو باخبر ہیں، انہوں تو ہیں۔ میں تو ہانکل لڑائی میں
ظاری کر دی اور اب۔

سائیں جی قہقہہ مار کر کہنے لگے 'ہوئے' سرکار قبلہ ملک ہیں۔ ایسے قہقہہ
ہیں۔ وہ دہکتے کی مت لار دیتے ہیں۔ پھر جی آپ ان باتوں سے نہ گھبرا سائیں۔
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

کہا، بولے 'جد آپ بڑے کے پاس آگئے اور بڑے نے آپ کو اپنا لیا تو
کہا، 'میں ہو گی۔ ہمارے پاس وہ ایک چوڑے آتے ہیں۔ اچھے چل رہے ہیں۔ ہمارے
'بڑے کی کوئی دیکھ ہے۔ یہ بڑے کا میرا نہیں فقیر کا ڈیرا ہے۔
'بڑے کا دیران رکھیں، رکھوں کی پرواہ نہ کریں۔ بڑے ہر بات میں رکاوٹ ڈال
ال کر وہ تڑا تڑا دیکھتا ہے، 'پکھتا ہے' بچوں کی طرح خوش ہوتا ہے۔ یہ رکاوٹیں
'بڑے کی ہوتی ہیں کہ اس بندے میں کتنا حوصلہ ہے۔
'او کر دیکھ رہو۔ پھر رکاوٹیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔

'بڑے میں پڑے ہیں نا، چوڑے جی' سے گل آئیں۔ یہ بھی تو رکاوٹیں ہیں۔
'دل میں کہیں لے بڑے تو بد چلے جانا چاہے ہے لے چل۔ جو کشتی ڈنگا
'بڑے کو آپ نہیں سکتے، کیسے ڈوبے گی، فقیر ڈوبیں نہیں دیتا۔ صرف ڈنگا ہے'
'بڑے کی بڑے چاہتا چاہلیں کر لے چاہلیں۔ جتنی مرضی ہے کر لے اپنا کیا جانا
'بڑے کو ان دنوں ہار تو میں ہے۔

'بڑے مار کر توں پڑے' یہ جلتا ہم پر نہیں چلتے۔
'دل کر بھی بھید نہ کھلا۔ جیسے کیا تھا وہاں سائی والیں آکر لیا۔
'بڑے نہ سوچا، کیسے نہ چلے انہوں، جو ساری عمر سوچوں پر چلا وہ بھلا سوچیں کیسے

بڑے کیل آیا کہ چلو ایک بار میرا بے کے مزار کو دیکھوں۔ میرے دل میں سائیں
'بڑے نہیں تھی' میں تو یہ جانا چاہتا تھا کہ یہ کیا بھید ہے۔ یہ کیسی طاقت ہے۔ یہ
'بڑے کی ہوتی تھی۔ مجھے کیوں پتا گیا۔ مجھ پر کیوں رقت ظاری کی گئی۔
'بڑے کی بھلا جان بھلا جان بیٹھے ہیں۔ انہیں اکیلا دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔
'بڑے کی بھلا جان بولے 'بہت اچھا ہوا آپ آگئے۔ کیا کیجئے۔

'بڑے کی بھلا جان بولے 'بہت اچھا ہوا آپ آگئے۔ کیا کیجئے۔
'بڑے کی بھلا جان بولے 'بہت اچھا ہوا آپ آگئے۔ کیا کیجئے۔
'بڑے کی بھلا جان بولے 'بہت اچھا ہوا آپ آگئے۔ کیا کیجئے۔

اور اپنی بات

ہے۔ اب آپ اسے اپنا لیتے۔

میں نے کہا بھائی جان مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا وہ بولے۔

مجھ پر رقت کیوں طاری کی گئی۔

وہ مسکراتے ہوئے 'وہ مالک ہیں جسے چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔

آپ ہی نے تو مجھ کا مجھے مزار پر۔

ہاں وہ بولے 'مفتی صاحب ہم تو حکم ماننے والے ہیں۔ ماننے والے 'لام' نہیں

میں 'مفتی جی ماننے میں سکھ ہی سکھ ہے۔ پوچھتے میں چٹائی چٹا ہے۔ اور

انت نہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے اقبال بھی یہی کہتے ہیں کہ مقام بندگی۔

خداوند کی 'بنا ہی بندگی ہے۔

میں نے کہا آپ کو علم تو ہو گا کہ۔

انہوں نے میری بات کئی بولے 'میں عالم نہیں ہوں۔ مجھے مسائل کا علم

نہیں وہ حرف بتاتے تھے۔ صرف دو حرف۔ آج تک انہیں طوطے کی طرح

دہرائے چکے 'دہرائے چکے۔

میں نے کہا 'جناب میرے جیسے لوگ جنہیں سوچنے کی عادت ہے وہ کیا

بولے 'کچھ نہیں کرتا' کچھ بھی نہیں۔ بس اپنا آپ حوالے کر دو۔ 'کوئی' یا

میں ہوں 'اس سے جو چاہے کہ۔

مفتی جی وہ بولے 'جب حضور پہلی بار مجھ سے ملے تھے تو میں بھی سوچتا تھا

کہ آپ نے تو بات کہہ دی ہے۔ مجھ میں جرات نہیں تھی کہ کہوں۔ سرکار

صاحب سوچ تو ایک روک ہے۔ روک لیتی ہے۔ آگے چالے نہیں دیتی۔

چیز کیسے پہچانتی ہیں اس کا سہارا کیا لیتے۔

بھائی جان کی باتیں اتنی معصوم تھیں 'اتنی سادہ تھیں کہ جواب میں ہمارے

وہ باتیں ضعیف الاعتقادی کی باتیں تھیں 'وہ جذباتی باتیں نہ تھیں۔

کچھ باتیں لگتی ہوئی ہیں جو جواب دینے پر کھاتی ہیں۔ 'بولو' بولو۔ 'کچھ' لہی۔

اور لڑنے کے لئے ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔
 "PEN" کے نام سے ایک عالمی لٹریچر سوسائٹی
 کے قریب ہی دو ایک گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گھر میں لڑا

بھائی جان سے ملنے والے ہم چند لوگ تھے۔

عزیز ملک تھا، آغا حنیف تھا، یہ دو انھیں ایسے تھے جنہیں میں بچوں
 بخش کی خدمت میں بیٹنے کا شرف حاصل تھا۔ انہیں سرکار قبلہ سے بہت
 جان کا بھی احترام کرتے تھے چونکہ بھائی جان سینئر تھے لیکن بھائی جان کے
 چونکہ ان کا کتا تھا کہ ہمارا سائیں اللہ بخش سے بدلو راست تعلق ہے۔

حنیف آغا

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
 وہ ایک نہایت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
 دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
 بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک غلط فہمی بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی ہمت
 لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرت کے چال میں
 حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
 اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی
 ہی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
 صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں
 حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے گھٹے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں
 اسٹنٹ کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک

اس کی تقرری نہیں ہوئی تھی۔ نام دیننگ لسٹ پر تھا۔ آغا کی خواہش تھی کہ
 اس کے لئے ایک عمارت بنوائے جائے۔ وہ ایک عالمی لٹریچر سوسائٹی
 کے قریب ہی دو ایک گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گھر میں لڑا

بھائی جان سے ملنے والے ہم چند لوگ تھے۔

عزیز ملک تھا، آغا حنیف تھا، یہ دو انھیں ایسے تھے جنہیں میں بچوں
 بخش کی خدمت میں بیٹنے کا شرف حاصل تھا۔ انہیں سرکار قبلہ سے بہت
 جان کا بھی احترام کرتے تھے چونکہ بھائی جان سینئر تھے لیکن بھائی جان کے
 چونکہ ان کا کتا تھا کہ ہمارا سائیں اللہ بخش سے بدلو راست تعلق ہے۔

حریصوں نے بیٹنے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہ بڑی طرح سے بھاگے
 نہیں دیتے۔ گنبد بنانے نہیں دیتے، بس یہ ایک چھوٹی سی چار دیواری
 کرنا چاہتے ہیں، نہیں دیتے۔
 مزار کے قریب ہی دو ایک گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گھر میں لڑا
 مشکل کر دیتا تھا۔

بھائی جان سے ملنے والے ہم چند لوگ تھے۔

عزیز ملک تھا، آغا حنیف تھا، یہ دو انھیں ایسے تھے جنہیں میں بچوں
 بخش کی خدمت میں بیٹنے کا شرف حاصل تھا۔ انہیں سرکار قبلہ سے بہت
 جان کا بھی احترام کرتے تھے چونکہ بھائی جان سینئر تھے لیکن بھائی جان کے
 چونکہ ان کا کتا تھا کہ ہمارا سائیں اللہ بخش سے بدلو راست تعلق ہے۔

نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا لیا لگتا تھا جیسے کسی من جانے والے ہاتھ
 کر سر کو دوسری جانب موڑ دیا ہو، پہلے میرا رخ مغرب کی جانب تھا۔ اب
 دیکھا تھا۔

پہلے میری نگاہ میں ہتھیلیاں تھیں، ہمارے تھیں، کارخانے تھے، پھر
 تھی، سڑکی تھی۔ اب پھیلاؤ ہی پھیلاؤ تھا، پہاڑ تھے، وادیاں تھیں، آسمان
 میں قند بلکہ آبدی سے زیادہ اقل تھا۔ ہر جہاں زندگی سے بھرا ہوا تھا، ہر جہاں
 لے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر جہاں ایک ہی مرکز کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اس
 یہ سب کیا ہے۔

پھر ایک مسکراہٹ چاروں طرف پھیل جاتی۔ اوپر کو بجی، میں سر اٹھا
 ایک ذریعہ سنائی دیتی۔ ہاں میں ہوں۔

یہ ایک عجیب کیفیت تھی۔ لیا تو کبھی نہیں ہوا تھا جب میں رکت
 میرے دل سے ایک احتجاج اٹھتا ہے کیا ہو رہا ہے، کیوں پھر میں سوچ میں ہوں،
 کیا یہ سب کچھ اس وقت کا نتیجہ ہے جو مجھ پر طاری کی گئی تھی۔ کیا اس
 وجہ سے اب اس قدر رقیق ہو چکا ہے کہ اس میں سے جھینٹے اڑتے ہیں اور
 ہول دو تو اٹھتی ہی اٹھ جھٹکتے ہو گیا ہے۔ ایک معمولی سا سبز رنگ دکھائی دے رہا ہے
 گرت ڈیرا ٹرے جھانکنا ہے، ہر ذرے میں ایک کائنات نظر آتی ہے۔

میں نہیں، میرے اندر کوئی چیز میں اپنی دنیا میں داخل جانا چاہتا ہوں۔ میں
 میں رہتا میں چاہتا، اس وقت دشمنی میں ایک چاروں طرف کی گھومتی ہوئی آواز
 بھائی جان مسکراتے، پھر کوئی کہتہ تم جو چاہو کرو، ہم جو چاہیں گے کریں گے۔
 وقت ہے تھی کہ میرا اپنا نظام آرزو میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ جس کو
 ہر سوار رہا تھا اس کی لقم میرے ہاتھ سے چھین لی گئی تھی۔

ڈاکٹر کبیر ضیاء الاسلام

ان دنوں میری زندگی کی سب سے بڑی پریٹل دفتر تھا۔ دفتر میں میں ایک ناظر

ڈاکٹر کاٹھن میرے قریب آنے سے خاک کا ڈاکٹر کو پتہ چل گیا تو اس
 ڈاکٹر کو جانیں گے۔ صرف ایک خاتون دیکھ کر ہی تھی جس نے اعلا یہ مجھ سے

ڈاکٹر کاٹھن

ڈاکٹر کاٹھن ایک ڈاکٹر آرزو لیا اٹھ کر تھے، جس میں میری تبدیلی کی
 ڈاکٹر کاٹھن میرے خلاف رہا نہیں بھیجی جاتی تھی۔

ڈاکٹر کاٹھن کی جس روز میں مزار پر گیا تھا اس کے بعد دفتر کی پریٹل میرے ذہن
 میں آئی، اس میں کٹ منٹ دیکھ تھی۔ جیسے پین کلر (Pain Killer) کھانے کے
 ڈاکٹر کاٹھن راتی۔ وہ لکھا تھیں میں بدل جاتا ہے۔

ڈاکٹر کاٹھن اس سے پہلے میرے شانوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ اب دور جا بیٹھے تھے اور
 ڈاکٹر کاٹھن کے بالوں میں بدل گیا تھا۔

ڈاکٹر کاٹھن ابھی مجھ سے ملے کئے، آپ ظلمت کا ٹکڑہ کریں، اس میں ڈک ٹکل دیا گیا
 ڈاکٹر کاٹھن میں اس کے دہانے پر ہے۔ کرتے دیں اسے بھوں بھوں۔ بھائی جان ڈاکٹر کبیر ضیاء

ڈاکٹر کاٹھن کرتے تھے۔

ڈاکٹر کاٹھن میرا واحد ساتھی راہب شفیق تھا۔ راہب شفیق ذہنی آدمی نہیں تھا۔ دانش ور نہیں
 ڈاکٹر کاٹھن پر جینا تھا اس لئے سبھی رہتا تھا اس کی زندگی میں ایک دولتی تھی۔ اس
 ڈاکٹر کاٹھن ایک پھوار ڈولتی رہتی تھی۔ جو گرد و پیش کو بھگو دیتی تھی۔ اگرچہ وہ دیر فقیر کو
 ڈاکٹر کاٹھن بھائی جان لے اس کے دل میں عقیدت کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو
 ڈاکٹر کاٹھن

ڈاکٹر کاٹھن دیکھی خیالات اور عادات اور جذبات میں بری طرح گنبد ہوا تھا اس نے سچے
 ڈاکٹر کاٹھن میں وہاں ساتھی اللہ بخش کو اپنا پیر مان لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دیکھی دولتی سے اپنی
 ڈاکٹر کاٹھن کرے۔ جب اس کے اظہار کا راستہ روک لیا جاتا تو وہ دیکھی ہو جاتا اور دکھ دور
 ڈاکٹر کاٹھن طرف دوڑا تھا مجھ سے مل کر وہ شکایت کا اظہار کرتا تھا مفتی میں کیا

ڈاکٹر کاٹھن ہے، میں اسے پرہیز

بڑی مشکل ہے یا 'بڑی مشکل ہے۔ دیکھ تاہم زمیندار لوگ ہیں' زمیندار ہے۔
 ہے 'وہیں آتی ہیں، مگر آتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو چیز آئے وہ بھائی جان! وہ
 کیوں میں اس سے پوچھتا ہوں تم رکی مریوں کی سی حرکتیں کیوں کرتے ہو۔
 بھی کیوں نہ کروں۔ عقیدت اور محبت کا اظہار ایسے ہی تو ہوتا ہے۔ والہ! وہ
 تو وہ کہتے ہیں نہیں نہیں لیکن دین کا معاملہ چھوڑو۔ ہمارا تعلق لیکن دین کا تعلق نہیں ہے
 کیسے چھوڑوں۔ لیکن دین ہی تو تعلق ہوتا ہے اس کے بغیر کیسے تعلق ہو سکتا ہے۔
 میں اسے سمجھانا راجہ بھائی جان رکی دیر نہیں ہیں۔ پھر تو کیوں رکی سہو دیا
 زبردستی انہیں رکی بیٹا رہا ہے۔
 میں کیا کروں وہ چلا آئے دیے بغیر میری تلس نہیں ہوتی۔
 راجہ کو یہ بات سمجھانا بہت مشکل تھا۔

انکوائری

پھر ایک روز دفتر میں ایک زیریں اٹھی اور سارے دفتر میں پھیل گئی۔ لوگ
 کے کالوں میں باتیں کرتے اور پھر میری طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے۔
 وہ تو محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے ایک چار دیواری نے گھیرے میں لے لیا تھا
 دونوں دفتر میرے لیے بھڑوں کا ایک بڑا تھا جو مسلسل بھین بھین کرتا رہتا۔ لیکن غریب
 دیواری کے اندر نہیں آسکتی تھیں یا یہاں لگتا تھا جیسے ان کے ڈنک نکال دیئے گئے ہوں۔
 بھین بھین رہ گئی ہو۔
 چاروں طرف سے مجھے ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں 'انکوائری ہو گی۔ انکوائری تو آتی
 ہوتی رہتی تھی۔ ہر آٹھویں دسویں دن کے بعد وزارت امور کشمیر سے دو افسر آجاتے۔
 وہ ڈائریکٹر کے کمرے میں جا داخل ہوتے۔ پھر کمرے سے شے بھری آوازیں بلند ہوتی۔
 کے چالے چھٹکتے پھر دو دنوں افسر میرے کمرے میں داخل ہو جاتے۔ ہم انکوائری
 مشنری سے آتے ہیں۔ آپ ہمارے سوالات کا جواب دیں۔
 جی میں گذشتہ تین مہینے سے یہی کام کر رہا ہوں۔
 انکوائری کی ذمہ داری میں ایک ٹاپا بن تھا۔

پھر ایک دفتری آرڈر آیا۔۔۔۔۔ لکھا تھا کہ یہ دفتری وزارت الاملا
 دیا گیا ہے اس لیے کراچی سے وزارت اطلاعات کے ڈپٹی سیکرٹری انکوائری
 مجھ پر لازم ہے کہ میں دفتر میں حاضر ہوں۔
 اتفاق سے ان دنوں بھائی جان پٹری میں ہی تھے۔
 شام کو میں نے ان سے بات کی کہ کراچی سے انکوائری افسر آ رہے ہیں
 میرا خیال تھا کہ بھائی جان یہ خبر سن کر غرور مند ہو جائیں گے لیکن وہ تو میرا
 خوشخبری ہو۔

بولے مت اچھا ہے، بہت اچھا! انہیں آئے دو۔ آپ بھی کراچی آئے۔
 نہیں۔
 نہیں بھائی جان میں کراچی نہیں جا رہا، انکوائری افسر کراچی سے آیا ہے۔
 وہ سرکارے۔ آپ کا حکم اب وزارت اطلاعات کے تحت ہو گیا ہے۔
 سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو گا۔ انشاء اللہ۔ پاکستان کی طرف
 رہے گا۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان قابل فخر ہو گا۔ سارے مسلم دنیا
 کے نشاۃ ثانیہ کا منہ ہو گا۔

بھائی جان کی بات سن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں اپنی انکوائری کی بات کر رہا تھا
 مجھے نشاۃ ثانیہ کا قصہ سنا رہے ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ انکوائری افسر کراچی سے آیا ہے۔
 رہے ہیں کہ آپ بھی کراچی سے ہو آئیں تو بہتر ہے۔
 رات کو سوئے وقت دغتاً مجھے خیال آیا کہ بھائی جان سرکار قبلہ کے پروگرام
 کیوں کر رہے تھے کیا میں بھی اس پروگرام میں شامل تھا۔ لا حول ولا قوہ یہ میرا
 میری کیا حیثیت ہے کہ بیوں کے پروگرام میں میرا بھی کوئی حصہ ہو۔ میری حیثیت
 جیسی ہے جو خانہ پر کی کے کام آتا ہے۔
 پھر مجھے خیال آ گیا کہ بزرگوں کے بھی کوئی پروگرام ہوتے ہیں۔ نہیں۔
 پروگرام کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ذات کی لٹی کر چکے ہوتے ہیں۔ پھر ذاتی پروگرام
 پروگرام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو سکتا ہے۔ وہ جو قادر مطلق ہے، وہی گنہگار نہیں۔

بھرنی لگا۔ پہلے آپ سے کیسے تعلقات تھے۔

بہت عمدہ، میں نے جواب دیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں فیورٹ ۱۱-۱۱-۱۱

٤٧

پھر وہ کس بات پر ہل گیا۔

مجھے علم نہیں۔

کوئی بات تو ہوئی ہوگی۔

قتلے نہیں۔

ہوں، وہ یوں آپ پر دو الزام ہیں ایک یہ کہ آپ نے کراچی کا دورہ کیا۔

چارچ کیا لیکن سبز تھرو میں کیا۔

جی، میں نے جواب دیا، یہ سچ ہے۔

دوسرا الزام ہے کہ آپ نے ایک سکیورٹی کا کلفڈ گم کر دیا۔ جی میں نے:۔ اب

اسے جلا دیا لیکن وہ خفیہ کھنڈ نہیں تھا۔ ریڈیو کی مانیٹرنگ رپورٹ تھی۔ اسے

وَلَمَّا قِيلَ لَاحِذُوا الْحَدَّ لَأَلَّا تُغْنَمُوا لَهُمْ وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ

کچھ دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔ مفتی صاحب، اگرچہ یہ بات مجھے بتانی

لیکن میں جتنا چاہتا ہوں کہ آپ کی فائیل وزیر اعظم کے پاس بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے

ہے کہ اس افسر مسلسل خفیہ رپورٹیں دی جا رہی ہیں اور رپورٹ لکھنے والے

ہیں۔ مناسب ہو گا اگر اسے کسی اور افسر کے ماتحت کام کرنے کا موقعہ فراہم کیا جا

دیجے ہیں کہ نئے اس کی اس کے کام اور برکتوں کے متعلق کیا رائے ہے۔

مجھے اپنے آپ کے پوچھا۔ شاید آپ کا چلو لراچی ہو جائے۔

کے لئے کہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائے۔

و تو سے مگر میں اس قدر سے جفا کرتا ہوں۔

کیوں یہاں کیا دھرا ہے۔

ہڑی ویر کے بعد یہاں مجھے

UrduPhoto.co

۱۱۱۱ کہ یہاں سے چلا گیا تو پھر بکھر نہ جاتوں۔

اپنے مرکز کے متعلق پوچھ سکتا ہوں۔

واللہ تعالیٰ اعلم ہے، میں نے جواب دیا، 'نحیف و نیاز بندہ'۔

الحمد لله رب العالمين

مارل انگواری میں نے پوچھا۔

اسی کی آپ ضرورت نہیں رہی۔

اپنے چلا تو وہ دفتر سے باہر نکل آیا اور مجھے میں بولا یہ سی اعوانی ہے آپ

ہیں۔ میں وزارت کو بھول گیا۔

کے لئے، میں نے یہ لکھ کر بھیجا ہے کہ

سے تعذبات کروا گیا۔

51

اور پھر کن

۱۱) سے پہلے چار ایک بار مزار پر ہماری محفل تھی۔

ایمانی جانے پر مختلف قسم کے رد عمل تھے۔ عزیز ملک اور آغا مظہر تھے۔ وانی اور

ہاں ہے۔ بھائی جان غیر از معمول خوش تھے۔ مجھے بھائی جان کی خوشی کمل رہی

کس بات پر خوش تھے۔ نہیں انہیں میرے جانے پر خوشی نہیں ہو سکتی۔ بھائی

لوٹتے تھے۔ وہ ہمیشہ مجھے دعا دیا کرتے تھے۔ مفتی جی اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش

10. The first part of the book is devoted to the study of the

ہمارے کا آرڈر موصول ہوا تھا تو انہوں نے لکھا تھا۔ لیکن آپ دل پرانی

اور کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ عجل فرما۔

آج صبح آج صبح مجھے از خود الخوا کراچی بھیج رہے تھے، لیکن کیوں۔

$$U_1 = U_2 = \dots = U_n = U$$

آپ

ہمارے صفت ظاہر تھا کہ وہ بچ بول رہا ہے 'اگرچہ بات حق ہوئی تھی۔ میرا افسر
ہوا تھا وہ مجھے کی صلاحیت سے محروم تھا کہ وہ خود بلا کے پاس صلی کی درخواست
ہوا کہ اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ بہر صورت میں نے بلا سے کہا 'بلا میں اس
چاہتا۔

بلا میں آگیا کیوں نہیں چاہتا۔ وہ بولا۔

بلا میرا جی نہیں چاہتا۔

وہ بولا 'وہ چاہتا۔

بلا میں نے کہا 'مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔

مجھے طاقت 'بلا' چاہی میں آگیا۔

بلا میں نے کہا 'جب آپ کی دی ہوئی طاقت مجھ تک پہنچے گی تو میں آ جاؤں گا۔

بلا انکاری ہے 'وہ بولا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔ بلا میں آؤں گا۔ بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

بلا میں آؤں گا۔

یہ اقدام مجھے ڈانکسٹر کے غم دھن سے بچانے کے لیے نہیں تھا۔ کیونکہ اس
ڈانکسٹر تو چور چور ہو چکا تھا۔

بلا میں نے خود کا تھا بھارہ غلت۔ اس کی رپورٹیں سب نے کر
الزبتھ رد کر دی تھیں۔ بھارے کے ہاتھ پٹے کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

یہ ایک مفروضہ نہیں تھا۔

جابلے کا حکم منہ موصول ہونے کے ایک دن بعد مجھے ایک فون آیا۔ 'وہ بولا
تھا 'آواز بڑی ناخوش تھی۔ مفتی۔ مفتی۔ وہ کہہ رہا تھا 'وہ اسی ہمارے ذمے ہے۔
ذمے پر آ جاؤ ابھی 'وہ نہ کر۔

دھن مجھے احساس ہوا کہ بلا سنرولا بلا بول رہا تھا۔ بلا سنرولا بلا بول رہا تھا۔
بھول چکا تھا۔ عرصہ دراز سے میں نے اس کے ذمے پر حاضری دینی چھوڑ دی تھی۔

بلا سنرولا بلا بول کے دو ایک بیانات آئے تھے کہ تم آتے کیوں نہیں۔ نام تو
کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے دل میں بلا کی بڑی عزت تھی۔ عزت نہیں 'بلکہ اگر ایک

لکڑی میں روایت کارنگ نہ تھا میں اس کے لیے دوستی کا جذبہ محسوس کیا کرتا تھا۔
کے بعد میں کبھی وہاں نہ گیا تھا۔

بلا کی کل آئی تو میں سمجھا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔

میں نے کہا 'میری بلا میں کیا حکم ہے۔

بلا بولا 'تو فوراً آ جاؤ ہمارے پاس۔

میں نے کہا 'میں ضرور حاضری دوں گا لیکن اس وقت تو میں اپنا کام
ہوں۔ میرا چالو ہو گیا ہے 'میرا افسر مجھ سے ناراض ہے 'وہ شوکت بھارہ چارنگ

آ جا۔ آ جا۔ بلا بولا 'میرا ڈانکسٹر نہیں بیٹھا ہے 'ہمارے ذمے ہے۔

مجھے بلا کی بات پر یقین نہ آیا۔ یہ کہے ہو سکتا ہے کہ میرا ڈانکسٹر جو سولہ
سولہ میٹس کاشد سے ٹاکس ہے۔ جو ایک عقیدہ انسان ہے وہ بھلا بلا کے

سکتا ہے۔

بلا کہنے لگا 'ہم نے جیسے ڈانکسٹر کو بلا ہے 'وہ آگیا ہے اور تجھ سے ملے گا۔

لہذا وہ ہی ضرورت پڑتی ہے کہ گورامن کی
ڈاکٹر کی آنکھیں خانوں سے باہر نکل آئیں۔ وہ بت بنا کر اٹھا۔

بازار میں نہیں آ رہی میں نے ڈاکٹر سے کہا تھا کہ دو چار شیشیاں سنبھال کر میرے پاس لے آؤ۔
ڈاکٹر نے میری آنکھ کو پونے غور سے دیکھا کئے لگا اس پر کوئی پتہ نہ چلا۔ میں نے
میں 'پائلٹ ٹیک' ہے۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ تو صبح شام یوں شدت سے پھرکتی ہے، جیسے آئے گی
ہے اور آپ کہتے ہیں کوئی بات نہیں۔

وہ ہنسا کہنے لگا یہ ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں۔ کسی اور ڈاکٹر سے پوچھ لے دو۔
مسکولہ کزوری ہے۔ یہ محض تالے کی بات ہوگی۔ میں آپ کو بل نہیں رہا۔

آنکھ کی بات ختم ہوئی تو گورامن کی بات شروع ہو گئی۔
راجہ کہنے لگا 'جناب کو گورامن چاہیے۔

ڈاکٹر بولا کہ ابھی دس دن ہوئے ہیں میں نے آپ کو دو شیشیاں دی تھیں۔
ہاں 'راجہ نے جواب دیا 'وہ ختم ہو گئیں۔

ختم ہو گئیں 'ڈاکٹر نے سر ہٹ لیا۔ دس دن میں گورامن کی دو شیشیاں ختم
دوقف ہمارے ہیں کیا صاف کہہ دیجیے کہ بلیک کر رہا ہوں۔

نہیں نہیں بلیک نہیں کر رہا۔ 'راجہ نے کہا۔ انہوں نے پی لی ہیں۔
وہ کون شخص ہے جو دس دن میں گورامن کی دو شیشیاں پی جاتا ہے۔ بھئی یہ وہ انتہا
تکڑوں کے حساب سے پی جاتی ہے۔

نہیں نہیں 'راجہ بولا 'ہمارے بھائی جان پیتے ہیں۔
ہمارے بھائی جان چادو گر ہیں یا فرلڑ ہیں۔ ڈاکٹر ہنسا۔

خیر دارے اولیٰ سے بات مت کر 'راجہ بولا۔
پھر جو اتفاقاً دیکھا تو راجہ شعلے کے پیچھے بھائی جان خود کھڑے تھے۔

آپ کب آئے 'میں بھائی جان کو دیکھ کر چلا گیا۔
ابھی آئے ہیں ہم۔ 'راجہ کے گھر گئے تھے۔ پی لی نے کہا ڈاکٹر صاحب کی طرف گئے ہیں۔

ہم یہیں آ گئے۔
پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے 'ہاں دونوں شیشیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں



قدرت اللہ شہاب

۲۸۔ کراچی

۲۹۔ عطیت

۳۰۔ ستارہ

۳۱۔ ولیج ایڈ

۳۲۔ دربار

۱۔ اہل قلم، ریڈیو اے بخاری، احمد بشیر سے واقف تھا۔

۲۔ میں جب ہم دونوں بمبئی میں تھے تو بخاری وہاں کے ریڈیو شیش کا ڈائریکٹر تھا۔ اس وقت وہاں کا بیرونی بٹا ہوا تھا۔ بیرونی کی بڑی دھوم تھی۔ محفل میں نورتن کی بھیڑ میں ٹھکانے تھے۔

۳۔ اسی تو طبل کا کرتا اور برحق ماسفید پایا۔ نوبت تن ہو کہ ہاتھوں میں سگرت کا دھواں رہتا ہے۔ وہ منجیسے مصائب ہوتے۔ حالانکہ ان دنوں بمبئی میں چمرا پیل رہا تھا، بیرونی ہاتھوں پر ایک بے نیازی کا عالم جاری ہو گیا۔

۴۔ اسی پر ماسکس تھا، ٹیگڑ تھا، فن کار تھا، اعلیٰ پائے کا دانشور تھا، بات پیدا کرنے کا سلیقہ رکھتا تھا، بڑے لاکر چلتا تھا، پڑوں میں کوئی اس سے سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس کا سبب انصاف اور آزادی کھینچ تھی۔

۵۔ میں ایک روز میں نے احمد بشیر سے کہا تو بخاری سے نہیں ملا۔

۶۔ اجال لیتے ہیں، وہ بولا۔

۷۔ اس سے پہلے پرچہ فلکین کے لیے مضمون لکھوا۔

۸۔ لکھوا لیتے ہیں۔ احمد بشیر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

۹۔ وہ ایک آدمی ہے۔

۱۰۔ پر کیا ہوا؟ وہ بولا۔

۱۱۔ تم سے بڑا ستارہ ہو گا، میں نے کہا۔

۱۲۔ بات پر۔

۱۳۔ خوش فہم لوگوں اور بہت متاثر ہو گا، میں نے وضاحت کی۔

۱۴۔ احمد بشیر بیرونی مغلان کے پاس جا پہنچا۔ چھوٹے ہی بولا۔ ہمارے لیے ایک مضمون لکھیے۔

۱۵۔ چونکہ کون کون تم کہاں سے آئے ہو۔

۱۶۔ احمد بشیر ہوں۔ لاہور سے کیا ہوں۔

۱۷۔ کسی نے بات کرنے کی جیز نہیں سکائی کیل۔

۱۸۔ نہیں۔



محترمہ عطیت



قیصر شہابی



مفتی (۱۹۵۵ء)

سعود

مر

ہوں، پھر مغل نے قلعہ لگایا، بات کسہ دینی جانتے ہو۔
اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔

بات کرنا سیکھ لو تو۔
کیا فرق پڑتا ہے، احمد شیر نے اس کی بات کٹ دی۔

بے باک، صاف گو، جہاز نظر، القاطون تم ایسے پسند کرتا تھا، پھر مغل نے اس
لگاؤں سے احمد شیر کی طرف دیکھا۔ امروہہ پستی کے قلعے کو جانتے ہو۔

جانتا ہوں، مہاشا نہیں، احمد شیر نے جواب دیا۔
تسکھی مانتے ہیں صوفی، فقیر، لوب، شاعر، ایکٹر، موسیقار۔ تم کیا چیز ہو۔

میں نسائی نہیں ہوں۔ نہایت سے متاثر ضرور ہوتا ہوں۔
اس کی گھنٹی، متحرک، تاثر سے بھر پور، ہمیں اچھی پسند ہے، صوفیوں کی عورت کی

صرف یہ لو اور نہ محبت ہے، عام لوگوں کا مشغلہ، چھوٹی چھوٹی باتوں میں زندگی بسر کرنے والا
وقت کئی۔ امروہہ پستی فن کاروں کا اقداری نشان ہے۔

میں فن سے متاثر ہوتا ہوں۔ فن کاروں سے نہیں، احمد شیر نے کہا۔
پھر مغل نے تھکے ہوئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے آنکھیں پٹائیں۔ بھونچے پر دنگی ملا۔

یو آؤ تم دوست بن جائیں۔
احمد شیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس سستی میاں کے لیے وقت نہیں ہے۔

پھر مغل کاہت اور دھم سے منہ کر کر پاش پاش ہو گیا۔
احمد شیر کو بہتینی والی ملاقات قابلِ یاد دہی تھی یا اس نے اسے چنداں اہمیت نہ دی تھی

اس لیے اس نے بخاری کی آفر کو منظور کر لیا اور وہ کراچی آ گیا۔ احمد شیر کے ساتھ مواہا
بھی تھے لیکن بخاری میں اتنی وسعت قلب نہ تھی کہ وہ مولانا کی علمی حیثیت کے متعلق

برہنہ کر سکے لہذا احمد شیر نے اسے تنہا دے دیا۔
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔
بات کرنا سیکھ لو تو۔

کیا فرق پڑتا ہے، احمد شیر نے اس کی بات کٹ دی۔
بے باک، صاف گو، جہاز نظر، القاطون تم ایسے پسند کرتا تھا، پھر مغل نے اس

لگاؤں سے احمد شیر کی طرف دیکھا۔ امروہہ پستی کے قلعے کو جانتے ہو۔
جانتا ہوں، مہاشا نہیں، احمد شیر نے جواب دیا۔

تسکھی مانتے ہیں صوفی، فقیر، لوب، شاعر، ایکٹر، موسیقار۔ تم کیا چیز ہو۔
میں نسائی نہیں ہوں۔ نہایت سے متاثر ضرور ہوتا ہوں۔

اس کی گھنٹی، متحرک، تاثر سے بھر پور، ہمیں اچھی پسند ہے، صوفیوں کی عورت کی
صرف یہ لو اور نہ محبت ہے، عام لوگوں کا مشغلہ، چھوٹی چھوٹی باتوں میں زندگی بسر کرنے والا

وقت کئی۔ امروہہ پستی فن کاروں کا اقداری نشان ہے۔
میں فن سے متاثر ہوتا ہوں۔ فن کاروں سے نہیں، احمد شیر نے کہا۔

پھر مغل نے تھکے ہوئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے آنکھیں پٹائیں۔ بھونچے پر دنگی ملا۔
یو آؤ تم دوست بن جائیں۔

احمد شیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس سستی میاں کے لیے وقت نہیں ہے۔
پھر مغل کاہت اور دھم سے منہ کر کر پاش پاش ہو گیا۔

احمد شیر کو بہتینی والی ملاقات قابلِ یاد دہی تھی یا اس نے اسے چنداں اہمیت نہ دی تھی
اس لیے اس نے بخاری کی آفر کو منظور کر لیا اور وہ کراچی آ گیا۔ احمد شیر کے ساتھ مواہا

بھی تھے لیکن بخاری میں اتنی وسعت قلب نہ تھی کہ وہ مولانا کی علمی حیثیت کے متعلق
برہنہ کر سکے لہذا احمد شیر نے اسے تنہا دے دیا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

وہیے وہ ایک بکرا ہوا فحش تھا، آواز بے سمت، ووتر سے نکل کر وہ سیدھا کافی اور
اور کونے کی میز پر بیٹھ کر کیبل سڑک سڑک اور کافی کے پیالے پیتا رہتا تھا۔ ایک اور
انگریزی فلم دیکھتا اور گومی رات کے وقت اپنے بیسے بھائی کے گھر کا دروازہ آگلیا اور
ایک لڑکی ہوئی چار بائی پر ڈھیر ہو جاتا۔

صبح سویرے چائے کا ایک پیالہ پی کر وہ دھڑپا جاتا۔ وہ ایک بگڑا ہوا جوان تھا۔ اس
سے لگاؤ نہیں تھا۔ ہاں باپ سے اسے نفرت تھی، کونسی ہوئی نفرت، شاید اس لیے کہ اس
گھر کی بجائے ایک دیوانے میں پرورش پائی تھی۔

اس کے والد بیسے قہل تھے، لیکن بے حد توجہ طلب تھے۔ فن کی پوری، میری
بگٹ تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ میں پوری ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے اور گھر میں
رہتا۔

بچے اس دیوانے کی پیدوار تھے۔ قیصر کا بڑا بھائی ریاض بھی کراچی میں مقیم تھا۔ ان کی
پوری بڑی حسین تھی اور وہ خود بڑا پوڑیو اور تیل تھا اگرچہ قیصر بھائی کے ساتھ ہی رہتا تھا
لیکن یہ رہتا برائے نام تھا۔ وہ صبح سویرے وہاں سے نکل آتا تھا اور پھر رات کے بارہ بجے
ذرا دُور گئی میں پڑ رہتا تھا۔ بیسے بھائی کے گھر میں بھی اسے گھر فیصہ نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں کہ کون قیصر کو مجھ سے بہت لگاؤ تھا۔ بسا اُور سوشل میں تھا کسی کے قریب
جاتا تھا کسی کو قریب آنے میں رہتا تھا۔ اس کی شخصیت کے دیوانے خانے میں ایک
جو شاید اس نے اپنے تحفظ کے لیے پل رکھا تھا۔ زندگی میں چار ایک بار وہ خود کشی کر چکا تھا
ملاقات سازگار نہ ہوتے تھے اور وہ کامیابی حاصل نہ کر سکتا تھا۔

اب اس نے خود کشی کا ایک انوکھا طریقہ اپنا رکھا تھا اس نے اپنی موسمِ حق دونوں اطراف
سے چار رکھی تھی۔ صبح دھام کافی کے پیالے پیٹ میں انڈیا رہتا۔ سڑک سے سڑک
گرد و پیش کو خشک و شہر اور حقیر بھری ٹرک سے دیکھتا اور اتنے بیسے شہر میں خود پر تھلا
کیے بیٹھا تھا۔

کراچی میں میرا چلا ہوا تو قیصر کے لیے گریابی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ کھلا۔
کی طرح کسی چھینکے کے نلے کا مہلت مند تھا، نہ میرا چھینکا کسی کام کا تھا، چونکہ وہ تو نلے

میں سراسر مہلت مند تھا۔ میری تحفہ رکھتی تھی۔ اسے جی پی آر
پر چلنے کے کمیشن ہوگی پھر تحفہ کئے گی۔ بڑی مشکل سے ایک انکوائس
کے گھر والا کس منظور کروا دیا تھا۔

قیصر کو کافی پوس سے تو کھل لیا لیکن اسے کوئی سمت نہ دے سکا۔
ان دنوں میری اپنی کٹی سمت نہ تھی۔ وہ چار دیواری دور ہوئی جا رہی تھی۔
اس لیے لی آوارہ گردی میں وہ مدد لائے جا رہے تھے۔ بھائی جان کو اپنانے کے لیے تھائی
اس علاقے کو ہزار ہا رکھنے کے لیے دھیمان دنا ضروری تھا۔ لیکن نہ مجھے تھائی میسر
تھا۔

ہو کر قیصر سیدھا میرے پاس آ جاتا۔ چل کیا پروگرام ہے آج۔ اس نے کبھی
گھر گیا تھا۔ مثلاً کہہ کر بگڑا کہ تو تراک سے بات کرنا اور سارا دن کچھ نہ کچھ کھانا
کھاؤ۔

اس کا سنا دیکھنے کے بعد گھر چھوڑ جاتا۔
کراچی کی سڑکوں پر ہم تین آوارہ گرد تھے۔ قیصر، میں اور کسی۔ کسی میٹرک کا
بچہ تھا۔ ہم کراچی آگیا تھا۔ ہماری آواز مدد ملتی کہ دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان
تینوں میں سے ہر ایک ایک بیٹا ہے۔

تھک جاتے تو گھر جا کر شلرنگ لگا لیتے۔ شلرنگ کھینے میں قیصر بہت ماہر تھا
کبھی نہیں آتا تھا۔ شام کو ہم اندر بیٹھ کر گھر کا ڈیر لگاتے۔

اس کی مسلمان فزائی میں بڑا مشاق تھا۔ وہ اپنی غربت کو چھپاتا نہیں تھا بلکہ اس کا
ان کا پھرنا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی کسی وقت گھر آ جاتا تو اندر بیٹھ کر
دیکھتا تھا کہ کوئی ایک پیالے کا ٹوکہ دے۔ کیا کام چینی میں
کے لیے چینی کے پیالے سے۔ کیا کام ساتھ کھانے کو۔

ان کی بات نہیں۔ میری عیب میں ایک روپیہ پڑا ہے۔ لڑکے کو بیچ۔ چنا چور گرم
کھا۔ کیا خاطر داری۔ وہ بھی کر دیں گے۔ کل

تھوڑے کی تو تک ٹھکرا دیں گے۔

مودی احمد بشیر کی بیوی تھی۔ کیا عجیب شے تھی وہ۔ کمرے سے چلی جاتی تہ، چلی گئی ہے۔ کمرے میں آ جاتی تو پتہ نہ چنانچہ آگئی ہے۔

مودی بڑی خوشن مزاج ہے اسے میل ملاپ سے دلچسپی ہے۔ خوب صورت اور شوق ہے۔ کبھی استے پیٹے ہاتھ میں لے کر لباس خریدے، اس لیے لڑنے سے باز رہا ہے اور ایسا بنا سچا کر پہننے سے جیسے کسی کوٹے سٹور سے خریدایا ہو۔ مودی احمد بشیر کی ہاتھ اسے کھلاتی ہے 'پلائی ہے' 'سلائی ہے' 'جکائی ہے' 'لور نہ بنائے بغیر اس کے رانٹا رہتا رہتا ہے۔ اس لیے احمد بشیر کو مودی سے ایسی ہی محبت ہے جیسی لالچ کو بھانسی سے محبت ہے۔

گھر کے معاملات میں میں نے احمد بشیر سا کوئی لالچ نہیں دیکھا۔ اس نے کہہ کر کہا کہ میں سے انکار وہاں نہیں رکھی۔ گھر کے لیے کوئی چیز خود نہیں خریدی۔ کبھی بازار تلاش نہیں کیے، کبھی گھر سے گلاس بھر کر پانی نہیں پیا۔ اگر مودی نہ ہو تو انہی کی قیض پین کر دفتر چلا جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

احمد بشیر کہتا ہے، مجھے مودی اس لیے پسند ہے کہ وہ بہت معصوم ہے' اسے وہ دیکھ دیکھ مودی کو سب پتہ ہے، لیکن وہ یوں موم کی گڑیا بن کر بیٹھ رہتی ہے، جیسے کہ احمد بشیر سمجھتا ہے کہ مودی ذوقی لحاظ سے بچہ ہے، سمجھتی نہیں۔ مودی سمجھتی ہے کہ احمد بشیر احمد بشیر بالکل کورا ہے، کچھ بھی نہیں جانتا۔

دونوں بچے ہیں۔ دونوں بھوتے ہیں۔

ان دونوں مودی پیارک سے راگ نیکہ رہی تھی۔ موسیقی میں پیارک ہر فن میں شہہ راگ، 'ضری'، 'غزل'، 'بیت' اور 'جھیر' کی موسیقی۔ مودی کو سکھاتے ہوئے پیارک میں آ جاتے پھر محفل موسیقی شروع ہو جاتی۔

ابن انشاء

UrduPhoto.com

بھیر کو موسیقی سے دل بہتی نہیں تھی۔ وہ محفل کو ختم کرنے کے لیے ہاتھ بٹکتی تھی۔ کبھی کبھار میں رہی ہے، وہ میرا ساتھ دے گا، کل ایک گھنٹہ۔ مودی نے فرمایا

UrduPhoto.com

احمد بشیر زندگی اخلاقیات میں بارہموز اور ہم لقم دیکھنے چلے جاتے۔

میں نے کہا کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پینڈو، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی سوار تھا۔ مکرانہ میں بے بسی۔ چرے پر چمک آنے کی کوشش کرتی تھی، انہی کے ہاتھوں میں ہاتھ دھکا رہتا۔

میں نے کہا کہ پوچھتا، یاد یہ کیا ہے۔

میں نے کہا کہ وہ جواب دیتا۔

میں نے کہا کہ میں یاد اس کا نام تو خیر نہیں دیتا ہوں۔

میں نے کہا کہ خیر میں ہی ہے لیکن اسے کیسا لالچ کرنے کے لیے ابن انشاء کو گواہ ہے۔

میں نے کہا کہ ابن انشاء کبھی ابن انشاء نہیں تھا۔ ترقی پسندوں کے امیے میں آکر اس نے جس طرح شہرہ رکھی تھی۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

میں نے کہا کہ میرا دفتر کو اسراے تھا۔ مسافر آتے، چلے جاتے۔ آتے، چلے جاتے۔ جو بیٹھ جاتا، وہاں بیٹھ کر اسے پتہ نہ رہتا۔

میں نے کہا کہ بی بی کاظمی دفتر تھا اس دفتر قلمی رنگ غالب تھا۔ ہم نے یہ ثابت کیا۔ ایسا نہیں تھا۔ کوئی مثل نہیں ملے گی۔ قلمی دفتر کا افسر شام ایک آکھڑا، مغرور، نقار کا تھا۔

میں نے کہا کہ اس نے بات کرنا مشکل تھا۔

میں نے کہا کہ ان کے صاحب نورعوں کا اکھاڑا لگاتے بیٹھے رہتے تھے۔ چھوٹے افسروں کو دیکھ کر انہیں نہیں تھی۔

میں نے کہا کہ میں کتنی میں تھا۔ میں شاد میں۔

میں نے کہا کہ

ابن انشاء میرے نام ایک حکم بنا۔ آگیا۔ کھسا تھا کہ ڈاکٹر ذی اسے ایف پی نے لیا کی تجویز کو منظور کر لیا ہے۔ لہذا ممتاز مسلم قلم افسر کی خدمت پہنچے پر

میں نے کہا کہ جلدی ہیں۔

میں نے کہا کہ میں گھبرا گیا۔ احمد بشیر کی طرف گیا تو وہ مونچھ موڑنے لگا۔ ابن

انشا مسکرانے لگا۔

دیکھا احمد بشیر یوں لے آئے تاہم تجھے اپنے دفتر میں ویسے تجھ سے کہہ دیا۔
تو اسے پاس تو بھی نہ مانا۔

انہوں نے اس شام اپنے منصوبے کی کامیابی پر احمد بشیر کے گھر ایک نوٹ لکھا۔
تو جس میں ہم سب مدعو تھے۔ قصر نکلی اور میں۔

دعوت کے دوران احمد بشیر یوں تو نے اکبر الہ آبادی کا وہ شعر سنا ہے کیا۔

تو تارا، ع، مرے مرنے کے بعد کا ہو گا

تو نے کہا اس لیے کہ میری عزت صرف دو گنے کی ہے اور جس کی عزت دو گنے

کی ہے وہ خاص جی حضور یہ ہوتا ہے۔ کیڑہ۔ بے ضیاع

تو نے انہیں فراہمی صدر میں کیے ٹیڑھا کے پاس ایک کھلی میں واقع تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی
گھر تھی۔ باغیچہ کھروں پر مشتمل تھی۔

تو نے انہیں

تو نے انہیں ہمارے افسر تھے۔ خطہ جالندھر جی ڈائریکٹر تھا۔ احمد بشیر اس کا نائب تھا۔ انہیں انشا

نکشن کے اچانک مشہور موسیقار پیارنگ تھے۔ وہاں کمرے تھے، ستائیس تھیں،
مزدگ تھے۔ یہ دفتر ہمارے لیے دفتر تھا، کلب تھا، کافی ہاؤس تھا، کمارہ تھا۔

عطیب

ان کی قدرت اللہ شباب کا ٹیلی فون آگیا اس وقت حلیفہ اور میں وزارت کے متعلقہ
کاموں پر آئی اور خط میں مذہب چلیاں دینے کی کوشش میں شدت سے مصروف تھے کہ انکا
مقامی منشی متاثرہ کا ایک فون ہے۔ انکا طریقہ مجھے ملتی ممتاز کمار کا تھا، خصوصاً
ان کے کاموں کے کمرے میں جا کر میں نے چونکا اٹھا۔

انہوں نے کہا قدرت اللہ شباب آپ سے بات کریں گے۔
ان کا نام سن کر میں گھبرا گیا۔ میرا بس پلا تو فون بند کر دیا، مگر مجھ میں اتنی جرات نہ

تھی کہ ان میں قدرت اللہ شباب ایک پھوٹے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔
اللہ وزارت امور کشمیر کے سیکرٹری افکار کی بات یاد آگئی، جس نے مجھ سے پوچھا تھا کیا
اللہ شباب کو جانتے ہیں اور میں نے جواب میں کہا تھا جی نہیں، میں انہیں نہیں

جانتی، افکار نے کہا تھا لیکن مجھے شباب صاحب نے ایک خط لکھا ہے، جس میں کہا ہے کہ
میں ان کے عزیز دوست ہیں اور میں نے جواب میں افکار صاحب سے کہا تھا جناب یہ بات

آپ قدرت اللہ شباب سے پوچھیے۔
گمان غالب ہے کہ اکثر نے اسی روز فون پر شباب سے بات کی ہوگی اور یہ سن کر کہ میں قدرت اللہ شباب کو نہیں جانتا۔

اس کے بعد اشفاق میرے بھٹے خط لکھا تھا کہ قدرت اللہ شباب راولپنڈی آ

آپ من سے ملنے لور میں نے اسے جواب میں لکھا تھا کہ میں بڑے افسروں سے ملتا ہوں

کہ۔ اور اشفاق نے میرا وہ خط قدرت اللہ کو بھیج دیا تھا۔

ان دونوں واقعات کے بعد میرا قدرت اللہ شباب سے ملنا ناممکن ہو گیا تھا۔

سے ملنا میرے لیے ایک ناخوشگوار بات بن چکا تھا۔

ملاقاتیں

فون پر کوئی بڑی لذت سے کہہ رہا تھا میں قدرت اللہ شباب ہل رہا ہوں

صاحب مجھے نصیحت کی کتابیں خریدی ہیں۔ اگر آپ قاری ہوں اور میرے ساتھ

مذاکر کریں تو۔۔۔۔۔ میں ایک بیجے آپ کے دفتر پہنچوں گا۔ اگر آپ دفتر سے

تو مناسب ہوگا۔ حقیقت صاحب سے میری آمد کی بات نہ کریں۔ پورے ایک بیجے میں

ہو گیا۔

کیوں خیریت حقیقت نے پوچھا۔

میں نے جواب میں انکی کمزری کردی جیسے جوت سکول کے بچے چھٹی نمائندگی کے لیے

کمزری کرتے ہیں۔

حقیقت میرا اشارہ سمجھ گیا مسکرایا۔ بولا ہموڑ یا ہوا۔

میں نے کہا جناب ہموڑ۔

حقیقت نے مسکرا کر لذت میں سر ملادیا۔

کلی سے گل کر میں مڑک پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ایک گل

قدرت اللہ شباب کی تصویر میں نے اخبارات میں اکثر دیکھی تھی۔ اس

کیوں میں نے پوچھا خوف کس بات کا۔

آپ قدرت اللہ شباب سے پوچھیے۔

گمان غالب ہے کہ اکثر نے اسی روز فون پر شباب سے بات کی ہوگی اور یہ سن کر کہ میں قدرت اللہ شباب کو نہیں جانتا۔

اس کے بعد اشفاق میرے بھٹے خط لکھا تھا کہ قدرت اللہ شباب راولپنڈی آ

آپ من سے ملنے لور میں نے اسے جواب میں لکھا تھا کہ میں بڑے افسروں سے ملتا ہوں

کہ۔ اور اشفاق نے میرا وہ خط قدرت اللہ کو بھیج دیا تھا۔

ان دونوں واقعات کے بعد میرا قدرت اللہ شباب سے ملنا ناممکن ہو گیا تھا۔

سے ملنا میرے لیے ایک ناخوشگوار بات بن چکا تھا۔

ملاقاتیں

فون پر کوئی بڑی لذت سے کہہ رہا تھا میں قدرت اللہ شباب ہل رہا ہوں

صاحب مجھے نصیحت کی کتابیں خریدی ہیں۔ اگر آپ قاری ہوں اور میرے ساتھ

مذاکر کریں تو۔۔۔۔۔ میں ایک بیجے آپ کے دفتر پہنچوں گا۔ اگر آپ دفتر سے

تو مناسب ہوگا۔ حقیقت صاحب سے میری آمد کی بات نہ کریں۔ پورے ایک بیجے میں

ہو گیا۔

کیوں خیریت حقیقت نے پوچھا۔

میں نے جواب میں انکی کمزری کردی جیسے جوت سکول کے بچے چھٹی نمائندگی کے لیے

کمزری کرتے ہیں۔

حقیقت میرا اشارہ سمجھ گیا مسکرایا۔ بولا ہموڑ یا ہوا۔

میں نے کہا جناب ہموڑ۔

حقیقت نے مسکرا کر لذت میں سر ملادیا۔

کلی سے گل کر میں مڑک پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ایک گل

قدرت اللہ شباب کی تصویر میں نے اخبارات میں اکثر دیکھی تھی۔ اس

کیوں میں نے پوچھا خوف کس بات کا۔

ہم دونوں ہاتھ آگے لیٹے میں رہتے ہیں 'شباب' نے کہا 'اور صبح سویرے مٹا دیا
پھوٹی بجی کو کندھے پر ہتھار میرے گھر آجاتے ہیں۔ کتنے ہیں 'وکیلہ' شباب' میں
کچھ نہ کر سکتے ہیں اس بچی پر توں کھلے دہندے یہ معصوم بچی جوان ہو کر پیش کرنے لگی ہے۔

میں نے حیرت سے شباب کی طرف دیکھا۔
جیب آگئی ہیں حقیقتاً صاحب 'خوب آگئی ہیں۔

ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں تیسری بار جب شباب آیا تو حقیقتاً میرے ہاتھ
سے باہر نکل آیا۔ جب شباب کی گاڑی آئی تو اس نے کہا متنی متنازع مجھے بھی اور ہمارے
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔

شباب نے حقیقتاً کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حقیقتاً نے مجھ سے پوچھا متنی متنازع شباب کیسا آگئی ہے۔

میں نے کہا 'حقیقتاً صاحب اگر کسی ایسی شخص میں میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں میں کسی
پاس نہ کرتا۔

حقیقتاً کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا افسری کے لائق نہیں ہے اس میں پھول پھول نہیں 'غلامی اور غلامی' کا
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈالنا۔

یہ سن کر حقیقتاً کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگاؤ میں نے ان لیا کہ وہ واقعی دانشور ہے۔ متنی متنازع کیا بچنے کی بات کی
تے۔

۱۹۵۸ء میں میری شباب سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشتقاق کراچی آیا اور
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔

فضل انصاری تھی نہ مزاج۔
شباب کی بیوی ڈاکٹر مفت شباب دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو لپٹے کی
ہو۔ اس کے انداز سے فکری معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ قلمی بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔

ایک بار اشتقاق احمد 'شباب کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں
UrduPhoto.com

ہم دونوں ہاتھ آگے لیٹے میں رہتے ہیں 'شباب' نے کہا 'اور صبح سویرے مٹا دیا
پھوٹی بجی کو کندھے پر ہتھار میرے گھر آجاتے ہیں۔ کتنے ہیں 'وکیلہ' شباب' میں
کچھ نہ کر سکتے ہیں اس بچی پر توں کھلے دہندے یہ معصوم بچی جوان ہو کر پیش کرنے لگی ہے۔
میں نے حیرت سے شباب کی طرف دیکھا۔
جیب آگئی ہیں حقیقتاً صاحب 'خوب آگئی ہیں۔

ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں تیسری بار جب شباب آیا تو حقیقتاً میرے ہاتھ
سے باہر نکل آیا۔ جب شباب کی گاڑی آئی تو اس نے کہا متنی متنازع مجھے بھی اور ہمارے
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔

شباب نے حقیقتاً کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حقیقتاً نے مجھ سے پوچھا متنی متنازع شباب کیسا آگئی ہے۔

میں نے کہا 'حقیقتاً صاحب اگر کسی ایسی شخص میں میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں میں کسی
پاس نہ کرتا۔

حقیقتاً کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا افسری کے لائق نہیں ہے اس میں پھول پھول نہیں 'غلامی اور غلامی' کا
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈالنا۔

یہ سن کر حقیقتاً کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگاؤ میں نے ان لیا کہ وہ واقعی دانشور ہے۔ متنی متنازع کیا بچنے کی بات کی
تے۔

۱۹۵۸ء میں میری شباب سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشتقاق کراچی آیا اور
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔

فضل انصاری تھی نہ مزاج۔
شباب کی بیوی ڈاکٹر مفت شباب دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو لپٹے کی
ہو۔ اس کے انداز سے فکری معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ قلمی بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔

ایک بار اشتقاق احمد 'شباب کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں
UrduPhoto.com

پتہ نہیں، میں نے کہا اللہ کے بندوں کا کچھ پتہ نہیں چٹنگ دھاری ہوتے ہیں، ۱۰

جیں

یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ کیا آپ کے ساتھ بھی قماشہ کیا؟ انہوں نے۔

ہاں، میں نے کہا، مجھ پر رقت طاری کر دی۔ دس دن سے بوجہ دوٹا رہا، ۱۱

دوٹا رہا۔

کوئی چڑی کا بزرگ ہے کیا اس نے پوچھا۔

مردم و مغفور ہے۔ مزار ہے، میں نے کہا۔

۱۲ ایچر قیصر ایک چائے خانے میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے سکوتر پر بٹھا کر

۱۲

۱۳ اکاڑی۔ تم تو کاندھ دینے آئے تھے، قیصر نے کہا۔

۱۴ اس میں نے کہا، وہ فارغ بیٹھا تھا، اس نے بات چھیڑ دی۔

۱۵ دیکھ میناز، وہ چولا، تو اس شخص سے بچ کر رہنا۔

۱۶ میں نے پوچھا۔

۱۷ افسوس آدمی ہے۔ بڑا ذہین ہے ایک نظر میں بات پالیتا ہے۔

رائے نہیں کرکے وہ بھگتا ہے کہ ماننا ہمارا اس کا ذاتی معاملہ ہے جس کا انکار نہ ہو۔
کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ بات بڑھانے کے خوف سے سرکشت ہو جاتا ہے۔ اس کا
میں مل رہا ہوتا ہے۔

اشفاق حسین گہرا گیلہ میری کوئی خاص پر اہم نہیں ہے وہ بولا۔ بس ایسا
راستے میں رکاوٹیں آتی رہتی ہیں۔ معمول کی رکاوٹیں نہیں غیر معمولی رکاوٹیں۔
لوگوں پر اثر رکھتی ہے مجھ پر نہیں رکھتی بلکہ انشاؤں رکھتی ہے۔ حالات کا رخ ہمارا
ہوگا۔ وہ ایک مصرعہ ہے غرضاً یہ آپ نے سنا ہو گا۔

ظہر ڈوبنے جاؤں تو دریائے پیاب مجھے

اس پر ایک قلمبر پرلا۔

علیہ نے کچھ دیر کے بعد مراقبے سے سر اٹھا بولی آپ ٹھیک کہتے ہیں آپ نے
میں رکاوٹ ہے۔ آپ پر کوئی بھول اٹھوا نہیں ہے۔

کب سے ہے اشفاق حسین نے پوچھا۔

نوجوانی سے وہ بولی۔

اس کا کوئی علاج بھی تو بتائیے۔

علیہ مسکرائی بولی میں ایک میٹر ہوں۔ علاج نہیں ہوں۔ مجھے تو جو دکھ ہے وہ
ہوں۔ بچپن سے نہیں کہہ سکتی کہ جو دکھ ہے وہ درست بھی ہے یا نہیں۔ پھر وقت
میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک چیز مجھے دکھائی جاتی ہے کہ مستقبل میں یہ ہو گا یوں کہ
پتہ نہیں چلا کہ کب ہو گا۔ کل ہو گا یا دس سال کے بعد ہو گا۔

دوسرا قلمبر انشا کا قلم۔

علیہ نے حسب معمول پوچھا جی فرمائیے۔

انشا مسکرایا کہنے لگا 'محترمہ میں تو لوشن ہوں۔ لوشن دے اونٹ تھری کواں،
سیدھی۔ مجھے کوئی چیز راس نہیں آتی۔ کام راس میں آتا، آرام راس میں آتا، غصہ راس میں
نہیں آتا، سکون راس میں نہیں آتا، بھینا راس میں نہیں آتا۔

اس پر ایک قلمبر بند ہوا 'محترمہ خود بخشنے لگی۔

میں نے جنتے ہوئے گردن پھٹکی اور بھر سر اٹھا کر بولی۔

آپ نے جو پھوڑا پانا ہے وہ اب پھوٹے والا ہے، آپ کو بڑی شہرت ملنے والی ہے۔ عزت
ملنے والی ہے۔ بہت کچھ ملنے والا ہے۔

میں نے کا انشاء لے پوچھا۔

ہاں، وہ بولی، آپ کو دلیر پر کھڑے ہیں۔

انہی دنوں گئے۔

میں نے والا۔ بہت جلد آپ کو ایک دینے والا ملے گا۔

اس کے بعد قیصر کی باری تھی وہ بیٹھا مسکرائے جا رہا تھا سوچی مسکراہٹ نہ ہانسنے والی

تھی۔

آپ کچھ نہیں پوچھنا، وہ بولا، میں مستقبل کو جاننے سے خائف ہوں۔

کچھ اپنے حلق پوچھ لو، احمد شیر نے کہا۔

اپنے حلق میں چلتا ہوں، قیصر نے جواب دیا۔

قیصر کے بعد میری باری تھی۔ میں نے کہا، مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔

پھر دشمن کے بارے میں پوچھ لو، انشاء نے کہا۔

نہیں یہ بہت چھوٹی بات ہے، میں نے جواب دیا۔

پھر کاروبار ہے اور کتاب ہے چھوٹی بات ہے، احمد شیر نے کہا۔

وہ دن ان کے

آپ متاثر متقی ہیں، علیہ نے پوچھا۔

جی میں نے جواب دیا۔

شاہ صاحب نے مجھے آپ کے متعلق فون کیا تھا۔

اب احمد شیر بولا، دراصل یہ شخص اپنی سرشت کے خلاف کسی کو بھربان بیٹھا ہے، یہ صاحبوں کا

انہی دنوں ہوٹ جائے گا۔

علیہ مسکرائی وہ بزرگ کہی ہیں۔ جنہیں بھربان بیٹھے ہیں۔

پنڈی میں احمد بیشرے کا۔
عفیہ نے مراقبہ میں سر جھکا دیا۔ چند ساعت کے بعد سر اٹھایا۔ بولی، وہ نہ، اگے
لے کر دے چلے، سر پر رومی ٹوپی تھی۔ ہاتھ میں حقہ تھا۔ بچپن بولتے ہیں کہ گندم
اسی آپے سیدھا کر لاس گئے۔

عفیہ کی بچپن پر سب ہنسنے لگے۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ رومی ٹوپی پہنتے ہیں، حقہ پیتے ہیں اور
بولتے ہیں۔ اور وہ خود کیسے آگئے۔ ایک مرحوم و معذور بڑھا پنڈی سے کراچی آئے۔ انہیں
لجھ نہی تو انیس کا قلعہ یہ سب کیا ہے۔ یہ کیسی دنیا ہے جہاں لوگ مرے کے بعد آزاراں
پھرتے ہیں۔ ہادی زندگی کے انتقام پر بھی 'ٹوپی' پہنے پھرتے ہیں۔ حقہ پیئے۔

پھر مجھے خیال آیا کہ وقت طاری کرنے کے بعد بھی وہ مجھے سیدھا کر رہے ہیں۔ انہوں نے
اب بھی جاری ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے مجھے از خود کراچی بھیجا ہو۔

احمد بیشرے کو آواز نے مجھے چڑھا دیا۔
میرا ہاتھ دیکھ دیجئے، وہ کمرہ کا قلعہ
میں اس فن سے واقف نہیں ہوں، عفیہ نے کہا۔
تو کیو سے دکھا دیجئے، وہ بولا۔

اچھا وہ بولی، اپنا ہاتھ کھول کر میز پر رکھیں۔

عفیہ زانوں میں چلی گئی۔ بولی، یو آر کلیور، ویری کلیور۔ ویری ویری۔

عفیہ کیو کے انداز میں انگریزی بولے جا رہی تھی۔ احمد بیشرے کے منہ پر لہو چھوٹا۔

تھے، جیسے کلیور ہونا بڑا مصروف ہو۔

میرے ساتھیوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جس سے اس موضوع پر بات کی جائے۔

جب بھی میں کوئی ایسی بات چھیڑتا تو میرا مذاق اڑانے لگتے۔ کہتے، یہ تو کس طرف، یا

ہے۔ یہ رمانت تیار رمانت نہیں ہے۔ اس رمانت پر لہجے کچھ نہیں ملے گا۔ لی والی سلف، ا

محبت کر کے چھوڑ۔

کہا۔ جب یہ باہر نکلے تو ہم دونوں حیران ہوئے۔

میں نے پوچھا کہ آپ نے انکاف کمال کیوں نہ کیا۔

وہ ہلکے جھپٹے نہیں دیتے کہتے ہیں جس غلظت کا دودھ چٹا ہے۔ اسے انکاف پر

کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ نے علیہ سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہیں جو جھپٹے

میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکتے۔

وہ کہتا ہے کہ میں نے اسے آپ کا گھر دکھایا تھا کہ یہاں انکاف کرو، میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ وہ دراصل یہ غلظت بڑی پاکیزہ غلظت ہے، اس سے کچھ پوچھنے کی مجھ میں

شک نہیں پڑی آج کل وہ برلا کتنی پھر رہی ہے کہ۔

TELL THAT BLOCK HEADED PATHAN THAT

I SEE HIS DEAD BODY ON A GUN.

وہ کہا کہ میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ اصل میں سمجھتی شاپ نہ کیا۔ اس کے گھر فرنی افسر جاتے ہیں، سول افسر جاتے

ہیں، ان کے سامنے یہی بات دہرائی ہے۔

میں نے جاکر صدر صاحب کو بتایا کہ ایک غلظت آپ کے بارے میں یہ کہتی ہے۔

وہ جواب میں مسکرائی۔

وہ کہا کہ یہ سب شاپ نے مسکرا کر کیا۔

وہ جواب میں نے پوچھا۔

وہ جواب میں ایک عقیدہ فرم دیا۔ میں نے جواب دیا۔ اسی بات کو میں مانتے، پھر صدر

میں نے مجھے بتایا۔ کتنے گئے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ غلظت ہے کیا چلتی ہے۔

میں نے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں پتہ لگاؤں۔

انکاف

پتہ نہیں کیا ہے۔ گھر ہے، کچھ ہے، جب یہ بولی پھر ہمارے گھر آئی تھی،

ہوا تھا میری بیوی غفلت بھی حیران ہوئی۔ اندر داخل ہو کر بولی،

کیا اس کی گود میں ایک بے لگت کرسی پر بیٹھ گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی

کی گھر ہے، بالکل نکلا ہے۔

میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکتا۔

غلظت کہتی تھی، میرا ارادہ تھا کہ انکاف کروں۔ خواب میں مجھے یہ گھر دکھایا گیا۔

یہ پاکیزہ گھر ہے، اس میں انکاف کرو۔ آج صبح سے میں اس گھر کو دھونڈتی رہی،

پتہ کیا ہے۔

آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی گھر ہے، غفلت نے پوچھا۔

بالکل، وہ بولی، اس گھر سے پچھلا والا جو گھر ہے، بائیں ہاتھ کو، اس

انکاف کرتا ہے۔

یہ سن کر غفلت بڑی حیران ہوئی۔ اس غلظت کو یہ کیسے پتہ چلا کہ اس گھر

ہاتھ کو ایک اور گھر بھی ہے۔ اور وہی ایک گھر تھا جو ہمارے گھر میں غلط پڑا تھا۔

پھر۔۔۔۔۔۔ کیا اس نے وہاں انکاف کیا میں نے پوچھا۔

ہاں کیا، شاپ بولا، کیسے کیا میں نے پوچھا اس نے پچھلے ہمارے حوالے کر دیا

انکاف میں بیٹھ گئی۔ ہم باہر داری پئے کو بھلاتے رہے اور وہ ساری رات نہیں

پھر ایک اور مصیبت تھی کہ میں کو اپنا دودھ پلائی تھی، بوتل کا نہیں۔ ہم نے لیا،

نقشہ بنایا تھا۔

جب وقت آتا تو ہم بچے کو بے لگت میں ڈال کر کمرے کے دروازے کے باہر

اور دروازہ بجا کر خود چلے آتے پھر وہ دودھ چاکر بچے کو دروازے کے باہر رکھ کر دروازہ بند

یہ تو بڑی مصیبت ہوئی، میں نے کہا۔

وہ تو گھر ہے، شاپ نے کہا کہ یہ غلظت ایک دن اور وہ راتوں کے بعد باہر

نگہ لو، انہوں نے بچے پر دایں سے کھل۔

پھر کیا آپ اس خاتون سے ملے، میں نے پوچھا۔

ہاں، شہاب نے کہا، ملا تھا۔

شہاب کی یہ عجیب عادت تھی۔ وہ ہات رک رک کر سناتا تھا، بڑی سے بڑی

میں نے پوچھا۔

وہ کہتی ہیں، میں کب سے دیکھ رہی ہوں کہ سرور دی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں دیکھتی

ایک تھکی داڑھی والا شخص جس کی آنکھیں سبز ہیں، ڈکیتیرین کر آ رہا ہے، جو بہت سخت

اور ستارہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ خیال نہ آیا کہ قدرت اللہ شباب کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہو

۱۶: کی کنونشن سے متعلق رابطے شروع ہو گئے۔ اور ہم سب کو بار بار شہاب سے

حرى شباب سے ملنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔ لیکن شباب اسے ملنے

کی نوعیت سے کوئی خصوصی دلچسپی تھی۔

دشمن ہو جاتی تھی، بجھا ہوا مٹی کا دیا جل اٹتا تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی

ابن انشا کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا 'یا اللہ یہ کیا چیز ہے' جو جلتی بجھتی رہتی

جیب کرتا غلوں اور بکھتا ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ میں سوچتا تھا کہ یہ بکھتا

۱۔ اپنی جود یہ جہاں کے ہے۔

مارے اس نے پاؤں کا طاقتور ہند کر رکھا ہے۔ پاؤں سے خود کو محفوظ کرنے کے

کہ یہ تو ایک کھلاڑی عورت کے مصداق ہے جو ایک ساعت میں آپ کی طرف

کا ایک خط ملا۔ جس میں ضمنی طور پر شہاب کا تذکرہ تھا۔ لیکن ضمنی ہونے کے باوجود

بڑھتا رہتا ہے لیکن ستار سدا قائم رہتا ہے۔

ہے۔ اسے راز رکھو، کیوں، یہ نیا تعلق، کیسے قائم ہوں، کیوں قائم ہوں۔

-۱۵۱

اس دن پہلی مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ قدرت اللہ شباب /

لیکن بات سمجھ میں نہ آئی۔

پروگرام

کہ ان کا ایک پروگرام ہے 'یہ پروگرام پاکستان سے متعلق ہے۔ مرد قلندر کے تذکرے میں

کے نواب کو ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں دعوت دی تھی کہ آؤ ہم جہیں ایک ادا

خدمت میں بیٹھا تھا۔ جس سے سائیں اللہ بخش نے نخلیہ میں دو گھنٹے بات چیت کی

میں نے سوچا شاید شراب سے اپنا تپ اور اس بڑھے سے ملائے کی خواہش اس پر ہو کر ا

رابطہ قائم کرتا ہو۔ (11/10/2011ء)

UrduPhoto.com

یوں بے گناہ وار دیکھتی ہے، جیسے باقی ہی نہ ہو۔ دوسری ساعت میں صلیب
آپ کی گود میں آ بیٹھی ہے۔

بھی محسوس کرنا کہ بیکار خوش ہو شیار دوانہ ہے، کبھی ایسے گناہیں کوئی
کے پکر میں پھنسا ہوا ہے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابن انشا ابھی ابن انشا میں بنا تھا۔ ابھی اندر سے
میں ہوئے تھے ابھی وہ دیکھ کر کھڑا ٹپکنا رہا تھا، بر سر عام نہیں آیا تھا اس نے
بجھن کی گزری میں کوئی صلاحیت پہنچتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

بہر صورت شباب کا نیم سن کر ابن انشا روشن ہو جاتا تھا۔ شباب بھی اس کی
باتیں سن کر بہت محفوظ ہوا تھا۔

پھر میں تھا۔ مجھے شباب سے محفل میں ملنے سے کوئی دل نہیں تھا۔ ابھی
وہ بات کی بنا پر میں اسے ملنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک تو میری پہے کشش میں
تھا۔ دوسرے ابن دونوں میری زندگی میں جو عجیب و غریب واقعات رونما ہو رہے تھے
متعلق نہ تو میرے ہاتھ کر سکتا تھا نہ احمد بخیر سے۔ وہ دونوں میرا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے میں یہ باتیں صرف شباب سے کر سکتا ہو۔ اس لیے کہ
ذاتی پریشانی کو دور کر سکے۔

مرکی شیش سن

انہی دنوں شباب کے پاس ایوبوں کا ایک وفد آیا۔ ایک ایوب فیمم نے خانی
پر فیمم میں آکر اپنی توی کو بڑی بے دردی سے نقل کر دیا تھا۔ مقدمہ چلا۔ کورٹ
موت کی سزا دی تھی۔ اب اس کے والد نے صدر پاکستان کی خدمت میں رحم کی درخواست
کی تھی۔

شباب نے وفد سے کہا کہ کل کے افسانہ اور قدر گھٹانے ہیں کہ صدر صاحب
اس پر فیمم کے والد علیہ سے جانے علیہ نے مزاح کیا اور کہنے لگی کہ ہاں

اس کی سزا مل جائے تو پھر اسے پھانسی نہیں دی جائے گی۔

والد کا مطالبہ تھا کہ کسی طرح وہ مینے کے لیے پھانسی کی بڑا کو محل میں آنے سے روک دیا
شباب نے وفد سے کہا کہ میں علیہ سے مل کر آپ کو بتا سکوں گا۔

اس سلسلے میں شباب کے کہنے پر ابن انشا علیہ سے ملا۔ علیہ نے کہا یہ درست ہے، اگر
ہاں تاک کوئی انکشن نہ لیا گیا تو اسے پھانسی نہیں ہوگی۔ پھانسی کی سزا عرقدہ میں بدل

گئی۔

تھا۔

تو بعد ازاں کے لیے شباب نے علیہ کو فون کیا۔ علیہ کہنے لگی، آپ یہاں آ جائیں، میں
راہ۔ بہت بڑے خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔ جو کسی اور کو نہیں سنا سکتی۔ شباب علیہ سے
پہلے انرا ساتھ مجھے بھی لے گیا۔

اس روز علیہ بڑے موڈ میں تھیں۔ کہنے لگیں آج کل عرش پر بہت خوشیاں سنائی جا رہی
ہیں، انہیں وہ رہا ہے۔ حضور دو لمبا بنے ہوئے ہیں۔ پھولوں کے پار پھوٹے ہوئے ہیں۔ گلاب کی
لہلہاؤں پر وہی ہیں۔ سب خوشیں منارہے ہیں۔

میں نے کہا، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہونے والا ہے۔ عرش اور فرش ایک دوسرے
پر ٹپ آ جائیں گے۔ پاکستان اس دور کا گوارہ ہو گا۔ وہ رک گئی، پھر رونق کے بعد کہنے لگی،
میں نے دیکھا ہے کہ صدر پاکستان کی کرسی خالی پڑی ہے، وہاں نکلا بیٹا لگا ہوا ہے۔ جو شخص ابن
انشا کے ساتھ ہے وہ بدست سخت گیر آدمی ہو گا۔ اس کی وادہی گھٹی ہے۔ آنکھیں سبز ہیں۔ میں دیکھ
تا ہوں کہ ایک خوشنم جگ ہو گئی۔ ایبٹ پاکستان دھارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کثیر ہمیں
لے جائے گا۔ پاکستان کے علاقے میں وسعت ہوگی۔ ہم دلی پر قابض ہو جائیں گے۔

اس روز علیہ بڑے جوش میں تھی وہ مسلسل باتیں کیے جا رہی تھی۔ شباب اور میں چپ
ہو کر بیٹھ کر رہے تھے۔ پھر شباب بولنا کہنے لگا، مختصر کچھ ایسی باتیں بھی تو ہیں جو آپ عرصہ
دراز سے دیکھ رہی ہیں لیکن وہ وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

پھر وہ بولی کچھ ایسی باتیں بھی ہیں۔ لیکن نشاۃ ثانیہ کی بات تو ہو کر رہے گی۔ چاہے آج ہو

یا چائیس مل بود۔ اور پاکستان نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہو گا۔ یہ تو لے شدہ باتیں ہیں۔

عطیہ کی باتیں میرے لیے بے حد پریشان کن تھیں۔ یہ نشاۃ ثانیہ کیا چیز ہے۔ مثال کے طور پر اس کے بارے میں بات کیا کرتے تھے۔ کما کرتے تھے، تم پاکستان کا فکر نہ کرو۔ پاکستان کو بنانے والے اللہ کے بندے سوچو ہیں۔ تم جب بھی کوئی قدم اٹھانے لگو تو سوچو کیا یہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ پاکستان کے لیے ہاٹ نقصان تو نہ ہو گا۔

اس پر مجھے خیال آتا کہ پاکستان کو اتنی قیمت کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا اس لیے کہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کے تو دنیا میں بیسیوں ملک ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہم بڑا بڑا ملک بنائے نام مسلمان ہیں۔ نہ ہمارے کردار میں اسلام کی جھلک ہے نہ اعمال میں اسلام کا رنگ۔ اللہ ایک دھندلا دھندلا ہے کہ ہم میں اسلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ موجود ہے۔ کیا پاکستان کو یہ شرف اس جذبے کے لیے حاصل ہو گا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہو گی۔ پھر میری توجہ عطیہ پر مرکوز ہو گئی۔ یہ کون خاقان ہے اسے یہ گفت کیسے ملا۔

ای ای ایس بی کا مطالعہ کرنی کی وجہ سے مجھی سبب سے میرے پاس یہ معلومات مل گئیں تھیں مجھے علم تھا کہ کچھ لوگوں کو پیدائشی طور پر مستقبل کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اور کچھ لوگوں میں سر کی جوت گتے پر یہ خصوصیت ابھرتی ہے۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ اس خصوصیت کو نہایت سے کوئی حلق نہیں ہے، لیکن حیرت کی بات تھی کہ عطیہ کو مذہب سے گمراہ حلق تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ عطیہ سے انکلی میں ملوں اور اسے پوچھوں کہ یہ گفت اسے کیسے ملی۔ میں نے ملے فون پر عطیہ سے وقت ڈالنا دیکھا۔

عطیہ کی کہانی

میں نے آپ سے جھلکیاں دیکھ رہی ہیں۔

میں نے ہی۔ جب مجھے پوری طرح شعور نہیں تھا۔

میں نے ہی۔ شروع شروع میں میں یہ جھلکیاں دیکھ کر راز چلا کرتی تھی کہ یہ کیا نظر آ رہا ہے۔

میں نے ہی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ یہ مستقبل کی جھلکیاں ہیں۔

میں نے ہی۔ مجھے اپنے بچپن کی مختصر سی کہانی مل گئی۔

میں نے ہی۔ میرے والد بہت پرستے تھے پروفیسر ہیں۔ انہیں مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں نے ہی۔ کہ اللہ کو نہیں مانتے تھے۔ گھر پر بندش لگا رکھی تھی کہ کوئی مذہب کی بات نہ کرے۔

میں نے ہی۔ بات نہ کرے۔ کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

میں نے ہی۔ پڑھنے لکھی۔ پڑھنے لکھ کر انہیں شاید اس بندش کی وجہ سے یاد دلائی ہی تھی بچپن سے ہی

میں نے ہی۔ عاشق تھا۔ اسی نے چوری چوری مجھے نماز سکھادی تھی۔ پڑوس میں جا کر میں نمازیں

میں نے ہی۔ تھی اور قرآن پڑھنا سیکھتی تھی۔

ایک دن پڑوس کی ساس بیمار پڑ گئی۔ اس نے شور مچا دیا کہ جاؤ واکٹر کو بلاؤ۔

اس وقت میں مریشہ کے پاس ٹکڑی تھی۔ میں نے مریشہ کی طرف دیکھا مجھے یوں نظر آیا

میں نے ہی۔ مریشہ کی ہو۔ میں نے واکٹر کو بلائے کا کیا فائدہ۔ یہ تو مریشہ کی ہے۔ یہ کہہ

میں نے ہی۔ گھر پہنچ گئی۔ واکٹر کے خنبے سے پہلے مریشہ فوت ہو گئی۔

میں نے ہی۔ بات سارے محلے میں مشہور ہو گئی۔ ہر لوگوں نے مجھ سے پوچھا شروع کر دیا میرا

میں نے ہی۔ میں پاس ہو جائے گا کیا مجھے تو کبھی مل جائے گی کیا ہم مقدمہ جیت جائیں گے۔

میں نے ہی۔ میں ان کے سواٹ پر توجہ دیتی تو مجھ پر محسوس طاری ہو جاتے۔ اپنے محسوسات

تکلیف دہ بات ہے۔

اس واقعے سے قلمرو ہو کر میں لیٹ گئی تھی۔ وقتاً میں نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکی سے کمرے میں داخل ہو گیا اور دوسری چاہائی پر آکر تک گیا۔ وہ وہاں پر رہا پھر چھپیل ہو گیا میں نے شدت سے محسوس کیا کہ آج اس کمرے میں کوئی قوت ہوئے والا ہے۔

ان دنوں گھر میں صرف تین فوٹے میرے والد میرے میاں اور میں یعنی ہم میں ایک فوٹ ہو جانے والا ہے۔ وہ کون ہے وہ روکھے خیال ایک۔

پھر یہ بھی ہے مفتی صاحب وہ بولی کہ ایک مناظر جو میں دیکھتی ہوں، تو راز پر ہوتے۔ ہر سال اس روز دس بجے میں نے کفن کا مناظر دیکھا تو دس بجے سے تین بجے تک پر گویا نزع کا عالم طاری رہا۔ میں مر رہی ہوتی رہی۔

اس وقت گھر میں میں انہی تھی۔ میں دفتر گئے ہوئے تھے، بالکل گئے ہوئے تھے۔ بار انہیں فون کرتی کبھی میں کو کبھی ابو، اتنی بار فون کیے میں نے کہ انہیں غلگ پڑا۔ بات ہے، تم اس قدر مضطرب کیوں ہو۔ خیر تو ہے، میں مجھ سے پوچھتے، لیکن مجھ پر وحشت سوار تھی۔

تین بجے وہ دونوں گھر آئے تو مجھے تسلی سی ہو گئی۔

پھر چار بجے کے قریب ابابک بیت میں دروازہ اور وہاں چاہائی پر لیٹ گئے۔ لڑکا رہا قلم میرے میاں نے ڈاکٹر کو فون کیا لیکن ڈاکٹر کی آمد سے پہلے ہی ابارخصت ہو گئے۔ قلمرے کے بعد علیہ دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس واقعہ کو پھر رہی تھی۔

مستقبل کی جھلکیاں دیکھنے کے علاوہ کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے، مافوق الفطرت کا یا جیسے، میں نے پوچھا۔

ہاں، وہ بولی، صرف ایک بار جب ہم نے لے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ وہاں وہاں ہماری رہائش تھی۔ کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ ایک ٹوٹے پھوٹے گھر میں ہم لادرا ہوئے، طرہ پرے تھے۔ ہاتھ پھیالنے کی بات نہ تھی۔ فاقوں پہ ٹالے آ رہے تھے۔

ایک روز میری قلم کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ قلم کا لٹکا ہوا ہاتھ ہمارا کیا بنے گا کیا بنے گا! کیا بنے گا! ہمارا انجام ہے۔ پھر مجھے کڑکڑکی آواز آئی۔ یہ بات کی طرف دیکھا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک منور کاندہ ہوا میں ڈول رہا ہے۔ وہ کاندہ ہمارا ہونے سے اسے روج لیا۔ دیکھا کہ اس پر منور حریف میں ایک آیت لکھی ہوئی ہے۔

میں میں تڑپا تھا۔

ایک ملامت قلم اس کا میں نے پوچھا۔ اس میں اسید بھرا پیغم تھا کہ مشکل کے دن ختم ہوئے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو نوازا۔ اس میں اس روز کے بعد حالات بدلتے گئے۔ روزگار کا سلسلہ بندھ گیا۔ ایک معقول مکان مل

گیا۔ کی کٹائی سن کر میں نے جان لیا کہ وہ غالی تیرہری نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ میں گھری۔ وہاں میں پڑ گیا۔

مجھے کم کم دیکھ کر قیصر چاہتا، یہ جھپٹ گیا ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں تم شباب سے میل کھاتے ہو۔ وہ بچے کی طرف کر رہا ہے۔ چلو اچھی سی بچہ دیکھیں۔

میں نے قیصر کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسے لے چلا۔ قلم دکھاؤ۔ یہاں بنا بیٹھا رہتا ہے۔ بات نہ چیتا۔ لے چلا اسے، قیصر مجھے کراچی میں کھانا پھرنا، قلم دکھانا، لیکن میرے اندر گرا ہوا تھا۔ وہ کسی صورت لٹکا نہ تھا۔

میں نے ان دنوں ہم سب گویا ریکارڈنگ لے رہے تھے۔ سارا دن تقریر چلتی تھی۔ چونکہ حفیظ صاحب دور سے لاہور گئے ہوئے تھے۔ وہ دور نہیں تھا بلکہ تقریب ٹپ تھا کیونکہ وہ اپنی نئی کتاب لکھ رہے تھے کہ ہم سب ان کے اس دورے کو اتنی مومن ٹور کئے تھے۔

پھر وقتاً صاحب کا کار موصول ہوا۔ مفتی ممتاز کو فوراً لاہور بھیج دو۔ اسے ہدایت کی کہ لاہور میں اس پتہ پر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔

اسے لٹکا چلایا اپنی مومن بی بی اسے کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔

میں نے قلم کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا ہو گا، احمد شیرے کا کہ۔

ایسا ہے تو پھر فیصلہ کیا نہیں نے کہ
 'لکھو' وہ دیکھو 'حفظ چلیا۔ جب یہ حیرت طرف دیکھتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر
 'اہا ہا ہا' ہے، آنکھوں سے مسرت کی پھار اڑتی ہے، جب میری طرف دیکھتی ہے تو
 'اے دیو' پڑ جاتی ہے۔

ان وقتوں میں کہ میں پڑی ہوئی، اس میں کا یہی ایک شغل ہے۔ یہ میرے غلبہ میں
 رہنے کا سبب بنتے رہتے ہیں۔ یہی انعام ہے۔ یہی جرم ہے۔ یہی مقدمہ ہے۔
 ان اس وقت لازم ہمارے کا ایک پالنے لے آیا۔

یہاں پہلے متنازعہ فیصلہ نے کہ اور مقدمے کے کو آف پر گہری نظر ڈالو۔
 ہمارے پتے ہوئے میں حفظ سے متعلق ہوا۔ میں نے کہا 'حفظ صاحب آپ اپنا شغل قائم
 محترمہ کے غلبہ کے کار سنبھالے۔ اس کی اشد ضرورت ہے۔

اشتغال میں آجاتے ہیں 'عقاون نے احتجاجی انداز میں کہا۔
 انہیں اشتغال میں آنے کی ضرورت ہے، میں نے کہا۔ حالات کا تقاضا ہے کہ یہ اشتغال
 اس کے اندر ہے اشتغال میں نہ آئیں 'محترمہ' تو آپ 'کوشش کر کے انہیں اشتغال میں

اشتغال میں آنے کی مجھے عادت نہیں 'حفظ نے مشتعل انداز میں کہا۔
 'حفظ صاحب' میں نے کہا 'یہ ایک مفید عادت ہے۔ جب آپ کی مجلس کوئی جوان لڑکی
 آتی کرتا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اشتغال میں آئے' بار بار آئے چونکہ اشتغال
 میں ایک ٹانگ ہے اور حفظ صاحب آپ کو ٹانگ کی ضرورت ہے۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا۔ محترمہ آپ ان کے اس شغل کو برا نہ مانیں۔ یہ عدم
 الاعتدال نہیں ہے۔ ہم دیکھتے الاعتدال نہیں ہے۔ یہ تو خود کو اشتغال والا کر طاقت حاصل کر
 رہا ہے اور محترمہ یہ سب آپ کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے اجازت

حفظ چلانے لگا، بزرگ چاٹتی متنازعہ رک چلا۔
 میں جناب میں نے کہا 'بچ اپنا فرض ادا کر چکا ہے۔ فیصلہ سنا دیا گیا۔ اب بحث میں ہو

میں نے کہا 'یار احمد شیر اگر میں لاہور گیا تو وہاں سے چٹری ہو کر کلاں جاؤں۔
 انہوں نے وہ تجھے چھٹی نہیں دے گا 'نشا بولا۔

احمد شیر نے کہا 'تو پرانے تو مجھ سے چٹکی چھٹی لے چلا۔
 لاہور پہنچ کر میں سید صاحب کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا تو کہنے لگا 'آئیے
 میں صاحب کو اطلاع کر رہا ہوں۔

کچھ دیر کے بعد نوکر نے آکر کہا وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ وہ مجھے اور دلی بھائی
 گیا۔

اشتغال ٹانگ

کمرے میں قائلین بچا ہوا وقت دو رسمی رضائیاں اور چھ کچے پڑے تھے۔ ایک ایک
 مثال میں چلنا ہوا تھا 'دوسری طرف جانب ایک نئی ستوری جانب نظر عقاون نہیں تھی۔

بیٹہ چاہتا تھا 'حفظ بولا۔ بہت اچھا کیا جو تو آگیا ہم نے تجھے ایک بہت اہم کام
 ہے۔ یہ کام بہت ہی اہم ہے۔ اور تجھے اس سلسلے میں بہت بڑا رول لانا ہے۔ تجھے ہم
 اس کی حیثیت سے نہیں بلایا۔ بلکہ جج کی حیثیت سے بلایا ہے۔ جسے سامنے اپنی اہم
 مقدمہ پیش کیا جائے گا۔ دونوں فریق اپنے اپنے بیانات پیش کریں گے اور تجھے بیٹے نور
 کے بعد عدالت و انصاف کی بنا پر فیصلہ سنانا ہو گا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

یا اللہ! یہ کیا کھیل ہے، میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ڈرامہ ہے 'بزم کون ہے' میں نے
 کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ پر توری تھی، ہنسنے کی میں کرب کی توری۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں 'دوسری
 زندگی تھی۔

بزم کو حاضر کیا جائے نہیں نے ازراہ مذاق کہا۔

عالمیہ میں حاضر ہوں 'حفظ نے سر جھکا کر ہنسنے کہا۔

اور آپ محترمہ 'میں نے عقاون کی طرف دیکھا وہ مسکرائے گی۔

ہم دونوں ہی خرم ہیں 'حفظ نے کہا 'دونوں ہی خالم ہیں۔ دونوں ہی معلوم ہیں۔

کئی۔

انہاں نے جواب دیا۔ آپ دیکھ لیں گے تو یہ چل جائے گا۔
 نام ایک مکان پر رکے گا۔ مکان کا صدر دروازہ بند تھا لیکن مکان کا ایک کمرہ
 اس کمرے میں تین کونکریں تھیں۔ جن پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کوئی
 کمرے کا ایک حصہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ کوئی جتنی شدید حرکت کر

جب میں بیڑھیاں اتر رہا تھا تو حقیقت چارہ تھا، رک جا ملتی، متنازعہ رک جا۔
جب میں اشفاق کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ وہی قدرت اللہ شہاب بھی موجود ہے اور
کسی سے ملنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

لاٹری صاحب میں نے پوچھا۔
میں ہیں شہاب نے جواب دیا۔

کرو۔ شباب نے کہا: شاید وہ کمزری ہیں آجائیں، وہ اکثر کمزری میں آچلا کرتے ہیں ایک کمزور پر ایک خاتون بیٹھی تھی۔ اس کی شخصیت سے مٹاس کی چوہاراڑ

تھی، اشفاق بولا: حاضی صاحب کمزری میں آگئے ہیں۔

کمزری کی جانب دیکھ کر کمزری میں ایک منور چہرہ مسکرا رہا تھا۔ چہرے پر اتنی تیزی تھی جیسے ابھی ابھی گس صابون سے منہ دھو کر فیئر لڈیل کریم ل کر آیا ہو۔

ابھی وہ منہ دھوئے تھے۔

ابھی سے انہوں نے منہ میں دھویا، شباب نے مسکرا کر کہا۔

نہیں ہے۔ اتنا منور چہرہ۔

اے ہے اس کمرے میں بند ہیں۔ شباب بولا، باہر میں نکلے۔ آٹھ آٹھ دن کھانا
گھر والے دروازہ کھول کر اندر دیکھ دیتے ہیں۔ لیکن وہ جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔
نہیں کرتے ہیں۔ غلامت پڑی راتی ہے۔
'الطاف بولا، امیں خود کا بوش میں ہے۔
'میں کو دیکھتے ہیں آپ' شباب نے کبلہ سے من کی بٹن ہے۔ یہی ان کی واحد خدمت
ہاں ہے۔ عقل کرتی ہے، غلامت اٹھاتی ہے۔

کھڑی میں سوار ہونے کے بعد میں نے شام سے پوچھا: آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟
 مین روڈ پر، قاضی صاحب سے ملوانے۔
 وہ کون ہیں، قاضی صاحب؟ میں نے پوچھا۔

لیکن سب کیا ہے۔ کیوں ہاں نہیں لکھتے، کیوں مدد دہاری گئی، میں نے ہم پر
 پتہ نہیں شہاب نے کہا، قاضی ایک خوش فعل نوجوان تھا، تعلیم یافتہ، خوش الحان
 ہوئے سارے گھر والے کسی تقریب پر جا رہے تھے۔ چلنے لگے تو
 قاضی نے کہا، ایک منٹ دیکے، میں ہاں کو کنگھی کر لوں، اس روضۂ امان
 میں کنگھی کر رہے ہیں۔

وہابی بیماری ہے کیا، میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر بھی کہتے ہیں۔

مچھلی بہت کی کیفیت ہے کیا، اشفاق بولا۔

ہاں کہہ سکتے ہیں، شہاب نے کہا۔

میں نے اشفاق سے کہا، ہم یہاں بیٹھ کر
 آپ واکرڈ لور جاگڑ سے انٹرویو کر لیں۔ اشفاق چائے کا چال پیئے کے لیے رک
 ایک خاکروب آگیا لور جمانڈ سے سوکھے چوں، کاندھوں اور لغاتوں کو اٹھا کر نے

بات کرنے کا چسکا ہے اس نے خاکروب سے بات چھپڑی، کہنے لگا، اے میاں، تم
 دیکھتے نہیں کہ چھڑے ہو۔

میں یہاں ہوں۔ چہڑا نہیں ہوں۔

روڈ پر تھا، جو تین چار کمال دشمن پر مشتمل تھا۔

اس کی مریدی کا وعدہ اچلا رکھا ہے۔ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہیے۔

جو چاہے کر دے، جب چاہے کر دے اور پھر نہ تو ایک سواری ہے۔ سواری نام ہے
 ہے کہ سواری کا رخ کدھر کو ہے اور پھر وہ جب چاہے رخ بدل دے۔ نہ چاہے
 چلے بڑی پر چڑھا دے، جسے چاہے مانے کی سڑک پر ڈال دے۔

علاوت کی قید

وہی بات ہوئی تاجس کا مجھے ڈر تھا، اشفاق کی آواز سن کر میں چونک
 کیوں کیا ہوا، شب نے پوچھا۔

یہ لوگ جو منہ اندھیرے باغ میں دوڑ لگاتے آتے ہیں۔ اشفاق نے کہا، یہ
 نہیں آتے، علاوت پوری کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور علاوت بہت بڑا کام ہے۔ اس
 میں ایک کوڑا ہے۔ کوڑا لہرا کر حکم دیتا ہے۔ اٹھ اور اپنے معمول کا پالن کر۔ اس
 تلے جسم چٹخا جاتا ہے اور ایک جیش کی طرح ہلکا آتا ہے۔

یہ تو کیا تقریب تھا رہا ہے، شب نے پوچھا۔

انڈیوں نے کر لیا ہوں وہ بولا، تقریر نہیں بھانڈ رہا۔ دن روزوں کی عقلوں پر
 ہوں۔ وہ بڑھا جو چالگ کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ شروع شروع میں نام
 خیال سے روزش کرنے آیا کرتے تھے۔ پھر علاوت پڑ گئی۔ ہم نے لب جانا ہے۔ اس
 کر کوئی ظالم نہیں ہے۔ کتا تھا اگر کسی وجہ سے یا کسی مجبوری کی بناء پر کسی کو
 کرنے کے لیے نہ آئیں تو جسم انتقام لیتا ہے۔ مددہ کام کرتا چھوڑ دیتا ہے، شہ
 ہیں۔ نہیں چام ہو جاتی ہیں۔ سارا جسم پڑھتی کر دیتا ہے۔ اس روز میں میں نہیں
 کچھ بدل جاتا ہے۔ سارا دن یوں پڑا رہتا ہوں جیسے مردہ خانے میں لاش پڑی ہو۔

میرا خیال تھا، اشفاق بولا کہ صرف بری علوتیں ہی ہے بس اور لاچار کر دیتی ہیں
 نہ تھا کہ ہر علوت ایک مجبوری بن جاتی ہے، چاہے وہ اچھی علوت ہو یا بری۔

شب اب بولا، تھادی اگر تھاد نہ پڑے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس نے لہا
 لگنے کا احساس اسے دکھی بتا دیتا ہے۔

ستارہ

دلہا بڑی میں راجہ شفیق بڑی بے مبری سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے کہا راجہ کیا حال

ہوا۔ اچھا نہیں۔ تیرے چلنے کے بعد میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ کس سے بات کروں۔

بات کیا ہے، میں نے پوچھا۔

ہوا۔ بڑی گڑبڑ ہے۔ کنفیوز ہو گیا ہوں۔

میں نے کہا۔ پھل جان کا کیا حال ہے۔

ہوا۔ انہیں ستارہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت ستارہ کی بات۔

تارہ کیا میں نے پوچھا۔

انہوں نے قدرت اللہ شہاب کا نام ستارہ رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ ہلال اولہ پڑا رہتا ہے

ستارہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو تو ان کا نام نہ لو۔ انہیں ستارہ کو اور

کسی غیر سے ان کی بات نہ کرنا۔ یہ تعلق خفیہ رہے۔ ہاں اگر وہ ہمیں اپنائیں تو اور بات

ہمیں ہمیں ان کو اپنانا نہیں چاہیے۔

جہاں جان کو قدرت اللہ سے کیا تعلق ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں۔ پندرہ میں دن ہو گئے۔ پہلی جان شب کے بکھر میں پڑے ہوئے تھی۔
پہلی جان تو شب سے لے لی نہیں، کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں۔ راجہ بولا، "اگر میں
جس ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ہمارا کیا ہے۔" عقیدہ پڑھے کو من سے ملتا ہے۔
اگر میں نے کہہ کیا سرکار قبلہ کو قدرت اللہ سے ملتا ہے۔
ہاں یہی کہتے ہیں۔ تم نے اپنے فطوں میں قدرت اللہ کے متعلق پہلی جان کو بے

کیا۔

ہاں "میں برکتی تھو کہ۔"

تم قدرت اللہ سے ملتے رہتے ہو کیا۔ راجہ نے پوچھا۔
کبھی کبھی۔

یہ قدرت اللہ شب کیا چیز ہے "راجہ نے پوچھا۔

وہ ایک سی ایس بی افسر ہے اور صدر ایوب کا ٹیکر ٹری ہے۔ میں نے جواب دیا۔

یہ تو مجھے بھی معلوم ہے "وہ بولا۔ کیا تو ہی ہے وہ۔"

چھوٹے قدم کا ہے۔ جسم گھٹا ہوا۔ شخصیت میں کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ بات

انگریزی لکھتا ہے۔ کم فطوں میں بڑی بات کہہ جاتا ہے۔ دفتر والے اس کے فوٹ پتہ

سے پڑھتے ہیں۔ اس کی قابلیت کی بڑی دھم ہے۔ بڑا ذہنی آدمی ہے۔ آپ بات شروع

فورا ماری بات سمجھ جاتا ہے۔ سنا ہے "بڑی توجہ سے سنتا ہے۔ بولا نہیں۔ گولا ہے۔ ہر

سے دل بند بات کا اظہار نہیں ہوتا۔

کیا مطلب "راجہ نے پوچھا۔

چہرے سے اس کے خیالات کا اظہار نہیں ہوتا کہ خوش ہے یا غمناک۔ چلیک چڑھتا ہے۔

جیسے پھر کا بڑا ہو۔ اس کی خاموشی دوسرے کو کٹ کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن اس میں ذرا ہلکا

نہیں ہے دکھانا نہیں "میں" نہیں۔ مگر اور ہر دوری سے بچا ہوا ہے۔

ٹھیک ہے "وہ بولا، "میں پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرنے لگے ہیں۔ بات کیا ہے۔"

مجھے نہیں معلوم۔

پہلی جان کا ذکر یہاں کرنے لگے ہیں جیسے اسے اپنا کیا ہو "جیسے وہ سرکار قبلہ کے پرکار

پہلی جان۔

حیرت کی بات ہے "میں نے کہا

پہلی جان کی باتوں سے ایسے لگتا ہے جیسے جہیں کراچی اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تم شب سے دلو

راجہ "اگر وہ اور اتنے دہار میں لے کر آؤ۔"

راجہ کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میں کراچی کسی کام سے بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے

اس کا شعور تک نہیں۔ نہیں نہیں یہ میں ہو سکتا "میں نے راجہ سے کہا۔

کیا تم نے شب سے سرکار قبلہ کی بات کی ہے "میں نے۔

ہاں۔ دو ایک بار سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ جگہ ایک بار اسے کہا بھی تھا کہ پڑی جاؤ تو

راجہ قبلہ کے مزار پر ضرور جاؤ۔ میں نے اسے مزار کا پتہ بھی بتایا تھا کہ پڑی سے ریل کی چوڑی

پہلے لالہ کی طرف جاؤ تو ایک مضبوط گلوں آتا ہے جس کا نام میرٹھ ہے۔ اس گلوں کے عقب

میں مزار ہے۔

پھر کیا وہ مزار پر آئے تھے۔

نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں ریل کی چوڑی پر چک لالہ کی

دل لگا کر گیا تھا۔ کچھ کوئی کچھ نظر میں آیا۔ ساتھ اشفاق احمد بھی قبلہ

راجہ خاموش ہو گیا۔ بولا کہ مجھے نہیں آتا کہ کتنا ہے کہ تمہارے پڑی میں آنے سے

پہلے پہل پہلی جان نے اسے بتایا تھا کہ تمہارا ایک پہلی جان آنے والا ہے جو تمہاری طرح قلم کار

ہے۔ ہانا چکا قلم کار۔

ہاں "میں نے جواب دیا۔ ملک نے مجھے بھی بتائی تھی یہ بات۔

اب وہ شب کے آنے کی بات کر رہے ہیں "راجہ بولا۔

جب سے میں مرقد کے علاقہ میں داخل ہوا قبلہ عجیب عجیب باتیں سناتے آ رہی

تھیں۔ ایسی باتیں جو عقل سلیم کے دائرے سے باہر تھیں۔

پہلی مرتبہ میں نے ہانا تھا کہ دینی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا

ہے۔ میں نے ہانا کو بزرگ لوگ وقت کے بعد بھی فعلی رہتے ہیں۔ پوری بات سمجھ میں نہیں

آتی تھی۔ مگر ایک میزبان بدل چکا تھا "میں عقل کا پابند نہیں رہا تھا۔ پھر بھی میرے دل میں یہ

ہر ایک ایسے واقعہ پذیر ہو گا جیسے بڑے نے طے کر رکھا ہے۔

ابہ ایذا دینے نہیں ہے۔ وقت آگیا ہے۔ شاید ابن کھوڑے پر چڑھ کر آئیں گے اور ہم
میں جہاد میں حصہ لیتا ہے اور وہ آپ کے دوست بھائی جان نے مجھ سے مخاطب
ہوا۔ وہ ذریعہ قربت ہیں۔ ہاں وہ جلد یہاں دربار میں حاضری دیں گے۔ ہماری اپنی بات
ہم بھی مل لیں گے۔ اصل بات تو بڑے کو ملانا ہے۔ وہ بھی جلد ہو جائے گا۔ اب
میں ہی ملاقاتیں ہوں گی اور کیا۔

اور روز بھائی جان پر جب کیفیت طاری تھی۔ بولے جارہے تھے۔ ہمارے سچے بھائی بولے جا
رہے تھے۔ اور ہم حیران بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

بھائی کی باتوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا میں سمجھا کہ قدرت اللہ کی اہمیت اس کے
نے حوالے سے ہے اور مردِ قلندر کے پروگرام میں اس نے اسی حوالے کے تحت کوئی
نام لکھا ہے۔

اسلامی جمہوریہ

اسلامی کونسل میں نے قدرت اللہ سے کہا کہ بھائی جان کہہ رہے ہیں کہ آپ مستقل طور پر
اسلامی آئے والے ہیں۔ ہاں وہ بلا اس بات کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں، شاید وقتی
تہا ہوں گا اور کراچی روڈ لائنز میں منتقل کر دے۔ اس کے ساتھ اور بہت سی تبدیلیاں اور
میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس قدر ختم ہو رہا ہے۔ حلقہ کی چھٹی ہو جائے گی۔ احمد شہیر ریاضی طور پر سندھ
کا دارالافتاء ہے، اس لیے وہ سندھ میں قیادت کر دیا جائے گا۔ ابن الشکر واسطی میں خراسانی
کی بات سے دلچسپی چاہتا ہوں کہ اور آپ وہاں ڈی ایچ ای میں چلے جائیں گے۔

ان آپ کچھ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا۔ میں نے ایک بہت بڑا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اب دور رہا ہوں کہ شاید
بہانہ نہ سکوں۔ آپ اب جائیں گے، میں نے سنی۔ دعا کریں کہ میں اپنا کام بھرا سکوں۔

میں نے ازراہ مذاق کہا۔ دعا کرے کہ سکوں گا جب تک مجھے کچھ علم نہ ہو کہ مشکل کیا ہے۔

ایک معمولی سا دفتری معاملہ ہے، وہ بولا۔ آج کل کابینہ میں یہ مسئلہ زیرِ غور ہے کہ کیا

خواہش ملتی ہے کہ جانوں کہ بات کیا ہے۔

جب بھی میں بھائی جان سے بات کرتا تو دے، مفتی صاحب جانے کا فیصلہ نہ کرنا
نکچہ۔ جانے کے عمل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل لیکن ہے۔ دیکھیے نا، ہم
بہت سی باتوں کی منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس میں اتنی چٹک نہیں کہ بات کا اظہار کر سکتے۔

بھائی جان کی یہ بات میری قلمی کے لیے کافی نہ تھی۔ میرے اندر جانے اور سمجھنے
کا اور اس کی تحسین کی خواہش کو میں تیاگ نہ سکا تھا۔

وہ آ رہے ہیں

اگلے روز جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو بھائی جان بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ ان
کی خوشی میں ایک اضطراری کیفیت تھی۔

مجھے دیکھتے ہی بولے بڑا اچھا ہوا کہ آپ آگئے وہ بھی آ رہے ہیں۔ مستقل طور پر رہا
رہے ہیں۔ انشاء اللہ۔ بہت جلد آپ کا وہاں رہنا بے معنی ہے۔ جس کام کے لیے آپ
وہاں بیٹھا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب آپ کو وہاں آ جانا چاہیے۔

کون آ رہے ہیں یہاں، دانی نے پوچھا۔

بھائی جان نے دانی کی بات کا جواب نہ دیا بلکہ اپنی ہی بات میں مگن رہے۔ کئے گئے
چونکہ وہ یہاں مستقل طور پر آ رہے ہیں۔ ہم سب کو اعتیاد برتنی پڑے گی۔ اہم نے ان کا نام
سندھ رکھ دیا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو۔ سندھ کا نام۔ اور ہمیں دوسروں کی موتوں کی
ان کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ انیس راز رکھو یہ ظاہر نہ کرو کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔
اگر وہ خود تعلق کا اظہار کریں تو اور بات ہے۔

بھائی جان پر اس روز ایسی کیفیت طاری تھی جیسے پی ہوئی ہو۔ نئے میں دھت ہوں۔
وہ بار بار ہر کار قبضہ کے پروگرام کا تذکرہ کرتے۔ مردِ قلندر کا پروگرام ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اور قادر نے وہ بھی پرحملہ صدر ایوب نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔
 انہوں نے کہا قدرت اللہ شہب کی حق دلائل سے میرا نقطہ نظر بدل رہا ہے۔ میں ان کے خیالات
 کو تسلیم کرتا ہوں۔ لہذا پاکستان کو اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ ساری کابینہ نے میرے دلائل سے
 متاثر ہو کر پتہ نہیں پتہ کیسے ہوا۔

اب ایک لمبی نشست نظر کی وجہ سے اس شب کے مافی ہیں۔ میں نے پوچھا
 کہ 'وہ بولنا چاہتے ہیں۔' میرا ایمان ہے کہ وہ اپنی نشست نظر سے پاکستان کا اسلامی جمہوریہ
 بنائیں گے۔

دہلی

معلوم نہیں کیسے یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ حکاموں میں رد و بدل ہو رہا
 ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ختم کیا جا رہا ہے۔ یہ خبر سننے ہی لوگوں نے قدرت اللہ شہب کی جانب
 سے ایک خط لکھ کر دیا۔ خط کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی جھوٹی پٹی کو کندھے پر بٹھا کر شہب کے گھر کے پتھر
 کو نشانہ بنائے۔

انہوں نے کہا۔ ٹھیک ہے میں واپس اسٹیبل میں چلا جاؤں گا اور پھر سے ترے کا حکم شروع کر
 دوں گا۔ لیکن ایک بات کا وعدہ کیجئے۔ اس نے جیب سے ایک نشانہ نکالا کہنے لگا۔ پوٹیکو کے
 نام کے مطابق یہاں ایک نیا حکم کھولا جائے گا۔ یک کلاں۔ وعدہ کریں کہ آپ مجھے اس
 حکم کا انکشاف کرنا دیں گے۔

شہب نے کہا۔ پتہ نہیں یہ حکم کب کبھی شاید آپ کو لبا انتظار کرنا پڑے۔
 کوئی بات نہیں 'انشاء اللہ' میں کلمہ میں انتظار کروں گا۔
 بالی نے کہا 'مجھے لوگوں کی بات دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ صدر کمر میں ایک رہائش گھر لانا کہ

اور بشیر کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔ ٹھیک ہے 'وہ بولا۔ کس تا کس حد تین تالی تو ہو گی۔ اپنا کیا ہے
 میں سے اڑایا وہاں جا بیٹھا۔

پاکستان کے سیکر حکومت بننا چاہیے یا اسلامی جمہوریہ کی شکل کی شکل میں
 جناب منظور قادر نے ایک نمائندگی میں انہوں نے ثابت کیا کہ پاکستان
 سیکر حکومت ہونا ہمارے لیے فائدہ مند رہے گا۔ اس تقریر کے بعد صدر ایوب نے تمام
 ارکان کابینہ سے پوچھا تو سب نے منظور قادر کی تجویز کی حمایت کر دی۔

اگرچہ میں کابینہ کا رکن نہیں ہوں لیکن صدر ایوب کی عادت ہے کہ وہ میری رائے کو
 پوچھتے ہیں 'انہوں نے میری رائے دریافت کی تو میں نے کہا 'جناب منظور قادر کی باتیں
 معتدل ہیں۔ لیکن میں ان کا کام خیال نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ
 بنانا چاہیے۔ دینی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ دنیوی نقطہ نظر سے اس میں ہمارا مفاد وابستہ ہے۔

اس پر صدر ایوب نے کہا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ
 میں منظور قادر کی طرح قائل آدمی نہیں ہوں۔ جو اپنی تقریر نہیں کر سکتا ہل اگر آپ مجھ
 ملت ویراں تو میں لکھ کر ایک ہیج پیش کر سکتا ہوں۔

صدر ایوب نے میری بات مان لی۔ کل مجھے کابینہ میں وہ بھی پیش کرنا ہے۔ پتہ نہیں
 میں کابینہ کو یقین دلا سکوں گا کہ میں پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا ضروری ہے۔
 اگلے روز میں قدرت اللہ سے ملا تو وہ بہت خوش تھا میں نے لکھا کیا ہوا۔

ہو گیا وہ بولا۔

کیسے 'میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کیسے ہوا وہ بولا۔ ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ حیرت ہے کہ کیسے ہو گیا۔

آپ نے وہ بھی لکھا تھا کیا۔

سارا دن لوگ آتے رہے ایسے لوگ جنہیں میں جانتا تھا کہ وہ میری جاسوسیاں تھیں۔ انہوں نے ایک خط بھی
 نہ لکھا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ ساری رات بیٹھ کر لکھوں گا۔ پھر میں ہسٹری میں نہ بیٹھا۔
 لکھنے میں کارپٹ پر بیٹھ گیا اور لکھنے لگا۔

صبح چار بجے صبح نے جگایا۔ پتہ نہیں میں کیسے غیر از معمول میں لکھتے لکھتے سو گیا تھا۔

صبح چار سے سات بجے میں نے جلدی جلدی پتہ ختم کیا۔ کابینہ میں میں نے جناب منظور
 قادر سے درخواست کی کہ ازراہ کرم آپ یہ پتہ پتہ دیں جو کہ میرے پڑنے کا انداز اچھا نہیں

ابن ابی اسحاق نے کہا میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے

ابن ابی اسحاق

ابن ابی اسحاق نے کہا وہ خط بخوبی ہند میں ملائم سے قلم لکھا تھا۔ میں ہمارے قلم ۲۵
مسابقات فراش ہوں۔ پہلے تو پائل ہی حرکت کے قائل نہ تھا اب بھی کبھی کبھی پر ہند
ہند میں ایک کچھ پٹنے لگے۔ پتہ نہیں میں آپ کو کیوں خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ
کو اس طور پر نہیں جانتا لیکن دو ایک سال سے میرے ہاتھ میں یہ خط ہوتا ہوا ہے کہ آپ
کو اس خط کو لکھیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا سوا میرا کوئی شغل نہیں ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ مالی طور پر میں محتاج
نہیں ہوں۔ کیونکہ اس نے مجھے رابطہ عطا کیا ہے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا میں نے معلوم ہوا تھا کہ آپ ایک عظیم خدمت پر مامور ہیں۔ اس لیے میں روز بابتہ آپ
کو دعا کرتا رہا ہوں۔ اللہ کرے آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور وہ دور جس کا ہم
کو انتظار ہے جلد آئے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا میں حیرت میں ڈوب گیا یہ کیا بات ہے میں آپ کو قطعی طور پر نہیں جانتا لیکن
دل میں خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں۔ میں سوچتا رہا کہ قدرت کون سی عظیم خدمت
کو آپ پر اور پھر اس شخص کو کیسے پتہ چلا کہ قدرت اللہ خدمت پر مامور ہے۔ بات سمجھ میں
نہیں آ رہی تھی۔

ابن ابی اسحاق

ابن ابی اسحاق نے کہا میں جیسا سوچ رہا تھا کہ قدرت اللہ کا بی اے داخل ہوا کتنے کا محترمہ علیہ کافون
کا کہتی ہیں حیدر آباد دکن سے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں کتنے ہیں میں شاپ صاحب
نے لے کے آیا ہوں۔ شاپ صاحب کو بتا دیجئے گا۔

ابن ابی اسحاق نے کہا میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر صحن کے آثار تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا بولا مخاطبات بہت پیڑھے گئے ہیں۔ تھک گیا ہوں۔ یہ بتائیے کہ چنڈی میں
اب کی بار تو بھائی جان آپ ہی کی باتیں کرتے رہے کتنے تھے آپ مستقل طور پر چلی
رہے ہیں اور آپ مراد قلندر کے پروگرام کو آگے بڑھائیں گے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا مراد قلندر کا پروگرام کیا ہے اس نے پوچھا۔
مجھے نہیں معلوم۔ آپ ان کا تذکرہ پڑھ لیں۔ میں آپ کو لا کر دوں گا۔
ضرور دیجئے بولا۔

ابن ابی اسحاق نے کہا اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔
کس سلسلے میں۔ میں نے پوچھا۔
آپ کو ڈی ایف بی میں داخل چاہا پڑے گا۔
چلا جلاں گا نہیں لے کد۔ لیکن بھائی جان تو مجھے دلائل بنا رہے ہیں۔ کتنے ہیں جس کا نام

لے آپ کو کراچی بھیجا تھا وہ تو بگید اپ آپ دہلی کیا کر رہے ہیں۔
کس کام کے لیے بھیجا تھا شاپ نے پوچھا۔
مجھے نہیں پتہ۔ میری تو سادہ بڑھ باری گئی ہے۔ کیا یہ بزرگ لوگ اس لوگ اس قدر
طاقت ور ہوتے ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا وہ مسکرایا۔ ان سے ڈرنا ہی چاہیئے۔
بھائی جان تو اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب آپ آئیں اور وہاں میں حاضری دیں۔
ابن ابی اسحاق نے کہا بزرگوں سے ڈر آتا ہے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا میں نے وقت چین داخل ہوا بولا۔ لائ صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ چین چلا گیا تو
شاپ نے کہا میں ذرا حاضری دے لوں آپ نے چلا نہیں۔ میرا انتظار کیسے کیسے اور یہ خط اٹھا کر

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

وہ بولا۔ اس نے جواب دیا۔

وہ بولا۔ اس نے کہا کہ کیسے ہوتے ہیں میں نے پوچھا۔

وہ بولا۔ وہ ایسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

وہ بولا۔ وہ ایسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

وہ بولا۔ وہ ایسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

وہ بولا۔ وہ ایسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

وہ بولا۔ وہ ایسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

وہ بولا۔ اس نے جواب دیا۔

وہ بولا۔ اس نے کہا کہ کیسے ہوتے ہیں میں نے پوچھا۔

وہ بولا۔ وہ ایسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

عجیب ہی ہیں۔

آپ تو کن کے لیے آئے ہیں آپ پر تو بھید کھل جاتا ہے۔

ہاں میں اس ٹوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گھٹا ہی نہیں تھا کہ ٹوٹ شہاب صاحبہ سے ملے۔

ہاں میں اس ٹوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گھٹا ہی نہیں تھا کہ ٹوٹ شہاب صاحبہ سے ملے۔

ہاں میں اس ٹوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گھٹا ہی نہیں تھا کہ ٹوٹ شہاب صاحبہ سے ملے۔

ہاں میں اس ٹوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گھٹا ہی نہیں تھا کہ ٹوٹ شہاب صاحبہ سے ملے۔

میں نے کہا کہتا ہے آپ بھی حیرت کے عالم میں ہیں۔ آپ کی سمجھ بھی اسی کی ہے۔

خداوند بولیں، لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ خداوند صرف ہونٹوں تک محدود تھا۔

یہ آج بزرگ کو دیکھنے آئے ہیں، شلب نے داخل ہو کر کہا۔

بزرگ بھی کیا دیکھنے کی چیز ہیں، وہ مسکرائیں۔

میں اس وقت کھٹی تھی۔

وہ آگے، شلب نے کہا، میں چلا ہوں، بے شک آپ چاہیں تو ڈرائنگ روم

جائیں۔ اس نے مجھ سے خطاب ہو کر کہا۔

میریج

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پردے سے ہٹا کر دیکھا۔

موسے پر ایک ٹکڑا صحت پتلا دھنیں بیٹھا تھا۔ یہ کیا بزرگ ہے میں نے سوچا۔ بزرگ

بھرے جسم کے ہوتے ہیں، دھنکی داڑھی، نواہنی چرو۔

وہ جھکی آواز میں بول رہا تھا۔

IF YOU ALIVE PUT BRAN ON YOU AND PUT YOU IN THE SUN

ارے، میں چونکا یہ تو انگریزی بول رہا ہے۔ یہ کیا بزرگ ہے جو انگریزی بول رہا ہے۔

یوں بولتا ہے جیسے لفظوں کی دھار سے لگت رہا ہو اور اس محل میں لذت محسوس کر رہا ہو۔

بولا۔

WE DONT GIVE WARNINGS WE JUST CUT

THE MAN OUT OF THE LIST. YOU ARE A LUCKY CHAP

ارے، یہ تو وارننگ دے رہا ہے۔ ٹھیکس بات کی وارننگ۔ نام کاٹنے کی دھمکی دے رہا ہے۔

نہ۔ کس لٹ سے نام کاٹنے کی دھمکی۔

وہ بولے جا رہا تھا اب اس کے ہر لفظ میں دھمکی اور شلب چپ چاپ بیٹھا سن رہا تھا۔

’کاچرو زرد ہو رہا تھا لیکن وہ بڑے ضبط سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر دم آواز میں بولا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

WHO ARE YOU. WHAT ARE YOUR CREDENTIALS.

I AM A MESSENGER SENT TO WARN YOU THAT IS ENOUGH

کیوں کیوں مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں وہیں سے چلا آیا۔

اس وقت میرے چہرے کا کیا عالم تھا۔ ڈاکٹر صحت مجھے دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیوں کیا

بات تھیں بلڈر نہیں لے اسے کہا۔

انہوں نے پہلے بات ٹالنے کی کوشش کی، پھر بھر

پھر یہی چاہت دیکھا اور خوف زدہ ہو کر بولیں، مجھے خود پتہ نہیں، میں تو آپ حیرت زدہ

تھیں کہ کیا ہو گیا۔

کہا تو لیسر میرا انتظار کر رہا تھا۔

کہا ہوا ہے، جنہیں اس نے میری چاہت سے دیکھ کر پوچھا۔

کہا ہوا ہے، میں نے دہرایا۔

کہا تو ہوائی اڑی ہوئی تھی۔ کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

کہا کہ کی طرف گیا تھا۔

کہا ہوا ہوں۔

کہا کہ تو نہیں۔

کہا کہ اس بات نہیں۔ ایک بزرگ آیا تھا شلب سے ملنے۔ اسے وارننگ دینے حیدر آباد

میں ہوا، شلب نے شلب کے متعلق میں نے جنہیں پہلے بھی خبردار کیا تھا۔ ٹھیک

’اپنا آدمی ہے‘ میں مانا ہوں لیکن وہ اوور اسٹیلی جنٹ آدمی ہے اور اپنا بیہ نہیں

’آدمی ہے۔ ایسے آدمی سے بچ کر رہنا چاہیے یاد رکھو کہ اس کی زندگی میں کوئی

بہت برا بھلا ہے۔

تمہارا ذہن خراب ہے، میں نے اسے کہا۔

دیکھو وہ بالواسطہ خود کہہ رہے ہو کہ حیدر آباد دکن کا ایک شخص اسے خجور دار کہلاتا ہے۔ ٹا۔ وہ دارنگ کی کسی شخص۔ کس بار سے میں شخص۔ آخر کوئی بات ہوگی۔ اس کا نام اس شخص کے دارنگ دینے کے لیے نہیں آتا۔

میں مانتا ہوں، میں نے کہا، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

دیکھو وہ یوں! بے شک تم اس سے ملو۔ اگر وہ تمہاری پٹی فیکشن میں مدد کرے گا
 سے یہ کام لو اپنے حوصلے کی وجہ سے وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے، لیکن تم اس سے متاثر
 رہے ہو۔ یہ غلط ہے۔ اسے اپنا تجربہ بناؤ۔

ہیں ہیں ٹھیک ہے، میں نے بات ماننے کی کوشش کی۔

بچہ جلا یہاں، اس نے گھٹیت کر مجھے کرسی پر بٹھا دیا۔ میری ہات غور سے دیکھی۔
منجھڑے ہوں۔

یو لو کیا کہتے ہو' میں نے پوچھا۔

دیکھو ممتاز، یہ جس راستے پر تم چل گئے ہو۔

کو ۱۰ ماہ راستہ میں نے پوچھا۔

[illegible]

قصرِ کتاقل اس کی باتوں نے مجھے سچے پر مجبور کر دیا۔ مجھے وہ در خیال آ
یہ میں کس کھیزے میں پڑ گیا ہوں۔

UrduPhoto.com

روحانی نظام

ٹھیک ہے، دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ یہ نظام^{۱۱}

جیسے دنیاوی نظام اس میں بھی درجہ ہیں۔ مگر کن ہیں؟ افسر ہیں۔ ٹیٹس ہے؟ پرائیوٹ
ناٹس جاتی ہیں۔ روحانی نظام کے افسر بڑے طاقت ور ہیں، وہ حالات بدل سکتے ہیں،
بدلتے، پھر قور ہیں، ذہنیات بدل سکتے ہیں، رخ بدل سکتے ہیں، تقدیر بدل سکتے ہیں، انسانی
ازم سے جتنا کہ دنیاوی محاکم میں ہے۔

مجھے ان سب باتوں کا شعور ہو چکا تھا۔ میک ہے یہ روحانی نظام قائم ہے تو ہم اللہ کا نام
 ۱۔ میں جانتا تھا کہ طبعی اللہ کی وجہ سے میں اس نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔ مجھ میں کوئی
 اہل مقام حاصل کرنے کی طلب نہ تھی۔ مجھ میں وہ پیکری نہیں تھی، ملاجیت نہیں تھی۔

ابتداء میں مجھے حیرت ہوئی تھی کہ یہ کیسی دنیا ہے جس سے میں واقف نہیں ہوں۔ ایک نے مجھے گھیر لیا قلم کہ جہاں کہ بات کیا ہے۔

بہر حجب کہتا تھا۔ YOU DO NOT BELONG TO IT۔ پھر میں خواہاؤ اس دلدل
 میں بھٹتا جا رہا ہوں۔ میرے سامنے لول تو ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اگر کوئی بات مان
 لیتے تو اسے خود پر غلامی کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

چار ایک دن میں ان چٹوں پر سنجیدگی سے سوچنا رہا اگر قدرت اللہ ایک پر اسرار شخصیت ہے تو پڑا ہوں۔ میں اس کی بارے میں مزید باتیں جاننے کے لیے کیوں بے تاب ہوں۔ طاقتور اور اعلیٰ لے اپنی زندگی جینے والے ہم اپنی زندگی جو۔

10-11-12

میں نے احمد بشیر سے پوچھا احمد بشیر تم اس نظام کو مانتے ہو کیا۔

اتنا ہوں، وہ بولا۔ سرسری طور پر مانتا ہوں لیکن اس کے بارے میں میں جانتا نہیں جانتا۔

کیوں؟ میں نے سوچا۔

اس لیے کہ جان کر میں اپنے خیالات کا ایوان کیوں تباہ کروں خواہ مخواہ، احمد بشیر نے جواب

کاتر سہا کو جاننا نہیں چاہے۔ میں نے پوچھا۔

سچائی کے کئی ایک پہلو ہوتے ہیں۔ کئی ایک چہرے ہیں، وہ بولا۔ ہر کوئی اپنی طبیعت کے

مطابق ایک چرواہا لیتا ہے۔
میں نے کہا یہ تھاکر شاپ کے حلقہ تھامری کیا رائے ہے۔

ٹھیک ہے 'وہ بولا ایک ہودا افسر ہے۔ اچھا آدمی ہے۔ باپ فل ہے۔ اس کی کٹنی ہے۔
اس پر بٹیرے بات کرنا ہے کار تھا۔

میں نے ابن اثنا سے پوچھا میں نے کہا 'اثنا شاپ کے حلقہ جیری کیا رائے ہے۔
وہ ہنسا ہوا، مفتی میری رائے نہ پوچھو۔
میں نے کہا 'میں نے نہ پوچھوں۔

بولا 'میری رائے بھی ٹھیک نہیں ہوتی، کسی کے بارے میں بھی۔
ٹھیک کیوں نہیں ہوتی۔

بھئی میں تو لوگوں کو اہل بنائے کرتا ہوں، سچ نہیں کرتا۔ ہم تو بھائی آہم کھانے کے چاہتے ہیں، چڑ میں گھٹتے۔

چلو یوں ہی کسی میں نے کہا یہ تھاکر شاپ کیا آدمی ہے۔
سکر اکو بولا، بڑا پیارا آدمی ہے۔

وہ تو ٹھیک ہے میں نے کہا بڑا پیارا آدمی ہے لیکن پراسرار ہے۔
پڑا، وہ ہنسا اپنے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں نے کہا 'اثنا بھی کبھی مجھے شک پڑتا ہے کہ شاپ گیت بزرگ ہے۔
نہ نہ بھی اپنا شک مجھے ٹرانسفرنہ کرو۔ بزرگ بنا کر اسے مجھ پر حرام نہ کرو، نہ مفتی کی۔

بزرگ تجھ پر حرام ہو جاتا ہے کیا۔
مفتی جی ہم تو گھبراہٹوں کے گاہک ہیں، بندہ ہو، گزروں کا مارا ہوا ہے، بس ہو۔ انا ہا

فی میں شاپ سے کہہ رہا تھا۔
کیا کہہ رہے تھے میں نے پوچھا۔

میں نے علی سے بتا دیا کہ شاپ سے ملنے کے لیے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ تو میں نے شاپ سے کہا کہ بزرگوں سے نہ ڈاڑھیں۔ انہیں اگر سچ نہ کیا کریں۔ وہ سکرایا ہوا

میں نے کہا وہ دوسروں کا راستہ کھوٹا کر دیتے ہیں۔ اسنے میں چن آیا کھنے لگا ایک خاتون

اب نے کہا 'ذرا انہیں نشانیں۔ میں ابھی فارغ ہو جاؤں گا۔
میں نے کہا 'میں نے کہا یہ تو بات ہوئی ٹا۔ اس جس سے میل ملاپ رکھا صحت مند

میں نے کہا 'اثنا کیا شاپ خواتین سے مل کر خوش ہوتا ہے۔
وہ رونا کر رہا تھا کہ وہ بولا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ خواتین مجھ سے ملنے کے لیے بہت آتی ہیں۔

وہ رونا کر رہا تھا کہ وہ بولا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ خواتین مجھ سے ملنے کے لیے بہت آتی ہیں۔
میں نے کہا 'اثنا ہمارے دفتر میں کوئی خاتون نہیں ہے۔ کوئی رکھ لی ہوتی ایسے نہیں تو

میں نے کہا 'میں نے کہا 'ایک سروس کھن سے اپنی روٹی تھی۔
اثنا میں ابھی راضی ہوا۔

وہ نے کہا اس سے پوچھ کر اسے اس دوست احمد بشیر سے اس قدر نہ کی -

باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

میں نے احمد بشیر سے کہا کہ باج

اور انہی میں سے ابو بکر سے پہلے تم گھر آگے۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابو بکرؓ میں ایسی باتیں سننے سے واقف نہ تھا۔ اور میں وہاں اس وقت تک نہیں گیا تھا کہ ابو بکرؓ نے میری حیثیت سے نہیں۔ حنیف صاحب مجھے ڈانڈ کر رہے تھے۔ لیکن اب وہاں وہ بھر آگئے۔ کئے گئی وزارت سے کیا کیا کوائف حاصل کرنے ہیں اور اس کرنے ہیں۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ایک دن وہ میرے کمرے میں آگئی۔ بولی بتائیے مجھے کیا کیا کرنا ہو گا۔ میں نے بولا: "ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

ابن عباسؓ نے کہا: "ابن عباسؓ نے کہا۔

— 111 —

۱۲) علم و تقویٰ انشاء نے پوچھا۔

ابو بکرؓ نے جواب دیا 'اے علم تھا وہ اکثر بڑی بے بسی سے مجھ سے منت کیا کرتا' نہ

کہے۔ مجھے بے بس نہ کہئے۔ اگر ہڈ لوٹ گیا تو سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہہ

1980

”اکیس ہے“ میں نے ائمہ بشیر سے پوچھا۔

وہاں سے دے کر مل گئی ہے۔ میں اسے بلاؤں گا، وہ آئے گی ضرور آئے گی۔ ویسے وہ اب

اس کی شادی ہو چکی ہے۔

کے لئے رہا ہے، اسے کیا نشانے ہو چکا۔

میں نے خود اپنے پاؤں میں زنجیریں

میں نے یہ غلام کے کہ خود سے ڈرتا ہے۔

سب کو ملے گا۔

اے کھانے کا عزم کر رکھا ہے۔ اے کھانے کا عزم کر رکھا ہے۔ اے کھانے کا عزم کر رکھا ہے۔

کے لیے یہ شادی ضروری تھی اور اسے بھانے کا عزم اس نے خود کیا ہے۔

میں نے یہ بھی سمجھا کہ اگر وہ ایک شخص کے لیے 'کنٹینر' بن جائے

میں نے کہا جب کبھی ممتاز آئے گا تو میں تجھے اس سے ملاؤں گا۔ میں نے اسے

مصلحت سے کچھ طلاق تھانے تیار ہو گئے ہیں ہم قتل و جرح کا نہیں کریں گے۔

یہ بھی کہ اگر کوئی حج سے انشاء نے کیا

۳۳۔ کا متعلقہ نمبر سے سیکڑا احمد بشر لولا۔

اور یہاں جس میں ہر شخص کی زندگی

کاملاً معمر زور و شہرت سے بھرپور ایک کھوکھلا کھوکھلا کاملاً کا ۱۲۱

۱۔ سال ایک معرکہ، قتل، قتل و غارتگری، قتل و غارتگری، قتل و غارتگری

0958-7648(199809)10:03<0155::AID-JCOP15>3.0.CO;2-L

Journal of Management Studies

بسم الله

۴۔ فتحہ آباد، برکات آباد، الخلافہ کراچی، جگہ راولپنڈی مقرر کیا گیا ہے اور

[illegible]

۱۰۰

اپنی اس بات پر پوری۔

ہاں میں بیٹھے ہی میں نے شاب سے پوچھا وہ بزرگ کون تھا۔

وہ اس نے پوچھا۔

وہ اس روز آپ سے ملا تھا کہتا تھا تمہاری کھلی کھینچ کر اس پر کب چڑھوں اور
میں رکھ دوں۔

وہ اس کی زبان بڑی طرح سے نہلاتی تھی۔

اب آئی تھی مجھے سڑی ہوئی مرغ ہو میں نے کہا۔

وہ بولا وہ یوں۔

رک تو زورانی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے مٹاس کی چھوڑ نکلتی ہے۔

اب مٹاس کی چھوڑ نکلتی ہے۔

وہ تو میرا نہیں تھا۔

اب وہ بولا وہ ایسا نہیں تھا۔

اب ولایت ملتی ہے تو حیات خیز ہو جاتی ہے اور فرد کی جتنی بھی خصوصیات ہوتی ہیں وہ

انسانی نکلتی ہو جاتی ہیں۔ شاب نے کہا اس روز وہ رک رک کر بول رہا تھا۔

انسانی صفات بھی سبکی نکلتی ہو جاتی ہیں میں نے پوچھا تھا کہ جب بزرگی عطا

ہو تو فرد کو دھوکہ استری کر دیا جاتا ہے۔ کوئی لائش باقی نہیں رہتی کوئی غل نہیں رہتا۔

نکل جاتے ہیں۔

میں وہ بولا بزرگی آزمائش ہوتی ہے مسلسل آزمائش۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ دھنسا مجھے خیال آیا کہ قدرت نے میری بات ماننے کے لیے بات کا

دراں دیا ہے۔ قدرت میں یہ عجیب خصوصیت تھی۔ وہ جس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا

انسانی ہاکی سے بات کا رخ بدل دیا کرتا تھا۔ مجھے غصہ آئے گا میں میں بات پر چھ کر

دراں کا۔

مجھے یہ بتائیے کہ وہ کون بزرگ تھے میں نے کہا۔

وہ میں وہ بولا۔

کراچی کے رہنے والے اس خبر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اسے ایک
خیر اعلان سمجھتے تھے، میں نے میں ہو سکا یہ کیسے ہو سکا ہے۔

میں نے قدرت اللہ کو فون کیا۔ میں نے اس مرکز کے اقبال کا اعلان ہو گیا ہے۔ اب تو
جان گئے ہیں۔

اس نے جواب میں کہا آپ یہاں آجائیں چونکہ پر بیٹے کی بہت جلد راولپنڈی جانا
رہی ہے۔

دفتر میں قدرت بے حد مصروف تھا آپ انتظار کریں وہ بولا۔ کچھ دیر کے بعد ہم کہ
جائیں گے۔ وہاں بات کریں گے۔

اس روز قدرت اللہ شاب کی کیفیت کچھ مختلف سی تھی۔ چہرہ تو ویسے ہی تھا مگر کچھ
بات کرنے کا انداز مختلف تھا آواز بدل ہوئی تھی۔ زبان میں نکلت تھی۔ یوں لگتا تھا کہ یہ

ہوئی ہو کچھ زیادہ ہی بلی ہوئی ہو۔

باہر نکلا تو قدرت کے پی اے نے مجھے اشارہ کیا۔ پاس گیا تو کہنے لگا آج بھر ہی کہنے
خاری ہے۔

کہنے لگا غصہ کے میں دکھتا ہوں آپ کہ۔ پھر وہ دراز میں کچھ دھوڑنے لگا۔ قہوڑی دیر کے
بعد اس نے ایک کتہ میری طرف پڑھا دیا۔

وہ شاب کا ٹوٹ تھا لیکن چنڈ ریٹنگ ایسے تھا جیسے کسی بچے نے کھا ہو۔

بالکل دسایا ہے لیکن اسے نے کہا جیسا میں نے اس روز دکھایا تھا۔ یاد ہے۔

ہاں میں نے کہا یہ کب کا ٹوٹ ہے۔

آج کا ہے۔ آپ کی سمجھ میں آئی ہے بات۔ میری سمجھ میں تو نہیں آئی وہ بولا۔

ہاں عجیب سی بات ہے میں نے جواب دیا۔

شاب صاحب پر کوئی دورہ تو نہیں پڑا اس نے پوچھا۔

میں تو میں نے جواب دیا کہ ایک صحت مند آدمی ہے۔

لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن وہ رک گیا۔

اگرچہ یہ لیکن میرے اندر اک کھورو چائے ہو سکے لیکن میں نے پی اے کو بل دیا۔

وارنگ

وہ آپ کو کس بات پر وارنگ دے رہے تھے۔
مجھے پتہ نہیں۔

ایک ایسا واقعہ پہلے بھی ہوا تھا، شام نے تھنہ لاسے ہوئے کمالہ مدد صاحب ڈپٹی معائنہ کے لیے گئے تھے۔ ساتھ مجھ نے گئے۔ شام کا وقت قلم انہوں نے معائنہ کئے لگا دیے۔ پھر جب ہم لپکا لڑوں سے رخصت ہو رہے تھے تو جیل کا ایک وارڈر آیا۔
کنے لگا، جناب شام صاحب ہیں کیا۔

میں نے سرایت میں جا دیا۔

کنے لگا، ایک قیدی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کون ہے، وہ میں نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون ہے۔ اور جو پچاسی والے سیکڑ ہیں، میں میں ہے وہ اور اس نے وہ شور مچا رکھا ہے، میں شام صاحب سے ملوں گا۔ مجھے شام صاحب سے ملاؤ۔
ہوں، میں نے پوچھا، وہ مجھ سے کس مسئلے میں ملنا چاہتا ہے۔

وارڈر بولا، جناب میں نے اس سے پوچھا تھا تم کس بارے میں ملنا چاہتے ہو۔ کوئی کام ہے کیا۔

میں نہیں، وہ چلا، مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں پائل ٹیک ہوں، تم اسے بلا کر لاؤ۔
میں اس سے بات کروں گا۔

شام کنے لگا، میں نے سوچا شاید کوئی وصیت کرنا چاہتا ہو، جیل والوں پر اسے شکوہ ہو۔
اس لیے بہتر ہے میں اس کی بات نہ لوں۔

قیدی ہجیرا

میں داخل ہو کر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو حیران ہوا، وہ ہجیرا قند وارڈر نے سیل کا دروازہ بند کیا۔ باہر تلا لگایا۔ کنے لگا، صاحب جی جب آپ قلعہ ہو جائیں تو مجھے اشارہ کر دیں میں وہیں سامنے کھڑا ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ دروازہ چاکر کھڑا ہو گیا۔

بہتر نہ ہی پتہ ہی بولا، تجھے پتہ ہے کہ تجھ سے بات کرنے کے لیے ہمیں قید ہونا پڑا۔ اس وارڈر کی چارہ نہیں تھا۔ ہمیں پتہ تھا تو آج جیل کا ساتھ کرنے کے لیے آئے جب اس لیے وہاں اس کو غڑی میں آکر بند ہو گئے۔

تم تجھے بتاتے آئے ہیں، وہ بولنا کہ تو ٹیک سے کام نہیں کر رہا تو سمجھتا ہے کہ تو اس کا بھائی ہے۔ تجھے اس کے حکم بجالانے میں یہ غلط ہے۔ تو یہی اس لیے نہیں بھیجا کیا کہ اس کے لیے جیل کرے وہ نیلے کرے اور تو ان کی تکمیل کرے۔ تو یہی اس لیے بھیجا ہے کہ تو جیل کرے۔ اس کا فکر نہ کر، وہ رکھت میں بیٹھ جائے۔

شام ہنسنے لگا، پتہ نہیں وہ کیا کیا بول رہا۔ کھنٹوں بول گیا، مجھے اس کی باتیں پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پھر میں سمجھا کہ شاید اس کے ذہن کا تھوڑا اڑا ہوا ہے۔ یہ اکثر ہوتا ہے جو جیل میں رہتا ہے۔

قدرت کی بات سن کر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ بات جمل رہا ہے۔ ورنہ قیدی کی باتیں تو پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پھر اسے کیوں سمجھ میں نہ آئیں۔
آپ نے اس قیدی کے متعلق پتہ لگایا کہ وہ کون تھا، میں نے پوچھا۔

میں نے نہیں البتہ عفت نے پتہ لگایا تھا، شام نے جواب دیا۔ قیدی کے ہم سہارے کے متعلق تو مجھے علم نہ تھا البتہ میں نے سیل کا نمبر یاد لیا تھا۔ گھر پر سے گیا تو عفت نے پوچھا کہ اسی رات تک آپ کہاں رہے، تو میں نے ساری بات بتا دی۔ اگلے روز اس نے جیل کے کام سے پوچھا کہ سات نمبر کے پچاسی سیل میں کون قیدی بند ہے۔ اس کا نام پتہ کیا ہے اور اس کا پچاسی کی جانب والی ہے۔

اس پر انہوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ سات نمبر کے سیل میں کوئی قیدی نہیں ہے۔ جیل کے قیوب کو گواہی ہے وہیں بازار میں کوئی شخص دنگا لٹو کر رہا تھا۔ جیل کے وارڈر اس وقت وہیں سے گزرے تو لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ شخص دنگا لٹو کر رہا ہے۔ وارڈر نے اسے سمجھایا لیکن اتنا وہ وارڈر سے لڑنے بھڑکنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس پر وارڈر اسے پکڑ کر لے گئے اور ویسے ہی اسے جیل کے لیے اسی سات نمبر کے سیل میں بند کر دیا۔ آج صبح وہ سیل میں موجود نہ تھا۔ میں نے اسے اسے سیل سے نکال کر بھیجا۔

شاید وہ بزرگ ہی ہو، میں نے کہا۔

شاید 'قدرت بنے ہو اب دیا شاید' وہ چٹکن کے عالم میں ہو۔ آپ چٹکن سے واقف نہیں ہیں۔ وہ ایک عالم ہوتا ہے، 'قدرت نے کہا۔ بزرگ لوگ جیسے ضبط سے کام لیتے ہیں۔ انہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ برتن لہلہ بھر جاتا ہے اور پھر ضبط کے باوجود چٹکتا ہے، پیچھے اڑتے ہیں۔ مجھے ڈرامنگ روم میں بٹن کر شپ لکھنا ہوا اور چٹا لکھ اس روز مجھے ایسا لگا۔ اس جیسے وہ قدرت نہیں تھا اس کی کوئی بات بھی حسب معمول نظر نہیں آتی تھی۔ نہ چلے مارا نہ بات کرنے کا انداز نہ لہو۔

کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ کہنے لگا 'شاید تم بہت جلد مشکل طور پر پڑی پائیں۔ کیا آپ ڈی ایف پی میں رہنا پسند کریں گے۔

میں نے کہا 'پسند نہ کرنے کا مطلب بیکڑ آرچٹ چورز۔

آپ جکر نہیں ہیں 'وہ بولا' جیسی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ چور کریں۔

کیا چور کروں' میں نے کہا۔

میرا خیال ہے 'آپ اخبار میں چلے جائیں اچھے رہیں گے۔ دراصل مجھے انشا کا فکر ہے۔

وہ ملو صحت آوی ہے میں نے کہا۔ چل بھی جانا پڑا چلا جائے گا۔ چلی بات یہ ہے کہ میں انشا جی کو بالکل نہیں سمجھا اس کا کوئی سراہی میں لاء تھی۔ پتہ نہیں چلا کہ کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں جا ختم ہوتا ہے' مجھے تو ایسے لگا ہے جیسے انشا بھی چٹکن کے عالم میں ہو۔

میں نے جان بوجھ کر چٹکن کی بات کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ قدرت بزرگوں کے بارے میں بات کرے۔ اس روز اگرچہ وہ نہنہ لا کر باتیں کر رہا تھا لیکن غیر از معمول وہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

چٹکن کیا 'وہ بولا۔

ابھی آپ تیار تھے تاکہ کبھی بزرگ لوگ چٹکن کے عالم میں ہوتے ہیں۔ برتن بھر جاتا ہے اور پھر چٹکتا ہے، پیچھے اڑتے ہیں۔

پس ہاں 'وہ بولا' چٹکن کے عالم میں ضبط کے باوجود بات اچھل کر نکل جاتی ہے۔

آپ نے کبھی کسی بزرگ کو چٹکن کے عالم میں دیکھا ہے کیا میں نے پوچھا۔

صرف ایک بار 'وہ بولا' صرف ایک بار۔

اندر

میں نے فرین میں دل جا رہا تھا کسی شیشین پر اترا تو گاڑی چل پڑی اور میں دوڑ کر باقی سوار ہو گیا۔ دروازہ کھولے لگا تو دیکھا کہ وہ ریزرو سیلون ہے۔

اس میں سوچ رہا تھا کہ اندر سے کسی نے دروازہ کھولا۔ کہنے لگا 'جائے آئیے مسٹر کیو یو'۔

وہ ایک انگریز تھا۔ نیوی کا افسر اس نے دوری پتہ ہوئی تھی۔ وہ مجھے اندر سیلون میں لے

گیا۔ مسٹر کیو یو ایس میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس سڑک میں نے کہا 'میں تو طلسمی سے سیلون پر سوار ہو گیا ہوں۔ میری سیٹ تو پیچھے

ہوئی 'وہ بولا' میں نے دل کیا تھا کہ تم سیلون میں آ جاؤ۔ سو تم آ گئے۔ اچھا کیا تم نے آ گئے۔

اسی کرنا چاہتا تھا۔ انسان جب لہلہ بھر جاتا ہے تو اس پر لٹا ہو جلد جاتا ہے کہ سارا میں

لگا ہوا ہے وہ خود کو ہٹا کرنا چاہتا ہے۔ میں خود کو ہٹا کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے دل کیا کہ

سیلون میں آ جاؤ۔

میں ہیں آپ' میں نے اس سے پوچھا۔

اسی برٹش نیوی کا افسر ہوں 'وہ بولا۔ یہ جو جنگ وہ رہی ہے۔ اس میں دونوں جانب روحانی

دلائل کام کر رہی ہیں۔ میں بھی ایک لاکھ ہوں۔

ان آپ تو یہاں ہیں' میں نے پوچھا۔

ہاں یہاں تھا 'وہ بولا۔ عارضی طور پر میرا قلب بدل دیا گیا اور عارضی طور پر مجھے طاقتیں

مل گئی ہیں۔ یہ طاقتیں مجھے کشمیر کے جنگوں میں عطا کی گئی تھیں۔ تم کچھ پیو گے' اس نے

پوچھا۔

نہیں' میں نے جواب دیا۔

لو اپنی لو کیا صحت ہے 'وہ اٹھ کر بولنے لے آیا۔

میں

اور مجھے معلوم ہے تم نے خود کٹی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک بری بات تھی۔
تھاکہ تم کو اس کی سزا ملنی لیکن تمہارا یہ عمل تمہارے لیے تپ کا پتہ بن گیا۔ تم بدست
اور تھی۔

اس بات پر ہے 'میں نے شاپ سے پوچھ لیا
کہ اس بات 'اس نے چمک کر پوچھا۔
اور آپ نے خود کٹی کی کوشش کی تھی۔
شاپ نے سرانہٹ میں ہلا دیا۔

اس کیوں کیا محبت میں ہلائی کی وجہ سے خود کٹی کا خیال آیا تھا۔
عام طور پر قدرت سے کوئی بات ایسے کرنا بے حد مشکل ہے۔ ایک بات کا سراغ لگانے
میں تھیں سوچا پوچھتے پڑتے ہیں۔ لیکن اس روز وہ بات کرنے کے موڑ میں تھا۔ اس کی
دک چلتی تھی اس کے بلکہ روز وہ چلا جا رہا تھا بول رہا تھا۔
میں نے سوال کے جواب میں بولا 'میں محبت کی بات نہیں تھی۔ ان دنوں میں جہوں کا لُج
پڑتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لپٹ لینے کے دورے پڑتے تھے 'خواتین' بے وجہ۔ بدی
اور پیریشن تھی۔ میں نے سوچا یہ کیا مذہب ہے چلو زندگی کا قصہ ہی ختم کر دو۔
میں نے سوچا جہوں کے نالے تو ہی میں چھٹا لگا دوں۔ یہ آسمان ترین طریقہ تھا۔ نہ کوئی
شور شراب لوگ سمجھیں گے کہ حیرتے کیا قاتلوں کا یہ۔

پھر تو میں تو ہی چلا گیا اور در تک ایسا ختم ڈھونڈا رہا 'جہوں چلی گرا ہو' اور لوگوں کی گزر
اور ہو۔ آخر مجھے ایک مناسب مقام مل گیا۔ میں نے اپنا کوٹ انکارا بوٹ انکارے بھر
لیا کیا کہ چھٹا لگ مارنے سے پہلے دو لٹل کیوں نہ پڑھ لوں۔ لٹل پڑھ کر دعا مانگوں گا۔ اللہ
بھلاؤں گا کہ میں نے ہاشمی کی وجہ سے خود کٹی نہیں کی قدرت سکرانے لگا۔

پھر کیا آپ نے لٹل پڑھے 'میں نے پوچھا۔
اس نے انہٹ میں سر ہلا دیا۔
دعا کی 'میں نے پوچھا۔

میں نہیں 'میں نے کہا 'آپ نہیں۔ بے لگ نہیں۔ یہ تو بھگتہ نشہ ہے' وہ بولا۔
پھر اس وقت جو کیفیت ظاہر ہے۔ اس کے سامنے سب نشے چلے ہیں۔ لیکن اب کچھ زیادہ دیا
نہیں رہے۔ ہم برطانوی ماکوں کو تپ چاہا ہو گا۔ تمہارے ملک کے بزرگوں نے لیڈا
ہے کہ برطانیہ کو ایک بیٹی دود گوش یہاں سے نکال دیا جائے۔
اس کی باتیں سن کر میں حیران ہو رہا تھا شاپ نے کہا 'دل ہی دل میں سوچ رہا تھا
یہ آدمی کون ہے 'کوئی فرلو تو نہیں ہے۔

اس نے میرے خیالات پڑھ لیے 'ہنسا بولا' فرلو کا کیا مطلب ہے۔ میں کواں
ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نام لیے بغیر جنگ کی تاریخ کل نہیں ہو سکتی لیکن
میرا نام نہیں سمجھ سکتے چرک میں نے تمہارے ذہن سے اپنا نام مٹا دیا ہے۔ میں نے آقبل
بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ نہ کہ تو وہ نہ ہو آج وہ ہے۔ وہ مجھے ساتھ ساتھ بڑے فقیر کے رہا
میں جاتا ہے۔

کچھ دیر وہ خاموش رہا میں اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا
فحش 'یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہا ہے۔

پھر وہ بولا 'جسٹس معلوم نہیں کہ پرنس جینس ہے اور اگر وہ ہماری لائن میں آجاتا تو
تو ہو جائے گا۔ جی خالی اصل تھا لیکن اسے اصل پہلا آقا تھا۔ میں پٹر سے بھی ملا تھا۔ میں
اسے خبردار کیا کہ دیکھ تو اپنی طور پر نہ رہو۔ اگر تو خبر نہ پڑا تو فحش حاصل ہوگی 'لیکن اگر
نے خبر نہ بننے کی کوشش کی تو چاہی ہوگی۔ لیکن مجھے پتہ تھا کہ وہ خبر نہ پڑی تھیں۔ میں
مطمن نہیں ہو گا۔ اور وہ جو فحش تھیں ہے وہ اسحق ہے 'وہ تمہارے معاملات میں چمک اڑا
گا۔

پھر وہ دھتار 'میری طرف متوجہ ہوا 'ہنسا تم بچپن میں شرارتیں کرتے رہے ہو۔ کوڑی
لگا کر سر میں پکڑتے رہے ہو۔ سزار سے پیچھے پڑتے رہے ہو۔

تم 'اس نے دھتار سے منہ نکالا 'تم سنا پڑ گئے ہو کیزے ہو۔ گرنی میں خود لگا
موتی میں گئے۔

وہاں باب

ویج ایڈ

وہاں

ایک دوڑ مارے دفتر کے سامنے ایک غی مگور کار رکی۔ یہ کون ہو سکتا ہے، بھلا میں نے
 کیا کار سے ڈنڈی نکلا۔ وہی ۱۹۳۸ء والا ڈنڈی۔ کوئی تبدیلی نہ تھی۔ کار کے سوائے
 میں اسے دیکھ کر چلایا 'ارے تو۔
 میں 'دو یولا۔
 تو میں۔
 میں نہیں۔
 اور یہ گاڑی۔
 میں یہ گاڑی۔
 میں سے آئی۔
 اس نے انگلی لوہر اٹھائی۔ اس نے دی۔
 تو اس کو چاہتا ہے کیا۔

اس نے سرانٹھت میں ہلا دیا 'اور مسکرا کر یولا' میں نے بڑی چلائی سے دعا مانگی۔ میں
 کھایا پاری تھالی میں یہ خود کشی نہیں کر رہا خود کو تیرے حوالے کر رہا ہوں۔
 پھر جب میں چھلانگ لگنے لگا تو قوی سے ایک بزرگ نمودار ہوئے انہوں نے مجھے روکا
 دیا۔ پاس بٹھایا میرے ہاتھ پکڑ لیے اور مجھے بیت کر لیا۔
 وہ خواجہ فخرتھے کیا میں نے پوچھا۔
 اس نے سر تکی میں ہلا دیا۔
 کون بزرگ تھے وہ میں نے پوچھا۔
 ان کا نام لینے کی مجھے اجازت نہیں 'دو یولا۔ وہ دلی کے بہت بڑے 'سب سے بڑے بزرگ
 ہیں۔

وہ کچھ مزید کہنا چاہتا تھا کہ عفت دوڑی دوڑی اندر آئی بولی 'فن کی طبیعت ٹھیک۔
 ہے۔ انہیں آرام کرنا چاہیے مفتی صاحب آپ پھر کسی وقت آجائیے گگ۔
 قدرت نے سرانٹھت میں ہلا دیا 'ہاں مجھے آرام کرنا چاہیے۔ عفت نے اسے یوں کاہ
 میں لے لیا جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔ اور قدرت لڑکھاتا ہوا ہا ہر نکلتا گیا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

جانتے ہیں کہ انہیں۔
کہا کہ وہ لوگ اور نازک حسین۔ یہ سارے عالم پر چھائی ہوئی ننگی کوکھ' یہ بیوی میاں کی سہیلی

جانتے ہیں کہ انہیں ہوں' مجبوراً' وہ بولا۔
کیوں۔

وہ دیتا جو ہے۔
یہاں رہتا کبھی ہے تو۔
بگڑے ہیں۔ سنوایا ہے۔ معصوم رسالہ ہے' "منشور"
ارے اتنا کچھ۔
ہاں! اس سے بھی زیادہ سب اس نے دیا ہے۔

پرتویے کا دیا ہی ہے۔
ہاں میں ویسے کا دیا ہوں۔
جو تو ویسے کا دیا ہے تو یہ بگڑے ہیں' سنوایا ہے۔ میں نہیں جانتا۔
چل میں تجھے دکھاؤں' وہ بولا۔
دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

صدر کے مرکز میں اس کا پریس قہ' پیشین' فکر چاکر' ساز و مسلان' لوہے کا پٹی' ا
تھے۔ سنوایا تھا اس نے "منشور" کے کئی ایک پرچے میرے سامنے ڈھیر کر دیے۔ پر
انٹرنیٹ کے ڈھیرے لگے ہوئے تھے۔

کمال آرٹسٹ کمال لہیا پرچہ۔ ان کا کیا میل ہے' میں نے پوچھا۔
ہے' وہ بولا۔

کیا میں نے پوچھا۔ کیا میل ہے۔

یہ بھی لکھیں' وہ بھی لکھیں' وہ بولا۔

سب کچھ بدل گیا ہے' میں نے اس کے گھر کا صفحہ دیکھ کر کہلا۔

ہاں! سب کچھ بدل گیا ہے' وہ بولا' میں لکھیں' میں بدلیں۔ میں بدلیں گی۔

سنوایا میں کہ آدم فریم لگے ہوئے تھے۔ کیموں والے فریموں نے مجھے جذب کر لیا۔

ابے لو قصور کے بیچر' ماسٹر بلوان! ہاں! تجھے کیسے سوچتی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

ہاں! ہاتھ ہو' میں نے پوچھا۔
میں نے کیا چاہی ہے' وہ بولا۔ ساری کراچی میں اس کا تذکرہ ہے۔
اچھے ہیں لوگ۔
پھر تفریق ہے مجھے' ہونے کچھ شکوک ہے۔
م آ رہے ہیں۔
نہیں پتہ' وہ بولا۔ اس کا چہرہ گونگا ہے۔ خود غصے بولتے ہیں۔ یا بہت بھولا ہے' یا بہت

چالاک ہے۔

اس سے ملے ہو کبھی۔

اس نے نفی میں ہلا دیا' میرا ایک لئے دلائل جاتا ہے۔

ابا جاتا ہے۔

کہا ہے' اس کا سرا نہیں ملتا۔ پتہ نہیں کہیں سے شروع ہوتا ہے' کہیں جاقظم ہوتا ہے۔

ابا! اس سے کیا ڈوبی نے پوچھا۔

میں میرا نہیں اشفاق کا دوست ہے، میں نے کہا۔
 وہ اشفاق کا دوست ہے، 'یا اشفاق اس کا دوست ہے۔
 پتہ نہیں، لکھا ہے اشفاق اس کا دوست ہے۔
 وہ تو ہو گا، ذہلی نے کہا۔
 اشفاق کا بھی پتہ نہیں لگے۔ میں نے کہا۔
 کیوں وہ بولا۔

اس کا بھی سرا نہیں لگا۔

ہاں۔ نہیں لگا۔ وہ بولا۔

جگ اشفاق تو تم سے ناراض ہے، میں نے کہا۔
 اچھا مجھے نہیں پتہ۔

اے تو پتہ ہے۔

اے ہو گا، مجھے نہیں۔ جو گے۔

کیا مطلب۔

اس نے لہاری سے بول کر نکال۔

تم پیچھے ہو، میں نے پوچھا۔

ہاں، وہ بولا، چلاؤ۔

کہاں سے آئی ہے۔

اس نے اٹھی اٹھائی۔ وہ روتا ہے۔

وہ تو منع کرتا ہے۔

ہاں وہ بولا، روتا بھی ہے، منع بھی کرتا ہے۔ کچھ لوگ حکم دیتے ہیں۔ ہم کفرانِ نعت نہیں کرتے ہیں۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھو۔
 یہ اتنا کچھ جو جس ملا ہے، تم کسی فتویٰ کے کیپ ہو کیا۔

UrduPhoto.com

ہاں، ہوں، وہ بولا۔

کون ہے وہ۔

میری بیوی ہے۔ لمو گیا اس سے۔

میں نے جواب دیا۔

فکر

اشفاق احمد جب روم سے واپس آیا تھا تو اس کی باتیں سن کر میں ذہلی کے خلاف بغض
 اور کیا تھا۔ دھارے ذہلی میں یہ بات چیت ہو گئی تھی کہ ذہلی احمد کا بارا ہوا ہے۔ وہ دوسرے کو
 آگیا بدھتا نہیں دیکھ سکتا۔

جین ذہلی کو دیکھ میرا وہ بغض دھل گیا۔ اس کی باتوں میں عجیب سی کشش تھی۔ اس کی
 باتیں دو ٹوک تھیں۔ ان میں سے سچائی کی برکاتی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بے نیاز ہو۔ جو ہے
 نکال ہے، جو نہیں ہے ٹھیک ہے۔ کوئی بھی بات ہو۔ کسی بھی ہو، اسے کانتی نہیں تھی، ڈنک
 نہیں مارتی تھی۔ یہ شخص جیسا کہ کیا بھی ہے۔ پیارا ہے، منفرد ہے، فکرا ہے، میں نے سوچا۔
 پھر ذہلی چار ایک بار مجھے ملا۔ صبح سویرے میرے فلیٹ کی کھٹی کھٹی۔ باہر نکلتا تو وہ بیڑھیوں
 پر بیٹھا ہوتا۔

تم یہاں کیوں بیٹھے ہو، میں پوچھتا۔

کیوں یہاں بیٹھنا منع ہے کیا، وہ پوچھتا۔

اندر چلو موندے پر بیٹھو۔

تمہارا صوفہ ان بیڑھیوں سے زیادہ صاف نہیں ہے۔

چلو میں جھپٹے لینے آیا ہوں، وہ بے نیازی سے کہتا۔ فور ہم باہر نکل جاتے۔ آوارہ گردی
 کرتے۔ میں اس سے اگلے سیدھے سوال کرتا تھا۔

کیا اب بھی لڑائیاں تمہارے سٹوڈیو میں آتی ہیں، میں پوچھتا۔

بہت آتی ہیں۔

خود کو قتل پر سچا کر لاتی ہیں۔

ہاں! قافلہ آرتی بنا کر۔

اور تم دلی تائیں کہ ان کی ہیبت قبول کرتے ہو۔

ہاں! کیوں نہ کروں۔

اور تمہاری بیوی جلتی ہو گی۔

ہاں جلتی ہے۔

پھر

پھر کیا؟ یہ بھئی جب تک تمہاری راتی ہیں، جب تک انہیں جلائے رکھو۔ غلطی ہو

چائیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

وہ دن یاد آتے ہیں جس میں پوچھا۔

کون سے دن۔

وہ لاہور کے لوہان ایر صیغر کے دن۔

نہیں! اس نے سرنگی میں پلا دیا۔ میں آکھٹ ہوں۔ وہ یولا اور آکھٹ بیٹہ محل میں بیٹا

ہے یا مستحق کے خواب دیکھتا ہے۔ ماضی کی دلدل میں ات پت نہیں ہوگے۔

قائد اعظم کا بت

پھر جب کراچی میں میرے آخری دن تھے تو ایک روز وہ آگیا ہوا چلو۔

کہیں! میں نے پوچھا۔

تھ سے ایک کام ہے۔

کیا۔

میرے ساتھ چلو۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

UrduPhobia.com

UrduPhobia.com

UrduPhobia.com

UrduPhobia.com

UrduPhobia.com

در میں پہلی ہوئی چٹائیوں کے قریب ایک چتر بیٹھ گیا۔ بیٹھ چلا وہ یولا۔

وہ دو چھوٹے چھوٹے جڑے نظر آتے ہیں تجھے! اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

کون سے۔

ایک وہ دور کا کانا! ابھرا ہوا ایک یہ سامنے والا! اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

ہاں میں نے خواب دیا آتے ہیں۔

جب باہر سے سندھو کی جہاز آتا ہے تو کراچی بندرگاہ کی گودی میں جانے کے لیے ان دونوں

درمیان سے گزرتا ہے۔

پھر میں نے پوچھا۔

میرا بتی چاہتا ہے کہ قائد اعظم کا مجسمہ ہاؤس! ایک چٹک اس چٹن پر ہو اور دوسری اس

سے پر۔ اتنا بڑا مجسمہ ہو کہ جہاز اس کی ٹانگوں کے نیچے سے گزریں۔

اتنا بڑا بت! میں نے پوچھا۔

ہاں اتنا بڑا۔

کیسے بنائے گا۔

تجھے بتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہاں قائد کا سر ہو گا۔ اس پر جہاز کیپ ہو گی۔ نیچے کھلی انہیں

اس سے نیچے سفید شلوار، سفید سفید اور نیچے جہاز گزریں گے تجھے نظر آتا ہے کیا۔

نورمیں! میں نے سرنگی میں پلا دیا۔

بچھے آتا ہے! وہ یولا! میں تو مٹی آدمی رات کو اتے دیکھنے کے لیے یہاں آ جاتا ہوں۔ بیٹا

دہنا ہوں۔ دیکھتا رہتا ہوں۔ یہ میرا آخری کام ہو گا۔ پتہ نہیں کتنے سال لگیں گے! لیکن وہ بچھے

کرا نظر آتا ہے۔ سیدھا ہوا قافلہ عظیم۔

دیر تک ہم دونوں وہاں بیٹھے رہے۔

وہ قائد کو دیکھتا رہا میں گزرو۔

الحق! میں نے کہا۔ نہ دیکھ خواب۔

اور کیا دیکھوں۔ کچھ ہے اور دیکھو کہ کیا! اس نے پوچھا۔

یہ پاکستان ہے! میں نے کہا یہاں! تجھے کون بت بٹانے دے گا۔

اور اس کا دورہ مدھم پڑا گیا۔

یہ سن کر میں ہنسنے لگا۔

امیر بشیر سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا: اگر میری پوششنگ کراچی سے باہر ہو گئی تو کیا، اور
سنبھالے گا۔ تم سے ابھی وہ پوری طرح سے بے تکلف نہیں ہوا۔ وہ دل کی بات کہی ہے۔
کرنا۔

میرا بھی تو کچھ پتہ نہیں، میں نے کلمہ شاید میں کراچی سے چلا جاؤں۔ مجھے ڈی ڈی ای۔ ای
لوگ پسند نہیں ہیں۔ ڈائریکٹر راجہ اندر بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ پھر قہم کا انچارج ہے۔ وہ غور
بدلتیز ہے۔

تو تو نے شہاب سے بات کی، امیر بشیر نے کہا۔

نہیں ابھی نہیں۔ شہاب مجھے لانا اور بھیجنے کی سوچ رہا ہے لیکن بھائی جان کہہ دے۔
مفتی کو واپس پٹری آنا ہو گا۔

بھائی جان اور بااؤل معاملہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا، امیر بشیر نے کہا، یہ تم جانو۔

تو وہ جواب دیتا، میں نہیں ہو سکتا۔

میں نے بار بار پوچھنے سے روک دیا، اس لیے اس روز مجھے میں بولا، کہا، جو ہے کہ میں
اس میں کہہ رہا ہوں۔ تم نہ جانو۔ تم چلے گئے تو میں واپس کٹن پائوس میں چلا جاؤں گا۔ وہاں
کوئی کھل نہیں کئے گا۔ مجھے وہاں جانے پر مجبور نہ کرو۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

شہاب کی جانب ہم سب کا ہر وہ مختلف قتلہ، حلیف کو شہاب کے خلاف سخت گھٹا کہ وہ
دل قریب ہونے کے بدلہ وہ حلیف کی مدد میں کر رہا تھا۔

اس انکشاف کو شہاب کی ذات سے لگاؤ تھا۔ شہاب کا نام سن کر وہ کھل اٹھا تھا۔ جب بھی
اس کا وہ بڑے شرق سے شہاب سے جا کر تھا۔ لیکن ملاقات کے دوران اس نے کبھی اپنی بات
کہی تھی۔

امیر بشیر شہاب سے بے نیاز رہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شہاب ایک اچھا آدمی ہے۔ ہمدرد
کلاس ہے اس کے علاوہ اس نے شہاب کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

بشیر شہاب کے خلاف تھا اور میرے دل میں بھی شکوک ڈالتا رہتا تھا۔

دیئے۔ یہ بھی ایک ادبی فن کا خطہ تھا، لیکن اس کا انداز قطعی طور پر مختلف تھا۔ لہذا ہم آپ کو چاہتے ہیں۔ ہم آپ کی تفسیفات کے قاری ہیں۔ ہمیں آپ کی تمام انداز پسند ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ سے ملاقات کریں اور آپ سے ملاقات خیال کریں۔ امید ہے آپ ہم سے تعلق کریں گے۔

اگلے آثار کو کیا رہے آپ صدر کے مرکزی پارک میں تشریف لائیں۔ مرکزی پارک صدر کے چوک میں واقع ہے، جس کے مرکز میں فورہ ہے۔ پارک میں کئی ایک بنجی پڑیں ہیں۔ پارک کے صدر دروازے گیٹ کے قریب ہے۔ چھ ہے اس کے لوہے ایک درخت استلہ ہے۔ یہ واحد چھ ہے جس پر دوسرے درخت سلیہ ہوتا ہے۔ آپ اس چھ پر تشریف رکھیں۔ گیارہ بیگے ہمارا ملائور آئے ہیں۔ آپ سے ملے گا۔ آپ گاڑی میں بیٹھ جائیے گا۔ وہ آپ کو ہمارے گھر لے آئے گا۔ گھر میں میرے میاں میں اور ہمارے دو نوجوان بیٹے ہیں۔ آپ سے مل کر ہم خوش ہوں گے۔

دوسرے کا کہنا آپ ہمارے ساتھ کہاں گئے، پھر ہمارا دروازہ آپ کو صدر دروازے اسی مقام پر چھوڑ آئے گا۔ امید ہے آپ ضرور تشریف لائیں گے۔

ملاقات کی خواہش

”ن“

اس خط کو پڑھ کر میں بہت حیران ہوں۔ تو یہ خط چنڈیائی تھا، تو ترقی یافتہ ساری باتوں کی تھی، پر اسرار تھی۔ میں جیسے مسرت آف دی کورٹ آف لندن کا کوئی ورق ہو، چھ دن میں اس خط کو جب میں ڈالے سوچا رہا۔ بلا بھی رہی ہیں۔ چوری میں لکھا ہے ”میاں دام، موجود ہوں گے اور یہ بات وضاحت سے بتا رہی ہے کہ بچہ نوجوان ہیں۔ اپنی عمر پر پردہ ڈال رہی۔ ظاہر ہے کہ عمر رسیدہ ہے۔

کئی ایک بار مجھے خیال آیا کہ جا کر شاب گوئی خط دکھاؤں، اس سے پوچھوں کہ جانتا ہوں کہ نہ جانتا۔

علم کا حکم خط پڑھ کر قدرت کی آنکھ میں چمک اترے گی اور وہ مسکرا کر کہے گا: یہ کیا ہے جاو ضرور جاؤ۔ ایسے مواقع کیا روز روز ملتے ہیں۔ وہاں جا کر محترمہ سے کہنا کہ میں ہیں کیونکہ وہ بھی لکھتے ہیں۔ ایسا اچھا موقع نہیں ملے گا۔ جیسا میں لکھتا ہوں۔ انہیں بھی پڑھے۔ شاید آپ انہیں انڈر کسٹنڈریشن رکنا پسند کریں۔

”ن“

اپنی باتیں کرنا پسند کرتا تھا، لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دیکھنے کی باتیں ہیں۔ میں کوئی خاتون اسے لکھنے کے لیے آتی تھی، تو وہ چہرین کر بیٹھ جاتا تھا۔ تو اس میں کوئی خصوصی ”میل ایل“ نہ تھی پھر بھی لڑکیاں اور خواتین اس کی باتیں سنیں۔

اس سب کا خاتون خاتون اس کے حوالے کی وجہ سے ہے۔ پھر جب میں نے اس کو اس کی چاہت سمجھنے جاتے دیکھا تو میں سوچ میں پڑ گیا یا اللہ یہ کیا امید ہے۔ میں نے اسے شب سے پوچھا کہ ”لڑکیاں اور خاتون آپ کی چاہت کبھی آتی ہیں۔“ وہ ہلا۔ کیا واقعی کبھی آتی ہیں۔

”ن“

”ن“ آپ کو اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ سر ملٹی میں بلا دیا۔ آپ میں بظاہر کوئی میل ایل نہیں ہے۔

”ن“ میں بھی نہیں ہے، وہ بولا۔

”ن“ میں ہوتی تو جسم میں ہے، انداز میں ہے، لیکن اظہار آگے سے ہوتا ہے، لکھ سے۔ میں نے اس کی حلیہ کوئی چکاتے نہیں دیکھا۔

”ن“ میں نے کبھی نہ دیکھا۔ وہ بولا۔

”ن“ میں نے وہ دیکھا، اپنا جسم سے متعلق علم جھانڈنے کا جانا وہ میرا پہلا موقع تھا۔ میں نے اس کی حلیہ کوئی ارادے سے نہیں چکائی جاتی۔ ارادے سے چکائی جائے تو غصہ آتا ہے۔ خود بخود جھانڈنے پر غصہ نہیں چک جاتی ہے۔

وہ غور سے میری بات سن رہا تھا۔

مجھے آج تک کچھ میں نہیں آیا کہ آپ میں مقامی طاقت کہاں ہے، میں نے آرا

مجھے بھی کچھ میں نہیں آیا، وہ بولا۔ لیکن ارد گرد بیسٹس پگڑ پگڑاتی رہتی ہیں۔

بیسٹس کیا میں نے پوچھا۔

پگڑ پگڑیں، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

کیا آپ خود انہیں حرکت میں لاتے ہیں، میں نے پوچھا۔

انہی نہیں۔

آج آئیے، میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں۔

انہی، ہار نہیں رہا کہ کہاں چاہا ہے مجھے۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ میں نے کہا آپ سے ملنے سے پہلے مجھے پتہ تھا کہ کہاں

آج آئیے، میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں۔ لیکن آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر سب معمول

میں کر سکتا، وہ بولا، مجھے اچھی لگتی ہیں۔ دراصل یہ مسئلہ بہت شیرازہ ہے۔
انٹرنیشن میں کرتا، ڈیڑھ فیٹ میں کرتا، لیکن ریڈسٹ بھی نہیں کر سکتا۔
اس معاملے میں میرا مسئلہ قطعی طور پر مختلف تھا۔ میں انہیں ڈیڑھ کرتا تھا،
کرتا تھا۔ انہیں ریڈسٹ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سے ملاقات کے کوآف شاپ کو جاکوں گا۔ دیکھوں گا،
ملاقات

میں اس وقت شاپ کا فون انکلیڈ
میں نے کہا، جناب والا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس نے کہا، ہم رات
رہے ہیں، مستقل طور پر جا رہے ہیں، ملے گا وقت نہیں ہے۔ میں آپ کو آٹھ بجے
سرکاری طور پر پنڈی بلاؤں گا۔ آپ آج اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد
کسی اور سے بات کرنا ممکن نہ رہا۔

ملاقات

اتوار کو گیارہ سے بہت پہلے، میں معینہ مقام پر جا بیٹھا، گیارہ بجے کے قریب ایک
گلی گاڑی پارک کے گیٹ پر آرکی۔ ایک بوردی ڈرائیور باہر نکلا۔ میرے قریب آکر
چاہتا ہوں آپ کا نام گرائی۔
میں نے کہا، ممتاز مفتی۔
بولا، تشریف لائیے۔

ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے، دیر تک گاڑی چلتی رہی۔ میں ان علاقوں سے
واقف نہ تھا۔ ایک فراخ گلی میں وہ ایک جھگے میں داخل ہو گئی۔
ڈرائیور نے ہنسی بھائی دروازہ کھلا۔
درمیان میں مختصر کھڑی تھی، دائیں بائیں جھانک رہی تھی۔ انہوں نے کہا،
کیا اور پھر مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

مختصر کاقد چھوڑا، کاقد ہنگار سے بے نیاز۔ سادہ لباس ظاہر تھا کہ چٹ کپڑا،
پر متدن نقوش تھے۔ انداز سے ظاہر تھا کہ پدمی لکھی ہیں اور باقی وقار ہی تھا۔

آپ کی دوست
”سن“

کئی گئی، ہم پر ایک کہانی لکھ دیجئے۔

ایک لکھنؤ میں نے پوچھا۔

کہہ بھی لکھ دیجئے، وہ بولی۔

میں تو حیرانم بھی نہیں جانتا، میں نے کہا۔

کہہ تو جانتے ہیں، وہ بولی۔

اب جانتے ہیں کیا میں نے کہا۔

آپ جانتا سمجھیں یا نہ سمجھیں میں تو سمجھتی ہوں، یہ وہ پڑا رہے دیجئے، وہ بولی، پر دے

آپ نے سے کہانی نہیں بتی۔

(ایک لکھنؤ) میں نے پوچھا، لکھنے کو کچھ ہو بھی۔

جس کچھ ہے۔ بہت کچھ۔ صرف محسوسات ہی تحریر میں رنگ بھرتے ہیں، یہ کہہ کر اس

نے ہانکا رکھا۔

پندرہ ایک دنوں کے بعد اس نے پھر فون کیا بولی۔ آپ نے وہ آپ بتی لکھی۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

تو لکھیے نا، وہ بولی۔ دیکھئے ہر کہانی کا ایک انجام ہوتا ہے، اس کہانی کا بھی انجام ہو جائے۔

انجام کیوں ہوئے تو اسے۔

جانتی تو رہے گی۔ ہم نے بھی کوئی تحریک نہیں چٹائی جس میں رک جانے کا خدشہ ہو۔

لکھیے جلدی لکھیے۔

آپ کو کسی پتے کا کچھ شائع ہو گئی ہے۔

ہم خبر رکھتے ہیں۔ کراچی کے کسی پرے میں چھپو ایسے گا۔

میں نے ایک کہانی لکھی۔ عنوان تھا، یونہی نہ بتی، نہ۔

میں مطمئن نہ ہوا۔ ایسے کا کچھ خیال نہ ہو۔ کہانی صرف عنوان میں تھی۔ متن سوکھا کاٹھ

اس خط نے میرے ذہن کو اندازے کی طرح چینیٹ کر رکھ دیا۔ یہ خاتون کیا ہیں؟

جذبہ اور پھر اس قدر ضبط۔

ہمارا راولپہ ۳۵ سال قائم رہا، تک قائم ہے۔

سال دو سال میں اس کا ایک خط اور ایک فون ضرور آتا ہے۔ اس عرصہ میں ہم

تینوں مکان بدلے۔ کئی بار فون کا نمبر بدلا۔ لیکن اس کے خط پر ہمیشہ صحیح پتہ لکھا ہوتا ہے۔

لگتا ہے۔ جیسے ہماری ہر نقل و حرکت کا اسے پورے طور علم ہوتا ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ میں لاہور گیا ہوتا اور اس کا فون وہاں آ جاتا۔

میں اس سے پوچھا کرتا تھا کہ، تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں لاہور گیا ہوا ہوں۔

اس نے جواب میں کہا، ہم آپ کے بارے میں ہر تفصیل کا پتہ حاصل کرتے ہیں۔

کیسے حاصل کرتی ہو۔

ہم اپنے سارے وسائل والا پتہ لگا جانتے ہیں۔

میں نے چڑ کر کہا۔ تو خاتون ہے یا جن ہے۔

ہم دونوں ہیں، وہ جواب دیتی۔ آپ کو علم نہیں، جن کا سینہ ذکر نہیں مومن ہے۔

تو مجھ سے لٹی کیوں نہیں، میں پوچھتا۔

پھر کہیے، وہ ہنستی۔

میں پھر اپنی بات دہراتا۔

پھر کہیے، وہ پھر ہنستی۔ پھر ہنستا، ہنسیا ہو جاتی۔ اچھا ہی ہوا کہ ہمارے لٹے کی،

مسودہ ہو گئیں ورنہ۔

ورنہ کیا میں پوچھتا۔

ورنہ کیا پتہ، ہم کس راستے پر چل پڑتے، یہ کہہ کر وہ چٹو لکھ دیتی۔

UrduPhoto.com

یونہی نہ بتی

۳۵ سال کے طویل عرصے کے دوران میں صرف ایک بار اس نے ایک فرائیڈ کی تھی۔

UrduPhoto.com

یونہی نہ بتی میرے افسانوں کے انھیں مجھے "کسی نہ جانے" میں شامل ہے۔

میں لگا۔ کبھی جاتی تھیں۔ فورسز بی یڈ کا مقصد آزمائش تھا۔ اور شہاب نے اس پہنچ کو قبول کر لیا تھا۔ وہ بیٹیس سے انرجی حاصل کرتا اور دوسری چٹاب سوڑتا تھا۔

تھا۔ میں اسے شہاب کے پاس لے گیا۔ یہ ۱۹۸۳ء کی بات ہے۔
یہ کیا چیز ہے 'اس نے پوچھا۔

پتہ نہیں 'میں بولا 'آپ سے پوچھنے آیا ہوں 'اسے پڑھ لیجئے گا 'میں پھر آؤں گا۔
اگلے روز میں پھر گیا بولا بند بند ہے 'کھلتی نہیں۔ عموں کتا ہے کھلے گی۔ بیک ہی ہو گی۔ بونیاں پڑیں گی۔ وہ کیا بول آپ نے دیا ہے اس جی میں۔
وہ ہے 'بڑی بڑی۔ بونیاں

بر سے ہوا
بونیاں تو ہیں 'وہ بولا 'جین مینہ نہیں برسا۔
میں نے کہا 'میری 'اس کمانی کی وجہ تیرہ سن لیجئے پھر بات سمجھئے۔
میں نے مختصر یہ سن 'کی ساری کمانی سادی۔

فورسز بی یڈ

سن کر بولا 'بڑی اٹوکی بات ہے۔ ایسا کبھی ہوتا نہیں۔
میں نے کہا 'ہاں بڑی اٹوکی بات ہے۔
قدرت بولا۔ جب اٹوکی ہوتی ہے تو مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ہوئی نہ ہو 'کر والی مٹی ہو۔
میں نہیں سمجھا 'میں نے جواب دیا۔
جیسے فورسز بی یڈ کا ہاتھ ہو۔
فورسز بی یڈ کا کیا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
شاید ہو 'وہ بولا۔ کوئی مقصد ہو۔
مقصد کیا ہو سکتا ہے۔
شاید آپ کو سکھانا مقصود ہو۔
کیا سکھانا۔

کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔
ان دنوں مجھے کم نہ ہوا تھا کہ شہاب کے گرد جو بیٹیس منٹلاتی تھیں 'وہ خود نہیں آتی

ہاں اور ستارہ

راولپنڈی پہنچ کر میں سیدھا راجہ شفیع کے پاس گیا۔
 راجہ شفیع صراحتاً فرمایا: "جہاز سے نکلنا، کامت کر سکتا تھا۔"

تیسویں باب

پہلے میرا خیال تھا کہ یہ اہمیت حوالے کی ہے۔ درحقیقت صدر صاحب کو اہمیت دی جا رہی ہے اور چونکہ صدر صاحب تک پہنچنے کے لیے توسط ضروری ہے اس لیے ستارہ کو اہمیت دی جا رہی ہے۔

یہ مفروضہ بہت جلد دم توڑ گیا۔ چونکہ بھائی جان انکو کما کرتے تھے کہ ہلال کا کیا ہے وہ تو گھٹنا پر ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس ستارہ میں قیام ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ مولفہ نور کا ایک مخصوص پروگرام ہے جو اسلام کے نقطہ فانیہ سے متعلق ہے بھائی جان کما کرتے تھے سرکار قبلہ کا پروگرام عمل میں آئے رہے۔

بحیثیت سیکرٹری ستارہ کے اس پروگرام میں شامل ہونے کی اجازت تو مجھ میں آتی تھی لیکن انفرادی حیثیت میں ستارہ کیا کر سکتا تھا۔

لیکن اس روز کراچی میں چٹکن کی کیفیت میں قدرت کی باتیں سن کر مجھے شک پڑنے لگا تھا کہ قدرت وہ نہیں ہے جو ظاہر دکھائی دیتا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اس کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہے۔ لیکن شک ابھی دائروں ذیل تھا۔ اس نے یقین کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔

راجہ سنے کے بعد میں قدرت سے جا کر ملا۔ قدرت ایک ہوش میں مقیم تھا۔ لیجئے میں آگیا فرمائیے مجھے کس لیے بلایا ہے۔

بڑا اچھا کیا آپ آگئے وہ بولا۔

کوئی سرگت لکھتا ہے کیا میں نے پوچھا۔

نہیں وہ بات ختم ہو گئی۔ اب آپ آٹھ دن فرلوہو ہیں۔

کیا بات تھی جو ختم ہو گئی۔

اشفاق نے ہلت روک دی لیکن وہ نثار کا چارج لے لیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ "امروز" لاہور

میں۔ لیکن میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ آپ کے بھائی جان آپ کو رولینڈی میں

لانا چاہتے ہیں۔

UrduPhoto.com

خواب

UrduPhoto.com

آپ بھائی جان سے سنے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

نہیں ابھی نہیں وہ بولا۔

پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میری قید تائی پڑی میں ہو۔

رات میں نے خواب میں انہیں دیکھا تھا۔ گھر کر رہے تھے کہ ابھی تک آپ کو یہاں کیوں

لا رہا۔

آپ خوابوں کو ماننے ہیں کیا؟ میں نے پوچھا۔

ہاں کچھ ماننے والی ہوتی ہیں کچھ نہیں۔ مثلاً میں ایک خواب بار بار دیکھ رہا ہوں۔

بار ایک ہی خواب میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا، "کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ حیرت کی بات ہے کہ خواب کے کوائف بالکل نہیں

ایک سے ملتے ہیں۔" جیسے کاربن کاپی ہو۔ دیکھتا ہوں کہ ہم بولتی جناز میں جا رہے ہیں۔

پھر ہم کچھ کھانا کھا رہے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ اب گرا کہ اب گرنا لیکن جلد ہی وہ بجے جیت لینڈ کر

جاتے ہیں۔ اس میں سے صدر ایوب صاحب کی کافین کے قلم ارکان باہر نکل آتے ہیں۔ پھر ہم

صاحب کو باہر نکالتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں شیشہ توڑنا پڑتا ہے ہم انہیں کھینچ کر باہر

نکالتے ہیں۔

حیرت میں نے پوچھا۔

پھر میں نے بولا "اس تفصیل کی وضاحت نہیں ہوتی۔ جنازے باہر نکل کر ہم فیصلہ کرتے

ہیں جنازہ اڑان کے قاتل ہمیں ہے۔

بات اڑانے کی کو شش کرتا ہے اور جنازہ کو اڑا کر لے جاتا ہے۔ بس اتنا ہی خواب ہے۔

ایک خواب ہے میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا "جب کراچی جیل میں وہ قیدی مجھے ملا تھا۔ سلیٹری سل والا قیدی، یاد ہے آپ

مجھے یاد ہے۔

اسے میرے اس خواب کا طم تھا۔

اس نے بات کی تھی کیا۔

ہاں اس نے اس خواب کا حوالہ دیا تھا کہنے لگا "اپنا وہ خواب یاد ہے جو تم بار بار دیکھ رہے

ہو۔ اہل جنازہ والا خواب۔ وہ خواب ایک وار تک ہے کہ تم حیرت حاصل کرو۔

تو کیا آپ نے عبرت حاصل کی؟ میں نے پوچھا۔

وہ ہنس اٹھی۔ ہمت ہی سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ جب اسی میں صدر صاحب کے ساتھ ہوا
جہاز میں سفر کرتا ہوں تو یہ خواب مجھے یاد آجاتا ہے اور پھر جہاز کو غلوہ بخلوہ جھٹکتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میں نے کہا: راجہ شفیق ہے کہتا ہے، آپ سے مزار پر آنے کا دن اور وقت طے کر لیں۔

اے اہل ہماں ہماں ہیں، اس نے پوچھا۔

اے وہ آج ہی مری سے آئے ہیں۔

کیسے ہو سکتا ہے۔ قبرستان کے اندر گاڑی لے آئے۔ یہ تو ہی غص کر سکتا ہے جو مرہٹوں کے احوال سے پورے طور پر واقف ہو۔ لیکن قدرت کو تو راستہ ہی معلوم نہ تھا۔ ایاب ہار میرے کہنے پر وہ اور اشتقاق ربانی کی پٹری پر چلتے رہے تھے اور انہیں مرہٹوں کا نظریہ نہ آیا تھا۔ اور اب وہ گاڑی لے کر قبرستان کے اندر اس خاص احاطے تک پہنچ گئے۔ وہاں مرہٹوں کا مزار تھا۔ یہ کیسے ہوا۔ پھر بھائی جان کو اس کیفیت میں ہم نے کبھی نہیں بتایا۔ وہ ایک نمبر سے ہونے پر کارواں فرم گئے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ ظلوک کی بات ہی نہیں کرتے تھے۔ بات یہاں چار چار نہیں کرتے تھے۔

اب انہوں نے دستار بندی کی بات کی تھی اس وقت وہ بری طرح چڑھے ہوئے تھے۔ ہم نے دونوں ساتھی راجہ اور دانی پیدائشی طور پر ایمانی تھے۔ وہ بات مان لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ چونکہ بھائی جان نے کہا تھا اس لیے ہاتھ بچ تھا۔ چوں دچا کر نے کی گھاٹا، نہ ہم شیعہ تو پاگل روایتی مرہٹا وہ سر تسلیم خم کرنے والا تھا۔ اس بات کے بارے کا تھا اس لیے میں عزیز ملک سے جانا۔ عزیز ملک میں قصہ ضرور طاعت جلالی تھی لیکن اس کی سوچ بڑی بدل اور متوازن تھی۔

اس نے بڑی غور سے میری بات سنی۔ کئی گنا دستار بندی کی بات میری کچھ میں نہیں

دانی میں حقیقت صاحب بڑی بے میری سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں پہنچا تو انہوں نے کہنے میں بھڑک کر کڑی لگا دی۔ بولے۔ مفتی ممتاز کو کیا کر کے آیا ہے۔ مجھے ساری بات

میں نے کا حقیقت صاحب میں نے آپ کا پورا دل شاپ صاحب کو پیش کر دیا تھا اور ساتھ ساتھ کہہ دیا تھا کہ اس قسم کا ایک حکم عین جائزے تو سب کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

اب اس نے۔

اب کر چپ ہو گئے سوچ میں پڑ گئے۔

میرے اندر کے چونکہ پہنچنے نے شہر بھرا اقتدار لگایا۔ وہ کیسے آسکتے تھے۔ راستہ میں میں کھڑا تھا۔ اور انہیں تو رستہ بھی نہیں آتا تھا۔

وہ آئے تھے بھائی جان نے دہلیا۔ ملاقات ہو گئی ہے۔ بولے۔ ہمارا کیا ہے ہم نے ہڈی سے ملنا تھا۔ بھائی جان فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے باتیں کرتے جاتے تھے، کسی سے شکایت نہ تھی۔

سرکار قبلہ تشریف لائے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ اولیاء کرام تھے۔ انہوں نے ہاتھ دستانہ بندی کی۔ ایک مظہر تھا دیکھنے والا مظہر۔ شہر ہے ہم اپنے فریضے سے بےکدوش ہوئے۔ ستارہ چلے اور سرکار جائیں گے سرکار کا پورا کرام عمل میں آکر رہے گئے۔ انشاء اللہ۔ اللہ کے فضل سے ایک آفت ہو آئے والی تھی مثل میل ہے۔ ہم وعدہ ملی طرز نکروں۔

حق میں ہیں۔ بھائی جان خود کھڑی کر رہے تھے۔

جس وقت بے معنی ہے۔ شہر ایران کی جانب سے آئیں گے۔ دو ہلاک ہوں گے۔ شہر ہو گا۔ ہم اس روز کے شہر ہیں۔ ہم تو چاکر ہیں۔ حکم ہے کہ تلوار ہاتھ میں تھامے۔ سر کڑوانے کے لیے تیار رہو۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ ایک ساعت کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ بولے۔ ستارہ زیر تربیت ہیں۔

پتہ نہیں اس روز بھائی جان کو کیا ہوا تھا۔ وہ فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے بولے جارہے تھے۔

نہیں یہ نہیں ہو سکتا

میں اپنے ہی پکر میں گھم گھری کسا مارا تھا۔ وہ کیسے آسکتے تھے۔ راستہ میں تو میں کھڑا اور انہیں رستے کاظم نہ تھا۔

اس روز دانی اور راجہ دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے کسی میں جرأت نہ تھی کہ بھائی جان، باتوں کو نوکے بھائی جان اسی روز میری دہلیاں پٹے گئے۔ میں نے دانی اور راجہ سے پوچھا کہ یہ کیسے

ہوا۔ وہ دیکھتے آئے۔ میں نے دانی سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا۔ راجہ کہنے لگا۔ پتہ نہیں کیسے آئے۔ لیکن وہ آئے تھے۔ گاڑی میں آئے تھے۔ یہاں کہیں تک گاڑی لے آئے تھے۔

تم نے کہا تھا کہ یہ عکس حقیقہ صاحب کے ماتحت ہو گا۔
وہ تو ظاہر ہے، میں نے کہا۔

ظاہر نہیں۔ اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی۔ بار بار کئی تھی۔
جی میں نے کی، بار بار کی۔
بات ان کی سمجھ میں آگئی کیا حقیقہ نے پڑھا۔

حقیقہ اور جوش

میں حقیقہ کو بہت بڑا شاعر مانتا ہوں۔ سبھی مانتے ہیں۔ لیکن لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ
حقیقت ان کی شاعری سے بھی عظیم تر تھی۔ وقت یہ ہے کہ ہم اس بات کو نہیں
حقیقت ایک وہ "خیر و شر" مثبت اور منفی سے بے نیاز ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ
حقیقت اپنی نوعیت میں مثبت بھی ہو۔

میں نے اوہلی حلقوں میں دو عظیم شخصیتیں دیکھی ہیں۔ حقیقہ صاحب اور جوش
دونوں شخصیتیں بڑی تھیں۔ لیکن رنگ مختلف تھے، انداز مختلف تھے، نیوکلر مختلف
کا مرکز "میں" تھا۔ حقیقہ کا مرکز "ہم" تھا۔ جوش کی میں ایک بہت بڑے جہاز دار اور
باند تھی۔ اس کی چمچوں میں سے وہاں تک پہنچی ہوئی تھی۔

پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ سلف اس پر حقیقت ایسا تیرا پیرا کر لیتے ہیں۔ اس
کے گرد جھگڑا لگا رہتا تھا اور حقیقہ سے لوگ کئی کرتا تھے۔ مجھے دو سال حقیقہ
کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں ان کی شخصیت کے بیشتر پہلوؤں سے غامض واقف ہوں، لیکن
حقیقت کو ظہور کرنا اس کے لیے ایک بڑے فن کار کی ضرورت ہے، جو ان کے

بائبل درست کہتے ہیں۔ پھر میں نے "سارا قصور میرا ہے" کا دلیلیہ شروع کر
دیا۔ پھر بار بار پانچ بار پانچ شروع کر دیا۔ احمد شیر تم حقیقہ کے لیے ایسا ہی اے کیوں
کہ وہ حقیقہ کے پائے کا آدمی ہو۔ تم نے خواہ مخواہ اونٹ کے گلے میں گھنٹی باندھ
دی، اس لیے اس کے سفل کا پس نہیں ہوں۔ اس قاتل نہیں ہوں کہ اس کا پی اے بن

جوش کا فوری اثر ہو گا۔ حقیقہ خود آتے اور مجھے متا کر لے جاتے۔
میں نے دیکھا کہ یہ شخص دی ایکٹ میں کرتا بلکہ سر جھکا رہا ہے۔ تو وہ سخت
غیور و زور ہو کر رہ گئے۔ کیوں کہ وہ اپنے غلبے سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر چڑھ
نے سے محروم ہو گئے۔ وہ بہت بڑے شاعر تھے لیکن فارمل تعلیم سے محروم تھے۔
حقیقہ ایک بڑا جانا تھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں غیر تعلیم یافتہ ہوں، ان پڑھ ہوں۔
جوش بڑا شروع ہو جاتی ہے۔ پھر بھٹیاری اعلانیہ والے بھونچتی رہتی۔

جوش اور اہم

میں ہوم جی، ڈینی بیکر ٹری وینج ایڈ سے متعلق تھے۔ اس لحاظ سے ہوم جی بنا ہوا
تھا کہ اسے حقیقہ سے ڈیل کرنا پڑا تھا۔ حقیقہ صاحب جب بھی ہوم جی سے ملتے تو ان
کا وہاں کہہ میاں تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ تم مثنوی لوگ کیا جانا کہ حقیقہ کا کیا
تھا، مجھے ہرما حقیقہ کا۔

میں نے بڑا چڑھ کر نے کے بعد جب وہ دفتر آتے تو یوں جھنڈا اٹراتے ہوئے آتے تھے

راہ کرم ڈائریکٹر صاحب کے لیے کوئی مستند اور قابل بی اے کی تلاش کی جائے۔ پھر
کے بلجود میں بطور بی اے ان کی خدمت نہیں کر سکا۔ مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ
بڑے دانشور کے ساتھ کام کر سکوں، اس عرض کے جواب میں حنیف صاحب نے کہا کہ
میرے گھر آگئے۔ اور سگے آواز میں دینے ملتی ممتاز ملتی ممتاز۔

اس کے بعد میں نے دو ٹوٹ کر گھر آجائے کا حقیقی باقاعدگی سے اپنا لیا۔ اور حنیف
جیپ گھنٹوں میرے قلیق کے سامنے کھڑی رہتی۔

ایک دن میں نے احمد بشیر اور انشاء کو اپنے سامنے بٹھایا اور کہنے لگا 'اب ہاں۔
تھے کہ میں دن کے بعد حنیف صاحب تجھے ان ف کر کے باہر نکال دیں گے' اب ہاں۔
حنیف جیپ میں بیٹھ کر مجھے منانے میرے گھر جاتا ہے۔

انشاء کہنے لگا 'یار نہیں پتہ نہ تھا کہ تو فیصلے پر دلہا رہے گا۔
ہاں' احمد بشیر بولا 'مجھے اندازہ نہ تھا کہ تو ٹیکسی کی اس حد تک جاسکتا ہے۔

انشاء مسکرا کر بولا 'ہم سمجھتے تھے کہ ملتی بی ایک شریف' ہانزت انسان ہیں
غموش ہو گیا۔

جب میں راولپنڈی سے واپس کراچی پہنچا تو دیکھا کہ وہیں خیر جعفری 'حنیف کے
حیثیت سے برائے ہیں۔ خیر جعفری کو میں بہت بڑا مزاحیہ شاعر مانتا ہوں۔ اس کے
غالب مزاح کے پھول کھلے ہیں۔ طنز کے کانٹوں سے پاک، اس لیے میں خیر کا احترام
کردار کے حوالے سے خیر جعفری دفتری ماحول میں بہت زیادتی ضروری ہے مجھ سے بھی
حضور۔ اور اے خیر کو کچھ سمجھتا ہوں گا کہ وہ جاکر دیکر لے گا۔

پہا کی کتنے نتیجے کے طور پر احمد بشیر سات سال مطلوب رہا۔
پہا نے امریکی وظائف کا اعلان ہوا۔ ان میں ایک وحیفہ فلم بنانے سے حقیقی بھی

نے ابن انشاء اور مجھے ایک کمرے میں بند کر لیا۔ بڑے رازدارانہ انداز میں کہنے
اور بات نہ جانے نہ پائے۔ تم دونوں شباب سے قریب ہو۔ تم اسے طو۔ اس کے
اور انہی کے لے کر پڑ جاؤ۔ اسے کہو کہ یہ وحیفہ میرے نام کر دے۔ ضرورت پڑے تو
کہو کہ سامنے بھوک ہر تہل کر کے بیٹھ جاؤ۔ مگر یاد رکھو کہ حنیف کو پتہ نہ چلے۔ وہ مجھے
اس سپورٹ نہیں کرے گا بلکہ اسے پتہ چلا تو وہ خود ہم ٹرینگ حاصل کرنے سے
کا۔

ان میں اسٹنٹ ڈائریکٹر بننے کے بعد احمد بشیر کی تمام تر توجہ دفتری ایلیٹیشن کی
اور ان کی حتمی۔ وہ یہ جاہت کرنے پر قن کیا تھا کہ میں دفتری ایلیٹیشن کرنے کی
اوں۔

ان کا دفتر میں چلا رہا ہوں۔ حنیف تو برائے نام ڈائریکٹر ہے۔

حنیف کو یہ ذمہ تھا کہ احمد بشیر تو صرف کلرک کر رہا ہے۔ دفتر تو میرے ڈی او کے دور پر
احمد بشیر حنیف کے ڈی او کو نہیں مانتا تھا۔ حنیف احمد بشیر کے گوش کو نہیں مانتا تھا۔
اور میان سرد جنگ چل رہی تھی۔ ابن انشاء اس ڈرامے کا داؤد باغی تھا۔

بشیر کا کہنا تھا کہ دیکھو تم سب میرے ہاتھ ہو لیکن میں نے تم پر بھی افسری کا رعب
نہیں لایا رکھا ہے۔ جیسے نوکری میں پھول رکھتے ہیں۔ اب تم پر فرض ہے کہ تم
مجھ سے ملو۔

میں۔ دیوار پر نظر سے جاکر ہمارے ہاتھ کی طرف ہوں دیکھا رہتا ہے جیسے وہ اپنی فلم
ہو۔ احمد بغیر گھر سے قطعی طور پر لا تعلق ہو گیا تھا۔ اسے صرف ایک دماغ کی وہ فلم
امریکہ، فلم امریکہ، حقیقت صاحب خود محسوس کرتے گئی تھے کہ دفتری فضا بیل دلی

پچھ

ایک روز حقیقت مجھ سے کہنے لگے، 'مفتی ممتاز دفتر کو کیا ہوا ہے۔'

میں نے جواب دیا، 'کیا ہوا ہے؟ کچھ ہوا ہے کیا؟'

بولے، 'دفتری فضا بیل دلی ہے۔'

میں نے کہا، 'حقیقت صاحب دفتری فضا تو آپ خود ہیں۔'

کیا مطلب؟

دفتری فضا آپ بناتے ہیں۔ آپ سحر کرتے ہیں تو دفتر میں خوشی کی لہر دو جا آتی ہے۔

اچھے پر تیری ڈال لیجئے ہیں تو دفتر میں سب کے منہ لہجے ہو جاتے ہیں۔

کہنے لگے، 'مفتی ممتاز تو بڑا چٹاک ہے۔'

میں نے کہا، 'جب آپ کیا تھا تو معصوم تھا آپ کے ڈی او اے کے چٹاک بنا دیا۔'

بولے، 'سچ سچ تھا تو دفتر میں کیا ہو رہا ہے۔'

میں نے کہا، 'حقیقت صاحب کبھی مٹھن کی بات کر لیا کریں۔ مجھے دفتر سے کیا لگتا ہے۔'

آپ کا پی اے ہوں۔

سیالے کہتے ہیں کہ پچھندہ کر رہا ہو تو اس کی توجہ کسی اور چیز پر متصف کر دیں۔

اسے حقیقت بھی ایک پچھ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کی ہند توڑنے کے لیے توجہ اس کی طرف

طرف متصف کرنا ضروری تھا اس کی میں میں پھونک بھر دوں۔ بس بات بن جاتی۔

پھر قدرت اللہ کی وسالت سے احمد بغیر کو فلمی سکارپ مل گیا۔ اس خبر سے احمد

بغیر فوج نہیں بلکہ اور کاڑھا ہو گیا۔

وہ امریکہ جانے سے پہلے ہی امریکہ پہنچ گیا جس روز ہم اسے ایئر پورٹ پر دیا

گئے۔ اس روز اس کا بیڑا نکلے ہوئے تھا۔ ایک چٹاک تھا۔ وہ کراچی کے ایئر پورٹ کو نہیں لے

والہیں آئے کہ بعد وہ بظاہر خاموش ٹارنل ہو گیا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں قفس
تھا۔ اس کی۔ پتہ نہیں کہیں احمد بغیر کے دل میں یہ یقین ایسا کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ
فلم بنانے کے لیے پیدا کیا ہے۔

ساتھ ساتھ کہتے دیکھ کر احمد بغیر کا دل اسٹنٹ ڈائریکٹری سے اچھا ہو چکا تھا۔ اور
اس کی اس بات پر غور کر رہا تھا۔

وہ اس نے مجھے بتایا۔ کہ اسے کارورازہ اندر سے بند کر لیا۔ کہنے لگا، 'دیکھ ممتاز دفتر کے
تجھے معلوم ہے کہ دلچ سپائیز دینڈا پ ہو رہا ہے۔'

پتہ

میں نے جواب دیا۔ دلچ سپائیز آپ کیا جا رہا ہے۔

میں نے وہ بولا کہ ہمیں کس جگہ میں تہنات کیا جائے گا۔ ہم تو اور میں بنیادی طور پر

تو اور دفتری دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی حقیقی کام کریں، اپنا کام

تو اور وہ ہے کہ فلم بنائیں۔

کہیں سے آئے گا میں نے پوچھا۔

تو اور نا کچھ وہ ہی جانے لگا۔ کوئی نہ کوئی صورت بن ہی جائے گی لیکن ہمیں ابھی سے

وہاں دینا چاہیئے۔

وہاں میں نے پوچھا۔

کہ انتظام نہیں ہو تا ہم سچے روک ہی کھل کر لیں۔

بیمہ ورک کا مطلب۔

تم ایک کمائی کھو، صرف آؤٹ لائن۔ میں اسے سینوں میں پٹت دوں۔ پھر تم اسے مکالمے لکھ دو۔ اس کام میں تقریباً چھ مہینے لگ جائیں گے، جب تک پیسے کا انتظام ہو جائے۔ میں دنوں بیری توجہ کسی اور جانب مرکوز تھی۔ میرا بی بی نہیں چاہتا تھا کہ فلم کی اس دنیا میں نہ ہی مجھے چہرہ دکھانے کی خواہش تھی۔ لیکن ابھر بٹیر نے اتفاقاً کرنا شروع کر دیا۔ مجھے پڑے دیکھ کر قیصر نے پوچھا بات کیا ہے۔ میں نے کہا یار ابھر بٹیر فلم کے لیے کمائی بنا رہا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ موضوع کیا ہو۔

بولو، لویہ بھی کیا سوچنے کی بات ہے۔ لو سٹوری لکھ دو۔ میں نے کہا، لو سٹوری ہے۔

لو سٹوری - انشاء کی

کہنے لگا، عام لو سٹوری نہیں۔ انشاء کی لو سٹوری لکھو۔ انوکھی محبت۔ ایسی محبت کہ کسی بھی کی نہ ہو، سنی نہ ہو۔

میں نے کہا، کیا خصوصیت ہے انشاء کی محبت میں۔

بات یہ ہے، زبان لگ ہو جاتی ہے، آنکھیں جھپک جاتی ہیں، منہ سے بات نہیں نکلتی۔ جاتا ہے، وہاں سے ہے، مگر سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

وہاں سے اسے پوچھا، مجھو۔

وہاں سے وہ بڑی تیز طرار ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔ پڑھی لکھی ہے، امر بھی کہتی ہے۔

وہاں سے کیا رویہ ہے اس کا، میں نے پوچھا۔

وہاں سے تفسیر اڑاتی ہے۔ بلکہ اب تو میاں بیوی دونوں مل کر انشاء کے جذبے کو کام میں

لے آئے۔ انشاء کا استحصال کرتے ہیں، فراغتیں کرتے ہیں۔ اور انشاء کو پتہ ہے کہ وہ اسے بنا رہا ہے۔ پھر بھی وہ پھولے نہیں سنا، فراغتیں پوری کرنے میں اسے بڑی خوشی ہوتی ہے،

میں نے کہا، کیا پایا ہو۔

میں نے کہا، کئی۔ میرا خیال تھا کہ محبت میں مجھ سے بڑا امتیاز کوئی نہیں ہو گا، لیکن انشاء کی نصیحتات سن کر میرا دل ڈوب گیا۔

ابھر بٹیر کہنے لگا کہ انشاء سے جب ہم کہتے ہیں کہ یہ وقف، وہ تجھے الوداعی ہے۔ جواب

میں نے کہا، وہ تجھے یہ تعلیم دے گا، عہدہ کرے ہو، جس پر تم نہیں دیکھو، اس نے مجھے

کہاں میں نے پوچھا۔
آپ کو راولپنڈی پہنچ کر آؤ راولپنڈی جائیں گے۔

کر کے اس میں دو دو بدل کر کے اسے فاضل آیز کر لیں گے۔ ایک دفعہ کھانی کی آؤٹ لائن
فیصلہ ہو جائے پھر مکالمے آسان کام ہے۔

اگلے روز جب میں دفتر میں بیٹھا۔ فلیس کھانی کی آؤٹ لائن نگاہ رہا تھا تو ایک ڈیر لائی
دی۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا ہوں کہ
میں دفتری سٹاف کھڑے پھر کر رہا تھا۔

کون آئے ہیں میں نے پوچھا۔

ڈیر آئے ہیں ڈیر لائی سٹائی دی۔

کھلی ہیں۔

حفیظ صاحب کے کمرے میں ہیں۔

اجہ پھر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ کہنے لگا، گلرز نہ کر ہم بھگت لیں گے وڈیر کو۔ تو آؤ
مکمل کر لے۔

میں کمرے میں جا کر کھانی کی تنصیحات سوچنے میں کھو گیا۔ کچھ دیر کے بعد حفیظ کا تاج
پولا، جناب آپ کو وڈیر صاحب نے یاد کیا ہے۔

وڈیر صاحب نے۔ مجھے میں حیران رہ گیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کون وڈیر ہے یہ میں نے پوچھا۔

جی بریگیڈر ایف آر خان ہیں۔

جب میں حفیظ صاحب کے کمرے میں پہنچا تو وڈیر صاحب نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا، آؤ

ممتاز مفتی ہیں نا۔

میں نے کہا، جی میں ممتاز مفتی ہوں۔

بولے، آپ فی الفور راولپنڈی چلے جائیں اور وہاں جا کر کیو بی شاہ صاحب کو رپورٹ
کریں۔

میں نے پوچھا، جناب مجھے وہاں کتنے دن رہنا ہو گا۔

میں نے کہا، وہ بولے، آپ کو ڈائریکٹر کر دیا گیا ہے۔

جس میں آپ جاپوں لے سکتے ہیں، جب محض لے گی تو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو گا۔ اس کی ضرورت ہے تو ایسی تیار رکھئے۔

میں نے جواب دیا "فوری ضرورت نہیں ہے۔"

شباب نے کتنی بھائی بھائی اسے کیا تو اس نے کہا "آپ ان کی جاننگ رپورٹ لے لیجئے۔"

لو لیس ڈی ہیں۔

رپورٹ لینے کے بعد شباب نے کہا "میرا ارادہ تھا کہ آپ کو لاہور امروڈ میں لے جاؤں، لیکن بھائی جان کی خواہش ہے کہ آپ پنڈی میں رہیں۔ لہذا یہاں ایک نئی گاڑی لے لی گئی۔"

بھائی جان سے لے کر کیا میں نے پوچھا۔

اس ایک ہی طاقت ہوئی ہے۔ بھائی جان خوب آدمی ہے۔ مستند، با اصول عمل کے۔ ایسے آدمی کہیں ملتے ہیں، بھڑات کی اہمیت سے پاک ہوں، خدمت گزار ہوں۔

اور دوسرے جگہ میں نے پوچھا۔

کون کیا۔

میرا نام "ایسا گیتا ہے جیسے وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ پاکستان کے متعلق جو ان کا خیال ہے، آپ اس میں شمولیت کر لیں۔"

پھر وہ بولا "صاحب مزار، میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے، اور بس۔ اس کی شمولیت سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ایک بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

ان کر میں حیران رہ گیا "اتنی بے اعتنائی کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ متحرک رہتا ہے۔ یہ کس پر کس دوا تیار رہی کرتے ہیں۔ بات سمجھ میں نہ آئی۔"

ادھر سے ادھر تھا کہ جس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ فوراً "موضوع بدل دیا۔"

اور پوچھا۔

اس نے موضوع بدلا دیا "ابن انشاء لاہور آئے ہیں کیوں چنگا رہا ہے۔ کل میں نے اسے

صدر گھر

راولپنڈی پہنچ کر میں سید صاحب سے ملانا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولا "اچھا ہوا آپ آج۔ میں نے بریگیڈ ڈیفنڈ آر خان سے کہا تھا کہ چارلے کا حکم بند، آپ جاری کریں گے۔ آپ کے پاس رپورٹ کرنا ہے۔"

دسب ہو جائے گا وہ بولا

اولیس ڈی

بس اتنا دیکھ کر چارلہ کہی ہو رہا ہے، میں نے پوچھا۔

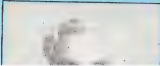
یہاں پنڈی میں "وہ بولا۔"

کس دفتر میں "میں نے پوچھا۔"

یہاں صدر گھر میں۔ اب آپ میرے ماتحت ہیں۔ میرے اولیس ڈی ہیں۔ آفسر تین پینسل ڈیوٹی۔ لیکن اس میں آپ کو نقصان رہے گا۔ لول تو یہ نئی پوسٹ ہے۔ اس پوسٹ کی منظوری لینا پڑے گی۔ پھر آپ کی ہے اس پر نو کس ہوگی۔ یعنی چھ مہینے تک وہ نہیں ملے گی۔ شاید گزارہ ان "اؤس" مل جائے لیکن ہمارے پاس ایک امدادی نوٹوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں

VIII

007



’فون کیا تھا کہ آپ لاہور کیوں نہیں آجائے؟ وہاں ہم آسانی سے آپ کو اٹا موڈیٹ!‘
پھر اس نے کیا کہا۔

لاہور آنے میں پچھلے پچھلے ہٹ کا اکٹھا کیا۔

’نہیں وہ لاہور نہیں آئے گا۔ میں نے کہا۔ لاہور ہٹا کے لیے ایک پھوڑے کی تیار کیا۔‘

’ہے۔ وہ لاہور کو بھول چکا ہے۔‘

APPHARS THAT LAHORE IS

لے اندر بشرے کہاں ہیں ہے تو کتنا تھا کہ یہ لاہور میں جائے گا۔

میں خود حیران ہوں وہ بولا۔

اگلے روز جب ہم دفتر میں بیٹھے تھے تو انشاء آگیا۔ اسے دیکھ کر ہم حیران ہوئے۔

انشاء میں نے کہا تو لاہور کیا تھا۔

انشاء بیٹہ کیا کہنے لگا یار میں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہوا۔ تم نے مجھے گاڑی میں بٹھا دیا۔

پہلی تو میں کتاب پڑھنے لگا۔ پڑی دلچسپ کتاب تھی۔

پھر گاڑی رکی۔ کوئی بڑا مشین تھا دیکھا تو سگرت ختم تھی۔ میں نے سوچا چلو سگرت خرید

لیا سوٹ کیس اٹھایا۔ سگرت خریدے اور پھر سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔

پھر جو گاڑی رکی۔ تو سارے مسافر اتر گئے۔ دیکھا تو کراچی کا مشین تھا۔ حیران ہوا کہ یہ

ہوا کہ گاڑی کراچی سے چلی تھی اور واپس کراچی آگئی۔

قدرت جس کو بولا ہے بعد دلچسپ آدمی ہے۔

میں نے کہا دلچسپ نہیں لذیذ آدمی ہے۔

شام کو میں راجہ شفیق سے ملا۔ میں نے کہا راجہ بھائی جان کی بات پوری ہو گئی۔ میری

دلی ریلوینڈی میں ہو گئی ہے۔ کہاں وہ خوشی سے چلایا۔ میں نے کلمہ صدر گھر میں۔

خوشی سے وہ پاگل ہو گیا۔ اس نے دو ایک نعرے لگائے پھر بیٹھ کر سنجیدگی سے کہنے لگا یار

میری ایک ہی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی۔ مجھے تو یہ آگیا پن کہا گیا تھا۔

میں نے کہا بھائی جان کہاں ہیں۔

کہنے لگا مری میں ہیں۔ اترنا کر رہے ہیں کہ مری کا کام ختم کر کے پٹری میں آ جائیں۔

کان کراے پر لے لیں اور اسلام آباد میں کام کریں۔ لیکن یار وہ بولا بھائی جان وہ بھائی

نہیں رہے۔ پہلے ان کی توجہ ستارہ میں آگئی تھی اب ستارہ کی نیگم ڈانکر محنت پر مرکوز

ہو گئے ہیں ڈانکر محنت ہمارے بیٹی ہے۔

ایا واقعی میں نے پہچان۔

پاکل وہ بولا۔

راجہ تجھے یاد ہے میری ماں نے مجھ سے سنت کی تھی کہ مجھے بھائی جان سے ملنا دو۔ میں



غفور ملک، محنت شباب، قدرت اللہ شباب (گورنمنٹ تھانہ شباب)



نشینہ
(قدرت اللہ شباب کی بھانجی)

خواجہ جان محمد (کھانا بھانجی)
عسکری مفتی، قدرت اللہ شباب

نے بھائی جان سے درخواست کی تو کہنے لگے۔ ملحق صاحب ہم خواتین سے نہیں جواہر دے دیا۔

عفت کو ڈانہوں نے بیٹی بنا لیا ہے راجہ نے کہل بھی اس سے لئے نہیں۔ اب وہ خود سے کہتے رہتے ہیں۔ عفت بیٹی کی گود کیوں نہ چری ہو۔ ضرور ہونی چاہیے۔ ہم نے کوکلی مرچ دم کر کے نہیں دی۔ لیکن عفت بیٹی کو کیوں نہ دیں ضرور دیں گے۔ راجہ بولا۔ بھائی جان کی ہماری طرف توجہ رہی ہی نہیں۔

صدر گھر میں قینچی کی وجہ سے مجھے قدرت کو قربہ سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ قدرت کی وفات کے بعد 'اشفاق احمد کی کتاب "ذکر شہاب" کے لیے میں نے ایک مختصر مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون سے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

قدرت کی شخصیت

شخصیت کے لحاظ سے پہلی نظر میں قدرت غامض پھیپھر نظر آتے تھے۔ چھوڑا تو جسم بات کرنے سے عاری ہوگئی، محل میں بیٹھے تو اس قدر سنجیدہ اور خاموش جیسے پتھر ہوئے ہوں ' اونٹیاؤں سے خائف رہتے ' اگرچہ اس بات ڈانہوں نے بھی کسی سے انکار کیا تھا۔ یورو کرش میں بیٹھے تو جیسے راجہوں میں گوا بیٹھا ہو۔

شور و شب سے سخت گمراہ تھے۔ تقریر کرنی پر باقی ذول بیٹہ بیٹہ جانک اڑتی اپنی ان کیوں کو چھپانے کے لیے انہوں نے خود پر سلیجی کی بھری چپ طاری کر رکھی تھی سنجیدگی بھری خاموشی پتھر کی طرح سخت تھی۔ دوسرے کو پتھر کی طرح گنتی تھی۔ دوسرا کہہ رہا اس کا بیٹی چاہتا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ خاموشی قدرت اللہ کا واحد ہتھیار تھا۔ اگرچہ موثر تھا۔ حد موثر ' مگر جموٹا بیٹھتی تھا۔

کردار کے لحاظ سے قدرت اللہ پتھر کے نہیں تھے۔ انسان میں شدید قسم کی حساسیت کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ ان میں آکشی ضبط تھا۔ اندر بڑے حالات اور ازمردار لگے ہوئے تھے۔ ان میں شدید ترین تکلیف کو برداشت کرنے کی قوت موجود تھی۔ بڑے سے بڑے کرب کے دوران کیا بھائی کہ چہرے پر اظہار کی جھلک نظر آئے۔ ان کا ہر

انداز اور طوفاں چاہا تھا لیکن باہر سکون ہی سکون ہوتا۔

قدرت اس قدر ذہین تھے کہ بات کرنے والا انہی تمہید چھوڑ دیا ہو تاکہ وہ ساری بات اس کی پڑھنے کی پہلے اس قدر تیز تھی کہ میں ابھی دوسرا ہیہرا اگر فہم چاہا ہو تاکہ وہ فہم نہ ہوتے۔

انہوں نے میں آکر بیٹھا جاتا مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ قدرت نے سارا صفحہ پڑھ لیا ہے۔ اب کاندھ پر لکھا ہوا یہ لفظ بہ لفظ پڑھتے ہیں یا مفہوم سمجھنے کے لیے نظر گردانی کرتے ہیں۔ لفظ بہ لفظ پڑھتا ہوں۔ پھر بھی مجھے یقین نہ آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی ایک ریڈنگ کا ہوا ہے۔

قدرت نے بادشاہ غصب کی تھی۔ ایک دفعہ دفتر کا ایک ضروری کاندھ کم ہو گیا۔ بہت تلاش کی۔ قدرت نے پوچھا کیا میں نے وہ کاندھ پھاڑا تھا۔ میں نے کہا ہاں پڑھا تھا پھر پوچھا۔ کیا تھا۔ میں نے بتا دیا کہنے لگے ' میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ چار پانچ منٹ وہ دیکھ رہا ہے۔ پھر بولے آپ لکھتے چائیں۔ میں لکھتا گیا۔ چند دنوں کے بعد اصلی کاندھ مل گیا۔ یہ نکل ساپ اور کرے تک فرق نہ تھا۔

انہوں میں بہت حیران ہوا۔ میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ میں نفسیات کا طالب علم تھا اور میں نے اس بات کا مطالعہ کیا تھا اور خود کو نفسیات کا سمجھنے والا سمجھتا تھا۔ قدرت نے قدرت سے کہا ' یہ بات بڑی حیران کن ہے۔

انہوں نے جواب دیا ' سیدھی بات ہے۔

انہوں نے کہا کہیے۔

انہوں نے میری یادداشت Visual ہے۔ کسی کوئی چیز سامنے آ جاتی ہے۔ کوئی میں نے دیکھا ہے۔ بدھ عن رہتے تھے ' اس میں تم کتاب سے نقل کرتے ہو۔

قدرت اللہ کی انگریزی بہت عمدہ تھی ' اپنے نوٹس وہ دفتری انگریزی کے بجائے ادبی انگریزی لکھتے تھے۔ ان کے نوٹس ایک تو مختصر ہوتے۔ دوسرے ان نوٹس میں وہ بین السطور

بات کرنے کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ جب ان کا لکھنا ہوا لوٹ دفتر میں پہنچتا تو بھی لوگ اسے پڑھتے جیسے تحریر ہو اور پھر آپس میں گفتگو کرتے 'بھٹ کرے' 'مین اسطور' اور 'بھٹ کرے'۔

و مکر ہوتا ہے نہ دفتر ہوتا ہے بلکہ ایک ڈھکا چھپا میدان کار زار ہوتا ہے۔ ایک

ہاتھ کے بعد وہ قدرت اللہ کی رائے بھی دریافت کیا کرتے تھے، 'ملاں کہ کلینڈ میں
کلیں کی مشیت نہ تھی۔ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرنے کے پلہ جو صدر اکثر مسکرا
تے تھے۔

Must you throw a brick on my head whenever I speak

ایک دن میں نے پوچھا، آپ جو صدر صاحب کے سامنے ہوں کمرے ہو جاتے ہیں، جیسے
دل کا کچھ مولوی صاحب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر کیا اس لیے میں 'سر میں
کہہ دوں کہ وہ سربراہ مملکت ہیں۔

وہ بولا اس لیے بھی لیکن زیادہ تر اس لیے کہ صدر ایوب بہت ذہین آدمی ہے۔ میں
ان سے بہت متاثر ہوں۔

قدرت کے تعلقات عجیب تھے جو میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔
میں نے بھی اللہ یا اسلام یا پاکستان کی بات نہ کی تھی۔ کبھی تحقیق نہ کی تھی، جیسے بھائی
تھا کہ اس نے کبھی مجھے صیحت نہ کی تھی، کسی بات پر ٹوکا نہ تھا۔ تو اس قدر سرسری
تھا کہ ایک دن کوئی محسوس نہ ہو کہ مثلاً ایک روز جوش گوئی پر بات ہو رہی تھی۔

گوئی

حالات کے ابتدائی دور میں میں نفسیات میں دلچسپی لیتا تھا۔ ان دنوں نفسیات نا علم تھا۔
پھر ڈاکٹر بیری میں نفسیات کی کتابیں قلمرو میں زیادہ تھیں، اس لیے میں نے مطالعے کا
شروع کیا۔ اس کی طرف موڑا۔ نیس کے بعد میں ایس پی (Sensory Perception) میں
میں جاتھا۔ یہ مضمون بالکل ہی نیا تھا۔ کتابیں بہت کم تھیں۔ اس لیے مجبوراً مجھے
ایس پی کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ ان دنوں ایک رسالہ پریٹنکشن آسٹری سے مل جاتا تھا۔ کیو کی
کتابوں سے میں بہت متاثر ہوں۔

ایک دن میں پریٹنکشن پڑھ رہا تھا کہ قدرت آلیہ۔ کہنے لگا، میں بھی کالج میں پریٹنکشن پڑھا
تھا۔ بڑی مزے کی چیز ہے۔ لیکن پھر میں نے اسے چھوڑ دیا۔
ایک دن انگریز میں ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا، میں نے پوچھا۔

بات پر ان کا خلاف فائدہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔ وہ سب ٹیکرٹری کے خلاف کوئی
دیکھتا تھا۔ شباب کے خلاف کی خواہش تھی کہ وہ ٹیکرٹری کے حلقوں کاؤٹ کر دے اور
پورے خلاف حملہ آرائی کریں، تاکہ وہ بھی فائدہ انداز اختیار کر سکیں۔ لیکن قدرت
ٹیکرٹری کی حملہ آرائی کا بھی دلش نہ لیا تھا اور ان کی مخالفت کو دور خود اٹھانہ سمجھتا تھا۔

نہ تو شباب اس موضوع پر اپنے خلاف سے بات کرتا تھا نہ ہی ان کی بات متاثر
قدرت کا یہ رویہ اس کے خلاف کے لئے بے حد تکلیف رہا تھا۔
صدر ایوب کے ساتھ قدرت کا رویہ کھٹ مٹا تھا۔

صدر ایوب بلائے تو وہ کلڈ چل اٹھا کیوں بھاگا بھاگا حاضری دیتا جیسے کسی ذہین آدمی
ہو۔ صدر ایوب کے سامنے موجود نہ کھڑا ہو جاتا۔ جب تک وہ اسے جینے کو نہ کہتے کھڑا ہو
کے انداز میں بے تکلفی یا انصاف کا شائبہ تک نہ ہوتا، سراسر جی حضور ہے۔

اس کے برعکس صدر صاحب کے پہلے بلاوے پر کبھی حاضری نہ ہوتی، چڑاسی آر
لائٹ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ ان دنوں صدر گھر کے چڑاسی صدر کو لائٹ صاحب کا
تھے۔ وہ برطانیہ کی رسم ابھی تک قائم تھی۔

ایک دن میں نے پوچھا۔ آپ پہلے بلاوے پر کیوں نہیں جاتے۔ تیرے بلاوے
کیوں کرتے ہیں۔

کہنے لگا، 'انتظام' پہلے بلاوے پر نہیں جاتا۔
اس میں کوئی مصلحت ہے کیا۔
ہاں، وہ بولا، تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ ان کے بلاوے کے علاوہ بھی ضروری کام
ہیں۔ اس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔

صدر ایوب کے سامنے وہ یوں نہیں سر میں سرکتا دیتا جیسے خاص جی حضور ہے۔ وہ
تک صدر ایوب کو پہنچنے نہیں دیتے وہ اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اس کی رائے
کو پہنچنے تو خشک انداز میں کہتا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ پھر وہ مکمل کر لیتی
کا اظہار کرتے تھے صدر بڑے غور سے سنتے۔ وہ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرتے تھے
ہر معاملے میں پہنچتے تھے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حتیٰ کہ کلینڈ کی بینک میں بھی ارادہ

فہمیں 'وہ بولا' مجھے پیشین گوئی پر یقین نہ رہا پہلے بھی یقین کی وجہ سے نہیں تھا۔
دلچسپی کی وجہ سے دھا کرنا قلم
یقین کیوں نہ رہا۔

بس خیال آیا کہ اگر ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ قادر مطلق ہے اور (Finality Rests With) اس کے بعد پیش گوئی سے معنی ہو جاتی ہے۔

اور کشف میں نے پوچھا۔

وہ بھی تو پیش گوئی ہے 'اس نے جواب دیا۔

اور اگر کوئی بزرگ کشف کی بات کرے تو۔

چاہے کوئی بھی مستقبل کی بات کرے 'اگر آپ "کاشفِ اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔
رکھتے ہیں 'تو آپ کو پیش گوئی پر حتی یقین نہیں آئے گا چاہے وہ کبھی حیرت ہو جائے یا نہیں اس پر حتی یقین نہیں کرنا چاہیے۔

نماز

میں نے قدرت اللہ کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری طرح وہ بے نماز ہی ہے۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی کہ ایک دن میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔

چھٹی کا دن تھا 'میں اس کے گھر چلا گیا' میں نے عفت سے پوچھا 'شباب کہاں ہیں'۔

روم میں ہیں 'اس نے کلمہ میں بیٹہ روم میں گیا۔ کرو خالی پڑا تھا۔ میں نے پھر عفت سے پوچھا

میں نے کہا 'بیٹہ روم میں تو نہیں ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی کئی 'پتہ نہیں لگا

ہیں۔ اس کی مسکراہٹ بڑی باطنی تھی۔ میں پھر سے بیٹہ روم میں گیا پتہ روم کا دروازہ کھلا

ڈرنیک روم میں قدرت نماز پڑھ رہا تھا۔

جب وہ باہر نکلا تو میں نے کہا 'آپ چوری چوری نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ بھی

طرح لپٹنے ڈھب پر شرمندہ ہیں۔

وہ مسکرایا 'کہنے لگا 'آپ شرمندہ ہیں کیا

میں نے کہا 'بے حد شرمندہ ہوں۔ سارے ہی فنڈک جنول شرمندہ ہوتے ہیں۔ ہوائی

انکات سے بعد ایک روز مجھ میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ نماز پڑھوں۔

'ایک نماز پڑھی آپ نے 'اس نے پوچھا۔

اوپر دس چند دن پڑھی۔ بڑے سیکورینی اور شہنشاہ کے ساتھ۔ پہلے چاروں طرف دیکھ کر

اپنے لپٹا کر کوئی دیکھا تو نہیں 'پھر چپ چاپ کر وضو کرکے پھر کمرے میں گھس کر اندر سے

نماز پڑھ لیا۔

وہ ہنسنے لگا 'ایسی تو کوئی بات نہیں۔

غالب ہے کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں کیا۔

کیوں نہیں 'وہ بولا۔

اس سے دو ایک مہینے کے بعد جب ہم دورے پر کراچی گئے ہوئے تھے اور شام کے وقت

کے ایک فیشی رستوران کے بڑے کمرے میں بیٹھ جائے پڑے تھے۔ کمرہ گاہکوں سے

بھرا ہوا تھا تو دفعتاً مغرب کی آواز سنائی دی۔ مجھے قدرت کی وہ بات یاد آگئی۔

میں نے کہا 'آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے

ہیں۔

اس نے مسکرا کر 'سر لپٹ میں بایا۔

کیا آپ اس کمرے میں نماز پڑھ سکتے ہیں 'ابھی اس وقت 'میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا۔ 'ہاں اس نے بلند آواز دی 'جائے نماز لاؤ۔ 'ہیرا حیرت سے ہماری طرف دیکھنے

لگا۔ قدرت نے بڑے محکم سے اپنا آڈر دہرایا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کس کے میز پر دور سے کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھا پھر ہیرے کو

الٹا دیا۔

ہیرا قریب آیا بڑے احرام سے بولا 'صاحب اندر نماز پڑھنے کا انتظام موجود ہے۔ آپ

شریف لے آئیں۔

میں نے قدرت سے کہا 'جائے نماز اس کمرے کے اس کونے میں بچھاؤ۔

قدرت اس کچھ بھرنے کے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا اور کمرے کے تمام لوگ حیرت

میں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ڈیلے باہر نکل آئے تھے۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت تقاریر سے بھری ہوئی تھی۔

ظاہر وہ ایک خاموش اور مریض شخص نظر آتا تھا لیکن کبھی کبھی محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایک انقلابی چمکا رہا ہے۔

ظاہر وہ ایک دبی آدمی تھا، دم و روح کے مطابق جیسے کی کوشش کرتا تھا وہ لوگوں پر شاک کرنے سے اجازت نہ دیتا لیکن اندر سے وہ ایک انقلابی شخصیت کا مالک تھا اس کی خیالات شدت سے منقو تھے۔ وہ ہر بات میں انقلابی رائے رکھتا تھا اس کے باوجود وہ اپنی انفرادیت کا مزہ لیتی اعتبار نہ کرتا تھا لیکن اس کے اعمال و افعال سے صاف ظاہر ہوتا کہ وہ خیالات اور کردار کے لحاظ سے ایک منقو شخص ہے۔

اس میں باکی جڑت تھی لیکن ظاہروں لگتا تھا جیسے ایک بی ضرور ہے۔

۱۹۶۰ء میں میں نے قدرت اللہ شہاب کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا تھا اس مضمون میں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کو سمجھنے کا عمل ایک ارتقائی عمل ہے جس میں جتن مقام آتے ہیں۔

پہلے ایک روز کی رفاقت کے بعد آپ محسوس کرتے تھے ہیں کہ آپ اس کی شخصیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ ایک سادہ، شہید، خوشگوار، شہساز اور ہر وقت شخصیت کا مالک ہے۔

مزید قریب حاصل ہوتا ہے: جانتے تو دلہن! آپ محسوس کرتے ہیں کہ خوشگوار، مستعار ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا بید ہے۔ وہ قریب نہیں آتا قریب آتے نہیں دیتا۔ آپ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیسی شخصیت ہے۔ دو روز سے چہرے کھلے ہیں لیکن اندر داخل ہونا دشوار ہے۔ آپ سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ پر واضح ہوتا ہے کہ آپ شہاب کی شخصیت کے بہت پہلوؤں سے واقف نہیں ہیں۔

اس کے بعد اگر قریب قائم رہے تو ایک روز آپ پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہاب کی شخصیت کا ایک پہلو کسی انقلابی سے سے تعلق رکھتا ہے جس کا آپ رابطہ نہیں کر سکتے اس

قدرت اللہ شہاب آپ کے دورہ انجمن بن کر آکر آہوتا ہے۔

پس شہاب کو جاننے کا عمل سمجھنے سے شروع ہو کر نہ سمجھنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک

عملیات ہے جس کا اور ان مشکل ہے اور یہ بیان کرنا بہت دشوار ہے۔

شہاب سے ملنے والے بیشتر لوگ تو پہلی ہی منزل پر رک جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ دوسری

منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور تیسری منزل تک پہنچنا شاید ہی کوئی پہنچا ہو تھے اس کا علم نہیں۔

قدرت میں ایک "مبگنٹینک" قسم کی "ڈول پاور" ہے۔ وہ آپ کی توجہ کو ہانک سکتا ہے کہ آپ کی توجہ اس حد تک آگے آئے اس سے آگے نہیں۔

قدرت اللہ کو میں گذشتہ چھ سال سے جانتا ہوں۔ میں بھی دوسری منزل سے آگے نہیں جا

سکا۔ فرق صرف یہ ہے کہ مجھے اور ان کے کہ میں اس کی شخصیت کے ظاہری پہلوؤں سے

واقف ہوں۔ "بمبگنٹینک" سے واقف نہیں ہوں۔

قدرت اللہ سے پہلی بار ملکر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں افسری کی نہیں سرے سے

نہیں اس وقت وہ بہت بڑے عہدے پر فائز تھا چونکہ صدر پاکستان کا پیکر تھی تھا۔ دیکھ

کر وہاں وہ تھیں صدر پاکستان کے قریب کے حوالے سے بڑے بڑے افسرانِ عزت کرتے تھے۔

اپنی طبیعت کم گوئی اور شہید کی دور پر وہ افسروں سے وقت گزار رہا تھا۔ انہوں نے اس کا رویہ

متاثر نہ کیا تھا۔

مقابلے کے اختتامات پاس کرنے میں اسے دسترس تھی۔ اس نے پہلے انکوائس کا امتحان پاس

کیا۔ پھر پروفیشنل سروس کا اور پھر آئی ای ایس کا تینوں امتحانوں میں پوزیشن حاصل کی، حالانکہ

اس زمانے میں مسلمان کے لیے مقابلہ کا امتحان پاس کرنا بہت مشکل تھا۔ قدرت کی یادداشت

"پریس" تھی۔ سب کا مضمون سائے آجاتا تھا۔ محض دو ٹکڑے پر ایک نقل ماری ہے۔

قدرت میں قابلیت اور ذہانت تو تھیں۔ لیکن نہ قابلیت چمک مارتی تھی۔ نہ ذہانت دیکھنے

اس میں لگتا جیسے گولڈا پھلان ہو رہے تھے کھینے سے واسطہ نہ ہو۔ البتہ ذہنی طور پر بڑا "انارٹ"

تھا۔ وہ کتنی ہی مل تو تھا لیکن شہنشاہ کا وجود نہ تھا۔ لوب تو تھا جانا پہچانا لوب تھا لیکن

شخصیت میں انہماک نہ تھا۔ دانشور تو تھیں بات کرنے کی نسبت بات سننے کا شوق تھا۔

لیاس کا شہسں سے تھا طبیعت میں بجز کارنگ قابلِ فہم نہ تھا نہ تو باک چڑھتا نہ معذرت

خواہ ہو کہ دوسروں کو اتنی عزت سے بلاتا تھا کہ تو ترائخ کا سوال ہی پیدا نہ ہو کہ خدا کا
تکلفی کا کوئی امکان نظر نہ آیا۔

اشفاق احمد نے قدرت کے ساتھ تو ترائخ قسم کی گفتگو چلانے کی کوشش کی تھی۔ یہ
کہوں گا کہ اشفاق احمد بھی طبی طور پر بے تکلفی کا اہل نہیں۔ جواب میں قدرت نے
دی رنگ اپنانے کی سعی کی۔ قدرت کی یہ کوشش بہت بھونڈی تھی۔ ظاہر تھا کہ یہ نفل
نہیں چڑھے گی۔ قدرت کی شخصیت میں "لو" اور "لوے" کہنے کی صلاحیت موجود نہیں
اس کی شخصیت کا رنگ ایسا ہے کہ دوسرا آپ آپ کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ اس کی
شخصیت پر محترم کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس کے دوست "اہلب" "افسر" "مختفی" ہم کلر "عزیز" و
دار سب اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔

پھر راولپنڈی میں صدر پاکستان کے دفتر میں میری تہنیتی ہو گئی اور میں قدرت اللہ کا
بن گیا۔ میں مجھے قدرت اللہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جوں جوں میں اس کے قریب
ہو گیا توں توں مجھ میں حیرت جاگ اٹھی۔ یا اللہ یہ کیا انسان ہے۔ اس وقت مجھے یہ احساس نہ تھا
میں سمجھنے سے نہ سمجھنے کی طرف بے جا رہا ہوں۔

ایک روز دفتر میں ایک سیٹھ آگیا۔ قدرت اللہ نے سیٹھ سے میرا تعارف کرایا۔ سیٹھ
سے مخاطب ہو کر بولا "یہ جو تمہارا افسر ہے نا اس پر مجبور نہ کرنا ورنہ مارے جاوے گا" میں نے
پوچھا "کیسے" بولا "دیکھو ہم پاکستان کا سیٹھ ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ حیدر پر ہم بڑے افسروں کو

خود دوسری عید میں بھیجی گئی۔

جواب بولا "یہ سیٹھ بیشہ کھری بات کرتا ہے۔ ذرا نہیں سمجھتا خوب آدمی ہے۔
پھر ایک عامل قدرت اللہ سے ملنے کے لیے آگیا اس کے چہرے پر دشت برس رہی
تھی۔ مگر نہ کہنے کی ہمت نہ تھی۔ پھر بھی احساس ہو رہا تھا کہ سیٹھ ہے۔ وہ دیر
قدرت سے عجیب سی باتیں کرتا رہا۔ چلا گیا تو میں نے پوچھا "یہ کون حضرت تھے۔ کہنے لگا
"اللہ عز و جل"۔ اس کا حال ہے "شیطان تو میں دیر کر رہی ہیں۔ لوگوں سے اٹھایا پیسے بھڑا ہے" بلکہ
اس میں کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کے کام کرتا ہے" بہت خوب آدمی ہے۔
میں حیرت میں ڈوب گیا۔ یہ کیسی مشفق ہے۔ اول درجے کا شیطان ہے" رقم بھڑا ہے"
"میل کرتا ہے۔ لیکن بہت خوب آدمی ہے۔

افراد کے حلق قدرت اللہ کی رائے دکھانے کی نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی وہ احتیاط کی وجہ
ان سے منہ کرنے سے گریز کرتا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کسی کے حلق مٹا دینے کا حکم کرتا نہیں
تھا۔ اس کا تھوڑا قدرتی غیبت سے بھی گریز کرتا تھا۔

قدرت کا گھر

قدرت اللہ کے گھر کے کوائف عام گھروں سے قطعی طور پر مختلف تھے۔

ہے۔
ایک بار قدرت چٹان کا ٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹان کی موری کے متعلق دریافت دی تو مولوی صاحب بولے 'ابو اگر آپ غلوں کے
تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔
چوبیس کی دکان میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیس میں آتے دیکھا ہے۔
وقت قتل میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا ایک سائل آیا اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چونکہ اہل ذہن قاسم نے پچھلے سے لے کر بیان کیا
قدرت اسے تسلیاں دتا رہا مگر ایسے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراسے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیس میں بولا تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم چاہتے
ہوئے اور پچھتر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت سے اللہ کر اس کے منہ پر ایک روتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤت۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فخر آتا ہے تو اسے آئے دو رو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹانی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔
قدرت میں ایک عجیب خصوصیت تھی۔ اس نے کبھی کسی کو نصیحت نہ کی تھی۔
دوسروں کو روکنا تو کتنا نصیحتیں کرنا بیوں کا عام دستور ہے۔ دوسرا بات ملنے یا نہ
ملنے چاہے گھر جا کر مفکرہ اڑائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دوسروں کو نصیحت کرنا بذات
اللہ ایک خوش کن عمل ہے۔ ایک سماعت کے لیے نصیحت کرنے والے کی حیثیت پیدا ہو جاتی
ہے۔ برتری کا احساس 'اہلے بین کی لذت' برتری کا ذمہ نصیحت کرنا ایک عام سی عفت ہے۔
اس کی لذت۔

آکر چند سماعت کے لیے اہلے کپڑے بہن کر ملے لوگوں کو مغالطی کی تحقیق کریں۔ تو یہ
مردم سی بات ہے۔ قدرت اللہ اس عوامی لذت سے سرا سر منحرف ہے۔ وہ بھی اہلے کپڑے بہن
اپ کے پاس نہیں بیٹھے جس نے کبھی ایسی بات نہیں کی جس سے ظاہر ہو کہ وہ دوسروں
پر تر ہے۔ اس نے کبھی کسی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے غیر مناسب
ہے۔ آپ اس کے پاس بیٹھ کر شراب پیئیں۔ وہ ٹوٹے گا نہیں۔
ایک روز دوسری ایک اہل افسر قدرت اللہ سے ملے آیا۔ اس نے بڑے بچے کی بات کہہ
دیا۔ کہنے لگا کہ مجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے دل میں بھی پاکستان کا درد ہے۔ ہم بھی صبح شام کلام
اللہ پڑھتے ہیں۔ ملک کے لیے جان کی بازی لگاتے بیٹھے ہیں۔ لیکن جب تک جیتی کا موقدہ ہوتا ہے تو
قوتوں کی زبان پر ہمارا نام آ جاتا ہے اور جب وہ دلوں کی محفل بنتی ہے تو لوگ شائبہ

ایک بار قدرت چٹان کا ٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹان کی موری کے متعلق دریافت دی تو مولوی صاحب بولے 'ابو اگر آپ غلوں کے
تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔
چوبیس کی دکان میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیس میں آتے دیکھا ہے۔
وقت قتل میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا ایک سائل آیا اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چونکہ اہل ذہن قاسم نے پچھلے سے لے کر بیان کیا
قدرت اسے تسلیاں دتا رہا مگر ایسے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراسے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیس میں بولا تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم چاہتے
ہوئے اور پچھتر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت سے اللہ کر اس کے منہ پر ایک روتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤت۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فخر آتا ہے تو اسے آئے دو رو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹانی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔

ادیب

قدرت اللہ ایک چاہ پچا ادیب تھا اس کے باوجود اس کی تنقید یا ردیے سے کبھی ظاہر نہیں
ہوا تھا کہ اسے ادیب سے کوئی تعلق ہے۔ ادیب عام طور پر شخصیت پر چمپا لگا دیتا ہے۔
چمپائے نہیں چمپیں۔ قدرت کی شخصیت پر ایسی کوئی چمپا نہ تھی۔
نفسیات کی رو سے ادیب کی شخصیت میں تشو 'لذات اور لذت تین بنیادی عناصر ہوتے
ہیں۔

ادیب کی شخصیت فقیر خانے کے صدق ہوتی ہے جہاں مقدور شمشاد بختے ہیں جس
کو سنے بولتے ہیں 'اندھے دیکھتے ہیں' لنگر لے دو پاؤں پر چلتے ہیں۔

اپنے دکھ بھلانے اور دوسروں کی توجہ اپنی طرف متغیر کرنے کے لیے مختلف قسم کے
تھکنے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ کوئی طعان پاش کو اپنا کر ابوالدک حقیقہ جاندری کی طرف

کرتے تھے ہیں۔

بے شک ایک باری قدرت اللہ کے مقدر میں لکھی ہے۔ تمام اسراحت، کارکن، چٹائی، حتیٰ کہ عام لوگ قدرت اللہ کے گمن گاتے تھے۔

دفعہ میں روزانہ بیسیوں لوگ قدرت اللہ سے ملنے آتے تھے جو ملے میں کامیاب ہو جاتے وہ خوشی خوشی مگر لوٹ جاتے، جیسے نئی لیتا ہی تھیل کار ہو۔ جنہیں مسلسل انتظار کے بعد نام جانا پڑتا تھا۔ وہ بھی اپنی ٹھکانی کا باعث قدرت کو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ حالات کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔

دفعہ میں قدرت کے نام کنی ایک خط موصول ہوتے تھے۔ ان خطوط میں عام طور پر قدرت کی تعریف و توصیف ہوتی تھی۔ اپنی تعریف پڑھ کر وہ حینپ جاتا تھا۔ وہ ان خطوط کا جواب نہیں دیتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا خط بھی موصول ہوتا جس میں قدرت کے خلاف شکایات لکھی ہوتیں۔ اس کے دوسرے پر کڑی کتبہ چٹائی ہوتی ایسا خط دیکھ کر اس کے چہرے پر بیاضت کے آثار ظاہر ہوتے۔ ایسے خط وہ ملنے والوں کو پڑھنے کے لیے دے دیتا۔ اور پھر بغیر تاخیر کے جواب لکھ میں مصروف ہو جاتا۔

صدر مگر کے چڑاسی قدرت اللہ پر بہت خوش تھے۔ وہ اس کے روز و رات جی ہاتھیں کرتے۔ بالکل نہ گہراتے تھے۔

قدرت کی نیگم ڈاکٹر عفت پرورد صبح شام دو مرتبہ صدر مگر کے گرد و نواح میں مقیم تھا۔ شرف کے گھروں کے راکن و لائق تھیں۔ بیماروں کو دوائیں دیتیں اور ساتھ ہی دودھ پینے کے لیے رقم بھی۔

قدرت کی ایک باری کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا یہ سونے کا چھپے اسے کس نے عطایا کر بھی اس کے گمن گاتے پر مجبور ہیں۔ ملائکہ اس میں کسی کا دوست بننے کی صلاحیت نہ تھی۔ وہ موجود نہیں۔ اس کی شخصیت میں وہ کونٹھیں تھیں ہی نہیں، جن پر دوستی کی گھڑی ناگہانی آتی ہے۔

اوصاف میں ایک دوسرے کے قریب نہیں لاتے، کمزوریاں لاتی ہیں۔ بے ہمتیاں، تنگ رویاں لاتی ہیں۔ شاید اس کے جواز میں کہا جائے کہ قدرت اللہ ایک ایک آدمی

ہوتے ہیں کہ میں ایک آدمیوں کی عزت کرتا ہوں۔ انہیں احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں، انہیں نہیں دیکھتا ایک آدمی سے عجیب سی برائی ہے۔ ایک آدمی قریب آئے تو مجھے ہراس ہوتا ہے جیسے اس کا ہند بند چلا چلا کر رہا ہو، ہونے بج ایک آدمی کہتا ہے، باوجود ہوشیار۔ پتہ نہیں کیوں ایک آدمی میں نیکی کے اتنے ذخیرہ رکھ جاتے ہیں کہ آدمی

بے شک قدرت اللہ ایک ایک آدمی ہے۔ لیکن اس میں سے نیکی کی برائی نہیں آتی۔ اس کی برائی کا احساس نہیں ہوتا، قریب جا کر گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

قدرت اللہ کی محبت کے کوائف بھی انوکھے تھے۔ قدرت ہنس کی اہمیت سے منکر نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ہنس کے شعلے کی آگ کو جذب کر لے، مگر وہ صرف روشنی ہی روشنی باقی رہ جائے۔

قدرت اللہ کی کوئین دور میں قدرت کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ اس کی بیوی سے بیوی لکھی کہ محبوبہ ایک سال پر اس کے ساتھ کبھی ہو کر نماز پڑھے۔ حیرت کی بات ہے کہ قدرت اس کے ساتھ کبھی ہو کر نماز پڑھا کر قیامت تھی۔

اس کی زندگی میں ایک حسین و جمیل نیگم داخل ہوئی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اس کے ہاتھوں اور اوجیز عرشوں ملا جلاں کا تہا لگا رہتا تھا۔ نیگم کو عشاق کی بھیڑ لگانے سے بے رغبت تھی۔ قدرت بھی اس بھیڑ میں شامل ہو گیا اور ایسا جلاو بنگا کہ بھیڑ چھٹ گئی۔ رنگ باریک کر تھان خولتی ہوئی تھی، لیکن محترمہ آگ کو نہ تیاگ سکی۔ شعلہ عام سے ہٹ کر اس کے آگ شعلوں کی خوشیں روشنی پیدا نہ کر سکی۔ جب اس نے دیکھا کہ کسی صورت بات نہ آتی تو قدرت کو اپنے شعلے سے جسم کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ قدرت اپنے کپڑے اٹھا کر پرہیز حلق ایک ایسے میں بدل گیا۔

قدرت محبت میں بڑا ظالم ہے، وہ دتا نہیں لیتا ہے۔ محبوبہ کے شعلے کو جسم کرنے کے لیے

روشنی میں بدل دیتا ہے، لہٰذا وہ روشنی ہو جاتی نہیں بلکہ منور کرتی رہتی ہے۔
 دراصل محبت میں قدرت بہت بڑا خود غرض فرد ہے۔ وہ محبوبہ کے شعلوں کو کلام میں لایا ہے۔ اس سے عدت حاصل کرتا ہے اور پھر اس عدت کو روشنی میں بدل کر خود کو منور کرتا ہے۔ کسی اور سمت متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر سارا دفتر حرکت میں آگیا۔ مشوروں اور
 ان کے کما صد رگھر میں موٹریں بے کار کھڑی رہتی ہیں۔ آپ چاہیں تو ایک آپ کے ہاں
 آپ کو دوسرا بولنا، آپ پسند کریں تو ڈیوٹی کار آپ کو دفتر لے آیا کرے۔

ان دنوں کے ہیں پیٹم کسی اور کو نہیں دیا جاسکتا

یہ سن کر میں خود ہار گیا۔

دروازے پر ایک چھوٹے قد کا آدمی کھڑا تھا اس کی ڈاڑھی مندی رنگی تھی۔ انداز عوامی تھا۔ وہ شخص بڑے اخلاق کے تھے مجھے ملے کہنے لگا: میرا عمر غفور ہے۔ میں خوشاب کا رہنے والا ہوں۔ ایڈووکیٹ ہوں اور لاہور میں پریکٹس کر رہا ہوں۔

دلچسپی سے یاد آیا۔ اچھا تو یہ صاحب وہ غفور ایڈووکیٹ ہیں۔ جن کی گود میں عہد کے وہ دن ایک بچہ ڈال دیا گیا تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ قدرت اللہ کو یہ خوش خبری سنا دیں کہ ایک دن کے اندر اندر ان کے گھر بیٹا ہو گا۔

میرے دل میں غفور صاحب کے لیے گرا چڑھ احترام پیدا ہوا۔

میں انہیں بڑی عزت سے درسیبشن میں لے آیا۔ کرسی پر بٹھایا۔ میں نے کہا: جناب! میں نے آپ کا خط پڑھا تھا جو آپ نے قدرت اللہ کو لکھا تھا۔ غفور کہنے لگے: جناب! مجھے شب صاحب سے بڑی شکایت ہے۔ انہوں نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ مجھے خط کا جواب نہ دیتے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہوا تھا اس وقت تو مجھے اطلاع دی گئی۔

آپ بھانکتے ہیں۔ کیا آپ بھی شب صاحب سے ملے ہیں؟ میں نے پوچھا۔ جی نہیں، وہ بولے: ملاقات کا موقعہ نہیں ملا البتہ اخباروں میں ان کی تصویریں دیکھتا رہتا ہوں۔

میں نے کہا: جناب! اس وقت یہ پوزیشن ہے کہ اندر قوالی ہو رہی ہے اور سی ایس بی ایس قوالی کا محفل جو جن پر تھی کہ محفل ہو گیا۔

ایک نوکر میرے پاس آیا۔ کہنے لگا: جناب! ہر ایک صاحب تشریف لائے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شب صاحب سے ملنا ہے۔ انہیں ایک ضروری پیغام دینا ہے۔ میں نے کہا: شب صاحب تو اس وقت سماں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کا باہر جانا ضروری ہے کہ آپ ان سے پیغام لے لیں۔

نوکر نے کہا: جناب! میں نے انہیں بتایا تھا کہ صاحب کا اس وقت آپ سے ملنا مشکل ہے۔

خلاف اپنے نے حرکت کی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ دس دن انہوں نے مجھے اپنے گھر پر بلا دیا۔ چونکہ اسے زکام تھا۔ دس دن ہم ہسپتال میں رہے۔ نرسیں ہمیں جانتی تھیں کہ ہم باہر چھوڑیں۔ وہ جانتے ہی چٹکی آگھوں والا بچہ کہہ کر بلایا کرتی تھیں۔

عفت نے کہا کہ شب صاحب دو دن پہلے لندن پہنچ گئے تھے۔ لیکن جاتے ہی بیمار ہو گئے۔

قضا
ڈاکٹروں نے بچے کو دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ ہم دونوں ہسپتال میں مقیم تھے۔ لیکن ہمارے دیکھنے سے بچے کی بڑی تکلیف ہو جاتی تھی۔

ہماری جان نے کہا: ہماری قلم تر عفت جی پر مرکوز رہتی تھی۔ ایک دن چشمہ پہنچا۔ میں ایک حیر چل گیا۔ ہمارا تو دل ڈوب گیا۔ جانتے ہی نہ تھا کہ جو ہماری حالت ہوئی وہ ہے۔

شب صاحب کی پیدائش پر رسول انصاری کا مطالبہ تھا کہ ایک جشن منایا جائے۔ قدرت نے سی ایس بی ایس قوالی کی دعوت کی، لیکن اس دعوت میں جانچ گانے کی وجہ سے انتظام کیا۔ ڈرائنگ روم میں فرش بچھا دیا گیا۔ سماں کو فرش پر بٹھایا اور قوالی کی محفل ہو گئی۔

قدرت کا یہ اقدام عام رواج ہے ہٹ کر تھا۔ منقہ تھا۔ قدرت کی عادت میں داخل تھا۔ یہی ہو گئی تو کوئی ناگواری ایسی بات محل میں لانا تھا جس پر لوگ حیران ہوتے تھے۔

بے وقت ملاقاتی

قوالی کا محفل جو جن پر تھی کہ محفل ہو گیا۔ ایک نوکر میرے پاس آیا۔ کہنے لگا: جناب! ہر ایک صاحب تشریف لائے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شب صاحب سے ملنا ہے۔ انہیں ایک ضروری پیغام دینا ہے۔

میں نے کہا: شب صاحب تو اس وقت سماں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کا باہر جانا ضروری ہے کہ آپ ان سے پیغام لے لیں۔ نوکر نے کہا: جناب! میں نے انہیں بتایا تھا کہ صاحب کا اس وقت آپ سے ملنا مشکل ہے۔

میں ہمارے کوئی نہ کوئی صورت بن جائے گی۔

آخر ایک میل دین آگئی۔ ڈرائیور نے ہمیں دیکر کراڑی روک لی کہنے لگا 'آپ مہینہ شریف چاہنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا 'جناب اسی امید پر کھڑا ہوں۔
وہ بولا 'تو جیسے' ہم ملے۔

ایک روز مسجد نبوی میں ملاقات میں مصروف تھا کہ ایک شخص آیا کہنے لگا 'آپ لڑاں چوک میں مجھ سے کل مغرب کے وقت ملے۔ پھر دھن 'بولا' آپ مہینہ شریف شہر سے واپس ہیں کیا۔
میں نے کہا 'جی نہیں۔

اس نے مجھے راستہ سمجھایا۔ پھر مالیدی کی کہ کل مغرب کے وقت مجھ سے ضرور ملے گا۔
اگلے روز میں چوک میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں اک جھوم ہے۔ بہر حال میں وہاں کھڑا رہا۔
آخر وہ صاحب تشریف لائے 'ان کے ہاتھ میں ایک بڈل تھا۔ انہوں نے بڈل مجھے تحفہ دیا۔ بولے 'اس بڈل میں دو تحفے ہیں۔ ایک آپ کے لیے ہے اور ایک اس بچے کے لیے جس کی ولادت کے لیے آپ مسجد میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ وطن پہنچتے ہی یہ تحفہ اسے پہنچا دیا جائے' تاخیر نہ ہو۔

غفور صاحب بولے 'میں آج ہی لاہور پہنچا تھا۔ اس ڈر سے کہ تاخیر نہ ہو' آج ہی ہنڈی چاہا۔
ایک ہی وجہ ہے کہ بڑے نامناسب وقت پر حاضر ہوا ہوں۔

میں نے پوچھا 'آپ نے تحفہ دے دیا۔

کہنے لگے 'بچے سے مل گیا ہوں۔ تحفہ صبح بوجے پتا دلوں گا۔

غفور صاحب سے دعا کرتے ہوئے ایک تو ان کا انداز بزرگوں کا سا نہ تھا۔ بڑا ہی

میں نے غنت سے بات کی تو اسے بھی غفور صاحب کا غلط یاد آگیا۔ وہ بڑے شوق سے غفور صاحب سے ملنے کے لیے باہر نکلی۔

میں نے غفور صاحب سے کہا 'آپ ان سے بات کر لیں۔ میں باہر آپ کا انتظار کروں گا۔

غفور کا ج

پان گھنٹے کے بعد غفور صاحب باہر نکلے۔ میں حیران تھا کہ پیغام تو چھوٹا سا تھا۔ پاؤں میں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔

بہر حال غفور صاحب میرے ساتھ بیٹھ گئے۔

میں نے پوچھا 'آپ ج کرتے تھے یا عمرہ کر کے آئے ہیں۔

غفور صاحب بولے 'میں ج کر کے آیا ہوں۔

میں نے ج کے لیے عرضی دی۔ والدہ میرے ہمراہ جاری تھیں 'لیکن ہماری عرضی منظور نہ ہوئی۔ مجھے مہینہ شریف میں حاضری دینے کا بہت شوق تھا۔ بڑی امید باندھ رکھی تھی۔ پوری نہ ہوئی 'تو دم کا لگا۔ بہر حال میں مسجد میں آؤ واداری کرنا رہا۔

پھر ایک خواب دیکھا۔ دیکھا کہ ایک صاحب آگے اور انہوں نے جہد کا ٹکٹ میری جیب میں ڈال دیا۔

اگلے روز پتہ چلا کہ کچھ لوگ جنہوں نے ج پر جانے کی عرضی دے رکھی تھی اور وہ منظور ہو چکی تھی 'لیکن حالات کی وجہ سے انہوں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی پر نظر ثانی کی گئی ہے اور منظوری دے دی گئی ہے۔

میں نے کہا 'میں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی

دلت صدر ایوب کو مشورہ دیتے رہے۔

مثلاً ۲ جنوری ۱۹۲۱ء کو انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں سے انتہا مت پیش کرتا

—۱۱—

شباب کی آمد کی منظوری تو سرکارِ عالم نے عرصہ نودس ماہ سے عطا فرمادی تھی۔ لیکن نہ معلوم عمل در آمد ہونے میں کیا رہا ہے۔

میں نے خود شباب کو لکھا تھا کہ وہ واپس آ جائیں، لیکن انہوں نے اس بات کو پسند نہ کیا تھا۔ ان کے نہ آنے سے ملک و ملت کو جو نقصان ہوا ہے حد تحریر سے باہر ہے۔

پہل چار درویشوں نے صدر پر اسنے زور کا نظریہ حاصل کیا ہوا ہے کہ بعض معاملات میں ان کی عقل کافی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہے کہ پوری قوم نے ایک جہتی سے ان کا ساتھ دیا ہے۔

میں نے صدر صاحب کو مختلف اوقات میں ہدایت کی ہے، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہیں موصول نہیں ہوئیں یا اگر موصول ہونے کے بعد انہوں نے عمل نہیں کیا تو پوری قوم کی بد نصیبی ہے۔

شباب اگر وقت پر واپس آ جائے۔ مسز بھٹو کے حوالہ شامل ہو کر سکیم پر عمل کاؤنسل کی میٹنگ ہائے میں حصہ لیتے تو پھر تو کوئی نتائج بھی برآمد ہوتے۔

میں نے صدر صاحب کو لکھا تھا کہ وہ جتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، جب تک شباب ان کا قانون میں شامل نہ ہوں گے وہ قطعی باقلم رہیں گے۔

الغرض ہے کہ صدر نے سخت غلطی کی ہے۔ قوم کا احترام کھو رہا ہے، لیکن چار درویش کامیاب ہیں۔ کل لاہور میں غلامیاء کے مظاہرے کیے، یہ صلہ حدیثہ خدا کرے حق کہ کو سامنے لے آوے۔

شہسزادی کی رائل موت کا ذکر میں نے چار ماہ ہوئے، صدر کو تحریر کر دیا تھا۔ شباب کو بھی لکھا تھا۔ خدا جانے صدر میں کیوں اتنی بصیرت نہیں؟ جب کہ میں نے انہیں عمل اور مفصل حالات کے علاوہ مکہ شریف سے ایک تصویر لاکر دیا تھا اور میں

ان کا پہلا خط جو صدر ایوب کو موصول ہوا، ایک انوکھا خط تھا، آخری، ارہاب بست کشتلے مجھے حکم دیا ہے کہ روزانہ باقاعدگی سے آپ کو خط لکھوں۔ خط لکھتے کا مقصد کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنا نہیں ہے نہ ہی آپ سے قرب حاصل کرنا ہے، حصول اقتدار نہیں ہے، آپ کو خوش کرنے کا مقصد نہیں ہے۔

جناب والا! یقین کیجئے جس قدر میرے خطوط پڑھنا آپ کے لیے ناگوار ہو گا، اتنی ہی میرے لیے آپ کو خط لکھنا ناگوار ہے۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ چونکہ حکم ملنا میرے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ چاہے میرے خط پڑھیں یا نہ پڑھیں، ان پر عمل کریں یا نہ کریں، یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ باقاعدگی سے آپ کی خدمت میں خط بھیجنا مجھ پر فرض کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس جہالت پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

صدر ایوب کو غور صاحب کا پہلا خط طاوود سخت کنفیوز ہو گئے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے۔ عقل و شعور والا ہے ایڈووکیٹ ہے، لیکن ایسا نا یقینی باتیں لکھ رہا ہے۔ وہ ارہاب بست و کشتلہ کو ہیں، جنہوں نے اسے خط لکھتے پر پابند کیا ہے اور پھر خط لکھتے کا مقصد کیا ہے۔

صدر ایوب صاحب نے فوراً غلطی پہنائی، وہاں شباب صاحب کو بلاؤ۔

صدر صاحب نے لکھے کے بعد شباب واپس آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے غور صاحب کا خط میرے سامنے رکھ دیا۔

میں نے کہا اس خط کا صدر صاحب پر کیا اثر ہوا۔

قدرت بولا اس خط نے صدر صاحب کو سخت کنفیوز کر دیا ہے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

غور صاحب باقاعدہ صدر ایوب کو خط لکھتے رہے، اس دوران میں قدرت اللہ شباب کو امریکی رہاؤ کے تحت سٹیری کی حیثیت سے جاپن میں تعینات کر دیا گیا۔

غور صاحب نے اپنے خطوط میں صدر ایوب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ قدرت اللہ شباب کو ملک سے باہر سے بھیجنا ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ اس کے علاوہ دہر مشکل

neerdu.com

وہاں دندہ کر آیا تھا کہ ایوب کا فرسے نہ ڈرے گا۔ اچھا جو خدا کو منظور۔

ستائیس جنوری ۱۹۲۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو پابند میں خط لکھا۔ اختیارات درج ذیل ہیں۔

بعد فراغت تجدید یہ عہدہ لکھ رہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے بہت سے خطوط سفردالوں نے روک لیے ہیں۔ اور آپ تک ان خطوط کی رسائی نہیں ہوئی۔ حاکم ان میں جو کچھ تحریر تھا وہ ملک و ملت کی بھوری کے لیے تھا اور اگر ان ہدایات پر عمل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف نصرت و کامرانی عطا فرماتے بلکہ تاج تک اسلام، مملکت مستقل خطوط پر قائم ہو جاتا۔

ان بھلے ہانوں کو بھی کچھ ہاتھ نہ آیا اور کام واسطے رک گیا کہ جناب صدر صاحب کو پروگرام صحیح و سادہ سے نہ پہنچ سکے۔ نہ معلوم وہ کس روی کو فوری میں پڑے ہوں گے۔

اطمان تاشقہ کو لوگ بہت برا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس احسن قدم سے خدا نے ہماری عزت و رکھ لی ہے۔ ورنہ یہ پورا سال جن خطرات سے پر تھا ان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حقوق پر رحم فرمائے۔ سال رواں بڑی اہمیت کا سال ہے۔ جس میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقعہ ہوں گی۔ اللہ ربّ ذوالجلال کا سایہ مظلقت پاکستان کے عوام پر رہے گا۔ آپ دعا کریں۔

وہ بزرگ پلایا جن نے صدر صاحب کے لیے توفیق دیا تھا۔ میری سب سے بڑی خواہش میں ملے ہیں۔ اور جب بھی ملتے ہیں۔ تو مجھے دیکھتے ہی ہنس پڑتے ہیں۔ اور پھر یہ

دین کی بات ان کے ایک کلمے سے سن کر دوسرے سے نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور جس کی حکومت میں کسی کو دخل نہیں۔ اب ہماری دعاؤں کو رو نہ فرمائیے گا۔

ایوب رائی پونٹ

غفور صاحب کے ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور میں ان کے مکان کے سامنے سکیورٹی کا ایک پینٹ پیٹا دیا گیا۔

غفور صاحب کے خطوط میں مذہبی رنگ نہ تھا۔ روحانی رنگ نہ تھا۔ اس کے برعکس ان اعلان میں دنیاوی عقل کی باتیں تھیں۔ فنی سٹروریجی کی باتیں تھیں۔ سیاست کی باتیں تھیں۔ مثلاً جنگ میں ایوب کو مشورہ دیا گیا تھا کہ سیز فائر نہ کرے۔ اور اگر بھوری ہو تو بے شک لاپرواہی کر دے۔ عملی طور پر نہ کرے۔

تاشقہ کے متعلق مشورہ دیا گیا تھا کہ بلاوے پر تاشقہ نہ جائے۔ اور اگر ضروری ہو تو خود نہ جانا۔ کوئی لٹاکہ بھیج دے لیکن صدر ایوب نے ان کے مشورہ کو رد و خور اٹھانا نہ سمجھا۔ اٹاٹھے ان کے آکر غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کی کچی پکی بنیادی۔

جب غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کا دستہ آچھا تو غفور صاحب چل کر ان کے پاس گئے پھر سپاہی سے مصافحہ کیا۔ مزاج پوچھے اور کہا بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے یہاں آکر اپنا لیا ہے۔ میں اس گھر میں بہت تھا تھا آپ کے آنے سے رونق ہو گئی ہے۔ ہاں اگر کسی بڑی ضرورت ہو تو بلا ٹکٹ دروازہ بجا دیا جیسے۔

غفور صاحب جب بھی کہا تھا کھانے لگتے تو وہ باہر جا کر سکیورٹی والوں سے کہتے "آئیے میرے

بول کئے گئے یہ اچھا نہیں ہوا۔ شاب صاحب کا ملک سے باہر چلے جائے پاکستان کے لیے بہتر ہوگا۔
 گھنٹن نہیں ہے۔

میں نے انہیں پھینک دئے گئے کہ انہیں غور صاحب، شاب ایک نول افسر ہیں۔ نول افسر کے جڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے حکومت پاکستان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک سے ایک کل افسر موجود ہیں۔
 غور صاحب بولے، آپ نہیں سمجھتے۔ چند لوگ مبارک ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی برکت پیدا ہوتی ہے۔ شاب صاحب کی موجودگی پاکستان کے لیے برکت کا باعث تھی۔ لیکن حتی طاقتیں ہمارے راستے میں رکھنیں پیدا کر رہی ہیں۔ برہنہ کئی ایک امور ایسے ہیں جن میں شاب صاحب کی موجودگی کے بغیر پاکستان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

غور صاحب کی بات میری بولے نہ پڑی، لیکن غور کی بات کو میں رد بھی کر سکتا تھا۔ دنیوی طور پر غور صاحب بڑے سجدہ دار آدمی تھے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ ڈیڑھ ٹیک انقلاب کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بارگزار آدمی تھے۔ مجھے علم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، بات چیت سے نہیں۔ ان کی بات درست تھی، لیکن کیسے کہیں۔ وجہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

اس موضوع پر انہوں نے صدر ایوب کو بھی کئی ایک خط لکھے تھے۔ اول تو ممکن غالب ہے کہ صدر ایوب ان کے خط پڑھتے ہی نہیں تھے، اگر پڑھتے بھی تھے تو یہ بات کسی دانشور کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، لہذا حتی رو عمل پیدا کرتی۔

جج لسٹ

بھرج کے سلسلے میں غور صاحب کی بات نے مجھے چھوٹا کر رکھ دیا۔ اس بارے میں تفصیلات میں اچھے کتب لیک میں لکھ چکا ہوں۔

شاب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آئندہ جج بن جائیں گے۔ وعدہ ایسا کرنے سے پہلے ہی شاب کا چہرہ ہو گیا اور وہ سفر پر اینڈین میں جا بیٹھا۔
 اینڈین سے اس نے مجھے لکھا کہ آپ جج کے لیے عرض دیں۔ عرض منظور ہو جائے تو آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں جا رہا ہے۔

میں نے کئی ایک عرضیاں دیں لیکن منظور نہیں ہوئیں۔ اللہ کی درگاہ سے بایں ہوا نکلا ہے۔ اس سال ہم جج پر ضرور جائیں گے۔ آپ عرض دیں۔ منظور ہو گئی تو خوب نہ ہوئی۔ تو آپ جڑے ہوئے کے لیے اپنا کئی کر دیں۔ دینہ حاصل کر کے آپ جڑے آجائیں، میں وہاں آپ سے پہلے ہوا ہوں گا۔ بھرم دونوں جڑے سے جدے جائیں گے اور جج کے لیے کہ شریف چلے جائیں۔

اگرچہ اس سال میں میری عرض منظور نہ ہوئی تھی، لیکن جسے راج نہ قبول ہو چکا تھا۔ جانے کا پرگرام قائم تھا۔

برہنہ میں نے دیا ہوا جج پر جانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ کی بار میں جج پر جانے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

انہی دنوں ایک شام دروازہ بجلا۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر غور صاحب کھڑے تھے۔ اپنی حالت ایک سے اچھا نہیں کر رہے تھے۔

میں نے کہا، ایڈووکیٹ صاحب آپ یہاں کیسے۔

میری حیرت اس وجہ سے تھی کہ غور صاحب کو میرے گھر کا پتہ بھی تو معلوم تھا۔ انہوں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ کہنے لگے، "ایڈوکیٹ صاحب سے آپ کیا سوچا آپ کو اطلاع دینا چاہوں تاکہ آپ ناواقف کی کوفت سے بچ جائیں۔"

میں سمجھا نہیں۔

قدرت اللہ شاب صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں تحریر ہے کہ آپ دونوں اس سال جج پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، غور صاحب نے کہا۔

جی ہاں، میں نے جواب دیا، مجھے علم ہے۔

غور صاحب کہنے لگے میں نے شاب صاحب کو مطلع کر دیا ہے کہ اس سال وہ جج پر نہیں جاتے۔ لیکن ہم تو جا رہے ہیں، میں نے ان کی بات کھلی۔ ہم نے پروگرام بنایا۔

آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں جا رہا ہے۔

میں نے وہ لٹ دیکھی ہے، انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

کون سی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ لیکن ابھی تو قریب انداز ہی نہیں ہوئی۔

غفور صاحب نے پراسرار انداز میں میری طرف دیکھا، پھر مسکرا دیے۔

وہ لٹ نہیں، وہ بولے۔

تو پھر کون سی لٹ، میں نے پوچھا۔

جو ڈائریں اس سال صبح پر حاضری دیں گے، وہ پھر مسکرائے۔ عینہ منورہ سے جن ا

منگوری مل چکی ہے، وہ لٹ، اس لٹ میں تو نہ شباب صاحب کا نام ہے نہ آپ کا۔

حیرت سے میں ہکا بکا رہ گیا۔

وہ مسکرائے بولے، بھائی صاحب میں نے تو متعدد بار آپ کی فائنل دستخط کے لیے پیش کی

تھی۔ لیکن ہر بار اسے دستخط کے بغیر لوٹا دیا گیا۔

میں نے حیرت سے غفور صاحب کی طرف دیکھا۔

خیر کوئی بات نہیں، وہ بولے، دیر آید درست آئیے۔ میں نے شباب صاحب کو مطلع کر دیا

ہے۔ انہیں تفصیلات کا علم ہے۔ وہ چلا آپ کو اطلاع دیں گے۔

غفور صاحب کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ انہیں بھلا کیسے پتہ چلا کہ اسماعیل کون

کرے گا، کون نہیں کرے گا۔ اور یہ لٹ کیا چیز ہے کیا ج کچھ کرنے والوں کی لٹ قریب انداز

سے پہلے ہی تیار ہو جاتی ہے، غفور صاحب کی ساری بات میں عمل تھی۔

لہذا میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ اگرچہ اس میں وہ شدت نہ رہی۔ دو روز کے بعد

شباب کا خط ہوا، موصول ہوا، لکھا تھا۔

بعد اس سال صبح پر نہیں جا رہے۔

یہ خط میری عقل سلیم کے ٹکٹن میں آخری کیل قند

میر شباب صاحب کے پیچھے سے وطن واپس آنے سے بہت پہلے، غفور صاحب نے مجھے ادا

لکھ کر عینہ منورہ سے شباب صاحب کی واپسی کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ پھر وہ کیل وطن

میں اس بارے میں خبر کیوں ہو رہی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے شباب صاحب کو بھی

اس سے پہلے انہوں نے عینہ منورہ سے صدر صاحب کو کئی ایک خط لکھے اور شباب

کو بھی اس کی اطلاع دی۔

انہوں نے لکھا کہ یہاں بہت سے بزرگ ایسے ہیں، جنہیں پاکستان سے دلچسپی ہے، جو

شباب صاحب کے صدر ایوب کا اقتدار قائم رہے۔ اگرچہ صدر ایوب سے بہت سی کجگویی ہوئی ہیں

لیکن ان کی خواہش ہے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔ ایک بزرگ کو تو صدر ایوب سے

بہت دور رہی ہے کہ انہوں نے صدر ایوب کے لیے مجھے ایک تعویذ بھی دیا ہے، جو میں اپنے

دعا داروں کو لے کر آؤں۔ اللہ کرے کہ تعویذ بروقت پہنچ جائے اور صدر ایوب پہنچا کر اوارہ کر لیں۔

غفور صاحب وہ تعویذ ساتھ لائے لیکن وہ بروقت نہ پہنچ سکا چونکہ صدر ایوب اقتدار

کا ادا ہوا ہے۔

اب وہ ڈیڑھ کا واقعہ عمل میں آیا۔

انہوں نے کہا کہ ٹوٹا تو اچھا بشر کو سندھ میں انٹریشن آفیسر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس کا اسروز پر تھا

کہ انہوں نے جراثیم تھا، لیکن ساتھ ہی سندھ کا ڈیڑھ تھا۔

اب وہ ڈیڑھ نے اپنے اسرے چار ایک بار چونکہ چنانچہ کیا، تو اس نے اچھا بشر کو پاس بیٹھایا،

کہ وہ کہہ، پر خوردار تھمارا کام میرے احکامات کی تعمیل کرنا ہے، مجھے عقل سمجھ نہیں ہے،

کہ وہ کہہ، کہ میں نے اور اگر تم نے یہی رویہ رکھا تو ایک دن ہم تمہیں کوئی کام دے کر

دعا بھیج دیں گے، جہاں سے تم بھی واپس نہیں آؤ گے، تمہاری لاش تک نہیں ملے

اب وہ ڈیڑھ ای روز تو کئی چھوڑ کر بھاگ آیا۔

اب وہ بھاگ آنے کی وجہ ڈر نہیں تھا، ڈر تو یہ تھا کہ پردے کے پیچھے محترمہ فلم تھی۔

اب وہ بھاگ سے امریکہ سے فلمی ٹینک لے کر آیا تھا، اس کے اندر فلم سازی کے

چہ پہچد کر رہے تھے۔ دلچ اسپ کے آخری دنوں میں اس نے مجھ سے کہا تھا: "دیکھ، میں نے یہ ہے کہ ہم دونوں بچہ ورک مکمل کر کے رکھ لیں۔"

کیا بچہ ورک میں نے پوچھا۔

پہلے فلم کی کٹائی کی آؤٹ لائن نکالیں اور ٹیکس کر کے اسے فائنلائز کر لیں۔ اس کا مٹھ پرہ تیار کر لیں اور آخر میں اس کے ڈائلاگ مکمل کر لیں۔

یہ کس فلم کی بات کر رہے ہو، میں نے پوچھا۔

کے لگا: "دیکھ ممتاز، تو اور میں، ہم دونوں کو آخر فلم سازی کا کیریئر اپنانا ہے۔ یہ یا ہے۔ اگر فائینسنسز کا انتظام ہو جائے تو ہم آج ہی نوکری چھوڑ کر کام میں لگ جائیں۔" ناہیہ

کا انتظام ہو جائے گا۔ جب تک ہمیں بچہ ورک مکمل کر لینا چاہیے۔

ایک بد قسمتی سے فلم فلاپ ہو گیا اور احمد بشیر کی وفات ہو گئی۔ کئی ایک سال اس کی لاش لاپتہ ہو چکی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ فلم فلاپ ہونے کے باوجود احمد بشیر کا فلم سازی کا عمل کا توں قائم رہا۔

کہ میں بڑی تنگ دستی تھی، بچہ نہیں اس کی بیوی مودی کس طرح گھر چلا رہی تھی۔ لیکن میں نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ میں فلم سازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کروں گا۔ حالانکہ میں نے اپنا جرنلٹ تھا۔ دفتری کام میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی تین نو جوان لڑکیاں تھیں۔ مودی سخت مشکلات میں مبتلا تھیں۔ اس کے باوجود وہ فلم کے سوا کوئی اور کام کرنے کے

© Oneurdu.com

میں وہ بزرگ ہر جمعرات کو مغرب کے وقت آتے ہیں، دوا جلاتے ہیں اور لہر لہا کرتے ہیں۔
 کے لئے بھگتے۔

ان جانی ہمت

وہ سال قدرت اللہ کے قریب رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان بعد بڑھتا گیا۔

میں محسوس کرنے لگا میں شباب کی بیرونی شخصیت سے واقف تھا۔ اس کی شخصیت کے لئے کس سے بے خبر تھا۔

شباب کی بیرونی شخصیت میں وہ پہلا اہم تھے۔ ایک تو وہ آنکھیں اس لئے اس وقت سے دوسرے وہ ہانا پہنانا تھا۔ لیکن نہ وہ اپنے عہدے کو اہمیت دیتا تھا نہ لوپ کو۔

چوتھی سمت

قدرت کو اپنی تعریف سننا سخت ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ کوئی اس کی تعریف کی بات چھیڑ دیتا تو وہ فوراً موضوع بدل دیتا۔ بات کا رخ بدل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اپنی تعریف سن کر اسے لذت ملتی ہو لیکن اس کی اولیٰ تخلیقات کی تعریف کرتے تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے۔ سارے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی بلکہ وہ از خود لوپ کی بات چھیڑ دیا کرتا تھا۔ جب کبھی کوئی نئی چیز لکھتا تو بڑے اہتمام سے مجھے سناؤ اور پھر پوچھتا کیسی ہے۔

جب رانا صاحب لاہور میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یعقوب دہلوانی کا جنازہ آ رہا ہے۔ غور پورے، یعقوب دہلوانی شباب صاحب کے بہت بڑے سپورٹر ہیں۔ جب بھی بزرگوں کی میتنگ ہوتی ہے اور تجویز پیش ہوتی ہیں۔ تو دہلوانی صاحب کسی ناکی طور شباب صاحب کو سپانسر کر دیتے ہیں۔ آپ جب بھی لاہور تشریف لائیں تو آپ کو چاہیے کہ یعقوب دہلوانی صاحب کی حاضری دیں۔ گوا ملٹی سے جو سڑک پلس بازار کے پاس سے گزر کر میوہ پھل کے ساتھ ساتھ ایک روڈ کو جاتی ہے، وہیں سے ایک کچی گھومتی ہوئی جاتی ہے اور ایک مسجد کے قریب بند ہو جاتی ہے۔ اس مسجد کے صحن میں ایک چوڑے پر دو قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یعقوب دہلوانی کی ہے۔

شام کا وقت تھا مسجد پر دیر لگی اور لوہائی کے ڈیڑھے گھنٹے ہوئے تھے۔ میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا۔

بالکل یہ کہ مجھے ہے۔

یہ تجربے بندے کتنے پر اسرار ہیں، جو فوت ہونے کے بعد بھی فعال رہتے ہیں۔

یہ تھرا دفنر، کیا دفنر ہے، جہاں قائلین جلتی ہیں، تجویز پیش کی جاتی ہیں، سفارشیں جلتی ہیں میں بھی ایک سفارشیں ہوں جو اتنے بڑے بزرگ کی خدمت میں بیٹھا ہوں، ورنہ میری کیا حیثیت ہے، میں اس لائق نہیں کہ میری خدمت میں حاضری دوں۔ میں ایک ٹپاک غلیظ آبادی ہوں۔ میں ذاتی حیثیت سے حاضر نہیں ہوں۔ میں تو قدرت اللہ کے حوالے سے حاضر ہوا ہوں۔ اگر تو میرا سلام قبول کر لے تو یہ میری کرم فوازی ہوگی۔

© Onenurdu.com

ایک دن میں نے پوچھا میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کی کوئی تعریف کرے تو آپ گھبراہٹ ظاہری ہو جاتی ہے اور آپ کو کوشش کرتے ہیں کہ بات کا رخ بدل جائے، لیکن آپ کی ادنیٰ حقیقت کی تعریف کی جائے تو آپ کے کان کڑے ہو جاتے ہیں، چہرے پر مسرت کی لہر دو جاتی ہے، کیا بات ہے اس تعریف سے اس قدر الٹا رنگ اور اس تعریف پر شلوار ہے۔

قدرت مسکرا کر کہنے لگا 'اس لیے کہ میں ادیب ہوں۔

میں نے کہا 'آپ ادیب نہیں ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے ادیب سے خارج کر رہے ہیں۔

خارج نہیں کر رہا۔ آپ ادیب ہیں لوچے پاس کے ادیب ہیں۔ لیکن ادیب آپ کا مرکز نہیں ہے ایک مضمنی قسم کا شغل ہے۔ عدے کو آپ لیتے نہیں دیتے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے اندر کوئی تیسری چیز ہے، جسے آپ لیت دیتے ہیں اور تیسری چیز جو آپ کی شخصیت کا نیوکلئس ہے اس پر آپ نے پردے ڈال رکھے ہیں۔

قدرت نے کہا 'شاید کچھ ہو مجھے اس کا اور آگ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

اب تک کئی واقعات رونما ہو چکے تھے جس سے پتہ چلا تھا کہ قدرت کی شخصیت کا تعلق ایک چوتھی سمت سے ہے۔

چوتھی سمت سے متعلق واقعات پر بات کرنے سے شباب گریز کرتا تھا۔ بات کو ٹال دیتا یا موضوع بدل دیتا۔

بھائی جان سے پوچھتا۔ تو وہ مسکرا دیتے۔ کہنے کریدانہ کرو مضمنی جی۔ کرید سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کرنے والی نہیں ہوتیں۔ آپ کیوں گھبرا رہے ہیں، آپ تو ان کے بہت قریب ہیں، وقت آنے پر ساری بات کھل جائے گی۔

ڈاکٹر مفت سے پوچھتا تو وہ مسکرا کر کہتی تیسری تو خود ماری ہوئی ہے۔ اس گھر کے اسرار مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ بھائی جان کے کہنے پر میں قدرت کی شخصیت کے اس پر اسرار مضر کو جانے بغیر نہ لیتا۔ تسلیم کر لیتا تو کبھی ہو جاتا لیکن ہرگز گوں کے متعلق سے قرب حاصل کرنے کے

بہر حال ایک بات کو میں نے اچھی طرح سے جان لیا تھا کہ قدرت خود بات نہیں بتائے گا۔ اب بھی اس پر کیفیت کا عالم ظاہری ہو گا، چسکن ہو گی، چپینے لڑیں گے، اس وقت شاید اس کے متعلق چند جھلکیاں میسر آ جائیں۔

میں چسکن کا شکر رہتا تھا۔

اندھنی سوار

ہر ایک اور واقعہ رونما ہوا۔

قدرت نے مجھے بلایا اس وقت وہ کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ ان دنوں اس کی ملاقات بہت بڑھ چکی تھیں۔ 'نایاب' اس لیے کہ پاکستان کے آئین کا ڈیمانچہ تیار ہو رہا تھا۔

قدرت نے کہا 'سکیورٹی سے ابھی ابھی مجھے ایک فون آیا ہے۔ گیٹ پر کوئی رسوائی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

آپ گیٹ پر چلے جائیں، اس سے ملیں۔ پوچھیں کہ وہ کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اگر وہ ملنے کی بجائے پیغام دینے پر رضامند ہو جائے تو آپ اس سے پیغام لے لیں اگر وہ مصر ہو تو مجھے فون پر اطلاع دیں، میں گیٹ پر آ جاؤں گا۔

میں چلے لگا تو قدرت نے کہا دیکھیے آپ اس سے ٹیبلٹ کی بات کریں۔ سکیورٹی کے لیے نہیں۔

سکیورٹی کے کمرے میں ایک دہقان قسم کا آدمی کھڑا تھا۔ میں اسے باہر لے گیا۔ اکیلے میں اسے بات کی۔

میں نے کہا دیکھیے شباب صاحب اس وقت کام میں مصروف ہیں، اگر آپ انہیں پیغام دینا چاہتے ہیں تو مجھے بتادیں ورنہ۔

میں نے ابھی ہلکے ختم نہیں کیا تھا کہ وہ بوٹا پڑ گیا مجھے صاحب سے مل کر کیا لیتا ہے۔ مجھے کوئی کام نہیں ہے، میں تو اپنے گلوں سے آ رہا تھا کہ اس کو کبھی سے پیچھے میدان میں

مجھے ایک سلاخ مٹی سوار ملے۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں رک گیا، وہ کہنے لگا کہ میں یہ جو کچھ
 ہے اس کا دروازہ دھڑک رہا ہے۔ وہاں جاؤ اس کو مٹی میں ایک صاحب ہیں صاحب! ان کو دلا
 پیغام دے دو۔ کہنا جو کلمہ آپ لکھ کر بھجائے ہیں وہ درست تھا، جو آپ اب لکھ رہے ہیں وہ
 غلط ہے۔ سلاخ مٹی سوار بزرگ صورت آدمی تھا۔ میں نے اس کی بات مان لی اور پیغام دینے لگم
 چلا گیا۔ یہ پس والے مجھے اندر چلے ہی نہیں دیتے۔

دہائی کا پیغام سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا پیغام ہے۔ سلاخ مٹی سوار کو کیا پتا کہ
 صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ اور پھر اس علاقے میں سلاخ مٹی سوار۔ یہاں ہم نے نہ تو کبھی سلاخ مٹی
 دیکھی ہے اور نہ سلاخ مٹی سوار۔

میرا خیال تھا کہ دہائی کا پیغام سن کر شلب فس پڑے گا۔ لیکن دب میں نے اسے تمام
 سنایا تو اس کا چہرہ درد پڑ گیا اس پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے لپک کر دست
 ہائیک اٹھا کر اسے میرے اٹھ دیا اور پھر پچھنے ہوئے کلمہ کے پر لوں کو جوڑنے لگا۔

پھر رولا، آپ کو اگر فرصت ہو تو میری مدد کریں۔

حیرت سے میرا منہ کھلا رہ گیا یا اللہ یہ کیا اسرار ہے۔ یہ شخص جو اس قدر ذہین ہے،
 دیرک ہے کہ ہم بات کرنے کے لیے ابھی منہ ہی کھولتے ہیں تو ہمارے منہ یہ سمجھ لیتا ہے، جو اس
 قدر صاحب رائے ہے کہ سب کی سنتا ہے، لیکن اپنی رائے پر قائم رہتا ہے، جس کے خیالات
 میں انفریٹ ہے، قدرت ہے، جو بچے ہوئے رکھی خیالات سے دور رہتا ہے، جسے تو اہل

فلسفہ اردو میں ہوتا کہ پڑھنا مشکل ہو جائے ویسے بھی غلوں کو قومیت اس قسم کی ہوتی کہ وہ
 صاحب غلب نہ ہوتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ صدر صاحب کی خدمت میں پیش نہیں کیے جاتے
 ۔ چونکہ صدر ایوب پڑے گئے تھے۔ مغربی نوعیت کے ملک تھے۔ تو اہل کو نہیں مانتے
 ۔ عقل و دلیل کے قائل تھے۔

ایسے لگتا تھا جیسے ان غلوں کا چارج مجھے دینے کا مقصد میرا ذہن پر آئندہ کرنا تھا۔ میں ان
 غلوں کو بار بار پڑھتا اور سوچ میں پڑ جاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لکھنے والے یہ خط کیوں لکھتے
 ۔ ان کا مقصد کیا تھا۔ ایک بات بہر طور واضح تھی کہ توجہ حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ کئی ایک
 غلوں میں لکھنے والے کا نام بھی مرقوم نہ ہوتا۔ خط دے گا گویا عاجز پر ختم ہو جاتا۔ تحریر اور انداز
 غلام ہوتے۔ ان میں چند ایک خط معقول اور با معنی بھی ہوتے۔ ایسے خط غلام طور پر قدرت
 کے نام ہوتے۔ باقی خط صدر مملکت کے نام ہوتے لکھا ہوتا کہ اللہ نے تجھے پڑا رکھا ہے، تو
 اپنی رعایا کو عدل دے گا، غریبوں کا خیال رکھنا ہو گا۔

آزادی، ہر خط میں پاکستان کی بات لکھی ہوئی تھی۔ ہر خط پاکستان کی اہمیت کے احساس سے
 بھرا ہوا تھا۔ کئی ایک غلوں میں پاکستان کے تباہ کن مستقبل کا ذکر ہوتا کہ جلد ہی یہ ملک ایک
 غلام بن جائے گا۔ ایک عظیم فتح حاصل ہو گی اور پھر یہ ملک دنیائے اسلام کا مرکز بن جائے
 گی۔ ایک غلوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذکر ہوتا اور پاکستان کے متعلق ایسے الفاظ استعمال

اس کی عظمت کے گائے چار ہے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے نہ کسی گنتی میں ہے نہ
 اور میں۔ دنیا میں مسلمانوں کے ایسے کئی ایک ملک ہیں۔ پاکستان قلبی طور پر ان پڑھ ہے
 اور دہائی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سیاسی طور پر کانفد ہے۔ لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہی
 نہیں ہوا۔ دہریے سکریان ہیں، عوام آزادی سے محروم ہیں۔ اگر جمہوریت آج بھی جائے تو چلے

ہے۔ وہ جہلم کے رہنے والے ہیں۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جنگ میں شامل ہوئے۔
 پھر رخصت لے کر مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ پھر یہاں نہیں کیا کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں رہنے
 لگے۔ وہیں کے ہو رہے۔ اب وہ روضہ پاک کے حلالی بردار ہیں۔ بہت بڑا عہدہ ہے، اعراف

اور جان بوجھ کر ان کے اثرات کو داخل ہونے نہیں دیتے۔

(۱۵)

اس خط نے بات واضح کر دی کہ قدرت کو کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ وہ کالی ہے۔
 اس کی قیادت پر مامور ہے۔ اسے کوئی اسائن منٹ ملی ہوئی ہے جس کی اس نے تکمیل کئی ہے۔
 اس میں مجھے یہ علم نہ ہو سکا کہ اس اسائن منٹ کی نوعیت کیا ہے۔ صرف اتنا ہی پتہ چلا
 کہ اس کام کو پاکستان سے متعلق ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے قدرت کو سیکرٹری ٹودی پر بیڈیٹنٹ
 کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہے۔

قدرت کے اس عہدے پر فائز ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ سینئر نہیں تھا۔ تجربہ
 والا نہیں تھا۔ اس کی ہسٹری شیٹ سرکار کی دفاعی کی غلامی میں تھی، الٹا اس کی پالیسی انتظامی
 تھی۔ یہاں تک کہ امریکی حکومت کے کاندھات میں درج تھا کہ وہ کیوسٹ خیالات کا مالک ہے۔
 ہوا کپور میں اسسٹنٹ کمشنری حیثیت سے اس نے اپنے سینئر برٹش افسروں کو اس وقت
 قیادت میں لے لیا تھا جب اسے علم ہوا تھا کہ وہ گھٹوں کو آگ لگانے کے لئے آئے ہیں۔
 ہر فرقہ کے دور دراز اس نے عوام کو بچانے کے لئے سرکاری اہواج کا ذخیرہ لٹا دیا تھا۔
 پاکستان میں جب وہ جنگ کاؤنٹی کمشنر تھا تو اس نے کھلی پھری لگال تھی۔ جس پر انتظامیہ
 اسے منت راج ہو گئے تھے۔ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ عوام کو اس قدر قریب آنے دیا جائے اور
 ان کی جان بچا لیا جائے۔

اس ہسٹری شیٹ کے افسر کو صدر مملکت کا سیکرٹری بنالیا کہ ان کی داخل مندی تھی۔ حیرت
 کی بات اس عہدے کے لئے اس کا چناؤ کیسے عمل میں آیا۔
 قدرت نے بھی اس عہدے کے حصول کے لئے کوشش نہ کی تھی، الٹا اسے یہ عہدہ بچہ بند
 تھا۔ اس عہدے پر فائز ہونے کے متعلق تصدیقات آپ قدرت اللہ شاہ کی زبانی سنئے جو
 آپ کے اے کے ۱۳۱-۱۳۹ صفحات پر درج ہیں۔

(۱۶)

۳۔ اس وقت بھی آپ انتھاب کے موڑ پر کھڑے ہیں۔

۴۔ یہی کیفیت ملک اور اس کے سربراہ کی ہے۔

۵۔ اندازہ ہے کہ یہ تبدیلی بہتر حالات پیدا کرے گی۔

۶۔ پاکستان کے صدر کا لقب بدل دیا گیا ہے۔

۷۔ آپ کا رخ اس کی طرف ہے۔

۸۔ لیکن ابھی آپ اس قدر اثر نہیں ہوئے جتنا ہو سکتے ہیں۔

۹۔ بہت جلد آپ پر اثر ہو جائیگا۔

۱۰۔ آپ کو بہت سے کام کر رہے ہیں۔

۱۱۔ آپ اس ملک کی خدمت پر مامور ہیں۔

۱۲۔ یہ صدر پاکستان کی خوشی بنتی ہے کہ انہیں آپ سا کارنامہ حاصل ہے۔

۱۳۔ جلد ہی وہ آپ کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

۱۴۔ وہ خدائی بیٹی، جو اس وقت آپ کے قریب ہے، آپ کے دوش پر دوش کام کرے گی۔

۱۵۔ صدر مملکت کار نمایاں کریں گے۔

۱۶۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اعزاز کسی دوسرے سربراہ مملکت کے نصیب ہو۔

۱۷۔ اللہ کے کلاموں میں کسی کو دخل نہیں

اس خط کے ۲۵ میں شاہد کے عیب متواتر سنئے تھے۔ لکھا تھا۔

۱۔ نماز میں آپ اپنا راستہ خود کاٹتے ہیں۔

۲۔ آپ دور دراز کا شکار ہیں۔ نہیں چاہتے کہ راستے میں رکاوٹ پیدا ہو۔ پھر خود ہی رکاوٹ

پیدا کر لیتے ہیں۔

۳۔ بے شک آپ کا ایمان مضبوط ہے۔

۴۔ آپ کی اتنا محروم ہے۔

۵۔ آپ نیت ٹیک ہیں۔

۶۔ آپ کا قلب آلود نہیں۔

۷۔ لیکن آپ کے ارد گرد جو چنگاریں مٹا رہی ہیں۔ آپ ان سے اثر قبول کرتے

مینک شروع ہوئے ہی ٹیلی فون کیا کہ کینٹ سیکرٹری مسٹر عزیز احمد مجھے اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ گورنر جنرل مسٹر غلام محمد تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم ابھی گورنر جنرل پلاس پہنچ جاؤ۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ میری بالکل کوئی واقفیت نہ تھی۔ وزیر خزانہ کے طور پر انہیں فقط چند بار دیکھا تھا۔ میں نے مسٹر عزیز احمد سے اس بارے میں کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔

غلام محمد صاحب کے ایک بھائی نے لاہور میں کسی فیکٹری کی لاٹ منٹ کے لیے درخواست دی ہوئی تھی۔ مجھے گمان گذرا کہ گورنر جنرل اس سلسلے میں کوئی سفارش کرنے والے ہوں۔ میں نے اپنے اس خدشے کا مسٹر عزیز احمد سے ذکر کیا تو انہوں نے اس سے بھی اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ مسٹر غلام محمد سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ اس لیے میں ان کے ساتھ بات چیت میں احتیاط سے کام لوں۔

مسٹر عزیز احمد کا مشورہ پہلے پانچہ کر میں گورنر جنرل پلاس پہنچا۔ ایک اے ڈی سی مجھے اپنے ساتھ اور والی منزل میں لے گیا وہاں پر برآمدے میں تین تین بچا ہوا تھا اور اس پر صوفے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گول میز پر بڑے خوبصورت پھول سجے ہوئے تھے۔

مسٹر غلام محمد ایک گدے والی آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہنچا ہوا تھا۔ روہیل اور جراثیں ٹائی کے ہم رنگ تھیں۔ کوٹ کے کالر میں گلاب کا پھول دکھاتا تھا۔ سر پر کالی جٹا کپ تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ ان کے قریب والی کرسی پر گورنر جنرل کی پرسل پرائیوٹ سیکرٹری مس رودتہ بول بولتی تھیں۔ یہ بڑی طرصار، ٹانگ اندام، خوبصورت نیم امریکن، نیم سوس لڑکی تھی جیسے وہ دانشمندان سے منتخب کر کے اپنے ساتھ پاکستان لائے ہوئے تھے۔ مس بول پر نگاہ پڑتے ہی میں نے دل ہی دل میں مسٹر غلام محمد کے حسن انتخاب کی داد دی۔ اے ڈی سی نے میری آمد کا اعلان کیا تو دونوں نے نظریں گاڑ کر مجھے سر سے پاؤں تک

گھورنا اس کے بعد مسٹر غلام محمد نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ چند لمبے عجیب سی خاموشی طاری رہی۔ پھر گورنر جنرل نے بچوں کی طرح ٹون میں کر کے کچھ بولنا شروع کیا۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بولتے رہے، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے۔ اور کب زبان میں گفتگو کر رہے ہیں۔

جب وہ خاموش ہوئے تو مس بول بولی۔ ”ہزار سیکینیٹی فریٹے ہیں کہ انہوں نے آپ کو سیکرٹری کو گورنر جنرل کی پوسٹ کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس ٹاؤک ڈائے میں یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ ایچ۔ اے ای امید رکھتے ہیں کہ آپ ان کے انتظار پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے ایچ۔ اے ای کا حکم ہے کہ آپ ابھی نیچے جائیں اور اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ صاف انکار کرنا تو مشکل تھا، اس لیے میں نے ایک اور ٹک چیش کرنے کی کوشش کی۔ ”میں اس وقت پنجاب گورنمنٹ میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ جب تک صوبائی حکومت مجھے وہاں سے فارغ نہ کرے کسی اور پوسٹ کا چارج لیتا ہرگز بے ضابطگی ہوگی۔“

یہ بات سن کر مسٹر غلام محمد غصے میں آ گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انہوں نے ٹوک کر کچھ دیر پھر ٹون میں کہا، ”جس کا مضمون مس بول نے مجھے یوں سمجھایا۔“ ہزار سیکینیٹی فریٹے ہیں، پنجاب گورنمنٹ جنم میں جائے۔ جس بے ضابطگی کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی آپ کے سمیت جنم میں جائے۔ پنجاب کے چیف مشر ملک اور ڈائریکٹون انٹیک سے نیچے بیٹھے ہیں۔ انہیں ابھی یہاں بلایا جا رہا ہے تاکہ وہ آپ کو پنجاب سے فارغ کر دیں۔ اس کے بعد آپ فوراً نیچے جا کر اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ تیر تھانے پر نہ بیٹھا تو میں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ ”جناب میری والدہ اور سہیلی لاہور میں ہیں۔ چارج لینے سے پہلے کیا میں وہاں جا کر انہیں کراچی لا

اس کے برعکس راجہ شفیق ایک متوازن فرد تھا۔ وہ حکمہ تعلیمات میں ایک کلرک تھا۔ اس قدر خوش پوش تھا کہ دیکھ کر لگتا جیسے بڑا افسر ہو۔ بات کرتا جانتا تھا۔ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق بات کرتا۔ حتیٰ التوسع غریبوں کی مدد کرتا۔ اس میں تعلقات عامہ کی بڑی صلاحیت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ سارا افسر اسے جانتا تھا۔ اس کے تعلقات بڑے وسیع تھے۔ طبیعت کا راجہ تھا۔ ہر بات میں زیادہ چڑھ کر حصہ لیتا۔ شاد خوج تھا۔ ہر غموں پر ہارنے والا تھا۔ یہاں اپنی زمینیں تھیں۔ یہاں سے پیداوار آتی رہتی تھی۔

بھائی جان کے حلقہ کے کچھ لوگ راجہ پر اعتراض کرتے تھے۔ کہ وہ دلائیں، موٹے بھلی، بھٹے، ایسی قسم کی چیزیں بھائی جان کو تجھے کے طور پر دیتا رہتا قادر یوں بھائی جان کو رکھی ہوئے بار بار قادر اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو سرکار قبلہ کا مزار پر نشانہ بن جائے گا۔ مرد ہندو پر غلوں کے سخت خلاف تھے۔ زندگی بھر انہوں نے اپنے آستانے کو کچھ غلوں بننے نہ دیا تھا۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے تاکید کی تھی کہ مزار پر کسی موتی کو بیٹھنے نہ دیا جائے۔ مزار پر چھت نہ ڈالی جائے۔ چار دیواری کو ٹوٹنا نہ کیا جائے۔

بھائی جان بھلا بیروں اور پر غلوں کے حق میں نہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی سرکار قبلہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرے۔

بھائی جان پسند نہیں کرتے تھے کہ راجہ انہیں چھوٹے چھوٹے خائف بھیجے۔ ایک بار بھائی جان نے کہا 'راجہ صاحب آپ ہمیں یہ چیزیں نہ بھیجا کریں ہم یہ پسند نہیں کرتے۔'

اس پر راجہ جوش میں آیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے بھائی جان کے درود قسے میں بات کی تھی۔ کہنے لگا 'بھائی جان آپ کے اصول سر آگاہوں پر، لیکن ہماری خواہشات بھی کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمارے دل میں بھی چند ایک چاہا ہیں۔ آپ انہیں اچھا جائیں یا برا؟ ہم ان کو اندر سے نکال نہیں سکتے۔ وہ ہمارے خون میں دسے ہوئے ہیں۔'

بھائی جان میں ایک چھوٹا سا مذہب اور بھی ہوا۔ زمین سے جب کوئی چیز آتی ہے تو میرا بھی چاہتا ہے کہ کچھ انہیں بھی بھیجوں جن سے مجھے حکایت ہے۔ میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں۔ اپنے

ایک ایک چھوٹی سی خوشی پوری کرتا ہوں۔ آپ پر احسان نہیں دھرتا۔ آپ میری اسی چھوٹی خوشی کو کیوں روک رہے ہیں۔ یہ سن کر بھائی جان کا سارا غصہ بند گیا اور وہ گردن ہٹا کر بیٹھ

راجہ شفیق اول تو بات نہیں کرتا تھا۔ جب کرتا تو منہ سے قہقہے کا فوارہ چل نکلتا۔ شام کے گھر وہ اکثر بیٹھا کرتا تھا 'شام سے تو کبھی تفصیلی ملاقات نہ ہوتی تھی۔ لیکن شام سے تا صبح اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا تھا۔ عفت بچے سے کام کرتی تھی 'شام سے لے کر دالے آپ سب درشتی پہلوان ہیں' کام کا آدمی صرف راجہ شفیق ہے۔

ایک دن راجہ شفیق کو ایک کام آدھان لگوایا کہ ایک آدمی تھا جسے چڑاسی گلوں کا راجہ نے کام کیا تھا۔ شام سے کہہ کر لڑائی آدمی کو دفتر میں چڑاسی لگوا دے۔

شام نے کہا راجہ سے کہنا کہ چڑاسی لگنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی افسر لگوا دے تو میں بے بسیاں' مدد کروں گا۔

ایک دن راجہ گھر گیا تو شام موجود تھا۔

راجہ نے کہا شام صاحب ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ آپ کی طرح بڑے لوگ نہیں ہیں۔ شام نے کہا 'ایسی گلوں کی درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بڑے لکھے آدمی کہاں ہیں کہ ان کے ارکان کی سفارش کریں اگر آپ چڑاسی نہیں لگوا سکتے تو ہم جیسے چھوٹے آدمیوں سے لگوا دے۔ ہم کیوں رکھتے ہیں۔'

راجہ کی بات سن کر قدرت بہت شرمندہ ہوا 'وہ چار روز خون پر عطف افسروں کی منتیں کرتا رہا۔ وہ راجہ کے آدمی کو چین رکھ لیں۔'

راجہ بچے سے اکثر بتا رہتا تھا وہ میرا واحد ساتھی تھا۔ لیکن وہ میری ذاتی پریشانیوں کو دور نہ لے سکتا تھا۔

شام کے متعلق وہ غلے کر میں راجہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا راجہ یہ کیا جھیل رہا ہے۔ میں میں نہیں آتا۔

اس نے غور سے وہ خط پڑھا 'کہنے لگا 'سبحان اللہ کیا خط ہے۔ کتنی اچھی خبریں ہیں اس خط

شاید ایران سے کاغذ ریش ہو جائے۔

سکھوں کو ایک ریاست مل جائے۔

ہو سکتا ہے کہ سکھ ہمارے ساتھ مل جائیں۔

اب کشمیر کے لیے جنگ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ویسے ہی مل جائے گا۔ جوں اور

چٹا جائے گا۔ وادی اور آجائے گی۔

نہو بھی جائے ولا ہی ہے۔

سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس روز بھائی جان کہہ دینے کے موڈ میں تھے۔ ایسے ہی جیسے قدرت چٹکن کی کیفیت میں

ہوتے تھے۔ شاید بھائی جان بھی چٹکن میں تھے۔ مگر ان کے انداز میں وہ سرشاری اور مستی نہ

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

میں نے کہا یاد یہ قدرت اللہ شباب کون ہے، کس کام پر مامور ہے۔

وہ ہنس بولا، مفتی ہم چنڈو لوگ ہیں ہم جڑ نہیں سمجھتے، ہم تو صرف پھل کھاتے ہیں۔

میں نے کہا آخر پتہ بھی تو چلے۔

پتہ چلا کر کیا کرنا ہے۔ مفتی یہ بتا کیا کوئی ایسا بھی ہے جسے پوری بات کا پتہ چلا ہو۔

چک لالہ تک پتہ ہے، کسی کو گور خان تک پتہ ہے، کوئی نہ کوئی تو ہو گا جسے جہلم تک پتہ ہو گا۔

سیدھی بات ہے کہ شباب ایک بزرگ ہے۔ ورنہ سرکار قبلہ اس کی دستار بندی نہ کرتے اور

اسے کوئی کام کرنا ہے جو پاکستان سے متعلق ہے۔ اتنی سی بات ہے۔ ہماری لیے یہی کافی ہے۔

اب تو خلوہ خزاہ کریہ میں لگا ہے کہ وہ کونسا کام ہے، اس کی نوعیت کیا ہے، اسے کیوں یہ کام دیا

ہے، کس نے دیا ہے۔

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

کیا ہو گا۔

میں سرگ کے کنارے ایک گوشت کے ٹوقوعے کی طرح پڑا رہوں گا۔ میرے جسم میں
لٹے پڑے ہوں گے۔ میرے جسم سے اس قدر بدبو آ رہی ہو گی کہ دلو گبرنگ پر دوہل رکھ
کر کریں گے۔

یہ سن کر مجھ پر لنگھی طاری ہو گئی۔

میرا جسم مطلق ہو گا قدرت نے کیا مگر میری حیات قائم ہوں گی۔ بلکہ ٹارٹل انسان کی
اہم چار گنا زیادہ چیز ہوں گی تاکہ میں اپنی تکلیف کو شدت سے محسوس کروں۔

یہ سن کر میرا دل بیٹھے لگ میں تو سمجھتا تھا کہ قدرت ایک خوش قسمت آدمی ہے۔ اسے
اولیٰ رجبہ حاصل ہے۔ اس کی حیثیت اعزازی ہے۔ وہ ایک بزرگ ہے جسے پر اسرار طاقت
حاصل ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں گھبرا گیا۔ میرے منہ سے صلیوں کے بالبلوں کی طرح
ہوت گئے۔ مجھے خیال آیا کہ قدرت کی لہت تو میں زیادہ خوش قسمت ہوں۔ میرے سر پر
لٹا رہیں تک رہی۔ میں ایک آڈو آدمی ہوں۔

اور آپ کو پتہ ہے اس نے کہا۔ اس کی تواضع سن کر میں چونک کر جاگ پڑا۔

کیا میں نے پوچھا۔

کہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ کوئی میرے قریب نہیں آئے گا۔ کراہت کی وجہ سے لوگ
میں سے دور بھاگیں گے۔

جیہاں میں نے پوچھا یہ پانڈی آپ پر کب عائد ہوئی۔ کیا پتہ لگتا ہے یا۔

۱۹۳۶ء میں اس نے جواب دیا "دستا" ایک طوفان چلنے لگا پٹنورا کا صندوق کھل گیا۔ میں
شہر دروہ گیا۔ دلی کے ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے مجھے پانڈ کر دیا۔
انہیں مجھ پر اس کی بڑی رحمتیں ہیں۔ بڑی رحمتیں ہیں۔ اگر یہ رحمتیں نہ ہوتیں تو میں کب کا
موت مر رہا ہو چکا ہو گا۔ میں نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کیفیت کے پانڈو جو اس پر طاری تھی۔ اس آکسنیسی کے پانڈو "اس کیف وصتی
کے پانڈو" اس میں ایک ٹوٹ تھی۔ ایک بے پایاں احساس ہے ہی اس کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔
میرے دل میں جانے کا بخون مگر یہ کی خواہش تھا کہ اس کی طرح بندہ گئی۔ میں نے محسوس کیا

یہ سوچیں کہ ہم کس طرح دوسروں کے کام آ سکتے ہیں۔

پھر بھائی جان کی توجہ سرکار قبلہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ پرانی باتیں یاد آئیں کتنے گئے۔
ہم پانچ بھائی تھے۔ تاکہ چند تھا سکندر تھا "محمد دین تھا غلام محمد تھا" میں تھا "تم غلام گئے
اس لیے ختم کر دیے گئے۔ سکندر نے کہا میں ختمیر جاؤں گا۔ کیا مکتوت آیا۔ پھر بھیجا گیا "پھر
واپس آیا۔ حکم عدولی کی وجہ سے ختم کر دیا گیا۔ محمد دین نے بھی حکم عدولی کی غلام محمد نے بھی
تاکہ چند بھارت چلا گیا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ دو سال سے کوئی خط موصول نہیں ہوا۔
بھائی جان کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے "بیت کو بھلانا بہت مشکل ہے۔ بیت کے بعد ہر
بات حکم بن جاتی ہے" ہر وقت حکم عدولی کا فلو لگا رہتا ہے۔

بیت کے بعد تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی ہو جائے تو نتیجہ دی ہوتا ہے "جو سکندر
کا ہوا۔ راجہ صاحب فقیری بہت مشکل ہے۔ بیت کرنے کی نسبت دوست ہونا بہتر ہے۔

مشن

اس کے چند روز بعد ایک روز میں نے دیکھا کہ قدرت کی آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں، زبان
میں کھٹکت ہے اور انداز میں عجیب جسم کی اچھل ہے۔ اس نے تھکی سی جالی۔

آپ نے اسے کو بلا رہے ہیں "میں نے پوچھا۔

ہاں اس نے جواب دیا "مجھے ڈکیشن دتا ہے۔

میں نے کہا "شاب صاحب آپ ڈکیشن نہ دیں۔

کیوں اس نے پوچھا۔

میں نے کہا "جناب آپ اس وقت پریزنٹ ایشن میں ہیں۔ آپ کو لوگوں کے سامنے
نہیں جانا چاہیے اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مجھے کچھ ہے کیا اس نے پوچھا
اس وقت آپ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ جیسے فربہ کی دو بوتلیں پٹی رکھی ہیں۔
وہ مسکرایا "کتنے لگا" غفلت میں شک کر رہی تھی۔

میں نے بھارت کے ریلوے سٹیشن کا خطا کھول کر لے دیکھا۔ آپ کو پتہ ہے "وہ بولا کہ
اگر میں اپنے مشن میں کام ہوا تو کیا ہو گا۔

جیسے وہ بزرگ نہ تھا۔ بلکہ ایک عام انسان تھا۔ تھا ہمارا ہوا۔ پھر جس انسان۔ اور وہ اسرار ہوا۔

لیے ہوئے تھا۔ وہ دراصل ایک زنجیر تھی، ایک مجبوری، لاچار۔

اس روڈ ساری رات مجھے غیر نہ آئی۔

بجائے سوال باب

چمگا دڑیں

قدرت اللہ شام با کردار آدمی تھا۔ اس میں بہت سی مثبت خصوصیات تھیں۔ کچھ
انہی بات قدرت نے وراثت میں پائی تھیں۔ والد اور والدہ دونوں ہی پاکیزہ اور سادہ مزاج تھے۔
اور ان کے والد بہت ذہین تھے وہ امتحانات میں فسط کلاس فسط آیا کرتے تھے۔ والدہ بڑی
ماہرہ تھیں۔ قدرت کا ایمان تھا کہ اس کی زندگی میں جتنی بھی برکت تھی وہ والدہ کی دعوں کی
بجائے تھی۔

قدرت کی شخصیت میں دو بڑی زبردست قوتیں تھیں۔ اس میں سب سے پہلے برداشت کر
نے کی قوت عام انسان سے بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس کی دل پاور اس قدر طاقتور تھی کہ
اسے کوئی چیز کر سکتا تھا۔

معلقہ خیر

قدرت میں طبع نہیں تھی، حرص نہیں تھی۔ فرائض نہیں تھی، لیکن ساتھ ہی اس میں چند
انہی کمزوریاں بھی تھیں، یہ کمزوریاں بڑی مشکلہ خیر تھیں۔

مثلاً اس میں ایک تنہا تھی۔ ایک عجیب قسم کی ہچکچاہٹ تھی۔ لیکن وہ اپنے آہنی عزم

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پرائی چیزیں

کچھ لوگوں کو پرائی چیزوں سے خدا واسطے کا لگا ہوتا ہے۔ ان میں پرائی اور بے کار چیزوں کو پیسہ دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہ چیزیں کسی مقصد کے لیے نہیں سنبھالی جاتیں، اس لیے انہیں کہہ کر کام آئیں گی۔

سنانے کہتے ہیں، عورتیں اس لیے چیزیں نہیں بچھتی کہ انہیں غلط ہوتا ہے کہ اگر میں نے پیسہ دیں تو پڑوسن اٹھائے گی اور انہیں کام میں لے آئے گی۔ وہ چیزوں کو اس لیے سنبھال کر نہیں رکھتیں کہ داشتہ آئیہ بنیں۔

وہ مرد جنہیں پرائی چیزوں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ پڑوسی کے ڈر کے وجہ سے انہیں سنبھال کر نہیں رکھتے۔ یہ تو آرٹ فار آرٹ سبک قسم کا شوق ہے۔ یہ شوق لوگوں میں عام ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شباب میں بھی پرائی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی عادت تھی۔ بے کار چیزوں کو سنبھالنا لیکن روپے پیسہ بے دریغ ہٹا تھا۔ جب وہ بالینڈ میں عیم تھا تو اس کے بیشتر خفا ایک ہی لٹس مضمون کے حامل ہوتے تھے۔

اسے روپوں کا چپک بچھ رہا ہوں۔ ساتھ لوگوں کے پتے ارسال کر رہا ہوں۔ آپ ان لوگوں کو اسے اسے روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔

کی عد سے اس جھگڑ اور جھگڑا ہٹ کو دور نہ کر سکا تھا۔ جب بھی وہ حملہ کرتی، وہ گھبرا کر پیچ جاتا۔ اسے ایک دھچکا لگتا، لیکن جلد ہی سنبھل جاتا۔

مجھے شک پڑتا تھا کہ قدرت بھی میری طرح احساس کمتری کا شکار ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس پر فوری طور پر ٹکڑ پڑ سکا تھا۔ دراصل قدرت میں دو بڑے حالات در پڑے گئے وہ تھے۔ ایک بریک دوسری شاگ ابزار بر۔

شاید اسی وجہ سے وہ سفارش نہیں کر سکا تھا۔ جب بھی اسے سفارش کرنی پڑ جاتی تو اور جھگڑا ہٹ کی مچھلی چل پڑتی۔ پھر وہ اسے اتوا میں ڈال دیتا، ڈال دیتا، قرار کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ مجبور ہو جاتا تو فون پر سفارش کرتے ہوئے بیٹے چھوٹ جاتے۔ سفارش کرتے ہوئے اس کا رویہ متوازن نہ رہتا تھا۔ ایسی بے بسی اور آہ و زاری سے فٹیں کرنا کہ اس پر ترس آنے لگتا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں کی فٹیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بنیادی طور پر قدرت اکیلا تھا۔ محفل سے کترا تھا۔ ملاقاتی رخصت ہوتا تو وہ احمیہ بن رہا تھا۔ وہ اپنی سوشل نہ تھا، اس سوشل تھا۔

قدرت میں اونچائیوں کا خوف تھا۔ جب وہ ہوللی جہاز کی میز پر چڑھتا تو اس پر خوف طاری ہو جاتا۔ جوں جوں چڑھتا جاتا تو اس کو کرب پڑھتا جاتا۔ جب آخری میز پر پہنچتا تو اسے ہلے قبض جیسا غلاب سہا پڑتا۔

میں اب وقت پر بھی آ سکتے ہیں۔
 آ سکتے ہیں۔ پر آئیں گے نہیں۔

میٹ، بیٹ اور کلون کی خالی چیخیں، کف، نکس، استہل، شرہ پن، دھوپ کی
 میٹکوں کے پرانے خول، سوکھے ہوئے مارکر، ٹوٹے ہوئے دستوں والے لیٹر اوپنر،

ہام

ہر ایک بڑی طرح دار بیگم جسے میڈم کہہ کر بلائے تھے، قدرت کی جانب مائل ہو گئی۔ وہ
 لڑائی مری تھی، لیکن اس میں اس قدر ہشاشمٹ اور کھٹکائی تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ بہت دیر
 علمی تھی اور اس قدر آوازوں میں تھی کہ اسے کوئی غصہ نہ تھی۔ ہر موضوع پر بات کرتی۔
 انہوں میں دعوت عالم تھی۔ کوئی ہو، کیسا ہو۔

صرف نظر کو عادت تھا۔ میں تھی۔ اس کے جسم کے ہر بند کو عادت تھا۔ تھی۔ مرد کو
 دل راز سے بچنے لگتی تھی۔ کسی بات کو چھپاتی نہ تھی۔ میاں سے کہتی، میں کیا کروں، میں ایسے
 دل والی مٹی ہوں۔ میاں سے چارے بس تھا، اسے روک نہیں سکتا تھا، دیکھ دیکھ کر شاید اسے
 دیکھ کر اسے ات پر مٹی تھی شاید وہ پیپنگ ٹام بن چکا تھا۔

میڈم نے آکر قدرت کو چنگ کیا۔ اس معاملے میں قدرت بڑا بڑے پاک سپاہی تھا۔ اس
 نے فطرت قبول کر لیا۔ ہم ڈر گئے، اب کیا ہو گا۔ وہ بڑی طاقتوں میں تسلیم ہو گا۔ ایک کے پرچے
 ادا نہیں گئے۔ پورا ایک مینہ میدان کار دار کر رہا۔

میڈم شام کو آجاتی۔ کتنی، آئیے ڈرائیو تک "سپری" ہو جائے اور وہ دونوں موٹر میں بیٹھ کر
 چلا جاتے۔ پھر آدھی رات کو لوٹتے۔

میں نے شب سے پوچھا، آپ جو ڈرائیو تک پر جاتے ہیں تو وہاں کرتے کیا ہیں۔

ہلا، کچھ نہیں۔

تو پھر جانے کا کہو۔

میں ڈرائیو تک کرتا ہوں اور میڈم باتیں کرتی ہیں۔

کیسی باتیں۔

اپنی رام کتابیں سناتی ہیں۔

میڈم کی کتابیں رام کتابیں تو میں ہو سکتیں، راولن کتابیں ہوں گی۔

ہاں راولن کتابیں ہی ہیں۔ بے چاری نے بڑے مصائب جھیلے ہیں۔

وہ تو خود بخوبی راولن ہے۔

قدرت کی سب سے بڑی کمزوری عورت تھی۔ ایسی عورت جو چلاؤ نظر ہو اور اس
 سے راستے سے ہٹ جاتی ہو۔

ایک بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ خواتین قدرت کو دیکھ کر اس پر رعبہ کیا ہوں
 تھیں۔ کیوں اس کے گرد منڈلاتی تھیں۔ قدرت کے خدوخل، قد کاٹھ کوئی تفصیل چلاؤ
 تھی۔ اس کی آنکھ ٹھنڈی نہیں تھی۔ اس میں ہلاؤ نہیں تھا۔

کہتے ہیں عورت سب سے پہلے مرد کی آنکھ کو دیکھتی ہے۔ اس میں ہلاؤ ہو تو دل
 ہوتی ہے۔ ٹھنڈی آنکھ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

قدرت کی آنکھ بھی چمک چمکتی تھی، لیکن وہ چمک ہلاؤ کی چمک نہ ہوتی۔
 قدرت کی آنکھ میں ایک جھمک تھی۔

میں وہاں پر حیران ہو کر آتا تھا۔

کہ عورتیں قدرت پر کیوں رعبہ جینی تھیں۔ اس کے گرد کیوں منڈلاتی تھیں کہ تو
 مراد مستقیم سے بھگی ہوئی حیثیتوں میں میں دل چاہی لیتا تھا۔ قدرت کی سب سے
 خواہش یہ تھی کہ پاس پاس وہ جائے نماز کیجے ہوں اور وہ کوئی ایسی طاقتوں کے ساتھ نماز پڑھ
 میں زندگی بھر جنس کا غلبہ علم رہا تھا۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ عورت اس
 نماز پڑھنے پر کیسے راضی ہو جاتی ہے۔

بھرنے مجھے خیر رعبہ بھری کی بات یاد آجاتی۔ جب رعبہ بھری کو زہر تو پچکے میں
 کیا۔ جب بھی گاہک آتا تو پتہ نہیں کیسے وہ اسے اس بات پر رضامند کر لیتیں کہ پہلے آئیے
 چاہ لیں، پھر عیاش۔

جب گاہک نماز پڑھ رہا ہو تو رعبہ بھری اللہ کی منت کرتی۔ یا باری تعالیٰ میری تک ڈا

میں نے آئی ہوں لب تو جانے اور تیرا کام۔

مجھے خیال آتا شاید قدرت بھی کسی کام کر رہا ہو۔

بہر حال ایک بات یقینی تھی کہ قدرت کسی ایک بھڑی سے اتنی ہوئی حیثیتوں کو

”میں وہ بولا۔ تم باہم خط ہے۔ دیکھ لیجئے۔

وہ دوسری خط لکھا۔ لکھا تھا یہ آپ نے کیا کیا۔ ایک غلاطی بھری پوٹلی کو میں بھیج دیا۔

قدرت ان خراجوں کو بیٹھیں یا چنگڑیں کا کرنا تھا۔ بیش ایک نایک چنگڑو اس کے گرد

لیٹی رہتی تھی۔ عفت یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑی رہتی تھی۔

پھر ایک روز اس نے بھائی جان سے بات کی۔ بھائی جان بولے دیکھو بیٹی۔ ہم بھی قسویٰ

نہ لگا رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان پر اعتماد نہیں کر سکتیں تو ہم پر اعتماد کرو۔ جو ہم آپ کے دل

نہ لگا رہا ہے وہ لگا ہے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ شاب صاحب جب باہر جاتے ہیں یا ڈرائیونگ کرتے

ان کے ساتھ ان کے محافظ ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے محافظ ہوتے ہیں۔

ایک بچے کا سوال ہے

پھر ایک چنگڑو آگئی۔

وہ شاب کے دفتر میں آئی۔ سیکورٹی نے فون کیا، جناب ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی

کون ہے قدرت نے پوچھا۔

اپنا نام مسز مزدا بتاتی ہے۔ عمر میدہ ہے۔ بیوہ ہے۔

کس کام کے لیے ملنا چاہتی ہے۔

اتنی ہے کہ شاب صاحب مجھے نہیں جانتے۔ میں مدینہ منورہ سے ہن کے لیے ایک پیغام

دلا ہوں۔

قدرت نے کہا، انہیں بھیج دیجئے۔

بچہ در کے بعد وہ داخل ہوئی۔ شاب نے اسے بڑے احترام سے دیکھو کیا۔ فرمایے، وہ

خاتون نے کہا، میں تنگی میں ہات کر رہی گی۔

قدرت نے اپنے لیٹے کو اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

گئے گئی، میں سر زمین حجاز سے آئی ہوں مجھے باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ چوہ شاب سے

وہ مانتی ہے۔ کہتی ہے، میں ایک مردار ہوں۔ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے رہتے ہیں اور

اپنی چوہیں چری کرتے رہتے ہیں۔

”بڑی اچھی تشبیہ دی ہے۔“

بے چاری جسنی طور پر مجبور ہے۔ کہتی ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے

ریں اور فوسٹے مارے دیں۔ بے چاری جسم کے ہاتھوں مظالم ہے۔

”آپ کو ترس آتا ہے۔“

ہاں۔ بد قسمت ہے۔

وہ توقع کرتی ہوتی ہوئی کہ آپ بھی ٹھوگنا ہائیں۔

شاید وہ بولا۔

چاہتی کیا ہے، میں نے پوچھا۔

وہ چاہتی ہے کہ اس گندے نالے سے باہر نکل آئے۔

واہ، میں نے کہا، بیک وقت دو متغیر خواہشات۔

یہ بڑی تکلیف دہ کیفیت ہے، شاب نے جواب دیا۔

پھر ایک مہینہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔

پھر چار ایک دن وہ نہ آئی تو میں نے پوچھا، وہ میڈم کیا ہوئی۔ اتنی نہیں۔

قدرت نے سرسری انداز میں کہا، مدینہ شریف چلی گئی۔

کیا عمرہ کرنے۔

نہیں، وہ بولا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں بیش کے لیے مدینہ شریف میں آباد ہو چلاؤں گی۔

دس ہندو دنوں کے بعد قدرت نے مجھے ایک خط دکھایا۔

میں نے پوچھا، کس سے آیا ہے۔

بولا، مدینہ شریف سے۔

میڈم نے ہنسا ہے کیا۔

میں وہ بولا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

اچھا تو میں جانتا ہوں، آپ کے لیے بھی پان لے آؤں گا، قدرت چاہے گی۔

میرا خیال تھا کہ وہ دوس پندرہ منٹ میں واپس آجائے گا، لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا وہ کھینے کڑو

’وہ نہ آیا تو میں گھبرا گیا۔ پان کی دوکان کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لیے

ایک دوکان پر پہنچا۔

انٹرن کی بات تھی کہ پان والا شہاب کو بھی چاہتا تھا اور مجھے بھی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا

میرا تو وہ بولا۔

کیوں۔

یہاں وہ کچھ دیر سر لٹکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے مراٹھا گیا۔

یہاں جنگل کا رول چلنا ہے، کل آرہی، کھڑ

لڑو یا مر ڈال بات ہے، ہے نا میں نے کہا۔ میرے گرد و پیش میں ہر وقت ایک

مٹکا، ڈنک لگائے بیٹھ، رہتا ہے۔

الحسن بن علیؑ تو ان کی پہنچ کو قبول کر لیتے ہیں چنگاروں میں بڑی طاقت ہے۔ تو اتنا مضبوط نہیں
اس مقابلہ کر سکے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ قدرت چپ ہو گیا۔

تسلیم عورت اور ضبط

میں نے کہا آپ ایک فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔
میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مسلسل کش کش میں رہتا ہوں۔ وہ بولا۔
مجھے ایک بات بتائیے۔ آپ فرار کا راستہ کیوں نہیں اپناتے۔ کیا اس لیے کہ آپ کو تسلیم
بالہ ہے یا عورت۔
مجھے دونوں ہی پسند ہیں۔ تسلیم سے میری انا کو تسکین ملتی ہے۔
اور عورت سے میں نے پوچھا۔
عورت مجھے اچھی لگتی ہے۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔
پھر نصرتؑ اس نے سر اٹھایا بولا آپ بھلی جان سے بات کیجئے شاید وہ فیصلہ کرنے میں میری مدد کر
سکیں۔

بھائی جان نے بڑے غور سے میری بات سنی۔ پھر دیر تک خاموش رہے۔ بولے وہ جو بھی
راتے ہیں ٹھیک کرتے ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے کہ ان کے معاملات میں دخل دیں۔
میں نے کہا مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہ چنگاروں سے طاقت افروز کرتے ہیں اور دوسری جانب
ازسرخ کر دیتے ہیں۔ بے شمار دلی بات ہے۔ ملیہ کی رب دایا ایلرہ صول پٹ کے اودھر لائے۔
بھائی جان مسکرا دیئے۔ بولے بھائی کی باتیں بڑی جوتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ
سکتی۔ ہمارے سرکار قبلہ بھی کسی زمانے میں یہ شغل کیا کرتے تھے۔ وہ پہلوں تھے۔ دود
المراسے میں کشتی لڑتے تھے۔ اس قدر طاقت ور تھے کہ کبھی ان سے خائف رہتے تھے۔ اپنی
قوت مضبوط کو آزمائے کے لیے وہ جنگ میں ملے جاتے اور کسی خوش شکل خواتن کے چہرے پر
ہنر ہا جاتے۔ اسے رات بھر کے لیے بک کر لیتے۔ پھر اسے کتے کپڑے اندر دے خود بھی برہنہ ہو
جاتے اور پھر طوائف کی گود میں بیٹھ جاتے۔ بیٹھے رہتے، بیٹھے رہتے، جب تک خواہش کا جذبہ
عاجز رہتا بیٹھے رہتے۔ پھر اٹھ بیٹھتے۔ طوائف سے کتے کپڑے پہن لے۔ خود کپڑے پہنتے اور

ہاں۔ وہ بولا۔ ہاں نے کر میں وہاں آ رہا تھا تو سرک پر ایک بڑا کھڑا تھا۔ اس کے سر
ایک ٹھوڑی تھی۔ اس نے مجھے روک لیا۔ کتے لگا سا مجھے پیچے جاتا ہے اس ڈنڈی پر۔ میں
سرک کے پیچے اترتا ہوں۔ تو مجھے ٹھوڑی پکڑا رہا۔
میں نے سوچا بڑا بہت ضعیف ہے کیوں نا ٹھوڑی اس کے سر تک پہنچا دوں۔ میں نے
پوچھا بھائی آپ کا گھر کہاں ہے ؟
وہ بولا یہ پاس ہی ہے پیچے گھٹ میں۔

جب ہم دونوں جنگل میں پہنچے تو ہیلانے کہا۔ ٹھوڑی یہاں رکھ دو اور اس پتھر بیٹھ جا۔
میں بیٹھ گیا۔ پھر اس بڑے نے مجھے اس قدر جھاڑ پھلی کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے
اپنی زبان کی تلووار چلائی۔ اس کی زبان دہریں بھی ہوئی تھی۔ اس کی آواز لاش کی طرح گئی
تھی۔ وہ اس قدر طاقت سے مجھ سے خطاب ہوتا کہ میں سو کر رہ جاتا۔ اس کی آنکھیں سیا
چمک رہی تھیں جیسے سناپ کی آنکھیں جھپکی ہیں۔ اس نے کھنک باندھ کر میری ساری قوت
سلب کر لی۔ مجھ میں بولنے کی طاقت نہ رہی۔ ذہن شل ہو گیا اور میں دو گھنٹے وہاں لاش کی طرح
پڑا رہا۔

لیکن وہ کہتا کیا تھا میں نے پوچھا۔

کہتا تھا تو کہتا ہے کہ تو نے اس عورت کو پاؤں پیش کیا تھا۔ اس کی تواسیع کی تھی۔ لیکن
مٹا ہوا کیا تھا نہیں ایسا کہتا ہے تو تو خود کو دھوکا دے رہا ہے۔ واصل تو نے اسے پاؤں اس لیے
پکڑا کیا تھا کہ اس عورت کی رنگین اور طرح دار انگلیوں کے لمس کی لذت حاصل کر سکے۔
کیا کیا کیا میں نے اسے لٹکاوا انگلیوں کا لمس اور لذت۔

شاید وہ ٹھیک کہتا تھا قدرت بولا جب وہ عاتقین آئی تھی تو میں نے اس کے ہاتھوں کی
طرف دیکھا قبلہ مجھے خیال آیا تھا کہ بڑی پرخس انگلیں ہیں۔ اور مجھے ایسے لگا جیسے وہ گلابی
تھیں۔ پھر میں نے دیکھا تھا کہ اس نے نیل پالش نہیں لگایا ہوا تھا۔
لیکن اس بڑے کو کیا حق حاصل تھا کہ آپ کو سر زلف کرے میں نے پوچھا۔

اس کی سر زلف میں اپنیت تھی۔ قدرت کی آواز ہم پر گئی۔ بڑے نے کہا یہ چنگاروں
تیار راستہ کو بنا کر کے لیے آئی ہیں۔ ان سے پہنچے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ انور دمؑ وہاں

اسلام کا حوصلہ تھا۔ بے پناہ جرأت تھی۔ اپنی جاہلیت تھی کہ آتے ہی ہم سب کو مکور کر لیا۔
ہات بڑا میدان کارزار گرم ہوا۔ شدید تصادم عمل میں آیا۔ قدرت کا خلیفہ پاش پاش ہو گیا۔
اسے اپنے خون کا گھر داس کی گھر ہو گیا اور وہ ایک ہزیمت شدہ، زخمی سپاہی کی طرح میدان چھوڑ
کر ہانگے پر مجبور ہو گیا۔

مسز دین ایک اوجھڑ عمر کی بیوہ تھی، ہلکافض، ہنس مکھ حسینہ۔ اس کا بند بند زندگی سے سرشار
تھا۔ شخصیت ایسی کہ ہر راگزمر متوجہ ہونے پر خود کو مجبور پائے اور پھر حواس کم، قیاس کم، دیکھنا
نا دیکھنا رہ جائے۔ جدھر سے گزرتی لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے۔ اس کا حسن صرف خدا و خلقی نہ تھا۔ اس
کی ہر حرکت حسین تھی۔ گرہیں ہی گرہیں۔ ڈگنسی ہی ڈگنسی۔ وہ فو حسن کی شہزادی تھی۔
مسز دین کو اپنی طاقتوں کا شعور تھا۔ وہ شعوری طور پر اس بات کا اہتمام کرتی تھی کہ کوئی فحش
لڑ نہ جائے۔ التزاماً فرصت کشی نہیں دیتی تھی۔ گیسوئے تبادر کے چل کو پھیلانے رکھتی
تھی۔ وہ اپنی اپیل کی تکرار صرف خواص پر نہیں چلاتی تھی۔ ہر راگزمر کو بے مقصد تقریرنا، زخمی
کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ شی واڑاے بکھر۔

پتہ نہیں وہ کہاں سے آئی تھی۔ کیوں آئی تھی۔ پتہ نہیں قدرت اسے کیوں جانتے تھے۔
لب سے جانتے تھے۔

ایک روز راجہ شفیق اپنا ہوا میرے گھر آیا اور دھڑام سے آرام کرسی میں ڈبیر ہو گیا۔ ایسے
لگتا جیسے کوئی حادثہ ہوا ہو۔ اس کے لسان خطا تھے۔

کیا ہوا راجہ؟ میں نے پوچھا۔

ذرا غصہ چا، وہ بولا، مجھے دم لینے دے۔

خیریت تو ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر تک وہ پڑا رہا۔ پھر اٹھ بیٹھا۔

کیا ہول میں نے پھر پوچھا۔

کسے کا مارے گئے، مفتی مارے گئے۔ توجہ ہے۔ ایک معیبت اور کھڑی ہو گئی، معیبت
نہیں قیامت۔ پتہ نہیں دہرا کیا ہو گا۔ ایسے لگتا ہے جیسے دہرا گھرنا معیبتوں سے گھر گیا ہو۔ کچھ

پھر طائفہ کو رقم دے کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کے لیے دعا کرتے اور واپس آ جاتے۔
لکنا خلیفہ میں نے پوچھا۔

انہیں اپنے خلیفہ پر زیادہ نفاہت ملتی جانے لگا۔

شادی شدہ تھے کیا۔

جوانی میں شادی کی تھی۔ چند مہینے چلے۔ پھر کہنے لگے، 'اے بھلا ہمارے بس کی بات نہیں
ہے۔ اور انہوں نے بیوی کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا، وہ بولے، 'بڑے آدمیوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ بس دیکھتے جاؤ، کریو
نہیں۔ کریو نے سچے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کریو گے تو اپنی ہی مت ماری جائے گی۔

مفتی صاحب ہمارا کام ان کی مدد کرنا ہے۔ جہاں تک ممکن ہے ان کی خدمت کریں گے۔
ان کا سرکار قبلہ سے رابطہ ہے اور ہم سب کے کام ہیں۔

آپ کا بھی یہی مسلک ہونا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہے خدمت کرو۔ پوچھو نہیں۔ کریو
نہیں۔ جنت نہ کرو۔

لیکن بھائی جان، میں نے کہا، میں سمجھتا ہوں، چاہتا ہوں۔

بھائی جان بولے مفتی بی۔ ان معاملات کو سمجھنے کے لیے ایک حس چاہیے، ایک خصوصی
حس۔ عقل کے زور پر آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقل ناقص ہے، جو عقل سے سمجھنے کی
کوشش کرتا ہے اس کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیا پتہ کسی روز اللہ کی مہربانی سے آپ
میں وہ حس پیدا ہو جائے۔ پھر ہماری باتیں واضح ہو جائیں گی۔

راجہ شفیق بولا، بھائی جان یہ مفتی تو ہے یہ جاننے کے پتھر میں پھنسا ہوا ہے۔

جو پتھر میں پھنس جاتا ہے وہ ڈوب جاتا ہے، بھائی جان نے کہا، تیر نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم مفتی
کو ڈوبنے نہیں دیں گے۔ اسے ابھی کام کرنا ہے۔ سب ساکام کرنا ہے۔ ابھی تو ڈوڑی تیار ہو رہی
ہے۔ جب پھول کھلے گا تو ہماری بات سامنے آ جائے گی۔

مسز دین۔ دی بکھر

پھر ایک، بس بھری چنگڑ میدان میں آ گئی۔ اور ہم سب کے گرد پکر لائے گئی۔ اس میں

ہوئے والا ہے مفتی۔

تو بات تو کر۔

آج صاحب کا فون آیا تھا۔ راجہ شفیع شہاب کو صاحب کا کہنا تھا۔ صاحب نے کہا 'راجہ صاحب آپ فارغ ہیں ایک میں نے کہا جی کیا حکم ہے کہنے لگے 'ابھی دس چندہ منٹ میں آپ کے دفتر کے گیٹ پر ایک کھلی موٹر کے گیٹ کے دفتر کے گیٹ پر چلے جائیں اور ان کا انتظار کریں۔ میں نے کہا جی ہمت۔ پھر اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا میں نے پوچھا 'صاحب کہنے لگے 'ان کے سامن فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ سرکاری ہنگر خلی کر رہی ہیں۔ انہیں فوری طور پر ایک ہنگر کرائے پر لینا ہے۔ آپ کن کی مدد کریں۔

بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ خیر میں گیٹ پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد کھلی موٹر آگئی۔ اس میں سے ایک خاتون باہر نکلے۔ میک اپ کے بغیر سادہ سے کپڑوں میں 'وہ اتنی جیٹنی تھی کہ جیٹنی میں اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ مجھے بڑی بے تکلفی سے ملی بیویں جیسے سال باسل سے ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں' کہنے لگی 'آپ راجہ شفیع ہیں غلطی میں نے کہا جی میں راجہ شفیع ہوں۔ صاحب نے مجھے فون کیا تھا۔

مجھے پتہ ہے 'وہ بولا۔

آئیے اندر دفتر میں۔ ایک پرالہ چائے 'میں نے خاتون سے کہا۔

میں راجہ 'وہ بولی 'میری پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر اندر ایک ہنگر چار کرنا ہے۔ لٹ لٹا کے سٹ راجہ۔ لیڈر یو ٹو ڈاٹ۔

پھر جو میں نے دیکھا۔ تو دیکھا ہوں کہ سڑک پر لوگ چلتے چلتے رک گئے ہیں اور آکھیں پھاڑ پھاڑ کر مہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دفتری چاہ دیکھا تو سٹاف کمریکیوں سے جھانک رہا تھا۔ میں گھبرا گیا یہ پوچھیں گے کہ کون تھی 'تو میں کیا جواب دوں گا۔

پھر اس نے بے تکلفی سے میری ہانڈ پکڑ لی۔ یولی' چلو جلدی چلیں۔ تاخیر کی تو یہی مجیز لگ جائے گی۔ اتنی بے تکلفی 'میں تو سخت گھبرا گیا۔

مفتی دو گھنٹے ہم شہر میں کھلے ہوئے رہے۔ ہمیں بھی جاتے لوگ پٹی پٹی آنکھوں سے

ہمیں دیکھتے۔

پتہ ہے مفتی 'میں تو سارے شہر میں چانا پھانچا ہوں۔ لوگ میری چاہ دیکھ کر آکھیں 'میں نے کہا۔ ایک نے تو کہہ دیا۔ راجہ 'آج تو توجہ کا راجہ بنا ہوا ہے اور مفتی وہ ایک ایک بات کرتی تھی۔ مفتی تھی مسکراتی تھی۔ میں سب جانتی ہوں کی سی مسکراہٹ۔

پہرے نے اسے ہنگر کرائے پر لے دیا 'میں نے پوچھا۔

اسے کلاس ہنگر لے کر دیا ہے۔ بڑی خوش تھی۔

پھر وہ مجھے گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ چاہتے ہوئے کہ وہی تھی 'راجہ پھر کب لوگے۔ خلی مکان 'میں نے کی بات نہیں 'اسے فرسٹ بھی کرانا ہو گا۔

تو کوئی ایسی بات نہیں 'میں نے کہا 'تو تو کتنا قمار ہے گئے۔

میری تو جواب ملی ہو جائے گی 'وہ بولا۔ سارا دفتر بیٹھے گا۔ راجہ وہ کون تھی۔ سارا شہر کہہ گا راجہ آجکل لوٹنی ہوا میں اڑتا ہے۔ دفعتاً 'وہ چونکے اور پھر ایک اور بات ہے 'وہ بولا۔

وہ کہا میں نے پوچھا۔

گتا ہے صاحب سے خاتون کے پرانے تعلقات ہیں۔ میں نے دوبار صاحب کی بات کی تو وہ ہلچل میں جاتی ہوں اسے وہ تو بند دروازہ ہے 'نہ خود باہر آتا ہے' نہ کسی کو اندر جانے دیتا

اچھا یہاں تک۔ بڑی بے تکلفی ہے 'میں نے کہا۔

دیکھ لو 'وہ بولا 'مجھے تو پتہ ہے گتا ہے 'جیسے ان کا فیصلہ چل رہا ہو۔

میں راجہ 'میں نے کہا 'مجھے نہیں پتہ۔ قدرت کے سرے تو دو گردن والے کھڑے رہتے ہیں۔ وقت۔ کسی کو ان کی لگنے کی اجازت نہیں دیتے۔

دار مفتی 'ہم تو ہمیں غاسی مومل۔ صلیوں میں پھنس گئے ہیں 'وہ بولا۔

ہند ایک دنوں کے بعد مجھے خود دین کے ہل چانا پڑا۔ قدرت نے کہا 'میں ذرا معصوف ہوں۔ اگر آپ ہن کے ہل چاکرے پکٹ دے آئیں تو۔

میں دے آتا ہوں 'میں نے جواب دیا۔ آپ مجھے آتا پتہ دیں۔ قدرت نے ایک پکٹ ہاتھ میں چھوڑا پھر ایک کٹہر پر مکان کی نوکیشن کا نقشہ بنا دیا۔

جب میں روانہ ہونے لگا تو قدرت نے کہا 'ذرا احتیاط سے لے چاہا۔ پکٹ میں قرآن کریم

کانسو ہے۔

کلوزز

میری عادت ہے کہ زیادہ حسین یا بنی خنی یا مذہب عورت کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔ خدا سے ملنے سے میں خوف تھا۔ خدا کا کہ کوئی ایسی بات نہ کہ دوں جو اسے ناگوار ہو اور میری باتیں قدرت کو نہ بتا دے۔

مجھے دیکھ کر وہ بولی، آئیے آئیے بڑی دیر لگلی آپ نے آئے میں، نہ بیٹھے۔ گھبراتے ہیں آپ۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔ کب سے جانتی ہیں آپ مجھے۔

جب سے آپ نے شاپ سے ملنا جتنا شروع کیا ہے۔ میں نے تو آپ کو دیکھا تھا کہ آپ۔ میں۔

میں تو آپ سے ضرور ملتی۔ لیکن اس نے مجھے منع کر دیا تھا۔ آپ انہیں کب سے جانتی ہیں۔

۱۹۵۶ء سے۔ ابھی آپ کراچی نہیں آئے تھے جب سے۔

پھر تو آپ زیادہ جانتی ہیں میں نے کہہ۔

کچھ فرق نہیں پڑتا وہ بولی چاہے آپ اسے ایک سال سے جانتے ہیں یا دس سال سے۔ روزانہ ہند کر کے بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی جان نہ لے۔

مجھے آج تک یہ نہیں چلا کہ وہ کون ہے میں نے کہہ۔

اونسوں (تھوڑی سی) نہیں وہ بولی، سیدھی سیدھی چیز ہے۔

مجھے تو میسر ہی نکلتی ہے۔ میں نے کہہ۔

آپ خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اس لیے۔ ورنہ وہ ایک سادہ شخصیت ہے، سادہ اور معمول۔ ایک بچہ ہے۔ اس میں، گھبراہٹ ہے، خوف دامن گیر رہتا ہے، وہ ایسا نہیں کہ بالک کشمکش میں پڑا رہتا ہے۔ بڑا دل ہے، جرات کا اقتدار ہے۔ کلوزز ہے۔

ان میں بلا کا مجر ہے۔ ہمدردی ہے۔ خدمت ہے، نیکی ہے، ان میں بہت مثبت خصوصیات

میں نے کہہ۔

حق صاحب وہ بولی۔ جب تک سسزنگ نہ ہو۔ جرات نہ ہو نیکی کا جذبہ بے کار ہے۔ آپ لوگوں نے اسے خواہ مخواہ نہ پایا رکھا ہے۔

دین کا قدرت کے متعلق رویہ بڑا ہے پاک تھا۔ وہ قدرت کو موی حیثیت سے دیکھتی ہیں اسے انسان کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔

ایک بپتے کے بعد راجہ آئیک۔ وہ طے میں تھا کہنے کا، مفتی ہم سب فطرتی کر رہے ہیں، ہم اس وقت سے زیادتی کر رہے ہیں۔ ہم دین کا حوصلہ برباد کر رہے ہیں۔ اس کا انجام انہیں ہو گا۔

راجہ قدرت کے گھر جایا کرتا تھا اس کا مفت سے گمراہ رابطہ تھا۔ عفت کے چھوٹے بچے کا کام کرتا۔ گھر کے متعلق انتظامات کرتا۔ راجہ دماغ، ڈی۔ بی۔ سنگ تھا اور گھر کے متعلق علامات کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ قدرت سے ملنے سے انگڑیاں آتا تھا، لیکن عفت کو بوسے شوق سے لیتا تھا۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں عفت کے ساتھ تھیں۔ وہ دین کے بے پاک ارادوں کو دیکھ کر گھبرا جاتا تھا۔ لیکن غالب ہے کہ اس نے عفت کے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا۔

ایک دن راجہ مجھ سے ملا۔ کہنے کا، مفتی یہ بیوہ خاتون تو بہت بڑی تلاش ہیں ہے۔ مجھے کھانا ملا تھا۔ کہنے کا، راجہ صاحب آپ نے میرا بھگہ کیسے لوگوں کو دے دیا ہے۔ میرا مکان برباد ہوا جاتا رہا ہے۔ وہاں لوجوان امراں کا گھٹکا لگا رہتا ہے۔ ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ انہی رات تک ٹھیک چابی رہتی ہے۔

پھر ایک اور صاحب آئے، راجہ نے کہا جو اسی علاقے میں رہائش رکھتے ہیں، جسک دین مفتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ غی کرایہ دار خاتون جو آپ کے علاقے میں آئی ہے اس کی رحمت بہت کیسی ہے۔

ایا بات ہے اس خاتون کی، وہ بولا، لیکن لفظ۔ اتنی خبر ہے کہ بچے میں تیسوں اور بیوئوں کا گھٹکا لگا رہتا ہے۔ پھر بچے میں روز قرآن خوانی ہوتی ہے باقاعدہ قاری صاحب آتے ہیں۔ اس آتا ہے۔ انوں پڑوس کے بچے باقاعدہ درس لیتے ہیں۔ سینے میں ایک مرتبہ مولود شریف آتا ہے۔ راجہ شفیق کہنے کا، مفتی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تجھے اتنی ہے کیا؟

میں نے جواب دیا، کچھ کچھ آتی ہے۔ ساری نہیں۔
کیا سمجھ میں آتی ہے تجھے۔

میدان جنگ گرم ہے۔ وہ طاقتیں متحامل ہیں۔ ایک طرف قرآن ہے، دوسری طرف
خوافض ہے۔ ایک جانب خیر ہے، دوسری جانب شر ہے۔

یہ خاتون دو حصوں میں غنی ہوئی ہے راجہ۔ اندھیرے اچالے پیچہ آزا ہیں۔ بے چاری
دین۔

راجہ فیے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا کتنے لگا، تمہاری یہ قلعہ بازی نہیں پلے گی۔ تم شباب
صاحب کی فاباز طرف داری کر رہے ہو۔ تم حفت پر ظلم کر رہے ہو۔ بس میں زیادہ برداشت
نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ بھائی جان کو پیش کر دوں گا۔
ان دنوں بھائی جان مستقل طور پر پنڈی میں رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک چھوٹا
سامان کر کے پر لے رکھا تھا اور وہ اسلام آباد کا ایک جنگہ حیر کر رہے تھے۔

حکم کے پابند

اگلے روز ہم دونوں بھائی جان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی جان پر اثر ڈالنے کے لیے
راجہ نے بڑی جذباتی تقریر کی۔ کہنے لگا، بھائی جان میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم سب
حفت باقی سے دھوکا کر رہے ہیں۔ ہمیں مسزین کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو
اطلائیہ دعویٰ کرتی ہے کہ شباب صاحب اس کی ملٹی میں ہیں۔

بھائی جان پہلے تو چپ چاپ بیٹھتے رہے پھر دم آواز میں بولے، راجہ جی، دین ہماری
بمشورہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دین ہمارا بھائی ہے۔ وہ خاتون نہیں مو ہے، اس میں جرأت
ہے، حوصلہ ہے۔ شباب صاحب گھپکا رہے ہیں۔ ہال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ اب وہ اپنا
دعویٰ کیوں نہیں بھالتے۔ اب تو راستے کی رکھوت دور ہو چکی ہے۔ انہوں نے خواہ مخواہ دین کو
ٹھیس میں ڈال رکھا ہے۔ بے چاری عذاب میں مبتلا ہے۔

بھائی جان کی بات سن کر ہمیں ہنسنے لگا۔ راجہ غصہ اُٹھو کر بیٹھ گیا۔
میں حیران تھا، یہ بھائی جان کو کیا ہوا۔ ہم نے تو دین کی بات کو ان سے چپا کر رکھا ہوا تھا،

دین کو بھائی بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ کیا عہد ہے۔

راجہ در خاموش رہنے کے بعد دو پھر گویا ہوئے کہنے لگے، وہ خاتون دو دفعہ ہم سے مل چکی
ہے، گھر آئی تھی۔ پھر اس نے ہم سے کہا بھائی جان مجھے دربار میں لے چلے۔ میں بابا کی
دعا پاؤں چاٹتی ہوں۔ ہم نے سرکار قبلہ کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے کہا، انہیں لے آؤ۔ وہ
خاتون خود ہمیں آئی۔ ہم نے اسے بلایا ہے۔

ہم تو راجہ جی حکم کے پابند ہیں، بھائی جان بولے، ہم تو سرکار قبلہ کے ایک لونگی لائی ہیں۔
ہم نے تم کو دربار میں لے گئے۔ وہ وہاں بیٹھ کر روئی رہی۔ سرکار قبلہ نے اپنا ہاتھ اس
کے سر پر رکھ دیا۔ بس بات ختم ہو گئی۔

راجہ صاحب اس خاتون پر بیلا غلام ہوا ہے۔ اس نے بہت دکھ سہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ
وہ آگ سے دھندلے منورہ سے ہو آئی ہے۔ مسجد نبویؐ میں دوا لیا کر کے آئی ہے۔ کتنی ہے
میں بھی میں وہاں رہی۔ رات کو دیکھتی رہی کہ میں مسجد نبویؐ کے ایک کالم سے لگ کر
اٹھوں۔ دوسرے کالم کا سامرا لے حفت کھڑی ہے۔ اور درمیان میں شباب صاحب بیٹھے

اس نے بڑی عجلت کی ہے۔ اس کی صرف ایک مانگ ہے۔ اس کی مانگ پوری ہوئی
ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنا ہے، راجہ جی۔
'بھائی بھائی جان' راجہ نے بہت کر کے کہا، دین کی فہرت اچھی نہیں۔ اس کے گھر پر
دور دور سے آتے جاتے ہیں، ہمتا لگا رہا ہے۔

بھائی جان بولے، راجہ صاحب، ہمیں اس بات سے کیا لینا دینا۔ وہ جانتے ہیں، سب جانتے
ہیں، ہم نے تو سرکار قبلہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے۔

راجہ خوش میں آگیا، کہنے لگا، بھائی جان اس میں صاحب کی بدنامی ہے، ہم سب کی بدنامی

بھائی جان نے نچ ہو کر ذریعہ کہا، دین خد کے بیٹھی ہے۔ کتنی ہے، ہاں یہ سچ ہے، لیکن
گھر ہوں۔ میں اس سمورہ میں روٹی کی طرح لگی ہوئی ہوں۔ یہ بات میرے بس کی نہیں
ہے۔ آپ مجھے اس دلدل سے نکال سکتے ہیں۔ وہ اپنا وعدہ اپنا کیوں نہیں کرتے۔ جو وہ مجھے

سارا دین تو میں اس لپت سے نجات حاصل کر سکتی ہوں۔

معلوم نہ تھا۔ کتنی ام ساری میں نے کہا۔

اپنے نے میری نماز کو ختم کر دی۔

میں نے موضوع بدلا، میں آج ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔

والی بات لانے میں کیا اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، سیمپا نہیں کیا خود آیا ہوں۔

اگر۔

والی پوچھنے آیا ہوں۔

اگر وہ بولی۔

اگر آیا ہوں کہ آپ کون ہیں۔

اگر، ساعت کے لیے وہ خاموش رہی، پھر بولی۔

اپنے نے یہ سوال اس سے پوچھا ہے کسی۔

اگر۔

اگر نہیں پوچھا۔

اگر، لاگوئی قائم نہیں۔ وہ بات تل دیتے ہیں۔

اگر، بات ہی نہیں وہ لوگوں کو بھی تل دیتا ہے۔

اگر، کو بھی تل رہے ہیں۔

اگر، اب سے زیادہ۔

اگر، اتنے ہیں۔

اگر، اس کی گھر ہے۔

اگر، لاخوف میں نے پوچھا کیا لوگوں کا خوف۔

میں نے اس کے سرنگی میں بلایا، میرا خوف۔ وہ میرے ہاتھوں سے خوف لدا ہے۔ میری

خوف لدا ہے۔ اپنی باتیں مت چلاؤ۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ ورنہ میں میرے بازو

میں سے بازو دوں گا۔ وہ میرے لمس سے ڈرتا ہے۔ ایک بار میں نے زیادتی کی تھی۔ خوف

میں کی باتیں اہل کر باہر نکل آئی تھیں۔ اس روز میں نے چاہا، مجھے اس پر ترس آگیا۔

آپ نے شام صاحب سے اس بات کا ذکر کیا ہے کبھی میں نے بھائی جان سے پوچھا۔

وہ سب جانتے ہیں، بھائی جان نے جواب دیا۔ انہیں ہر بات کا پتہ ہے، لیکن وہ اٹھاپا

ہیں۔ انہیں جرئت سے کام لینا چاہیے۔ سچی بات یہ ہے مفتی صاحب کہ میں ان کی کبھی

آئی۔ کبھی میں ان کا کہہ دیا کیوں کر رہے ہیں، جیسے کہ وہ کر رہے ہیں۔ ہر حال میں ان

ساتھ دیتا ہے اور دیکھیے راجہ جی آپ کو عفت بیٹی کے دل میں خلوک پیدا نہیں کرتے ہاں

اب جو پیدا ہو گئے ہیں تو آپ ہی انہیں دور کریں۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ یہ آپ کا کام ہے

اسے آپ ہی کو سرائیام دنا ہو گا۔

پولٹا کوٹکا

بھائی جان کی باتیں سن کر میں دو دن سوچتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دین سے

کر بات کروں گا۔

شام کو جب میں دین کے گھر پہنچا تو وہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ جب تک وہ نماز پڑھ

رہی، میں اسے تنگلی ہاتھ کر دیکھتا رہا۔

میرے سامنے مزدور نہیں تھی بلکہ کوئی اور مخلوق تھی، دنیاوی لاگ لگاؤ سے پاک، ادا

جتنی سچی، جس نے خود کو خالص کر رکھا ہو۔

اس نے سلام پھیرا، دعا مانگی اور پھر میرے پاس آ بیٹھی، کہنے لگی، میں ایسے نہیں

کرتے۔

کیا مطلب، میں نے پوچھا۔

مخلوق جب نماز پڑھ رہی ہو اسے تنگلی ہاتھ کر نہیں دیکھتے۔

آپ تو نماز پڑھ رہی تھیں۔ کسی اور گن میں تھیں کیا آپ نے کیسے نوٹ کیا کہ میں

ہاتھ کر دیکھ رہا ہوں۔

کوئی مخلوق مرد کی تنگلی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی بے سوئی نوٹ جاتی ہے۔ مخلوق کی

عورت باہر نکل آتی ہے۔

یہ کب کی بات ہے؟ میں نے پوچھا۔

-5 (10)

’نہیں‘ وہ بولا، مجھے اس کی ضرورت نہیں میں اس سے بے نیاز ہوں۔ مجھے تمہارا نقشہ ہی

مجھ بڑی حیرت ہوئی تھی۔ یہ کیسا آدمی ہے۔ جو مستی کے عالم میں بھی 'نہ مجھے ہاتھ لگتا مجھے ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔

اور پتہ ہے وہ کیا کہ اگر حاکم کج دین ہے، تو پتہ بخار کسٹھانی کی سرگزشتوں میں
 نہیں ہوتا بلکہ نہیں ہوتا۔ بلکہ میں اسکی طاقت ہے کہ اسے ہزاروں پر ہٹا کر تجھے اوپر لے جائیں۔
 تجھے پتہ نہیں، میں نے تیرے لیے کیا کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ کی بڑی قسمیں کی ہیں۔ بڑی آدھ
 کی ہے۔ بڑی تھالی ہے میں نے صرف ایک چٹائی چکی ہے اور وہ تو ہے۔

اب تو میری ہے۔ کوئی تجھے ہاتھ نہیں لگا سکے گا، اگر کسی نے ہاتھ لگایا تو وہ مفلوج ہو جائے

من کر میں عزپ کر دین کے قدموں سے اٹھا۔

”ہیسی ڈر گئے۔“

ہاں 'ڈر گیا' میں بڑا ڈر لوک ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتی۔

ایک اور دو

ہائقی ہوں، وہ بولی، ہائقی ہوں۔ میں نے علی پور کا ایلی پڑھی ہے۔ اس نے مجھے بھیجی تھی۔
وہ تو خرافات کا پلندہ ہے، میں نے کہا۔

۴۔ ٹک ہے مگر وہ بچ ہے۔ اس کی ایک ایک سطر پڑھتی ہے۔ کہتی ہے 'میں بچ ہوں۔ اس
 اے ایک ہے دو'۔ ایک نو بات بڑی خوش قسمتی ہے۔ چاہے خبر یا شاعر مگر ایک ہو۔
 اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ مفتی صاحب اس نے مجھے دو درود پڑھ دیے۔

”اے‘ میں نے پوچھا۔

ہی ابھی ہوئی کہانی ہے۔

یہ تو میں سننے آیا ہوں۔

ابتدائی ایم کیو ایس کی وہ بولی میں اس کی جانب متوجہ نہیں کی تھی میں نے اسے دو ایک بار
تھاپیں اس میں توجہ طلب کرنے کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ نہ شخصیت نہ نگاہ۔ کوئی نکتہ نہ تھی۔

پہلے وہ میری طرف متوجہ ہوا تھا۔ بڑی شدت سے متوجہ ہوا تھا۔ میں نے کوئی اشارہ
 دیا۔ کوئی بات ہوئی تو اہمیت دینی نہ تھی۔

اک صرف عہدہ ہی عہدہ تھا۔ مجھے کوئی غرض نہ تھی۔ میرے پاس سب کچھ تھا۔
دیکھتے، سرنگوں ہو جاتے۔ لوگ میرے اشارے کے منتظر تھے۔ جو چاہتی ہو جاں۔

وہ تو اب بھی ہے، میں نے کہا۔

نہیں، اس نے اُگلی سی تہ بھری۔ پتہ نہیں اس نے مجھے کیا کر دیا ہے۔ میں ایک تہ
نے مجھے دو کر دیا ہے۔

وہ میرے ہی آقا تھا۔ اور اور۔۔۔۔۔۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ اور دیوان پر جا کر بیٹھ گئی اور کہا میں نے پوچھا۔

ذرا آئیے اس نے مجھے حجاب کر کے کہا، 'لوہر آئیے' میرے پاس میں پاس جا کر
 'میل ہوئی' اب بیٹہ جاہلیے۔ 'لوہر' میں میرے قدموں میں بیٹہ جاہلیے۔ میں
 مسکرائی 'لوہر' دوسرے نہیں بیٹہ جاہلیے۔

و جب بھی آقا قلم یوں میرے قدموں میں بیٹھ جاتا تھا جیسے آپ بیٹھے ہوئے ہیں
پھر وہ بولے - بولے جاتا بولے جاتا۔

وہ تو گونگا ہے' میں نے کہا۔

ہاں کو گنا ہے۔ گنہگار کو نہیں لگ جاتی تھی۔ اور وہ بولے جا۔ بول بول کر اس کی
 میں لگت آجاتی۔ آج میں چڑھ جاتیں۔ ایک عجیب مستی ایک۔ پہلے میں سمجھتی رہی کہ وہ
 آتا ہے۔ دمت ہو کر بات کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اسے کہا میری ایک پسلی ہڈی
 ہے۔ آپ شوق کریں گے کیا۔ کہ یہ کر میں نے لہاری سے بول نکالی اور اس کے

وہ مان گیا۔

”قراردہ وقت پر دین آگئی“ میں نے اسے ڈرا بینک روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد شاپ آئی۔ اسے بٹھا کر میں اندر چلا گیا۔
میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ پندرہ منٹ کے بعد ڈرا بینک روم میں آگیا۔ اسے ہانگ کر باہر نکلا۔

دین بڑے وقار سے ڈرا بینک روم کے بیرونی دروازے میں کھڑی تھی۔
”کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”بگڑا“ بھاگ گیا“ وہ بولی۔

میں دوڑ کر سڑک پر پہنچا دیکھا کہ دوڑ شاپ دوڑے جا رہا تھا“ دوڑے جا رہا تھا۔
کچھ دیر کے بعد میں نے شاپ کے گھر فون کیا۔
”اب ملا کہ وہ تو دورے پر کراچی چلے گئے۔“

اگلے دن دین مجھے اپنے گھر لے گئی۔ سارا دن وہ دیوانہ وار کراچی فون کرتی رہی۔ وہ کرب میں مبتلا تھی۔ ہوش و حواس قائم نہ تھے۔ ایک دیر انگی طاری تھی۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔ بھائی! ہمارا رضامند ہیں۔ سرکار قبلہ نے اجازت دے دی ہے۔ عفت مان گئی ہے۔ مدینہ منورہ سے دوری مل گئی ہے۔ اب یہ شخص میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پولو ملتی۔

میں گھبرا ہوا اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے کیا پتہ؟ میں نے کہا۔

میں اسے ہنس کر دوں گی“ وہ چلائی۔

میں نے بھائی جان کو یہ واقعہ سنایا۔ سن کر متحمل ہو گئے۔ منہ نہ ڈھیلے۔

پتہ نہیں اس روز مجھے کیا ہوا تھا۔

میں بھائی جان پر برس پڑا۔ میں نے کہا“ بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔
یہ قدرت اللہ شاپ کون ہے یہ حترمہ کون ہے۔ آپ ایک با اصول آدمی ہیں۔ با کردار آدمی ہیں۔ لیکن آپ نے اس سلسلے میں اپنے سارے اصول توڑ دیے ہیں۔ آپ بالکل اس کے برعکس ہو گئے ہیں۔ آپ نے ہمیں تجھے میں ڈال دیا ہے۔ ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ کیا کرنا ہے۔“

میں نے حیرت سے دہرایا۔

میں آپ کے گھر آچاقوں اور آپ اسے فون کر کے بلائیں“ وہ بولی۔

اور ان کو نہ بتاؤں کہ آپ ان کو ملنا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا۔

کیوں نہ بتائیں“ وہ بولی“ کوئی چوری نہیں“ کوئی دھکی چھپی بات نہیں“ صاف کہیں کہ میں اس سے ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔
اور اگر وہ نہ آئے تو۔

بے شک نہ آئے۔ نہیں آئے گا تو از خود فیصلہ ہو جائے گا۔

بگڑا

میں نے دین سے ملے کر لیا۔

اگلے روز میں نے شاپ کو فون کیا۔ میں نے کہا“ آپ میرے گھر آجائیں۔ ان دنوں میں ایک کوارٹر میں رہتا تھا۔ میرا مکان بڑا کم کے ایک سرے پر تھا۔ وہ ایک چھوٹا مکان تھا۔ ایک جانب ڈرا بینک روم تھا“ دوسری جانب رہائشی کمرے تھے۔ تھیلے کے لیے ڈرا بینک روم بڑا موزوں تھا۔ چاقوں کی آواز ہر آنٹی بھے تک نہیں پہنچتی تھی۔

شاپ نے پوچھا“ خیریت تو ہے۔

میں نے کہا“ بالکل خیریت نہیں ہے۔

وہ گھبرا گیا“ کیا ہوا۔

میں نے کہا“ ہوا نہیں۔ ہونے والا ہے۔

پوچھا“ کیا ہونے والا ہے۔

میں نے کہا“ میرے ڈرا بینک روم میں آپ کی دین سے تھیلے میں ملاقات ہونے والی

ہے۔

وہ از سر نو گھبرا گیا“ کہنے لگا“ آپ اسے مل نہیں سکتے۔

میں نے کہا“ شاپ صاحبہ ٹالے نہیں۔ کب تک ٹالیں گے آپ ٹالے سے بات ختم نہیں ہو جاتی“ مزید پ پڑتا ہے۔ میں نے کہا“ شاپ صاحبہ جو ہونا ہے لازماً ہو گا۔ آپ

کدھر جاتا ہے۔ ہمارا راستہ کھوٹا کر دیا ہے۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

سینٹیسولن باب

پراسرار

ایک روز دفتر میں ایک صاحب تشریف لائے دیکھتے ہیں عوامی سے آدمی تھے لیکن انداز بڑا
 اچھا تھا۔ بری بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ گئے، کہنے لگے، شہاب صاحب سے ملنا ہے۔
 میں نے کہا، جناب شہاب صاحب تو دور سے پر گئے ہوئے ہیں۔
 کب آئیں گے، اس نے پوچھا۔
 میں نے کہا، جناب دو ایک دن میں آئیں گے۔
 اس نے سرگرمی کا ایک لمبا سانس لیا۔ کہنے لگے، یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔
 میں نے کہا، آپ دو دن کے بعد تشریف لائیں۔
 بولا، میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے کہ انتظار کر سکوں اور کام اشد ضروری ہے۔

ایشی رائی

میں نے سوچا یا اللہ یہ کیسا سا گلی ہے کہ جس کے پاس انتظار کرنے کے لیے وقت نہیں ہے
 اور کام اشد ضروری ہے پھر اس نے اپنا تعارف کر لیا کہنے لگے، میرا نام ایشی رائی ہے میں صفائی

میں نے پوچھا کیا ہوا؟
 وہ بولا، بات ختم ہو گئی۔ وہ جسم سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔
 مجھے تعجب نہ آیا۔ کہنے میں نے پوچھا۔
 انہوں نے شیطانی قوتوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔
 کیا آپ کے خلاف چارو کیا ہے۔
 ہم سب کے خلاف حلقہ، عفت اور میں سب کے خلاف چارو نہیں، شیطانی عمل بڑی
 مشکل ہوئی۔ مجھے شیطان سے لڑنا پڑا۔
 کیا کیا کیا۔ کلام کے دور پر لڑنا پڑا۔
 نہیں، وہ بولا، تو نہ بکلیجی..... اور اس نے فون بند کر دیا۔
 چند ایک دنوں کے بعد راجہ نے فہریش میں ہوئی سے مجھے فون کیا بولا، فوراً یہاں آ جاؤ۔
 کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔
 وہ بے ہوش پڑی ہیں۔
 کون ہے ہوش پڑی ہے۔
 اس نے خواب آور گولیاں کھلی ہیں۔
 کس نے، میں نے پوچھا۔
 دین نے، وہ بولا۔ ہونٹ والے انہیں سی ایم ایف لے جا رہے ہیں۔ تم فوراً یہاں پہنچو۔
 نہیں راجہ بلکہ تم یہاں آ جاؤ فوراً۔
 پاگل ہو تم، وہ چلایا۔
 بھائی جان کا حکم ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
 بھائی جان کو علم ہے کیا۔

UrduPhoto.com

دو دن کے بعد ہسپتال سے فون موصول ہوا کہ محترمہ دین خطرے سے باہر ہیں۔ یہ تمہیں
 وہ فون کس نے کیا تھا۔

UrduPhoto.com

کیا آپ ان سے انتظار لیتا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں جی، وہ بے تکلفی سے بولا، انتظار کیا لیتا ہے۔ میں انہیں چاہتا ہوں۔ پرانا نیاز مند
 ہوں۔ جب وہ جھگ میں ڈپٹی کشر تھے، تب سے میں جھگ کا رہنے والا ہوں۔
 کیا کام ہے آپ کو کن سے۔
 نجی کام ہے، وہ بولا۔ ہاں، وہ رک گیا، پھر کہنے لگا اگر آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہو تو میں
 انہی فون سے فون پر بات کر لوں۔
 جی نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جواب دیا۔
 اس نے سگریٹ کے چار ایک کش لگائے۔ کہنے لگا، میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ ممتاز مفتی
 ہیں نا۔
 میں چونکا۔
 وہ بولے گیلہ جاتا تو دیر سے ہوں۔ البتہ ملاقات کا موقع آج ہی ملا ہے۔
 یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں، میں نے کہا۔
 او نہیں جی۔ ہم صحافی لوگ ہیں۔ چنانہارا کام ہے۔ جاننے کے لیے ہم صبح شام کہیں
 ہوتے رہتے ہیں۔
 میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شباب صاحب سے صحافی کی حیثیت سے ملنے نہیں آئے
 بلکہ دوست کی۔
 وہ مسکرایا۔ بولا۔ ہاں جی شباب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے دوست جانتے ہیں ورنہ صحافی کی کیا
 حیثیت ہے۔ اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا۔
 میں نے کہا آپ سے ایک بات پوچھوں۔
 پوچھیے، وہ بولا بے تکلف پوچھیے۔
 آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں نا۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں۔
 ہاں وہ بولا میرا خیال ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔
 تو یہ بتائیے میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ شباب کون ہے۔
 وہ میرا سوال سن کر چونکا۔ کون ہے کا مطلب اس نے پوچھا۔

اپنی کٹھن، اصلی، جعلی

اندر دوش میں آگیا بولا مفتی صاحب کیا آپ نے سنا ہے کسی کہ علاقے کا ڈپٹی کشر ایک
 شخص کو پاس سزاوارہ دو دیکھتے بیٹھا رہے۔
 ایک دن میں نے پوچھا، میں نے کہا شباب صاحب یہ سوچی کون ہے جس کے پاس کپ
 بھرے انداز میں بیٹھے رہتے ہیں۔
 شباب نے کہا، وہ سوچی نہیں۔ وہ بھی اس علاقے کا ڈپٹی کشر ہے۔ میں بھی ڈپٹی کشر
 ہوں، ان صرف یہ ہے کہ وہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

گھر سے شاہ

پھر وہ گھوڑے شاہ قلعہ گھوڑے شاہ اک مست قلعہ آوارہ پھرتا رہتا قلعہ ہوش و حواس
 لہو لہتے، لیکن شام کے وقت وہ ایک مخصوص جگہ آ بیٹھا قلعہ کچھ دیر بیٹھا رہتا پھر دفعتاً
 اٹھ اٹھتا بچاس قدم دور ایک کھمبے تک دوڑتا جاتا پھر دوڑتا ہوا واپس آکر بیٹھ کر ہانپنے لگتا۔

کیا آپ ان سے انتظار لیتا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں جی، وہ بے تکلفی سے بولا، انتظار کیا لیتا ہے۔ میں انہیں چاہتا ہوں۔ پرانا نیاز مند
 ہوں۔ جب وہ جھگ میں ڈپٹی کشر تھے، تب سے میں جھگ کا رہنے والا ہوں۔
 کیا کام ہے آپ کو کن سے۔
 نجی کام ہے، وہ بولا۔ ہاں، وہ رک گیا، پھر کہنے لگا اگر آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہو تو میں
 انہی فون سے فون پر بات کر لوں۔
 جی نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جواب دیا۔
 اس نے سگریٹ کے چار ایک کش لگائے۔ کہنے لگا، میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ ممتاز مفتی
 ہیں نا۔
 میں چونکا۔
 وہ بولے گیلہ جاتا تو دیر سے ہوں۔ البتہ ملاقات کا موقع آج ہی ملا ہے۔
 یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں، میں نے کہا۔
 او نہیں جی۔ ہم صحافی لوگ ہیں۔ چنانہارا کام ہے۔ جاننے کے لیے ہم صبح شام کہیں
 ہوتے رہتے ہیں۔
 میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شباب صاحب سے صحافی کی حیثیت سے ملنے نہیں آئے
 بلکہ دوست کی۔
 وہ مسکرایا۔ بولا۔ ہاں جی شباب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے دوست جانتے ہیں ورنہ صحافی کی کیا
 حیثیت ہے۔ اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا۔
 میں نے کہا آپ سے ایک بات پوچھوں۔
 پوچھیے، وہ بولا بے تکلف پوچھیے۔
 آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں نا۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں۔
 ہاں وہ بولا میرا خیال ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔
 تو یہ بتائیے میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ شباب کون ہے۔
 وہ میرا سوال سن کر چونکا۔ کون ہے کا مطلب اس نے پوچھا۔

ایئر صاحب! مجھے پتہ ہے جب انہیں بھیج رکھنا ہو تو وہ موضوع بدل دیا کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے مزید کرپہ نہ کی۔

ایئر کی باتیں میرے لیے کام کی باتیں تھیں۔ اس کا انداز بے تکلف تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کمرہ دار ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی جھلسکی میرے فریم میں فٹ بیٹھ رہی تھی۔ جو میں نے اپنے کام کے دور پر شب کے متعلق اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے میں نے جان بوجھ کر اس کا کوئی طویل دنا شروع کر دیا۔

ایئر صاحب میں نے پوچھا "شباب قریوں" ہلاؤں اور مستویں میں کیوں دلچسپی لیتے ہیں۔ "میں" وہ بولا "جنگ میں وہ صرف آٹھ دس مہینے ڈی سی رہے۔ اس دوران میں ان کی ہلاؤں پر مرکوز رہی" ایک توپوں کی طرف اور دوسرے غریبوں "بابت مندوں اور عوام کی طرف۔"

ایک روز شب نے مجھ سے پوچھا "ایئر صاحب یہ بتائیے کہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے مجھے عوام کے لیے کیا کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا "سب سے بڑی بات تو آپ کر چکے ہیں۔ آپ نے کھلی پھری لگا دی ہے۔ عوام کے پاس آتے ہیں اور اپنے مسائل پیش کرتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ آپ ان کے راستے تبدیل کر جاتے ہیں" وہ باغ میں غریبان باغہ میں لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ دوسرے دروازے پر لے جاتے ہیں۔

وہ تو ہے "وہ بولے" اسے چھوڑیں آپ کوئی تجویز بتائیں۔ میں نے کہا "جنگ تعلیمی طور پر بڑا ایک دروازہ علاقہ ہے۔"

انہوں نے پوچھا "اس لیے کہ تعلیمی سوسائٹس میا نہیں کی گئیں اور لائق لڑکوں کے ہاں باپ اس قدر غریب ہیں کہ وہ تعلیم کا خرچہ اٹھا نہیں سکتے اور علاقے کے زمیندار زمین چاہنے کے کامیوں کے بیٹے کو لے کر جاتے ہیں۔"

پندرہ میں منٹ بیٹھا رہتا۔ پھر دوڑ لگا۔ شکر کے لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جب وہ دوڑا ہے اس پر کھف کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے مستقبل کو جاننے کے شوقین گھوڑے شاہ گرد گھیر ڈالے رکھتے تھے۔ جب وہ دوڑا تو چار پانچ سال اس کی پیچھے پیچھے دوڑتے۔ اس پر چھٹے بلا گیا میں مقدمہ جیت جاؤں گا۔ کیا مجھ سے میرا بیاد ہو جائے گا" کیا میری اس صحت حاصل ہوگی۔ دوڑتے ہوئے وہ صرف ایک فٹ سے میں ہر سوال کا جواب دیتا تھا۔ ایئر راہی بولا "ایک دن شب نے مجھے بلایا کہنے کے چلو گھوڑے شاہ کو دیکھیں۔ میں نے اپنا جناب وہاں تو بہانوں کا بیٹھنا لگا دیتا ہے۔"

کہنے کا کوئی حرج نہیں۔ ہم ٹوپی کھل لوڑھ کر جائیں گے۔ میں نے کہا "شباب صاحب آپ تو کھف کو نہیں مانتے۔ نہیں" میں نہیں مانتا" وہ بولا۔ تو پھر آپ گھوڑے شاہ سے کیا پوچھیں گے۔ کچھ پوچھا نہیں میں اسے آڑھا پہانتا ہوں" وہ بولا۔ تقریباً۔۔۔ خیر جی ایئر نے کہا "پہلے دن تو میں موقع نہ ملا۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ملتی صاحب ہم وہاں نہ جاتے رہے۔"

تیسرے دن اتفاق سے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جب گھوڑے شاہ دوڑا تو شب صاحب نے بھی ساتھ دوڑ لگا دی۔

والہی پر میں نے پوچھا "کیوں آپ نے گھوڑے شاہ کو کیسا پہنایا۔"

بولے "ٹمک ہے۔ فزاد نہیں۔"

آپ نے کیا پوچھا "میں نے کہا۔"

بولے "میں نے پوچھا تھا کہ میرا کیا ہو گا؟"

پھر اس نے کیا بتایا۔

کہنے لگا۔ "پہلے ہے" پہلے ہے" پہلے ہے۔"

اس کا مطلب کیا ہوا "میں نے پوچھا کیا ہو۔"

کہنے لگے "جیسے مجھے بھی نہیں معلوم کہ پردے کا کیا مطلب ہے؟ لیکن یہ فقیر فزاد نہیں ہے۔"

پھر اس نے کہا کہ شب صاحب نے اسے حضور بدل دیا۔

”وہ بولا“ ملحق صاحب شہاب صاحب کی باتوں کا مزہ لیں ہوا ہی مضاعف آدمی ہے۔ تحقیق میں وہ نہ پاگل ہو جائیں گے آپ۔ اس کا سرانہ کسی نے پایا ہے نہ کوئی پائے گا۔ مجھے بھی یہ یاد تھا کہ وہ درویش تھے کتنا رہا۔ پھر ایک دن مجھے محض آگئی۔ میں نے خود سے کہا ”ایم ایف کا بیڑہ گمن۔“

میں نے کہا ”یہ بتائیے کہ شہاب کو بیڑوں فقیروں سے کیوں دلچسپی ہے۔“

”اگر وہ بولا“ فقیروں سے دل چسپی ہے۔ بیڑوں سے نہیں۔ بیڑوں کو وہ برا جانتے ہیں“

”یہ لوگ ٹھگ ہیں بموئے بھالے مسلمانوں کو کوٹھتے ہیں۔“

میں نے کہا ایثار صاحب مجھے اس بات کا علم ہے کہ قدرت اللہ شہاب غریبوں کی مدد کرتے عوام کے لیے کام کرتے ہیں۔ میں تو یہ جانتا چاہتا ہوں کہ شہاب صاحب کون ہیں؟

”سکر ایف بولا“ آپ کا مطلب ہے کہ شہاب صاحب کوئی ہیں۔“

میں نے کہا ”ہاں“ وہ عوام کی مدد صرف ٹیک دی اور ہمدردی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ مجھے

کہ ان پر ایسے کام کرنا عاید ہے۔“

”ایثار نے پوچھا۔“

میں نے کہا ”مجھے شک پڑتا ہے کہ ان کا کوئی مقام ہے اور اس مقام کی وجہ سے ایسے کام

کرتے ہیں۔“

”اگر مجھے علم نہیں“ ایثار نے جواب دیا۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ شہاب ایک پراسرار

شخص ہیں۔ ان کا ہمیدہ کسی نے نہیں پایا۔“

ایم ایف نے غصہ کیا۔

”مصدر کے بی اے غلہ صاحب تھے۔ میں انہوں نے ان سے شہاب کی بات چھیڑ لیتا تھا کہ

”شہاب کا ہمیدہ کیلئے۔“

ایم ایف نے غلہ نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ ”عنوان ہے“ ”ایوان صدر میں سولہ

کتاب غلہ صاحب کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ مصنف کے بارے میں اس کتاب کا

تعداد میں نے گنا ہے۔ ایک آفتاباں پیش کرتا ہوں۔“

اگلے روز ہی شہاب صاحب نے ایک حکم نامہ چھاپی کر دیا۔ ”راشن ڈپوزٹ پر ایک چھوٹی سی من کے حساب سے قلمی سرچارج لگا دیا۔ یوں چالیس ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے ہزار ہزار ملحق طلباء کے ہاتھ دھوئے گا دیے۔“

ایک دن میں نے فیس میں کہا ”شہاب صاحب یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ ”میں قلمی دکانوں کے بارے میں پریس میں کوئی خبر نہیں آئی۔“ وہ کہتے ہیں آپ نے منع کر دیا ہے۔“

اس پر شہاب صاحب مسکرائے۔ ”بوسے ہمیں کام سے غرض ہے۔“ ”تھیر کو چھوڑ دینا۔“

آف دی ریکارڈ

ایثار نے ایک نیا سگریٹ سلگایا۔ ”بولا“ ”پتہ نہیں کیوں شہاب صاحب کو تھیر سے چڑھتی جب بھی وہ مجھ سے بات کرتے تو کہتے ایثار صاحب یہ باتیں آف دی ریکارڈ ہیں۔“

میں نے کہا ”ایثار صاحب آپ تو شہاب صاحب کے انٹرویو لیا کرتے ہیں۔“

ایثار قہقہہ مار کر ہنس گیا۔ ”جیج آدمی ہیں جب تک شہاب کے دوران بات نہ جانتے ہیں تو

تفصیلات دیتے ہیں جب اشاعت کے لیے انٹرویو لیتا ہوں تو تفصیلات گول کر جاتے ہیں۔“

میں پوچھتا ہوں آپ نے تو مجھے یہ بات یوں سنائی تھی۔ اب آپ اسے مختصر کر کے رہے ہیں۔“

جواب میں وہ کہتے ہیں ”وہ بات آف دی ریکارڈ تھی۔“

ایثار کی شہیت مجھے سے حد ہند آئی۔ اس کی باتوں میں صحافیانہ عنصر نہ تھا۔ صحتی تو کامیاب

ہوتے ہیں۔ باتوں میں ہیرا نکھیری برتنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایثار کی باتوں سے پینڈو کی خوشبو

رہی تھی۔ اس کی بات میں بے باک تھی۔“

میں نے کہا ایثار صاحب میں آپ کا وقت تو ضائع نہیں کر رہا۔“

”وہ ہنس دیا۔“

میرا وقت جتنی نہیں ہے اور مجھے یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ میں تو شہاب صاحب سے

آگیا تھا۔“

میں نے کہا ”مجھے شہاب کی باتوں سے دلچسپی ہے۔“

۱۔ اور ساتھ خالد کی کلی ٹانگ لی۔

۲۔ محمد گمر میں خالد صدر صاحب کا بی ایس تھا اور میں صدر کے سیکرٹری کا وائس ڈی۔
۳۔ اسی وقت اللہ شہاب تھے۔ خالد کے ساتھ میں تقریباً دو تین سال صدر گمر میں رہا۔
۴۔ یہ اعطاف بڑے خوش گوار ہیں رکے۔ ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ میں
۵۔ ہم مسلمان تھا۔ خالد اسلام بیٹا تھا۔ میں مغرب زدہ تھا وہ مشرقی رنگ میں دنگا ہوا تھا۔ وہ
۶۔ کار بند تھا۔ میں اصولوں سے بے نیاز "ہے" کی دنیا میں بیٹا تھا۔ خالد "کیا ہونا
۷۔ " کا دلدادہ تھا۔

۸۔ ہمارے ہونے کے بعد خالد نے اپنی یادداشتوں پر ایک کتاب لکھی جس میں جگہ جگہ شہاب کا
۹۔ نام ہے۔ اس کتاب میں سے مختصر اقتباسات اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں کہ خالد صاحب نے
۱۰۔ صاحب کو کیسے پایا۔

۱۱۔

۱۔ پہلے روز شہاب صاحب صدر گمر میں آئے تو کسی کو بتا ہی نہ تھا
۲۔ کہ یہ کون صاحب ہیں۔ کیوں آئے ہیں۔ ایک کونے میں فائل کرکشی پر
۳۔ دوا کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک ایک فائل گود میں رک کر اسے
۴۔ پڑھتے رہے۔

۵۔ ان میں ایک عجیب قسم کی جھگ تھی۔ شریلے اور کم آمیز
۶۔ تھے۔

۷۔ انہوں صدر میں شہاب اپنا مسئلہ ساتھ لائے تھے۔ ظہور مصر
۸۔ کی نمازیں اپنے کمرے کے ایک کونے میں ادا کرتے تھے۔

۹۔ انہیں پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا "تو ان کی بیگم کے قول کے
۱۰۔ مطابق اس کی وجہ مجاہدہ تھی۔

۱۱۔ شہاب کثرتِ محبت کو چھپانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ایسی
۱۲۔ جگہ لہذا پڑتے جہاں وہ "دوا" سے بے نظر نہ آئیں۔ رمضان میں سخت

حیرت ہے کہ اہم بی خالد نے ۲۱ سال صدر گمر کے اکھاڑے میں کس طرح
گزارے۔ اگر خالد میں تماش بی بی یا ذاتی منلو کے فطر ہوتے تو بات سمجھ میں آ
جاتی۔ لیکن خالد تو پیدا کنشی طور پر صراطِ مستقیم ہے۔ شاید یہ بیماری موروٹی ہو۔
بچپن میں ہی خالد میں اسلامی ذوق بیدار ہوا۔

پھر ایک عالم دین کی باتیں سن کر اس میں مزید لہل آگیا۔ جوانی میں ہی خالد
صوم و صلوة کا پابند ہو گیا۔ داڑھی رک لی۔ اس زمانے میں داڑھی رکنا فیشن میں نہ
تھا اُن پر جسے کئی لوگ میووب سمجھتے تھے۔ خالد کے دل میں تبلیغ کا جذبہ قبضہ صمت
کا جنون تھا۔

پھر ایک روز ان جانے میں خالد عالم دین کے کمرے میں داخل ہوا تو اسے
مصروف کار دیکر کہ خالد کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ راہبوں پر اہتمام رہا عمل
کر شاہرہ کی رو پگڈنڈی بن کر رہ گئی۔ داڑھی منڈوا دی۔ صوم و صلوة ٹانگ پر رک
دینے۔

دو ایک سال بعد احمد کی کیفیت قائم رہی "پھر اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی سوانح پڑھ لگ گئی۔ اسلامی کردار کی عظمت اور سرفرازیاں ہوئی بے انتہائی
دخل ہو گئی۔ توجہ اسلام کے ظاہری کوائف سے ہٹ کر باطن پر مرکوز ہو گئی۔ اسلامی
کردار مطیعِ نظریں گیا جس پر وہ آج تک سختی سے عمل پیرا ہے۔

ایک ایسا شخص جسے ہر حالت میں جگہ کہہ دینے کی بری عادت ہو "جو لوگوں کو
خوش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو" جو صورتِ حالات سے بے نیاز ہو کر قدم
اٹھانے کا عادی ہو "نراشی مسکراہٹ سے عاری ہو" بلا تعمل پس سرکنے کا عادی نہ
ہو" وعدہ خلافی کو ناقض سمجھتا ہو" حقوق العباد کا دنیو نہ ہو" ایسے آدمی کا سوا
سال صدر گمر میں ملازمت کرنا میرے لیے حیران کن بات ہے۔ خصوصاً "اس زمانے
کا صدر گمر جو واقعہ اور کا واقعہ مرکز تھا۔

خالد کا اسلمی نام محمد بشیر تھا۔ وہ والدین کے لیے ایک بشارت لایا تھا جب وہ بڑا
ہوا تو اس راز کو افشاء کرنا پسند نہ کیا۔ پتا نہیں کیوں "اس نے محمد بشیر کو اہم بی میں کیا

مجاہد کرتے تھے جس طرح کہ فرقہ ملامتیہ کے بزرگ کرتے ہیں۔

۵۔ ۱۶۹۰ء میں شہاب صاحب نے سول سروس سے استثنائے پیش کر دیا۔ صدر نے پوچھا آپ ملازمت سے کیوں الگ ہونا چاہتے ہیں۔

شہاب نے کہا سول سروس کو چکننا مقصود قتلہ ہضم کرنے کا ہضم ہو جانے کا ارادہ نہ تھا۔

بہلول شہاب صاحب سول سروس کے چوہے دان سے رہائی پانے کی یہ فن کی دوسری کوشش تھی۔

جج پر گئے تو جی بی فڈ سے قرض لیا۔

اور جج سے متعلق تمام تر مسئلے خود کیہ میں کھڑے ہو کر سرانجام دیے۔ ملاں کو دفتر کے حوالے سے تمام انتظامات بیٹھے بیٹھے عمل میں لانے جاسکتے تھے اور یہ تمام مسئلے انہوں نے چوری چوری ادا کیے۔

۷۔ جب صدر ایوب کی جہیز کی سیکش گاڑی چلی جو جگہ جگہ رکھی تھی اور ان جگہوں پر چلے ہوئے تھے تو:

ایک جگہ گاڑی میں شہاب ڈرائیو پر پہنچے۔ مجسٹریٹ قسم کے ایک افسر جگہ جگہ کے گینٹ پر کھڑے تھے۔ انہوں نے شہاب کو روک لیا کہنے لگے دوسری طرف عام پبلک کا دروازہ ہے، اور سے جا بیٹھے۔ شہاب صاحب چپ چاپ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ استے میں صدر ایوب کی آوازیں سنائی دیں۔ شہاب۔ شہاب۔ اے وی سی نے دیکھا کہ درخت تلے کھڑے ہیں۔ وہ بھاگ کر ان کے پاس گیا اور انہیں جگہ جگہ میں لے آیا۔

۸۔ اسی سڑک کے دوران ایک چلے میں صدر صاحب کے شاف کے لیے خصوصی فٹیش تھیں۔ شہاب صاحب بھی اپنی فٹیش پر بیٹھ گئے۔ منتظرین میں سے ایک نے دیکھا کہ وہ کرسی پر اس عاجزانہ انداز میں بیٹھے ہیں تو اسے شک پڑ گیا کہ ضرور یہ کوئی باہر کا آدمی ہے۔ اس نے آکر

شہاب کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ بولا چائو اور پبلک میں بیٹھو۔ شہاب اٹھ بیٹھے ابھی دوی قدم اٹھائے تھے کہ صدر ایوب نے آواز دی اور آؤ شہاب۔

۹۔ ایوان صدر سے رخصت ہوتے وقت شہاب صاحب نے صدر ایوب کو ایک فریم شدہ آیت تھے کے طور پر دی۔ اس آیت کا مطلب تھا۔

لوگو! وہ بات کہیں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک ایسی بات بہت بڑا گنہگار ہے۔ کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

۱۰۔ یحییٰ بنان کا زمانہ شہاب کے لیے کرب و بلا کا زمانہ تھا۔ لندن میں پہلے گزیرے تھے۔ یو نیٹکو سے ایک سو ڈالر ماہوار ملتے تھے۔ اسی پر گزارہ تھا۔ پیش منہ ہو چکی تھی۔ ان دنوں تعلقہ بھی آئے۔ تنگم کو قانون سے اس قدر بڑا حال کر دیا کہ بلاخر غناقی حقیقی سے جا ملیں۔

۱۱۔ راجا منٹ سے کچھ دیر بعد شہاب صاحب واٹر می رکھ کر بے نقاب ہو گئے، درنہ نظر نہ آنے والی واٹر می تو اس وقت بھی تھی، جب ۱۹۵۳ء میں پہلی مرتبہ ایوان صدر میں داخل ہوئے تھے۔

۱۲۔ گورنر جنرل ہاؤس میں قدرت اللہ شہاب کی آمد غلام محمد کے پرسنل شاف کے لیے باعث رحمت ثابت ہوئی۔

گورنر جنرل کی بڑا منگنی پر سینئر شاف بشیر طوفان کا رخ جو نیئر شاف کی طرف موڑ دیا کرتے تھے۔ شہاب صاحب کی آمد پر یہ رسم ٹوٹ گئی۔ شہاب دوسروں کی خطاؤں کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال کر خوش ہوتے تھے۔ یوں سارا شاف شہاب کا گرویدہ ہو گیا۔

۱۳۔ قدرت اللہ شہاب اردو کے لویب تھے مگر شاید کم ہی لوگوں کو علم ہو گا کہ ان کی انگریزی اردو سے کہیں بہتر تھی۔

۱۴۔ سکندر مرزا کے دور میں جواز توڑ کا نہ قسم ہونے والا سلسلہ

غلام صاحب کی کتاب میں شاپ صاحب کے متعلق اور تفصیلات بھی ہیں جو ان کے کردار اور دشمنی واقعی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قلم تر سروس کے دوران کا رویہ قطعی طور پر منفرد تھا۔ اور ان کی انفرادیت میں پر اسراریت کا عنصر نمایاں تھا۔

استغنیٰ

شاہ شاپ صاحب نے کئی ایک بار سول سروس سے استغنیٰ دیا جس کی تفصیلات ایم بی غلام نے اپنی کتاب میں رقم کی ہیں۔

قدرت اللہ شاپ نے ۱۹۳۱ء میں انڈین سول سروس کی ابتداء کی اور ۱۹۷۶ء میں ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ اس پچیس برس پر محیط سروس کے دوران انہوں نے چار مرتبہ سول سروس سے علیحدہ ہونے کی تاہم کوشش کی۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ چار بار علاوہ بھی انہوں نے ایک آدھ بار استغنیٰ لکھ کر جب میں تیار رکھا مگر پیش کرنے کی فوج نہ ملی۔ سول سروس کی تاریخ میں قدرت اللہ شاپ واحد فرد ہیں جنہوں نے استغنیٰ پر استغنیٰ دیا۔ مگر بقول ان کے "سول سروس کے چرے دن سے رہائی نہ مل سکی۔" اور ساٹھ سال کی طبی عمر تک ان کے میں پڑا واصل انہیں بچاتا ہی نہ تھا۔

پہلا استغنیٰ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں اس وقت دیا جب کہ ان کو انڈین سول سروس میں داخل ہونے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے۔ دوسرا استغنیٰ پاکستان میں سکندر مرزا کی مداخلت کے دوران دیا اور تیسرا ایوب خان کے دور حکومت میں۔ دوسرا اور تیسرا استغنیٰ اس لئے منظور نہ ہوا کہ صدر پاکستان انہیں پسند کرتے تھے۔ چوتھا استغنیٰ انہوں نے یحییٰ خان کے عہد میں دیا۔ یہ اس وجہ سے منظور ہوا کہ صدر پاکستان انہیں بہت نا پسند کرتے تھے اور چاہتے کہ "بچ بچا کے نہ جائے۔"

میرے پرانے کاغذات میں ان کے اس استغنیٰ کا قلمی نسخہ موجود ہے جو انہوں نے صدر ایوب خان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پرنٹڈ ڈاٹس کے لیئرڈ کے چھ صفحات پر مشتمل اس استغنیٰ سے ان کی شخصیت اور ان کے عم کی خوب عکاسی ہوئی ہے۔ ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

شروع ہوا تو شاپ صاحب بہت د گھبر ہوئے اور سول سروس سے کنارہ کشی کی کوشش شروع کر دی۔

غلام شاپ صاحب دوسرے انہوں کی طرح بول چال کے معنی نہ بن سکے۔ بلکہ دوسروں کی سنتے اور لطف اٹھاتے۔ اپنے اندر کا اہل صرف قلم کے ذریعے خارج کر سکتے تھے۔ زبان کے استعمال میں انہوں نے تھے۔

۱۔ ایوان صدر میں چھ برسوں کے دوران ہمیں یہ حسرت ہی رہی کہ شاپ صاحب کسی طاقت کی کوٹھی یا مستفی پر بھی تو سرزد نہ کریں۔

۲۔ وہ دو ڈپٹی انٹنڈنٹ قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے کہ فلاں عزیز کے ہاں مقرر ہیں یا ان کا کوئی خراج نہیں ہوا۔ اسلام آباد سے لاہور تک کا کریمہ واپس کر دیتے کہ فلاں عزیز کی نگرانی آئے تھے۔

۳۔ غلام محمد اپنے جائز حق سے دست بردار نہیں ہوتے تھے، لیکن شاپ صاحب کو جائز حق سے محرومی بھی اجناس محرومی میں جتنا نہ کر سکتی تھی۔

۴۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۳۰ جون کو کلیم منظور کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ شاپ صاحب کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شاپ نے کراچی سے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ جیلی کا کلیم بمبلی جان کی میز کی فلاں درواز میں کسی میٹوں سے رکھا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے نکال کر بمبلی صاحب کے دستخط کرائیں اور وقت مقررہ ختم ہونے سے پہلے داخل کراویں۔ شاپ نے میرے اصرار پر دستخط تو کر دیے مگر اس انداز سے جیسے کوئی کردہ فعل سرزد ہو رہا ہو۔

۵۔ شاپ صاحب گھس بھر بھانے کی خاطر صدر ایوب کے آگے

پچھتے نہیں بھرا کرتے تھے۔

”میں جناب صدر کی خدمت میں ایک ذاتی درخواست پیش کرتا ہوں۔

۲۔ پرے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سول سروس سے ریٹائرمنٹ لے لوں۔ اس کی وجہ کسی قسم کی باغی یا احساس غمروئی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس میں محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ بدلے ہوئے حالات میں میرے لیے اپنے من کی پسند کی زندگی بسر کرنا اب ممکن ہو سکے گا۔

۳۔ ۱۹۹۲ء میں جب میں نے انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کی تو میرا ارادہ محض پیور و کرسی کا تجربہ حاصل کرنا تھا اور اس کے لیے میں نے اپنے ذہن میں پانچ سال کا عرصہ کافی سمجھ رکھا تھا مگر پاکستان کے قیام سے میرے لیے نئے دور کا آغاز ہوا اور میں نے سول سروس چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جنوری ۱۹۵۸ء میں مجھے اس وقت کے صدر کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کرنا پڑا کیوں کہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ میرے لیے ان حالات میں ملازمت جاری رکھنا تو درکنار ذمہ داری بھی ممکن نہیں۔ میں ملک چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی گزارنا چاہتا تھا خواہ مجھے اپنی پیشین سے بھی عزم ہو پڑا۔ لیکن افسوس کہ ایسا کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس کے بعد انقلاب آسمانی اور میرے سروس کی سربراہ کا خوشگوار ترین دور شروع ہوا جو حال جاری ہے۔

۴۔ مجموعی اعتبار سے سول سروس کے دوران میرے ساتھ معیشتی کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہر قسم کی معاشرتی، سیاسی یا حسب لب کی قوت نہ ہونے کے باوجود میں اکثر عقل و حکم عموماً پر فائز رہا ہوں۔ ابھی حال ہی میں میرے دو سب (STATUS) اور تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ محض حسد کی بناء پر اکابر کا تلخ واقعات کے سوا سول سروس کے

اندر باہر میرے خلاف کسی کے دل میں حسادت پیدا نہ ہوئی۔ میرے سامنے مزید ترقی کا راستہ کھلا ہے اور کسی بھی سول سروسٹ کے لیے اس سے بہتر سازگار حالات نہ ہوں گے جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں، لیکن اس کے باوجود ذاتی و کار و تھقل کی اس کیفیت سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں کیوں کہ میرے نزدیک اچھی اور آرام دہ زندگی کے علاوہ بھی انسان کے مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ میں اپنے طبعی رجحان کے مطابق آزاد مکتبہ اور ایک عام آدمی کی مانند زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ میری اس خواہش کے پس پردہ کوئی سیاسی معاشرتی یا باہلی عنصر نہیں ہے۔

۶۔ کسی زمانے میں میری اولین ترنا تھی کہ نوجوانوں میں انطوائی اور روحانی ابتداء پیدا کروں لیکن میں نے اب محسوس کیا ہے کہ مجھ میں ایسا کرنے کی پوری صلاحیت موجود نہیں کیونکہ میں نے اپنی جوانی کی ایام نوجوانوں کے تجربات حاصل کرنے اور سمجھنے کی بجائے بے مقصد گزار دیے ہیں۔ اس کے علاوہ میں خود میں ایسی انطوائی اور روحانی توانائی محسوس نہیں کرتا کہ دو سروس کے لیے مشعل راہ بن سکوں۔ مجھے اپنی اس کمی کا اعتراف بھی ہے اور افسوس بھی۔

۷۔ لائحہ مجھے اپنے ثانوی مقاصد کی طرف لوٹنا پڑا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوہی اور بھلی فیلڈ میں کام کروں۔ ایک اعلیٰ افسر کے روپ میں نہیں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے میرا سول سروسٹ ہونا ہی میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ تعمیری اور قومی موضوعات پر بھی میں وہ کچھ نہیں لکھ سکتا جس کے لکھنے کی میں صلاحیت رکھتا ہوں جو کچھ بھی لکھوں گا یا کوں گا اس پر میرے سول سروسٹ کی چھاپ لگ سکتی ہے اور اسے سرکاری یا اجرت کا پرائیویٹ کرنا جائے گا یہ صورت حال میری اور میرے وطن کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ میں ثقافت اور لوہ کو محض وقتی

کاراردہ رکھتا ہوں۔

۱۰۔ میں نے یہ لہا مضمون جنھں اس خیال سے تحریر کیا ہے کہ یہ واضح کر سکوں کہ سول سروس سے ریٹائر ہونے کی غرض صرف وہی ہے جو میں نے لوہ بیان کر دی۔ ایک پچاس سالہ شخص عزت اور خوش حالی کی فوری چھوڑ کر کسی نئے کیریئر کا آغاز کرنے سے گھبراتا ہے۔ جس میں نئے سرے سے جدوجہد اور کوشش کا امکان ہو، لیکن میرے مشیر میں جو غلط فہمی ہے اس کی وجہ سے یہ تجربہ اپنی ذات پر کرتا چاہتا ہوں۔ اگر اس مشن میں پوری طرح کامیاب نہ بھی ہو سکا تو بھی مجھے افسوس نہ ہو گا کیوں میری یہ کوشش دینانداری پر مبنی ہو گی کہ میں اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے کچھ کر لوں۔

۱۱۔ اگر میں اپنے انتخاب کردہ پیشے میں خاطر خواہ انکم نہ بھی پیدا کر سکا، علاوہ کہ مجھے یقین ہے کہ کر سکوں گا، میری پیشن ہمارے لیے کافی ہو گی۔ کیوں کہ ہم میاں پوری سلاہ سے سلاہ زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔ میری پوری جو ڈاکٹر سے کام کرنے پر آمادہ ہے۔ میں نے اپنی شریک حیات کی مکمل رضامندی بلکہ حوصلہ افزائی پر ہی یہ انتہائی قدم اٹھانے کا عزم کیا ہے۔

۱۲۔ اپنے اس فیصلے میں جناب صدر کی خوشنودی بھی شامل کرتا چاہتا ہوں۔ گذشتہ ڈیڑھ سال جو میں نے جناب صدر کی خدمت میں گزارا ہے وہ میرے کیریئر کا بہترین اور خوشگوار ترین عرصہ ہے۔ جناب صدر نے ملک میں نئی زندگی کا احساس پیدا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں آگے ہو کر اپنا اصل کام شروع کرتا چاہتا ہوں اصل میں میرا مشن ہی جناب صدر کے افکار اور فلسفے کی تشریح ہو گا۔ سول سروس کی حیثیت سے میں صرف عام قلم کا WRITING قائل ورکر کر سکتا ہوں۔ آگے ہو کر میں ان کے افکار کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے کتابیں لکھ

(HOBBY) کے طور پر نہیں بلکہ پیشے کے طور پر اختیار کرتا چاہتا ہوں۔

۸۔ میرے ہر نظر ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ ہمارے ملک میں رائے نگار۔ صرف دانشور بننے کی رائے کو سمجھا جاتا ہے اور جو لکھے گئے لفظ سے بنی یا جھوٹی ہے۔ اس ذریعہ ابلاغ کا بے دریغ استعمال ہو رہا ہے جس کے سبب حقیقی روایات نے ختم لے لیا ہے۔ اگر کوئی تنقید کی غرض سے لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کی تحریر میں کتنی اور بعض اوقات دشنام طرازی تک ذمہ پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی تریف کے دو حرف لکھتا ہے تو اس پر خوشامدی ہونے کا لیبل چسپاں ہو جاتا ہے۔ لکھنے لکھانے کا یہ فیشن جاری رہے گا۔ کیوں کہ لکھنے والے کے مزاج میں کتنی ہے یا وہ احساس عموماً کا شکار ہے یا اس کی تحریر کے پس پردہ ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ اگر کوئی ادیب ان تین کمزوریوں سے پاک ہو تو کم از کم وہ ابتدا تو کر سکتا ہے چاہے یہ ابتدا کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ اس وقت تعمیری اور مشروط رائے عامہ، ملک کی اہم ترین ضرورت ہے اور وہ ضرورت ہے جسے کوئی حکومتی ادارہ پر نہیں فرما کر سکتا۔ یہ کام صرف کلمی انفا میں ہو سکتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں اس کام کا حیرا افغانوں۔

۹۔ میری دیرینہ خواہش ایک اور بھی ہے۔ میں جناب رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ پر کل وقتی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سیرت پر ایسی کتاب جو دلچسپ ہو، مکمل ہو اور دور جدید کے انہماک کو متاثر کر سکے۔ غیر مسلم سوانح نگاروں نے اس موضوع کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے، جب کہ مسلمان سوانح نگاروں کا قلم بذاتِ اور عقیدت کی نظر ہو گیا۔ جدید دور کا ذہن، مسلم یا غیر مسلم، مختلف اپروچ کا مستحق ہے۔ میں اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس کام کے لیے بہت دقیق مطالعہ اور تحقیق درکار ہے اور میں اسے اپنی زندگی کا آخری مشن بنانے

ایک مرتبہ کسی صاحب نے آدمی رات کو مجھے لمبی فون کر کے پوچھا کہ کل صبح ہی کونایتہ کئے جیسے ملک اٹھائے گی، تاکہ وہ وقت پر پہنچ سکیں۔ ایک دفعہ ہی کونایتہ کی روزانہ صبح نے اٹھاسکی، کیوں کہ وہ "تر" اور "شنگ" وزارتوں کی تقسیم پر سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا۔ پانچ فر جب سودا لے ہو گیا تو وزراء کرام صبح اٹھائے ہی اپنی اپنی وزارت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اچانک انکشاف ہوا کہ وزارت تعلیم کسی نے قبول نہیں کی۔ مجھے بھگایا گیا کہ چلو دیکھو کون سا وزیر ابھی تک گاڑی کی انتظار میں کھڑا ہے۔ اتفاق سے ایک صاحب جن کی ٹانگ میں تکلیف تھی اور بھاگ نہیں سکتے تھے ابھی پورچ میں گاڑی کے منتظر تھے۔ انہیں پکڑ کر لایا گیا کہ چلو تعلیم کی وزارت کا قلدان بھی سنبھال لو۔ وہ بندہ خدا راضی نہ ہوا تھا اور بڑی مشکل سے وزارت تعلیم اس کی مرضی کے خلاف اس کے سرعوب دی گئی۔"

صاف برداری کی تقریبات میں شرکت کرنے کے علاوہ میرا دوسرا کام صدر پاکستان کے لیے تقریریں تیار کرنا ہوتی تھیں۔ مجھے مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ ہر موقع کے لیے چار پانچ صفت کی تقریر جمعیت دہا کیوں کہ مجھے علم تھا کہ مقرر اور سامعین دونوں خود سمجھتے ہیں کہ کچھ کہا جا رہا ہے۔ کہ اس کا وہی مطلب نہیں ہے بلکہ آرٹ برائے آرٹ والی بات ہے۔

ایک مرتبہ ایک ہی دن میں دو تقریبات تھیں۔ ایک تقریب سائنس کانفرنس اور دوسری ہسٹری کانفرنس کا افتتاح تھا۔ میں نے ایک باسٹرڈ رائف تیار کر لیا اور پھر لٹس مضمون کو غور رکھتے ہوئے کچھ الفاظ کی رد و بدل کر دی۔ ایک تقریر میں کہا گیا تھا کہ سائنس تاریخ ساز کردار ادا کرتی ہے اور دوسری تقریر میں کہا گیا تھا کہ ہسٹری بذات خود ایک سائنس ہے۔ بقیہ متن ایک جیسا تھا۔ سوئے اتفاق سے اے ڈی سی نے

سکوں کا، کچھ دے سکوں گا۔

۳۰ فی اٹل میری درخواست پر کسی کاروائی کی ضرورت نہیں البتہ اگر جناب صدر میری تجویز کو اصولی طور پر تسلیم کر لیں تو میں تیار ہی شروع کر دوں گا اور جب جناب صدر خود مناسب سمجھیں گے عائد ہو جائوں گا۔

آخری دن

جب شہاب صاحب ایوان صدر سے رخصت ہوئے تو انہوں نے ایوان صدر میں اپنے مشاہدات پر ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" ایم پی خالد نے اپنی کتب میں اس مضمون سے اقتباسات دیئے ہیں۔

شہاب صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا چھ صفحات پر محیط اس خط کا مسودہ (ڈرافٹ) میرے پاس موجود ہے۔ اسی طرح میرے پاس ان کے اس مضمون کا آٹھ فلر کیپ صفحات کا ڈرافٹ پڑا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" موجود ہے۔ اس مضمون میں غلام محمد کا تذکرہ کرنے کے بعد سکندر مرزا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جنرل سکندر مرزا کے باقی کام کرنے کا عزم میرے لیے کم اعصاب شکن نہیں تھا۔ جب ۱۹۵۱ء میں پاکستان اسلامی جمہوریہ بنا اور جنرل سکندر مرزا نے جمہوریہ کے پہلے صدر کا حلف اٹھایا تو میں پھولا نہ سہا تھا کہ اپنے ملک کے پہلے صدر کا سیکرٹری ہوں مگر افسوس کہ یہ جذباتی کیفیت بہت جلد امدت ثابت ہوئی۔ وزارت میں بیٹھنے اور نوٹے کا سلسلہ اس برق رفتاری سے شروع ہوا کہ طبیعت اچھٹ ہوئے گی، ہر صبح دفتر میں آتے ہی پہلے دیکھو پاکستان سے صبح کا خبرنامہ ضرور من لیتا تاکہ اگر راتوں رات کونایتہ بدل چکی ہو تو میں اپنا کورٹ اور ٹالی ساتھ لیتا چلوں تاکہ صبح اٹھانے کی تقریب میں اپنے فرائض منصبی ادا کر سکوں۔

دونوں مواقع پر غلط تقریر جناب صدر کو پڑھنے کے لیے سمجھادی چلائی۔
سائنس اور مہتری میں چلی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لیے کسی کو بھی اس
غلطی کا احساس نہ ہو سکا البتہ پریس کے نمائندوں کو متن حوالے کرتے
وقت ضرور احتیاط برت لی گئی تھی۔

سول سروس

مارشل لاء کے غلو کے متعلق ایم بی خالد لکھتے ہیں کہ۔

سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات جب وقاف اور صوبائی وزارتوں اور
اسٹیبلشمنٹ کو توڑ کر جنرل سکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کیا تو اس کارروائی
میں قدرت اللہ شاہ شریک محفل نہیں تھے۔

سول سروس کے متعلق ایم بی خالد رقم طراز ہیں کہ۔

قدرت اللہ شاہ نے آئی سی ایس اور سی ایس بی کی خدمت خود
گواہی دینے سول سروس کے وہ اہل نہ تھے۔ ان کے ایک سینئر کونٹریکٹ
جناب ایم بی احمد نے ایک دفعہ I.C.S کی اصلی نوعیت سمجھائی۔ انہوں
نے بتایا کہ I.C.S کی تربیت لے کر اپنی پہلی پوسٹنگ پر جو B.A.C کی
اسالی پر تھی پروٹوکول کے مطابق کسٹمر صاحب بھلور پر کھل کرے چلا
گئے۔ جا کر دیکھا کہ کوئٹہ کے برآمدے میں ملاقاتیوں کی لمبی قطار
کرسیوں پر بیٹھی ہے جن میں کچھ خان بھلور اور رائے بھلور قسم کی
چھڑیں بھی تھیں۔ ایم بی احمد چڑاسی کو اپنا کارڈ دے کر قطار کی آخری
خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہ باری پر بلائے جائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد
چڑاسی نے دروازے کی پک اٹھائی کسٹمر صاحب بھلور نمودار ہوئے۔ اور
ایم بی احمد سے ہاتھ ملا کر انہیں کمرے میں لے گئے۔ سامنے بٹاکر
خوب مرمت کی کہ تم کیسے I.C.S ہو تمہیں چاہیے تھا کہ ملاقاتیوں کو
نظر انداز کر کے پک اٹھا کر انور آ جائے اور خلاف کرائے۔ تم انہی

لوگوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے جن پر تم نے حکومت کرنی ہے۔ اس
تنبیہ کے بعد سیم صاحب کو بلوایا گئیں نے کافی بی اور پھر نے I.C.S
المر کو کسٹمر اور لیڈی کسٹمر باہر گاڑی تک چھوڑنے آئے۔ یہ تھی وہ
سول سروس اور یہ تھا وہ عذاب جس میں قدرت اللہ شاہ نے اپنے
آپ کو خود چٹا کیل چن کر خود کردہ را علاقے نیست اس لیے وہ سنی
ہیتم اور کو پیش بسیار کے باوجود اس عذاب سے نہایت نہ پا کے اور ساتھ
سار کی طبی عمر کو بچ کر رہی رہائی نصیب ہوئی۔

قدرت اور خالد

قدرت اللہ شاہ سے میرا تعارف اکتوبر ۱۹۵۳ء کی اس صبح کو ہوا
جب وہ کراچی میں گورنر جنرل غلام محمد کے سیکرٹری کی حیثیت سے
تشرف لائے تھے۔ عہدے کے اعتبار سے گورنر جنرل کے پرسنل سٹاف
میں وہ سب سے سینئر افسر تھے اور میں بی۔ اے ٹی گورنر جنرل پر پرسنل
سٹاف میں سب سے جونیئر۔ وہ گورنر جنرل سیکرٹریٹ کے سربراہ بھی تھے
اور اس طرح ہم دونوں میں افسردہ باقت کا رشتہ بھی تھا جو وقت کے
ساتھ سرکاری حدود پھیلا کر دوستی کی شکل اختیار کر گیا اور ۳۲ برس
تک قائم رہا حتیٰ کہ شاہ صاحب دنیاوی رشتے ناطے توڑ کر خالق حقیقی
سے جا ملے۔

شاہ صاحب چھ برس تک گورنر جنرل اور بعد ازاں صدر پاکستان
کے سیکرٹری رہے۔ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں ایم این صدر کو خیر باد کہا اور
۱۹۶۸ء میں ان کی جلاوطنی کے دوران بھی ہماری خط و کتابت رہی اور
ایک مرتبہ ملاقات بھی ہوئی۔ وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ
وزارت تعلیم سے منسلک تھے کہ ۱۹۷۵ء میں میری پوسٹنگ بھی وہیں ہو
گئی اور ایک بار پھر مجھے ان کی قربت میں کام کرنے کی سعادت نصیب

ہوئی۔

سید شیر شاہ

جب میں Masi میں راولپنڈی آیا تو یہ شہر چھوٹا مضافہ تھا، یہاں صرف چند ایک چالی چالی مفتیش تھیں۔ ان مفتیشوں میں ایک شخصیت ایسی تھی جو ہر آنے والے کی توجہ جذب کر لیتی تھی۔ انہیں لوگ شاہ صاحب کہتے تھے۔

شاہ صاحب کا انداز گفتگو اس قدر پر زور اور بے باک تھا کہ اپنے گناہ جیسے وہ شہر کو زور لگے ہوئے ہیں ان کا لب و لہجہ بچپنی جات کا قتل طور طریقے سے درویش نظر آتے تھے اس حد تک محل کے قائل اور منہ ڈھانے کے خلاف تھے کہ گناہ جیسے فنی ہوں۔ ڈسٹان کے بڑے قائل تھے۔ پروفیشن کے خلاف سے صحافی تھے، دکانگ قسم کے صحافی۔ کسی کو مخالف نہیں کرتے تھے، چوک میں کھڑے ہو کر بیٹوں پر غلط چٹنی کیا کرتے تھے اور ان سب اوصاف کے بخود غریبوں کے بڑے بھر دیتے، منہ ڈھانے نہیں بھر دیتی۔

راولپنڈی کے دانشور شاہ صاحب سے بہت متاثر تھے۔

کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ شاہ صاحب بنیادی طور پر خاکسار ہیں اور علامہ شمس الدین عظیمی کے ہاں ہیں۔ ان کا ہم شیر شاہ تھا مگر ہم انہیں کلاشلہ کہا کرتے تھے۔

ایک روز وہ ہمارے دفتر میں آگئے یہ دفتر کشمیر پبلسنی کا ڈائریکٹوریٹ تھا۔ وقت کا وقت تھا۔ ہم سب ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

آتے ہی بولے، کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو، تم سمجھتے ہو کہ روٹین فائلیں چلانے، تم مقبوضہ کشمیر کو آزادی دلا دو گے۔ یہاں میرے اس کام کے لیے محل کی ضرورت ہے، کرسیوں پر بیٹھ رہنے سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔

تو کہہ دیر تک وہ ہم سب کو ڈانٹتے رہے، پرہیز گئے، بولے، مشکل یہ ہے کہ ہم براہ راست مسلمان ہیں۔۔۔۔۔۔ میں بھی منہ ڈھانے مسلمان ہوں اور جب تک ہم سچے مسلمان نہیں بنیں گے پاکستان کی مشکلات حل نہیں ہوں گی۔ خلی ملائیں پڑھنے سے ہم مسلمان نہیں بن سکتے۔ ہمیں اسلامی کردار چاہیے اگر نہ ہو تو محمد اسلام علیہ السلام، نبی محمد علیہ السلام۔

میری ہم کار دوست مس ربیعہ غفری نے میرے گلن میں کماشلہ صاحب خاکسار ہیں۔

نار

ماتھے وہ دن یاد آیا جب میں نے پہلی مرتبہ خاکسار کو دیکھا تھا۔

تعلیم سے پہلے ان دنوں میں انہوں پر گورنمنٹ ہائی سکول میں میٹر تھا۔ ہم مصری شاہ تھا۔ فلیٹ میں رہتے تھے۔ میری بیوی تیار تھی۔ ہمارا کوئی پرمان مل نہ تھا۔ برادر ہی والے دشمن ہو رہے تھے۔ میرے قریبی رشتے دار مخالف تھے، مجھ سے ملنے نہ تھے اس لیے کہ ان کے گلے والوں کی مرضی کے خلاف تحفے کی ایک خانقاہ سے شادی کر لی تھی مجھ پر ان کا مقدمہ چل رہا تھا۔

ان دنوں ہم ایڈر گروپ زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کو علم نہ تھا کہ ہم کہاں رہتے ہیں۔ ایک روز جب میں سکول سے واپس آیا تو دیکھا کہ خالی کپڑوں میں بیٹوں ایک شخص ہماری خانقاہ میں کھڑا ہے۔ میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ شاید پکری کا پیادہ ہو۔ یا شاید غنیہ پولیس کا پیادہ ہو۔

نار

مجھے دیکھ کر اس نے زبردست سلوٹ مارا۔ اس پر مجھے تسلی سی ہو گئی۔ غنیہ پولیس کا ہوتا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ ٹوک سلوٹ نہ مارا۔

آپ کس سے ملیں گے، میں نے پوچھا۔

میں یہاں ڈیوٹی پر ہوں، وہ بولا۔

کون سی ڈیوٹی۔

میں نے بتا دیا کہ آپ یہاں آئیے ہیں اور آپ کی گھر والی تیار ہیں۔ اس لیے یہاں میری گھر والی گئی ہے کہ جب آپ دفتر جائیں تو میں یہاں موجود رہوں۔ اگر بی بی جی کو کوئی مسئلہ ہو تو اسے پورا کر دوں گا۔ ڈاکٹر کو بلا لائوں یا ہسپتال لے جاؤں۔

اس کی بات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

میری تسلی کے لیے وہ بولا، جناب میں خاکسار ہوں۔ مصری شاہ میں ہمارا دفتر ہے آپ کو یہ خدمت کی ضرورت ہو تو دفتر چاکر ڈپورٹ کر دیں۔

میں صبح شام دن رات کام کرتے دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ میں نے جان لیا کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کئی قدر مشترک نہ تھی۔ البتہ میرے دل میں جیسے کے لیے اللہ کی عزت قائم ہو گئی۔

دل کراچی میں رہنے کے بعد جب میں واپس پٹنڈی آیا تو دارالافتاء کراچی سے پٹنڈی کے لیے ایک راجہ سے شلو صاحب کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئے تھے۔ ان کی مصروفیت کے متعلق شیر شاہ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں۔

تو یہ تھی مسلمین، کٹھنہ، صحت افزا اور مسائل سے آزاد راولپنڈی صدر ایوب کے یہاں پر منتقل ہونے کے بعد ہم سے جتنی جاری تھی اور دیکھا جا رہا تھا؟ انتظامیہ، محتفہ اور عدلیہ کی مرکزیت، اقتصادی اور ثقافتی ترقی کے نئے امکانات، کمزوری اور پس ماندگی کے احساس سے نجات اور مساویانہ حیثیت کا یقین۔ یہ مساویانہ حیثیت کا احساس ہی تھا جس کا اقتدار راولپنڈی میں پہلے سے مقیم اخبار نویسوں کو ایک فوری فکر آئی تھی۔ اس میں درپیش ہوا۔

صدر ایوب کے راولپنڈی منتقل ہونے سے پہلے کراچی کے کئی اخبار نویس یہاں آچکے تھے تاکہ نئے دارالافتاء میں اپنی ذمہ داریاں اہمیت شروع کر دیں۔ وہ آج کے عمران کا رویہ ہمارے ساتھ ایک قابض نوع کی طرح تھا۔ ان کی نگاہوں میں ہم ایک ڈیڑھ پل ہیڈ کوارٹر کے صفاتی ہونے کی وجہ سے گاڑی باتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اس لیے ہمیں ان "مذہب" اور "مقتدر" لوگوں کی ہمہ گیر یاد دہانی کو قبول کرنا پڑا۔ اس میں وہ اکیلے نہیں تھے، وزارت اطلاعات اور پریس انفارمیشن کا قیام عملہ پر نیشنل انفارمیشن آفیسر سرفراز کی قیادت میں کراچی سے آنے والے اخبار نویسوں کا ہمنوا تھا۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر فوراً "حکایت آنکلی کا ٹیبلہ کر لیا" وہ مسئلہ تھا پریس کلب کا۔

اس "حکایت" کی حیثیت سے شلو صاحب صدر ایوب کو قدرت اللہ شاہ سے ملنے رہے

ایک مہینہ خاکسار ہمارے گھر باؤٹی دیتے رہے، پھر مجھے علم ہوا خاکسار ایک تحریک علامہ مشرقی نے چلائی ہے۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی کہ ایک اعلیٰ پائے کا حامل اور خدمتِ اعلیٰ کی تحریک۔

میں نے سادہ کی کثیف تذکرہ بڑی مشکل سے حاصل کیا، لیکن بار بار پڑھنے کے بعد میں ان کی دقیق زبان کو سمجھ نہ سکا۔ بہر حال میرے دل میں خاکسار کی عزت پیدا ہو گئی۔ پھر 1955ء میں پہلی مرتبہ میں بمبائی خواجہ جان محمد بٹ سے ملا تو انہوں نے بریکسٹن، لندن کہا، مجھی میں تو خاکسار ہوں۔ تحریک ختم ہو چکی ہے، لیکن خاکسار سپرٹ جوں کی توں قائم ہے۔

جن

یوں شیر شاہ کی میرے دل میں عزت پیدا ہو گئی۔ شاہی دوسرے خاکساروں سے مختلف تھے۔ وہ غالی عمل اور خدمت نہیں تھے، ساتھ دانشور بھی تھے اور اس قدر "دوکل" تھے کہ انہیں کبھی نہ کسوختا تھا۔ میں لمبے بھرتے۔

ان کے غلوں اور سچائی کے سب قائل تھے۔ ان دنوں راولپنڈی میں سیود سنگھ کے قریب ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا، اس جس کا نام دوگی قند ایوب لوگ اکثر دوگی کی آغوش میں بیٹے اور ایوب پر بحثیں کرتے۔ دوگی میں لیبیوں کو ادھار پر چائے اور کھانا مل جاتا تھا۔ کبھی کبھی شاہ صاحب دوگی میں آجاتے اور پھر وہاں ان کی بات دار آواز کو مٹتی۔ یہ تم کیسا ایوب تحقیق کر رہے ہو جو لوگوں کو ملتا ہے، چکاتا نہیں، کچھ ایسی حقیقتات کہ جو انسان کو عمل پر ابھاریں۔ انھو! دگر نہ حشر میں ہو گا پھر کبھی۔

پٹنڈی کے بیشتر ایوب شاہ کے مداح تھے، منہ زبانی مداح۔ ان پر شاہ کے پیغام اکثر نہیں ملتا تھا۔ صرف ان کی شخصیت سے متاثر تھے۔ شاہ کی شخصیت راولپنڈی کے ایوبوں، دانشوروں اور اہل کاروں پر چھائی ہوئی تھی۔

انہی دنوں شاہ صاحب نے پٹنڈی سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار شائع کرنا شروع کیا، اس نام پر کنکوریل تھا۔ اس کام میں میں نے بھی شاہ صاحب کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ شاہ صاحب کلام کے حوالے سے انسان نہیں بلکہ

کار رہا ہوں میں نے پوچھا۔

بولے، آپ اسے گمراہ کر رہے ہیں۔

اچھا میں نے جواب دیا شاہی میں تو سمجھتا ہوں کہ شاب مجھے گمراہ کر رہا ہے۔

نہیں نہیں مذاق کی بات نہیں، وہ بولے، میں سنجیدگی کے بات کر رہا ہوں۔ آپ اسے گمراہوں پر لے جاتے ہیں۔ عرس پر لے جاتے ہیں۔ بیویوں فقیروں کی منزلوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ سب جگہیں ایڈوں اور بجٹ جگہ لے جاتے ہیں۔ آپ ایسا کرنے سے باز آجائیں آپ کا یہ رویہ ملک کے منافع کے خلاف ہے۔

اپنی خود نوشت میں وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

شاب صاحب بیورو کریمت لور سے تعلق رکھتے تھے، مگر بیورو کریمت کے خواص سے عاری معلوم ہوتے تھے۔ دانشور بھی سمجھے جاتے تھے مگر ان کی اکثر حرکتوں سے معروف قسم کی دانش اور منطق کی کوئی بو نہیں آتی تھی۔ مثلاً، وہ 'منطق' غلام دین دلائی اور کوئی ایک دوسرے مانتیوں کے ساتھ کی گمنام افراد کی قبروں پر جاتے اور بڑے اٹھاک سے بھنڈا اڑا کھاتے۔

اس کے باوجود ان میں ایک کشش تھی، اور مجھے ان کے پاس جانے میں خوشی محسوس ہوتی۔ قبروں کے لیے نہیں صحبت کے لیے، بحث و تحقیق کے لیے جس میں میرا مذاق و منطق کو کافی نمایاں ہوتا، مگر وہ اسے بے نیسی لینے اور کم گوئی کا چھوٹا اور بے مختصر جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ان کی یہ کی مقلد اور دلائی پوری کرتے۔

قد میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے صدر ایوب جیسے چھ فٹ 'ہارمب' اور خیرود سرور ملک کی معیت میں کچھ بے تعلق معلوم ہوتے، تاہم شاب صاحب میں ایک غیر محسوس رحمانی تھی۔ ان کے مزاج کی سادگی، لباس، صحبت اور گفتگو میں پورے کمال قسم کے ہر جانب کا عدم وجود اور اس بناء پر میری دعوت کو بھی بلا جھجک قبول کر لیتا، ان کے اطوار اور

تھے۔ اپنی خود نوشت میں شبیر شہید لکھتے ہیں۔

میں صدر ایوب کو فوج کے سربراہ کی حیثیت سے تو کچھ کچھ جان تھا، سربراہ حکومت کی حیثیت سے اس وقت جانے کا موقع ملا جب انہوں نے راولپنڈی کو ملک کا صدر مقام بنایا۔ وہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ قدرت اللہ شاب بھی بطور پرنسپل ٹیکرٹری اسی طرح منسلک تھے جیسے وہ کئی سال تک غلام محمد اور سکندر مرزا کے ساتھ تھے۔

شاب صاحب سے میری پہلے کوئی واقفیت نہ تھی، مگر جلد ہی انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا، یا پھر کہیں کہ میرے لیے اپنے دفتر کے دروازے داکر دیے۔ ہو سکتا ہے یہ دوائے وقت کے ریڈیو نٹ ایڈیٹر ہدایت اختر کی وجہ سے ہو، جو صحافت میں اس وقت میرے قریب ترین ساتھی اور شاب صاحب کے ہم وطن تھے (دونوں کا جموں سے تعلق تھا) یا ممتاز مفتی کے شاب کے محلے میں شامل ہونے کی وجہ سے ہو جن کے ساتھ شاب صاحب کا ذہنی اور عجیب و غریب قسم کا روحانی رشتہ تھا۔ اس رشتے کی نوعیت کو تو میں نے بھی سمجھنے کو شش نہ کی، تاہم شاب صاحب سے کچھ اس طرح کی قربت ہو سکتی کہ انہوں نے اپنے قیام کے دوران صدر ایوب کے ایڈروان ملک کم و بیش ہر دور سے مجھے ساتھ رکھا۔

شبیر فقیر

شاہ صاحب کو بیورو فقیروں سے سخت نفرت تھی۔ وہ مقبول و مگروں اور غیر غلاموں سخت خلاف تھے۔ اتفاق سے ایک دن شاہ صاحب نے شاب، بھائی جان اور مجھے سائیں اللہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا۔ اس پر وہ پیش میں آ گئے۔ مجھے سخت بھڑا ہوا محسوس ہوا۔ آپ کا دوست شاب ایک قابل آدمی ہے، مسلمان آدمی ہے، صاحب کردار شخصیت ہے۔

میں نے کہا، 'شاب صاحب میں ساری زندگی اس کی خوبی سمجھتا رہا ہوں اور اب بات

خیر ہے کہ میرے جذبے میں شدت ہے۔

شاب نے پھر سرفی میں ہلا دیا۔ بولے حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں کرتے۔ اگر جذبہ میں شدت ہو تو توازن پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کے نزدیک توازن ایک ضروری کیفیت ہے۔

شاب کی یہ بات سن کر میں لاجواب ہو گیا، لیکن میں نے دل سے یہ بات تسلیم نہ کی اور نہ ہی شہ کو بتائی۔ کیر تسلیم کرتے میرے کردار کا بنیادی عنصر شدت تھی۔ تسلیم کر لیتا تو میرے یقین کی دنیا و حرام سے بچنے کا ذمہ بن جاتی۔

آخری دنوں میں جب شاب بائینڈ جا رہے تھے، شہ صاحب مجھے ملے۔ کہنے لگے، 'مفتی محمد بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔

کہنے لگے، 'یہ تمہارا دوست مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔

کون سا دوست، میں نے پوچھا۔

شاب صاحب کی بات کر رہا ہوں۔

وہ میرا دوست نہیں ہے، میں نے کہا۔

شہ صاحب چونکے، 'ایسا مطلب۔

جس طرح آپ میرے دوست نہیں ہیں، میں نے کہا، 'ملاں کہ تیرے سال سے دھرا آیا۔

دوسرے سے رابطہ ہے۔

شہ صاحب پھر جھگڑے۔

میں آپ کی عزت کرتا ہوں، لیکن ہم دونوں کے درمیان احرام کی ایک دیوار حائل ہے۔

ایسی ہی احرام کی دیوار شاب اور میرے درمیان حائل ہے۔ اس سے بھی بڑی، اس سے بھی اونچی۔ میں اس کا درجہ ہوں۔ وہ پاکر اور آدمی ہے لیکن ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔

شہ بولے، 'بے شک وہ صاحب کردار ہے۔ نیک ہے، مسلمان ہے۔ بات کو سمجھتا ہے۔

میں نے پوچھا تو آج یہ نہ ہوتا۔

اباؤ، 'اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

اباؤ، میں نے پوچھا۔

ہمارا بار تھا رنگین و خوش نوا ملحق
مگر اسے بھی چنپ شام لے بیٹھے

تبادلہ

(احادی سال میں شام کے اوائس ڈی کی حیثیت سے صدر گھر میں رہا۔)

پھر شام کو انفرمیشن سیکرٹری بنا دیا گیا اور میں اس کے ساتھ وزارت اطلاعات میں چلا گیا۔
۱۹۴۳ء میں شام کو پاپیلا کا سفیر بنا کر ایک بھیج دیا گیا۔ صدر گھر میں میری کوئی دفتری
اہمیت نہ تھی۔ میں قدرت اللہ شام سے شگم رہا ان کے دفتر سے نہیں۔ مجھے برائے نام
قسم کے کام سونپے جاتے تھے۔

دفتر کے افسر مجھے بڑی محارت سے دیکھتے تھے۔

انہیں اس بات پر غصہ آتا تھا کہ یہ کون ہے جسے سیکرٹری اتنی اہمیت دیتا ہے۔ جسے دفتر میں
کوئی الگ کمرہ نہیں دیا گیا۔ کوئی خصوصی کام نہیں دیا گیا، لیکن جسے ہر وقت سیکرٹری اپنے پاس
لٹائے رکھتا ہے اور ہر بات میں اس کے مشورے کو اہمیت دیتا ہے۔

ان کا یہ غصہ بڑی حد تک جائز تھا۔ چونکہ میرا کوئی شلیس نہ تھا۔

قدرت اللہ نے میرے لیے ایک خصوصی پوسٹ منظور کروائی تھی۔ یہ پوسٹ ایک فائو

ہسٹ تھی جس کی صدر گھر میں چنداں ضرورت نہ تھی۔

قدرت اللہ کا رویہ میرے متعلق معذرت خواہ نہ تھا۔

مدرسہ صاحب کے لیے اردو میں ایک تقریر لکھنی پڑ گئی۔ ملٹری سیکرٹری نے میرے نام حکم دیا کہ ایک یا ایک دو اوائس دیو دیکھنے کے اندر اندر تقریر لکھ کر اپروپل کے لیے مجھے پیش کرے میں نے تقریر لکھ کر بھجوا دی۔

خٹری سیکرٹری کے کمرے سے ایک شور و غوغا بلند ہوا۔ سارے دفتر والے سمسم گئے بھر صدر ایجنسی دو دروازہ میز پر پاس کیا۔ اس کا رنگ زرد رہا تھا کئے لگا آپ کو ہمارے ہیں۔ میں سے ہیں۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو مجھے دیکھتے ہی تجھ کوں کی ایک برچھاڑ پڑی۔ پھر بولے، 'آپ
 بے غیرتوں کے صدر کی خدمت میں چٹل سے لکھا ہوا مسودہ بھیجے ہیں۔'
 میں نے کہا، 'جناپ میں سرکٹ رائٹروں کو سرکٹ رائٹریں پیش چٹل میں لکھتا ہے۔'
 اس پر ایک اور برچھاڑ پڑی۔

ہو گئے تو تسماری اردو کسی ہے۔ اس میں زبان کی چاشنی ہی نہیں۔
میں نے کہا: چاہے علی بہم سرگت را نگر چاشنی دلا اردو نہیں کہتے۔
غصہ بھری ایک اور ہو چھاڑ پڑی چھوٹی میز لکڑی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ میں کمرے
دور لکھ آئے۔

۲۰ نہیں ملتی سیکرٹری نے کیا کچھ لکھ کر اسے صدر صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔
صدر ایوب نے میری طلبی کر لی۔

میں پیدا ہوا تھا۔ ایک روپ کر آدمی ہوں۔ چھوٹی سی بات واقعہ ہو جائے تو ڈر سے جان ہاں ہے، لیکن اللہ نے مجھ ایسے روپ کر کوں کے خوف کے لیے ایک قانون بنا رکھا ہے کہ خوف گزر جائے تو خوف معدوم ہو جاتا ہے میں نے زندگی میں جتنے بھی بڑے کے کارنامے کیے وہ اسی اصول کے مرہون منت ہیں۔

پہلا دن قحط میں نے صدر ایوب کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ انہیں دیکھ کر میں
 ہلکا رہ گیا۔ اتنا مردانہ حسن، اتنی بارعب شخصیت۔

طبعی طور پر میرے ذہن میں سیاست کا خاندان سرے سے خالی ہے۔ مجھے سیاسی امور میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مجھے شعور ہی نہ تھا کہ گرد و پیش میں سیاسی سطح پر کیا ہوا ہے۔ دفتری سیاست کے بارے میں مجھے صرف ایک بات کا علم تھا کہ صدر کاٹھری سیکرٹری ہریت میں شہاب کی اطلاع نہ ملا۔

صدر گھر میں ملازمت کے دوران میں کبھی صدر ایوب سے نہیں ملا تھا۔ کبھی سلام کر کے لے بھی حاضری نہ دی تھی۔

ایک روز پہنچے ہمیں کس تقریب پر صدر مگر کے قلم خازم صدر ایوب کو مبارکباد دے رہے تھے۔ قدرت اللہ نے مجھ سے کہا آپ بھی صدر صاحب کو مبارکباد دے آئیں۔ میں نے کہا میرا صدر صاحب سے کیا واسطہ میں تو آپ کا لائسنس ڈی ہوں۔ پلی آپ مبارکباد دے جائیں تو ساتھ میری طرف سے بھی دے دیں۔

شباب نے کہا: عالی صاحب بھی تو صدر کے اوٹس ڈی ہیں۔ وہ جب بھی مجھ سے ملے آتے ہیں تو پہلے صدر صاحب کو جا کر سلام کرتے ہیں۔

میں نے کہا، 'شاب صاحب علی بڑا آدمی ہے۔ وہ آپ سے وہ رکھتا ہے کہ آپ کے کوئی بات نہ ہو۔ میں تو ایک چھوٹا آدمی ہوں' احساس کمتری کا بار بار ہوا۔ آپ نے تو خواہ مخواہ مجھے صدر کے کچے پتھر میں ڈال دیا ہے۔ میں راجوں میں کوا ہوں' ویسے شاب صاحب ایک بات کہیں کہتے، 'شاب مسکرائے۔'

میں نے کہا، کسی وقت مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی ہنس رائیوں میں گواہ ہیں۔
وہ تہہ مار کر ہنس پڑا، کہنے لگا مجھے بھی کبھی ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔

پیشی

ان فاحشہ سہل کے دوران صرف ایک بار میری صدر ایوب کے سامنے چوٹی ہوئی تھی۔
بیک خارج شدہ لزم کی حیثیت سے۔

ہو ایوں کہ شہاب کو صدر صاحب نے کسی کام سے کراچی بھیجا ہوا تھا۔ اس کی غیر ماضی

© Oneurdu.com

کھڑے غصے کی آوازیں تھیں۔

شباب کے دفتر کے لوگ مونچھ پر تلو دے رہے تھے۔ دو ایک صاحب میرے پاس بھی آئے اور حسین بھری نظروں سے مجھ دیکھنے لگے۔

میں نے سرِ اثبات میں ہلا دیا۔

کہنے لگے، یہ سکرپٹ آپ نے لکھا ہے۔

جی ہاں۔

آپ نے اسے پنسل میں کیوں لکھا ہے، انہوں نے پوچھا۔

آپ کی آسانی کے لیے، میں نے جواب دیا۔

میرا آسناں کے لیے 'انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

جناب میں سرگرمی رائے رکھوں۔ ہم تقریریں کی پیش سے لکھتے ہیں تاکہ جو رد و بدل کرنا چاہیں اسے ریویو کے مدد سے مناسبتی عبارت لکھ دی جاسکے اس طرح سرگرمی تہذیبوں کے بارے میں فیوریتا ہے۔ صاف ستھرا رہتا ہے آپ کو پڑھنے میں تکلیف نہیں ہوتی۔

وہ مسکرائے، بولے، 'معتقل بات ہے۔'

میں نے کہا، جناب انا وقت نہیں ہوتا کہ تقریر کو دوبارہ لکھا جائے گا۔

ٹھیک ہے، وہ پورے۔

کچھ وقت کے بعد کہنے لگے، مجھے تو اردو کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ لیکن اس سکرٹریہ بھی اعتراض ہے کہ زبان میں چاشنی نہیں ہے۔

میں نے کہا: جناب اگر میں چاشنی والی زبان لکھوں تو آپ کے لیے پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔
آپ غلطیوں کر رہ گئے۔ مجھ پر لازم ہے کہ بول چال والی زبان لکھوں۔

ایوب صاحب ہنسنے لگے۔ بولے، آپ ٹھیک کہتے ہیں..... آپ کو اجازت ہے کہ ان
میں سکرٹ لکھیں۔

میں نے سلام کیا اور باہر نکل آیا۔

ان کے کمرے سے میز کے مارنے، چیلوں کو ٹھنڈے مارنے اور اسی نوعیت کی دوسری آوازیں

آئیے لیں۔
UrduPhoto.com

اب دورے سے واپس آیا تو دفتر والوں نے بڑے فخر سے یہ بات اسے سنائی۔

امام نے مجھ سے پوچھا، آپ کی طلبی ہوئی تھی کیا؟

میں نے کہا، جی ہوئی تھی۔

پھر کیا بات ہوگی۔

میں نے کہا 'صدر صاحب نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ بے ٹک پنل میں تقرر لکھا

اب ہنسنے لگا 'بولا آپ تو نمبر لے گے۔ مجھے تو تقریریں سیای میں لکھنی پڑتی ہیں۔'

میں نے کہا آپ سکرپٹ رائٹر نہیں ہیں۔ آپ تو اردو دان ہیں۔

اپنا تو آپ نے صدر صاحب کے پاس میری شکایت کی۔ بالکل کی میں نے کہا، یہی سبھی

انہوں نے منہ کو بھی خون لگ گیا ہے آئندہ سے مجھ سے محتاط رہیں۔

ان کو تو میں نے یہ بات انہی میں کہہ دی مگر جی تھی۔ دفتر میں شباب کی ٹیک ہائی کے
تھے۔ بیوروہ کریش سے شباب کے تعلقات بظاہر نہایت اچھے تھے، لیکن اندر سے سب

تھے۔ صدر ایوب شاہ کی پڑی عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تو صدر ایوب نے کہا دیا
ایوب تم میری پڑیوں میں رچ بس گئے ہو۔ تمہیں اندر سے نکالنا بہت مشکل ہے۔ شاید

اس کا سیاق نہ ہو سکوں۔

در احوال

عمر ایوب بڑے معقول آدمی تھے۔ دوسرے کی بات بڑے غور سے سنتے۔ عقل و دلیل

۱۰۰ = ۱۰۰

SOVEREIGNTY IN ECONOMICS

SELF SUFFICIENCY IN SOCIAL & POLITICAL ORDER:-

EMERGENCE OF A SUPER MAN

AN AMIR WHO IS SILKY-SOFT IN PEACE

STEELY HARD IN WAR

IN PROPRIET HOO:-

MOHAMMAD, A LEADER WHO IS DENIGN & RUTHLESS

ACCORDING TO NEED.

REFLECTION OF PROPRIETS OWN ATTRIBUTES.

ایڈ کو روایتی سے پہلے ایک روز شہاب نے بڑے دکھ سے کہا کہ میں صدر ایوب کو اسلام کی چٹاب راقب کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ میں نے بڑی کوششیں کیں، لیکن بات نہیں ہو سکی۔ اب ایک مرتبہ جب شہاب ہالینڈ سے رخصت پر آیا۔ ان دنوں رمضان شریف کے دن ۲۰ ویں رمضان کو جب وہ صدر ایوب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ کوشی میں مصروف تھا۔ اس پر شہاب کو بہت صدمہ ہوا۔

شہاب کے دل میں صدر ایوب کی بڑی عزت تھی۔

ایک روز میں نے شہاب سے پوچھا کہ آپ جو صدر ایوب کی عزت کرتے ہیں۔ کیا اس لیے کہ وہ ملک کے صدر ہیں۔

نہیں اس لیے نہیں، شہاب نے جواب دیا، بلکہ اس لیے کہ وہ صاف ستھرے کردار کے ہیں۔ ایک نیبے ہیں اور فہم و فراست والے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ وہ پاکستان کو وہ مقام دے دیں جس کے ہم مستحق ہیں۔ اس لیے آپ ان کے قیام کے لیے دعا کریں۔

میں نے کہا شہاب صاحب میری دعا سے کیا ہوتا ہے۔

کہا کہ ہوتا ہے آپ کو دعا کی طاقت کا شعور نہیں۔

میں نے کہا آپ خود دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ دعا میں ہوا اثر نہیں ہوتا جتنا اجتماعی دعا میں ہوتا ہے۔

شہاب مسلسل اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ صدر ایوب کی توجہ اسلام کی طرف مبذول کرے۔

صدر ایوب کی والدہ صوم و صلاۃ کی پابند تھیں۔ جب بھی ایوب گھر سے رخصت ہو جاتے تو وہ انہیں روک لیتیں۔ کہیں ذرا ٹھہرو۔ پھر قرآن کریم اٹھا کر لے آئیں اور بیٹے کہیں میں قرآن کریم اٹھاتی ہوں تو اس کے نیچے سے گزر۔ دیکھ بڑے ایوب سے سر ہنسا مگر نہ۔

ایک دفعہ وہ بیمار پڑیں اور شہاب عیادت کو گیا تو شہاب سے کہنے لگیں، میری وفات کے بعد ایوب کو پیغام دینا اسے کہنا کہ زندگی بھر جو میں تیرے لیے کرتی رہی ہوں وہ اب تجھے خود کرا۔

صدر ایوب اپنی والدہ کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن ان کی ایسی باتوں کا اثر نہ لیتے تھے۔ شہاب کی کوشش تھی کہ آہستہ آہستہ ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی جانب لے آئے۔ ایک دم بات کرنے کے حق میں نہ تھا۔ آج ایک بات کرتا۔ وہ بھی سرسری طور پر نہ تھا۔ تذکرہ۔ ایسی بات جو دل میں کانٹے کی طرح لگ جائے اور سوچنے پر مجبور کر دے آٹھ دن کے بعد دوسری بات چلا دیتا تھا۔

سب سے پہلے شہاب نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ صدر ایوب کو تجھے کے طور پر دیا۔ پھر اقبال کے کلام کا انگریزی ترجمہ پیش کیا۔ پھر ایک نوٹ میں اقبال کے فلسفہ خوبی کو الفاظ میں بیان کیا۔

ایم بی خالد نے اپنی کتاب ایوان صدر میں سولہ سہل میں اس نوٹ کا تذکرہ کیا ہے اور نوٹ کا متن بھی پیش کیا ہے لکھتے ہیں۔

شہاب صاحب نے اس نوٹ میں خوبی کا عنوان دے کر نیچے لکھا تھا۔

INDIVIDUALS SELF RESPECT

THE HUMBLER BEFORE THE HUMBLE.

THE PRIDE BEFORE THE PROUD

IN NATIONS INDEPENDENCE.

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

شباب کا مشورہ دیتے تھے اور اس کے مشوروں کی قدر کرتے تھے۔ یہی بات قدرت اللہ کے ذریعہ
اداس بن گئی۔

یہ روز کریم اگرچہ شباب کی بہت عزت کرتے تھے لیکن دل ہی دل میں انہیں شباب بہت
کھٹکتا تھا۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ ایک جو نیر افسران پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ شباب کی ذاتی
خفیات تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ شباب نے صدر ایوب کو طعنی میں
لے رکھا ہے۔

پاکستان کے سیاست دان شباب کی حق میں نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنے مفاد کے مطابق
صدر ایوب کو سانچے میں ڈھالیں۔ اس امر میں شباب بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ اس لیے وہ چاہتے
تھے کہ صدر ایوب شباب کے اثر سے نکل جائیں۔

ایک روز صدر ایوب کا بیٹا اجازت حاصل کیے بغیر صدر کی گاڑی لے گیا۔ اس پر صدر
ایوب کو بہت غصہ آیا اور وہ سربانہ اٹھا کر بیٹے کا انتظار کرنے لگے تاکہ جب بھی وہ آئے تو اس کو
سربانے سے سرزنش کی جائے۔

ایک روز صدر ایوب کو والدہ کا پیغام موصول ہوا کہ علاقے کا پنڈاری پہلے بھ سے سو روپے
لیا کر آ تھا۔ اب وہ سو روپے نہیں لیتا کہتا ہے۔ تیرا بیٹا پادشاہ بن گیا ہے اب تو میں ہزار روپے سے
کم نہیں لوں گا۔

اس بات پر صدر ایوب گھبرا گئے انہیں بات سمجھ میں نہ آئی۔ انہوں نے شباب کو بلایا کہ
مشورہ لیں۔

شباب نے کہا 'پنڈاری ٹھیک کہتا ہے' اسے ایک ہزار روپے دیں۔ صدر ایوب غصے میں
بولے تو کیا آپ رشوت کو چاہتے ہیں۔

شاب نے کہا 'محترمہ شاید میں آپ کو گمراہ کر دوں۔'

محترمہ ہنسی کہنے لگی 'سبز شاب کسی کو گمراہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لوگ اس لیے گمراہ ہوتے ہیں کہ وہ خود گمراہ ہونا چاہتے ہیں اس میں عافیت کھتے ہیں۔'

کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ بھی خود گمراہ ہونا چاہتی ہیں 'شاب نے کہا۔

دیکھتے سبز شاب 'وہ بولی' آئی لم ڈیٹ میریس۔ میں نے امریکی ریکارڈ میں آپ کی فائل کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ کیوسٹ خیالات کے مالک ہیں۔ شاید اس لیے کہ اغیار میں سروس کے دوران آپ نے ایسے غریب لوگ کام کیے جو اختتامیہ کی خلاف ورزی پر محمول کیے جاسکتے ہیں۔ آپ نے قلعہ کے دوران بھوکے حالات معدول کو شہر دی کہ وہ چالوں کا ڈب لوٹ لیں۔ پھر آپ نے بڑے برطانوی افسروں کو حراست میں لیا۔

برما پاکستان میں جب آپ جنگ کے ڈپٹی کمانڈر تھے تو آپ نے مکلی بھری گادی۔ شاید ان باتوں کی وجہ سے آئندہ روز کو تین ہو گیا کہ آپ کیوسٹ ہیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ رک گئی پھر بولی 'لیکن وہ لاہ کی آئندہ روٹیں کے بعد میں کال تھیں سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کیوسٹ نہیں ہیں' نہ ہی آپ انڈیا میں تسلط ہیں۔

تو پھر میں کیا ہوں 'شاب نے شرارہ' پوچھا۔

تجھے نہیں پتہ آپ کیا ہیں 'وہ بولی' برما میں آپ کیوسٹ نہیں ہیں اور امریکی حکومت کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے۔ یہ بات امریکہ کے انٹرنٹ میں ہے اور آپ کے انٹرنٹ میں بھی۔

برما میں یہ بات امریکہ کے حکومتی مکتوبوں میں ملے شدہ تھی کہ شاب کیوسٹ خیالات کا حامی ہے۔ اس لیے امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ شاب اور صدر ایوب کا باہمی رابطہ قائم رہے۔

پھر جتن سے دوستی کے قیام کی وجہ سے دونوں سپر پاور شاپ کو اس عہدے سے ہٹانے کے لیے صدر ایوب پر دباؤ ڈالے گئیں۔

صدر ایوب بہت اچھے صدر تھے، لیکن سیاست میں کیے تھے۔ وہ ڈالے کے فن سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے دباؤ کے تحت قدرت اللہ شاب کو سیکرٹری ٹو پریذیڈنٹ سے ہٹا کر وزارت اطلاعات کا سیکرٹری بنا دیا۔

اس تبدیلی کوئی عملی فرق نہ پڑا 'چوں کہ صدر ایوب اور شاب کا رابطہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس پر یہ دینی دباؤ نے شدت اختیار کرنی اور صدر ایوب مجبور ہو گئے۔

جب شاب کو علم ہوا کہ اس کا چہرہ ذریعہ غور ہے تو اس نے صدر صاحب کو اپنا استغفرے بھیج دیا۔

اس پر صدر ایوب گھبرا گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شاب مستغفر ہو جائیں۔ انہوں نے شاب سے کہا کہ میں آپ کا استغفرے منکر نہیں کروں گا۔ آپ کوئی سی وزارت میں بحیثیت سیکرٹری اپنی تعیناتی کروالیں۔

شاب اپنی ضد پر اڑا رہا۔

صدر ایوب میں بڑا حلقہ تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وقت کے ساتھ ساتھ شاب کی ضد کمزور پڑ جائے گی۔

ان دنوں صدر ایوب مری میں مقیم تھے۔ انہوں نے شاب کو حکم دیا کہ آپ روز مری آئیں تاکہ ہم باہمی بات چیت سے اس مسئلے کا حل تلاش کر سکیں۔

چند روز شاب روزانہ مری جاتا رہا۔

سرکار قلعہ کے دربار میں جب یہ خبر پہنچی تو بھی لوگ ٹکر مند ہو گئے۔

بھائی جان خاموش ہو گئے۔

سامیں کرم دیں 'بولے' صدر ایوب اپنے پاؤں پر گھماڑی مار رہے ہیں۔ کوئی انہیں جا کر کہتا ہے کہ ایسا کرنے سے وہ خود کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

آغا صاحب نے کہا 'یہ تو ہونا ہی تھا شاب نے یہ امر کمال نہیں کیا۔ میں نے سرکار قلعہ سے اذیت کی۔ اس کا نتیجہ سامنے آیا ہے۔ شاب اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں۔

راجہ شفیق عسے میں بولا 'بھائی جان آپ شاب صاحب کو کیوں نہیں روکتے۔ ہمیں مستغفر ہونے سے روکتے۔

بھائی جان بولے 'وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں ہم ان کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ پس اگر وہ چاہیں تو ہم کچھ معاملات میں ان کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔

بھائی جان بولے۔ آپ بلگ ہیں جو چاہیں کریں، لیکن اگر اسٹیفن منظور نہ ہوا تو پیچھے ہٹیں۔
آپ کو چارلہ منظور کرنا ہو گا۔

ہاں وہ تو ہے، 'شباب' نے کہا۔

ہمارا خیال ہے کیوں آپ کسی جگہ کے سفیر بنا قبول کر لیں۔

ہاں، 'شباب' نے کہا لیکن ان کا ارادہ ہے کہ مجھے یو این لو میں بھیج دیا جائے۔

آپ کا کیا ارادہ ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میں یو این لو کی دلدل میں پھنسا نہیں چاہتا۔ وہاں کوئی کام نہیں ہوتا۔ نہیں ہو سکتا۔ بس بے کاری کی تقریریں سنو اور لو گھٹتے رہو۔

سفارت کے حلقہ آپ کا کیا خیال ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میری زندگی کی سب سے بڑے خواہش ہے کہ میں جدے کا سفیر بنوں، لیکن مجھے جدے نہیں بھیج سکتے۔ مجبوری ہے دراصل میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ مجھے کسی اہم سفارت میں بھیجیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ کوئی چھوٹی سی جگہ ہو۔ کوئی کام دام نہ ہو۔ اور وہاں میں اپنا کام کر سکوں۔

اپنے کام کا کیا مطلب ہے، راجہ نے پوچھا۔

بھائی جان بولے، 'اپنے کام کا مطلب اپنا کام ہے اور کیا۔'

بہر حال اس روز بھائی جان نے برطانیہ کے 'شباب اسٹیفن' پر مدد نہ کریں بلکہ کسی سفارت میں تعیناتی کر لیں۔

اگلے روز 'شباب' نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا، 'آپ نارح ہوں تو یہاں آجائیں۔'

یہاں کہاں، میں نے پوچھا۔

میں گھر میں ہوں۔

دفتر میں آ رہے کیا۔

نہیں، وہ بولا۔

میری جائیں گے کیا۔ صدر صاحب سے ملنے۔

نہیں، وہ بولا۔ آپ آجائیں۔

گھر پہنچا تو دیکھا کہ 'شباب' شب خرابی کے لباس میں اطمینان سے بیٹھا ہے۔

میں نے کہا، 'آپ تو چھٹی کے موڈ میں بیٹھے ہیں۔'

ہاں، وہ بولا، 'چھٹی کا موڈ ہے آج۔'

معلوم ہوتا ہے آپ نے فیصلہ کر لیا ہے۔

کیسا فیصلہ، اس نے پوچھا۔

مستقبل کے حلقہ فیصلہ، میں نے کہا، 'آپ نے بھائی جان کا مشورہ قبول کر لیا ہے۔'

کون سا مشورہ۔

سفیرین کا رہا کر جانے کا مشورہ۔

وہ مسکرایا، میں فیصلہ کرنے والا کون ہوں۔

تو کیا صدر صاحب فیصلہ کریں گے۔

وہ تو خود بخود ہیں، اس نے کہا، 'پتہ نہیں لگتا کہ کیا منظور ہے۔'

تو اللہ سے پوچھ لیجئے، میں نے اسے چھیڑا۔

ان سے کون پوچھ سکتا ہے۔ ان کی تو منت کی جا سکتی ہے۔ آپ کو نور بابا کی وہ دعا یاد ہے جو

انہوں نے قصائی کی زندگی کے لیے کی تھی۔

میں نے سر نہی میں ہلا دیا۔

انہوں نے کہا تھا، 'یا اللہ یہ قصائی ہمیں اچھا گوشت دیتا ہے جو ہم تیرے بندوں کو کھلاتے

ہیں۔ اگر تو اس کی زندگی بڑھا دے تو تجھے کون پوچھنے والا ہے۔'

ہاں، میں ہنسا، عجیب دعا مانگی تھی نور بابا نے۔

مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ تجھے کون پوچھنے والا ہے، 'شباب' نے کہا۔

نمازی ٹوپی

بے شک نہ پوچھیں، ان کی منت کیجئے، میں پھر اپنے موضوع پر آیا۔

زندگی بھر میری یہ آرزو رہی ہے کہ مجھے جدہ میں سفیر بنا دیا جائے۔ لیکن منظوری میں ملی،

شباب نے کہا۔

آپ نے کو شش کی تھی کیا، میں نے پوچھا۔

آپ کو پتہ نہیں، وہ بولا، 'قاریں آفس جدہ کی سفارت کو ٹیل خانہ سمجھتا ہے، کوئی شخص

© Oneurdu.com

-۱۱-

جدے میں سفیر بن کر جانے کے لیے تیار نہیں۔

اچھا میں نے حیرت سے کہا پھر منظوری کیوں نہ ملی۔

جدے میں سفارت کی منظوری دینے شریف سے ملتی ہے۔ جو صاحب وہی تھمیں ہیں۔

دربار کون سے دربار۔

کئے لگا داتا کے دربار۔

© Oneurdu.com

کیوں کیا ہوا' میں نے پوچھا۔

ہاں ہو گیا وہ بولا۔

انہوں نے اجازت دے دی 'میں نے کریدنے کے لیے پوچھا۔

ہیں دے دی۔ اس نے بات کا رخ بدلا۔ ہم آج ہی واپس چلے جائیں گے۔

کیا واقعی۔

ہاں وہ بولا۔

آپ نے تو تین راتوں کی حاضری کا پروگرام بنایا تھا۔

ہاں اس نے کہا، میرا خیال تھا کہ ————— لیکن انہوں نے اجازت دے دی۔

اسی روز ہم واپس راولپنڈی چلے آئے۔

میر کی دھوتوں اور سنڈ آف کا ایک سلسلہ چل پڑا اور وہ اس قدر مصروف ہو گیا کہ اس بات کوئی مشکل نہ ہو سکی۔ بحرل میں نے موقع پا کر کہا "شاب صاحب وعدہ کیجیے کہ جالے پہلے آپ میرے ساتھ کم از کم دو یا تین گھنٹے آئیے گی گزاریں گے۔ میں آپ سے بہت بات کرنا چاہتا ہوں۔"

شماپ نے وعدہ کر لیا۔

آخری ملاقات

ہینڈ جانے سے پہلے ایک روز قدرت کا فون آیا، اگر آپ فارغ ہوں تو آجائے گا۔

کیوں خیریت' میں نے پوچھا۔

پارہ کا مطالبہ، شاب نے پوچھا۔

وہ کہا: "جائنا کہا جاتا، گلشن بن جاتا۔ میں نے وضاحت کی۔

حیرت ہے، وہ بولا، لوگوں کی تو بموک اڑ جاتی ہے۔ ہرمل آپ کو گھبرانے کی پندار

ضرورت نہیں۔

میں مثالی انسان نہیں۔ شاب صاحب، میں نے کہا۔

الطاف گوہر

اس نے موضوع بدلا۔ کہنے لگے میری جگہ الطاف گوہر آ رہے ہیں۔ وہ بڑے قائل آدمی ہیں۔

مجھے علم ہے۔ کہ وہ ٹیلنڈ ہے۔

ہمت ڈھین ہیں۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ ٹیلنڈ آدمی ہے، مگر آدمی کیسا ہے وہ، میں نے پوچھا۔

بڑا ہمدرد آدمی ہے۔ آپ تو اسے جانتے ہو گے۔ لوہی آدمی ہے۔

لوہی تو ہے، مگر انسان کیسا ہے۔

ہمت اچھا انسان ہے۔ ڈھین ہے، ایف بیسٹ ہے۔ عقل کا دلدادہ ہے۔ دوسرے کی بات

خود سے سنتا ہے، سکے ذہن سے سنتا ہے۔ متعجب نہیں ہے۔ اوپن مائنڈ ہے، لیکن منفرد سوچ کا

مالک ہے۔ یہ باتیں سول سروس میں نہیں چلتیں۔

سول سروس میں پیچھے پیچھے چلنے والا چلتا پھرتا ہے۔ آگے چلنے والا مار کھا جاتا ہے۔ وہ سول

سروس میں زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ یہ ہماری سول سروس کا ایسے ہے، وہ ایسے شخص کو اچھا

نہیں جانتی جس میں LEADERSHIP ہو۔ انفراسٹرکچر کو برداشت نہیں کرتی۔ آپ کیوں

گھبراتے ہیں اس نے بات کا رخ بدلا۔

آپ فروری ۶۶ء میں ریٹائر ہو جائیں گے۔ فروری ۶۵ء میں آپ ریٹائرمنٹ کی چھٹی پر

چلے جائیں گے۔ صرف ایک سال تو ہے۔ اس دوران میں میں آپ کو ہائینڈیا لوں گا دیکھتے ملتی

صاحب، اس نے کہا، آپ کو رزق کی کمی نہیں ہوگی، انشاء اللہ نہیں، مگر آپ میری اس

بات پر یقین رکھیں گے تو سنبھل رہیں گے۔

مجھے رزق کا فکر نہیں ہے، میں نے جواب دیا۔

تو پھر آج مجھے کیا کہنا چاہتے تھے۔

رکاوٹ آزمائش

وہ ایک اور مسئلہ ہے۔ میں نے کہا۔

تو بتائیے۔

وہ بہت تکلیف دہ مسئلہ ہے۔

آپ کو یاد ہو گا آپ مجھے کراچی میں ایک بزرگ بلایا کے پاس لے کر گئے تھے۔ اس بلایا کے

ایک پر ایک پر چڑھا کھڑا آدمی تھا۔ وہ الیم بی بی ایس ڈاکٹر تھا۔ وہ اپنا پروفیشن چھوڑ کر بلایا کا بلکا بن

گیا تھا۔

جب ہم بلایا سے مل کر واپس آ رہے تھے تو آپ نے کہا تھا، یہ ڈاکٹر بلایا کی آزمائش ہے۔

مجھے یاد نہیں، وہ بولا۔

آپ نے کہا تھا ہر بلایا کے ساتھ کوئی ناکوئی فرد ایسا ہوتا ہے جو اس کی آزمائش کے لیے مقرر

ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کچھ بلایا لوگ کو شعور ہوتا ہے

اور وہ شخص ان کی آزمائش ہے کچھ کو شعور نہیں ہوتا۔ یاد آگیا آپ کو کہ کہ نہیں۔ اس نے سرنگی

میں ہلا دیا۔ بہت میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ہر بلایا کے ساتھ ایک آزمائشی فرد لگا ہوتا ہے جو اس کی ہر بات میں رکاوٹ

پیدا کرتا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر اس کاظم نہیں لیکن بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ بات سچی ہے، اس نے جواب

دیا۔

بہی بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کے راستے کی رکاوٹ ہوں۔ میں آپ کی

آزمائش ہوں۔ جب بھی میں یہ سوچتا ہوں تو مجھے سخت دکھ ہوتا ہے۔ اس وقت میرا خیال ہے

کہ میں کہیں بھاگ چلاؤں۔ خود کو معدوم کر دوں۔

یہ سن کر شاب خاموش ہو گیا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے کہا کہ 'مفتی کی دوستی ایک پھولے کی طرح ہے۔ جس کی نیسوں میں لذت ہے۔

وہ مسکرا دیا بولا 'ہاں میں نے سچ کہا تھا' لیکن مفتی صاحب اول تو میں جانتا ہوں۔ بزرگ نہیں ہوں۔ ایک عام سائنس ہوں' آپ خلوہ خواہ مجھ سے عقیدت لگائے بیٹھے ہیں۔ میں تو آپ سے دوستانہ تعلقات کا خواہی ہوں۔

شباب صاحب مجھے ٹالے نہیں' میں نے احتجاج کیا۔

پلے آپ کی خوشی کی خاطر فرض کیجئے کہ میں جانتا ہوں وہ مسکرا کر بولا۔

اور آپ میری آزمائش ہیں' میرے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ اس صورت میں تو مجھے آپ کا ممنون احسان ہونا چاہیے آپ تو فزکس کا اصول جانتے ہیں کہ اگر رکاوٹ نہ ہو تو حرکت ممکن نہیں ہو سکتی۔ اگر کشش قفل نہ ہو تو بولے آگ نہیں سکتے۔ پلاٹوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ ہوں تو وہ آگے بڑھ نہیں سکتے۔ مادے طے نہیں کر سکتے۔ ایسا تو نہیں کہ آپ خود کو اہمیت دینے کے لیے اپنے آپ کو میرے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ میں اس وقت غفلت آگئی۔ کہنے لگی 'ٹھیک تو کہتے ہیں۔ مفتی جی۔ یہ ہمارے راستے کی رکاوٹ ہی تو ہیں۔ یہ اکیلے نہیں۔ بھائی بھائی ہیں' راجہ ہے اور یہ ہیں۔ یہی ہمارے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ فن کی وجہ سے میرا جی نہیں چاہا کہ ہائیڈ جاتوں۔ شباب کی اس بات کی وجہ سے میں ساری رات سو نہ سکا۔ میرے ذہن میں وہ وہ خیال آئے۔ واٹ اے میں۔ واٹ اے میں' جو راستے کی رکاوٹوں کا ممنون احسان ہے' وہ آزمائش کو خوش نصیبی سمجھتا ہے۔

۳۹۔ بے نام اداسی
۴۰۔ بزرگ اور آزمائش
۴۱۔ انوکھے خط



پروفیسر اشفاق حسین (۱۹۵۵ء)



ولایت بگرام (میں)، صفوانہ (والدہ)، ہفت مفتی (بھائی)۔



اقبال مفتی (بھائی)۔

بے نام اداسی



غوسیا مفتقی (۱۹۶۶ء)

قدرت اللہ شباب کے جانے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے جی بجھ گئی ہو اور گھپ اندھیرا چھا گیا

۔۔۔

ایسا تو کبھی نہیں ہوا قبلہ

طبعی طور پر میری سادست کچھ ایسی تھی کہ کسی غمناک واقعہ پر مجھے ایک دم صدمہ نہیں
ہوتا۔ واقعہ کے بیت جانے کے بعد لوہی اور غم بوند بوند کرنا شروع ہو جاتے اور پھر بوند بوند
کرتے رہتے رہتے رہتے۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی واقعہ کے بعد اندھیرا گھپ ہو گیا ہو۔
بلکہ ابھی قدرت اللہ سے میرے تعلقات کسی خاص نوعیت کے نہ تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا
کہ وہ ایک عظیم کردار کا حامل تھا۔

احترام کی دیوار

میرے دل میں اس کے لیے جذبہ احترام تھا۔ وہ میرا دوست نہیں تھا کیوں کہ ہم دونوں
لے در میان احترام کی دیوار مائل تھے۔ اس کے کردار کی تین خصوصیات نے مجھے متاثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔ بڑی سے بڑی بری سے بری بات بھی اس کے دل کو



غوسیا مفتقی، قدرت اللہ شباب، تمہینہ

میلا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ لوگوں کی ایک دلی پرست خوش ہوتا تھا۔ لیکن لوگوں کی برائیوں سے وہ
یا بدبختوں پر آزرہ نہیں ہوتا تھا۔

بھائی جان اور قدرت اللہ میں سب سے بڑا فرق یہی تھا۔

بھائی جان اصولی آدمی تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی اصول کو انسان پر فوقیت نہ دی تھی۔

بھائی جان دوسروں کی کیوں؟ کیوں یا بدبختوں پر آزرہ ہو چلا کرتے تھے۔ وہ حقین کے
دلدادہ تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی حقین نہ کی تھی۔

قدرت اللہ کی دوسری غلطی جس نے مجھے متاثر کیا تھا اس کا چنڈ بھدردی تھا۔ اس نے
کبھی بھدردی کا انکار نہیں کیا تھا۔ اس کا چنڈ بھدردی نظر میں آتا تھا۔ صرف محسوس ہوتا تھا۔
جیسے دیکھنے والوں پر راکھ جم جاتی ہے اور انکار سے نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کی گہری پانچو۔
محسوس ہوتا رہتا ہے۔

قدرت اللہ کی تیسری خصوصیت جس نے مجھے متاثر کیا اس کا بھڑکا۔ غلطی طور پر وہ خود کو
کسی شخص سے بہتر نہیں سمجھتا تھا۔ میں اسے ایک پاکیزہ شخص سمجھتا تھا۔ کیوں کہ وہ مہارت گزار
تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر سانس کے ساتھ کام پڑھنے کا عالمی ہو۔

چوں کہ مجھے علم تھا کہ میں پاک نہیں ہوں۔ بلکہ جسمانی ذہنی طور پر ناپاک ہوں۔ اس لیے
میں نے قدرت سے کبھی ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ میں کبھی اس کمرے میں نہیں سویا تھا جس میں
قدرت سوتا تھا۔

ہم دونوں آمنے لاہور جاتے اور اشتقاق کے گھر ٹھہرتے تو باہر میرا بہتر قدرت کے کمرے میں
اگادتی تھی۔

نہیں ہاؤ میں کتا میں اس کے کمرے میں نہیں سوئی گا۔

لیکن کیوں وہ پوچھتی۔

وہ آدمی ذات کو جھڑکتا رہتا ہے۔
تو بڑا ہو جاتی۔

نہیں ہاؤ میں اس کے کمرے کی پاکیزہ فضا کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔

ابتدائی ایام میں ایک دو یا تین دوں آگے بڑھ کر یہی دورے پر گئے تھے۔

قدرت اللہ نے ایک کوپے روز دو کر لیا تھا۔ اس نے میرا بہتر اوپر کی سیٹ پر لگا دیا تھا۔
میں کوپے میں سو نہ سکا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے اندر کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا کہ سانس
لینے میں دشواری ہو گئی جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو میں دبے پاؤں چپے اترا اور پھر چپکے
کوپے سے باہر نکل گیا۔ صرف قہر کا اس کے ڈبے کھلے تھے۔ ہمیشہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ جیسے
کچھ مجھے ڈبے کے فرش پر آڑوں بیٹنے کی جگہ مل گئی۔ نکل اور کمری کے بعد خود میں وہی یوں
الہامین سے جیسا تھا جیسے تخت فیر مرتد مل گئی ہو۔

دن چڑھا تو شاب کالی اے مجھے احمق بنا ہوا آ گیا۔

کتنے لگا پٹیلے صاحب ہمارے ہیں۔

شاب نے مجھ سے بالکل نہ پوچھا کہ آپ کئی پٹے گئے تھے۔ کیوں پٹے گئے تھے۔ لیکن
اگر کراچی آئے والی ہے اپنا سامان درست کر لیجیے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے ٹوہنی بات چھیڑی۔ میں نے کہا میں چلا گیا تھا۔

بولتا ہوں جب آپ گئے تھے تو میں جاگ رہا تھا۔ پٹیلے میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرتا
ہوں۔ پھر آپ پٹے گئے اچھا کیا پٹے گئے۔

میں نے بات نہ جانے کے لیے بھوت بولا۔

میں نے کہا میں آئیے کنڈیٹین سے الگ ہوں۔

ہاں وہ بولتا میں بھی ہوں۔

پھر آپ "اے سی" میں کیسے سوتے ہیں۔

آپ ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور سکی ہو جاتے ہیں۔ میں خود سے لڑتا رہتا ہوں۔

خود سے لڑتا تو اچھی بات ہے۔

نہیں اس نے جواب دیا ہار نہ مانا بھی تو شوکت لکس کی آگ صورت ہے۔ ہار ماننے میں
دشمن کبھی ہے۔

شاب کے کردار کی ان تین خصوصیات کی وجہ سے میرے دل میں اس کا احترام تھا۔

لیکن کسی محترم کے پٹے جانے کے بعد یوں گھپ اندھیرا تو نہیں ہو جاتا۔ زندگی میں ملا تو
نہیں پیدا ہو جاتا۔

یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سوچ میں پڑ جاؤں۔

بے شک وہ محترم تھا۔ محسن تھا اس کے ہونے سے مجھے بڑے دیوبارے کا فائدہ حاصل ہے۔ ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ زندگی ایک خلا میں بدل جائے۔ دلچسپیاں بے معنی نظر آئے گی۔ دوست پیارے محسوس ہونے لگیں۔

کراہتا حبشی

انہی دنوں۔ ایک نیا نیا سچ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اس میں طفیل کے گھٹے بھرے ہوئے تھے یہ گھٹے سٹوڈیو میں ریکارڈ نہیں کیے گئے تھے۔ ریکارڈنگ کچی تھی۔ لیکن لٹرائی اہتمام سے پاک تھی۔

جب وہ "نہل ملی دنیا بولیا" چیکر کہتا تو ایسے گنگا جیسے کوئی جھٹی کرا رہا ہے۔ دکھ سے بے مال ہو کر چل رہا ہے۔

اگرچہ گیت کا کھڑا خاصہ ہے معنی تھا۔

بول مٹی دیا پلویا وے۔

تیرے دکھوں نے ہار مٹایا دیا۔

میرا سوال ہائی۔

ان دنوں قلیل کے انداز اور توازن میں واقعی حبشی عنصر قہار م راشد کے حبشی جیسے جس نے صدیوں جبر سہا ہو۔

سارا سارا دن میں ٹیپ لگائے رکھتا۔ یوں پڑا سنتا رہتا، جیسے مگر مچھ سمندر کے کنارے دھوپ میں نت پڑے رہتے ہیں۔

مجھ پر ایک عجیب قسم کی لوہی چمکی ہوئی تھی۔ مری گاڑھی لوہی اور اس لوہی کو دور کرنے کی خواہش نہ تھی۔ انساناں چاہتا تھا اور گاڑھی ہو جائے۔

ایسی کیفیت مجھ پر زندگی میں کبھی طاری نہ ہوئی تھی۔ مجھوں میں جدائی کے کئی بار موقع آئے تھے۔ ایسے موقعوں پر بے چینی ہی محسوس ہوا کرتی تھی۔ بے چینی کے طوفان میں ایک سکون کا حلقہ ہوتا تھا چلو چلا رہا ہوا قسم کا احساس۔ بھلا ہوا میری جسمی برصِ ثانی میں تو بانیانِ بحرن سے

پھوٹی، قسم کا چور احساس۔

اگر میں چاہتا تو اس ادا کی کو دہر کر سکتا تھا۔ راولپنڈی میرے دوستوں سے بھرا ہوا شہر تھا۔ مسعود تھا، عمار تھا، مطلق تھا، پھر میرے پرانے وقت کے لوگ تھے۔ مس فخری تھی، جس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔ حالانکہ اسے علم تھا کہ میرا ساتھ دینے سے وہ اپنی ملازمت ختم کرنے میں ڈال رہی ہے۔

ان دنوں بھائی جان نے پھر سے مری میں رہائش اختیار کر لی تھی کبھی کبھار وہ پنڈی آ جاتے۔ ان کے آنے کی سب کو اطلاع ہو جاتی۔ ہم سب راجہ شفیقؒ، دانیؒ، ملک آغا نور میں، دربار میں جا بیٹھتے پھر وہیں ایک غیر رسمی قسم کی محفل لگ جاتی۔

ہفتہ نہیں کیوں دربار کے متعلق میرے دل میں وہ جوش و خروش نہیں رہا تھا۔ بھائی جان کی عزت میرے دل میں جوں کی توں قائم تھی۔ لیکن دل میں وہ کشش نہ رہی تھی۔

ڈاؤنڈول

میں اپنے دل کی بات کسی سے نہ کر سکا تھا۔ صرف راجہ شیخ ایسا فرد تھا جسے میں دل کی بات بتا سکا تھا۔ راجہ مجھ سے ہم چمن آئے تھے کیا ہو گیا ہے۔ مفتی۔ نہ تو دربار میں حاضری دیتا ہے۔ نہ اپنے پرانے دوستوں سے ملتا ملتا ہے۔ دوگی میں تو نہیں آیا کیسی۔ جلتے کی محفل میں تو نہیں جاتا۔ بات کیا ہے۔

میں جواب دیتا: پتہ نہیں راجہ مجھ پر اک بے نام اداسی چھائے رہتی ہے۔

کسی لڑکی سے محبت ہو گئی ہے کیا۔ ایسا ہے تو مجھ کو بتا۔ بس ایک اشارہ کر دے۔ میں اسے اغوا کر نہیں نہ لے آؤں تو میرا نام راجہ نہیں۔

نہیں راجہ محبت نہیں دیے ہی اور اسی ہے۔

دو تو ہے جب چٹا پاتی ہے تو سارے کھڑے پڑتی ہے۔ کج کل سب ڈاؤنڈول ہو رہے ہیں۔ بھائی جان کا کاروبار کراہا ہے۔ سائیں جی تیار نہ ہیں۔ جہازیں یہ حالت ہے۔ دلی ونگی کھربند ہو چکا ہے اور میں گواچی میں کس طرح اکیلے مارا مارا پھرتا ہوں۔ دراصل راجہ یہ بات نہیں سمجھا تھا کہ میں دوبارہ کسٹ گیا ہوں۔

سرے سے الیت ہی نہ تھی۔

میرے گھروالے بھی میری اس کیفیت پر مت پریشان تھے۔

میری بیوی میری اس کیفیت پر غاراض تھی۔

میری بیوی ایکن آپار کی شیشی ہے۔ ایکن آپار کے شیخ نو مسلم ہیں۔ اپنی گذشتہ مت پرستی پر

وہ مت شرمندہ ہیں۔ اس سینس آف گھٹ کی وجہ سے جو ان کے اندر دیکھا بیٹھا ہے۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

ڈیجیٹل ہو گیا ہوں۔ اور قدرت اللہ پر مرکوز ہو چکا ہوں۔ راجہ نے قدرت اللہ کی
خصیت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ یہ اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ قدرت اللہ میرا مرکز بن چکا
ہے۔

میں خود اس بات پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

بھائی جان کے مجھ پر بڑے احسان تھے۔ انہوں نے مجھ میں بیداری پیدا کی تھی۔ مجھے

خوافات سے نکال کر پاکیزہ فضا میں لے آئے تھے۔ مجھ پر رقت طاری کر کے میری برائتوں کی کو

دفع ہیں۔ آپ نے وہ عجلوہ سنا ہو گا کہ وہ میرے از گولڈ دیے از قیمت۔

کیا وہ واقعی میں گولڈ ہیں۔

ہاں وہ بولے، مجھے اس بات کا علم ہے۔

مجھے تو ایسے گمنا ہے جیسے وہ جیل ہوں۔

بالکل وہ بولے گولڈ ہوتا ہے وہ گولڈ دکھائیں۔ جو دکھتا ہے وہ گولڈ نہیں ہوگا۔

غفور صاحب کی باتیں سن کر مجھے غلغلہ ہونا چاہیے تھا۔

لیکن اس کے برعکس رد عمل ہوا۔ مجھے فہم آئے لگا۔ خود پر فہم۔ یہ میں کیا کر رہا ہوں۔

یہ کس طرف چل پڑا ہوں۔ ہاناؤ مجھے دو مانیات سے کیا لیتا رہا ہے۔ اگر دنیا کے ساتھ ساتھ اللہ

کا ایک نظام چل رہا ہے۔ تو ہم اللہ پڑا چلے۔ مجھے اس سے کیا لیتا رہا ہے۔ آئی ڈونٹ بلانگ

لوت اور میں جاننے کی دھن میں کیوں لگا ہوں۔

رہنا میں تیسویں باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ نہیں سمجھ سکتے۔ دوسری نظام بھی

ان میں سے ایک ہے میں خواہ کلو کلا کر لاک ہو مڑنا بیٹھا ہوں۔ اپنی زندگی حرام کر رکھی ہے۔

ہاناؤ قدرت اللہ چاہے اللہ میں کا بچا ہے یا فطین، وہ جو بھی ہے پڑا ہو۔ مجھے کیا لیتا رہا ہے۔

خود فریبی

وہ دن میں ذہن میں ڈال کر یہی خیال سوچتا رہا۔

تیسرے دن میں مکر سے ڈاکٹر لیا۔ دوگی میں جا بیٹھا۔ ریڈیو شیشن پہنچا۔ مسعود عمر عجلوہ

سے کہیں ملتا رہا۔ مس فخری سے شرارتیں کرتا رہا۔

شام کو جب میں واپس گھر پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ خوش وقتی کی یہ ساری انکسار ساز

ملف ابھڑا تھی۔ آمد نہیں بلکہ آورد تھی۔ خود فریبی تھی۔ اپنے دوستوں میں میں وہ نہ تھا جو

ہوا کرتا تھا۔

پھر وہ ایک دن میں دربار میں جا کر بیٹھا رہا۔ سائیں اللہ بخش سے باتیں کرتا رہا جیسے پہلے کیا

کرتا تھا لیکن ان باتوں میں وہ گمن نہ تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ مزار مجھے اوپر الٹا لگا رہا تھا۔

دل ہی دل میں میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کیسے ملک، راجہ، آگاہی والی نہ آجائے۔ کیس

نہیں وہ مسکرائے۔ آپ کو نہیں پتا کیا۔۔۔۔۔ کہ انہوں نے کوشش کر کے پائیڈ

میں چالوہ کیوں کر لیا تھا۔

نہیں مجھے نہیں پتا۔

وہ مسکرائے بولے اس لیے کہ وہاں کوئی سرکاری کام نہیں ہے۔

آپ تو کہتے ہیں انہیں خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔

مفتی صاحب وہاں وہ اپنا کام کرنے کے لیے گئے ہیں انہوں نے تزکیہ کا بہت بڑا پلان بنایا

ہوا ہے۔ مثلاً وہ یہاں احتکاف اور دیگر دکانیں نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں چپ رہنا ممکن نہ تھا۔

مراٹے نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ہے کہ پائیڈ میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی لائبریری

ہے۔ جس میں ہفتی نئے بیسے بہتات میں ہیں۔

یہ بتائیے کہ آپ کے اندازے کے مطابق وہ کب واپس آئیں گے۔

پانچ سال لگیں گے، غفور نے جواب دیا ایک پائیڈ میں دو مصر میں پھر شاید وہ جدے

میں۔ مفتی صاحب آپ ان کے جانے پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ انہیں چاہی تھا کہ ان کا جانا ملک

کے مفاد میں ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ باہر چلے جائیں۔ کچھ دیر کے لیے۔

لیکن وہ بل مول کر رہے۔ بل مول ان کی عادت میں داخل ہے مگر اس وقت چلے

جاتے تو بہتر ہو کہ خیر اب بھی ٹھیک ہے۔

میں نے پوچھا غفور صاحب ایک بات بتائیے۔ مجھے بتائیں گے؟

بولے ہاں جیسے۔

گولڈ اینڈ قیمت

میں نے کہا یہ بتائیے کہ قدرت اللہ شباب کون ہے۔

اس پر غفور مسکرا دیے۔ کہنے لگے یہ بات میرے علم سے باہر ہے۔ مجھے صرف یہ پتا ہے

کہ وہ اچھے آدمی ہیں لوہہ ان کا یہاں ملک میں رہنا ملک کے لیے باعث برکت ہے۔

لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ ان کا ملک سے باہر جانا ضروری تھا۔

وہ بھی درست ہے۔ غفور نے کہا۔ آپ کو پتا ہے کہ اچھے لوگوں کے راستے میں رکاوٹیں

الغالب وہ ہوتا ہے۔

انہیں ہر نہ لگ جائے کہ مجھ میں وہ جوش عقیدت نہیں رہا تھا کہ وہاں میں تیس تھا۔ بدلہ میرا
بت تھا۔

اس دن کے بعد آٹا حلیف نے بھی جہنم پہن کر محفل میں حاضری دی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی خوش لباسی بھی نہ چھوڑی۔ وہ باقاعدہ سوٹ پہن کر ٹاپ و ٹرائز جاک۔ ساتھ ایک حلیے میں پانچا لے جات۔ سائیں اللہ بخش کے ڈیرے کی ڈیوڑھی میں جہنم اور ٹائی آکر کھیلے میں رہ لیتا اور پانچام پہن لیتا۔ آٹا حلیف، سائیں اللہ بخش کا است احرام کرتا تھا۔ ان کے احکامات کی پابندی کرتا تھا لیکن محفل میں زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا۔

آغا ضیف کے بھائی بھی کبھی کبھی سائیں جی کے ڈیرے پر حاضری دیتے تھے۔ ان کے
ہاں میں سائیں جی کا پورا احترام تھا۔

آٹا کا سارا خالص، نہ ہی چربی رنگ میں رکھا ہوا تھا۔ اعلیٰ درجہ کے پائوڈر بڑے انکسارے دربار میں حاضری دیتے تھے اور دربار میں حاضری دینے والوں سے پروراز سلوک کرتے تھے۔
تہ صلیف تھا تو حکمر شری کاؤتس میں خازم، لیکن اسے کھنے پر مٹنے سے بہت دلچسپی تھی۔
اسی اعلیٰ منتوں میں جایا کرتا تھا۔

تقسیم سے پہلے ہر صفیر کی ایک لوبی سو ساٹھی تھی جس کا نام (pen) تھا۔

آتنا ضیف اس معروف ادبی تنظیم کا علاقائی سیکرٹری تھا۔ باقاعدہ جیسے کرتا تھا۔ اس کے ایک بھائی ضیاء بڑے پائے کے شاعر تھے۔ ان کے کلام کے رنگ میں علامہ اقبال کے کلام کی جھلک

آقا حنیف نے ملٹری کالج میں کنگمانہ امتحان دے رکھا تھا۔ افسری کا یہ امتحان بہت سے لوگوں نے پاس کر رکھا تھا اور وہ سال بھر اس امید پر بیٹھا کہ کب اس کی باری آئے اور افسری حیثیت سے اس کی تین سال ہو۔

افسری

آغا حریف کو اس مرتبے کا بہت شوق تھا۔

سائیں اللہ بخش نے آقا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ ہم تمہیں افسر بنائیں گے۔ ضرور بنائیں گے۔

وِرداں مار لیا وے
میرا دل دُر دا نہ ہوے

آغا حقیق

پھر آتنا حنیف کی بات چل نکلی۔

میرے نزدیک آغا حریف کی شخصیت ایک معجزہ تھی۔ ایک جانب تو آغا حریف دور جدید کا نمائندہ تھا۔ خوش لباس تھا۔ ایسے لگتا جیسے زرانی کلبز کی دکان سے نکل کر آیا ہو۔ باقاعدگی سے قیمتی سوٹ پہنتا۔ پتلون کی کمرز کی دھاریوں لہلیاں رفتی جیسے کوار ہو، ہر کمرشل طور پر طلب نکلتی۔ دوسری جانب وہ سائنس اللہ بخش کے حجبے میں ۳۵ سال سے روز باندھ حاضر رہتا تھا۔ دفتر سے مسجد حان کے ڈرے پر پہنچتا۔ وہ تک سائنس اللہ بخش کی محفل میں بیٹھا رہتا۔

ایک روز سائیں اللہ محفل نے آغا سے کہا کہ آپ سادگی کے خلاف جیسا لباس پہن کر محفل میں آجاتے ہیں۔

سائیں صاحب نے یہ جملہ باتوں اور مذاق کہا ہو مگیا اس لیے کہ چلوں پس کر فرش پر بیٹھنا

© Copyright 2000

بنا کر سائیں اللہ بخش نہیں چاہتے تھے کہ آنا کو اقتدار حاصل ہو۔

قدرت اللہ شباب کے کردار کا بنیادی عنصر بن کر قلم کو کسی شخص کو خود سے کٹر نہیں سمجھتا تھا۔ بزرگوں کے ساتھ اس کا رویہ قطعی طور پر مختلف ہوتا تھا۔ عام آدمیوں سے وہ جھک کر بات کرتا لیکن بزرگوں سے بات کرتے ہوئے وہ تن کر کھڑا ہو جاتا۔ شریف سے بچھے ایک بزرگ کا خط موصول ہوا "لکھا تھا" ہم یہاں شباب صاحب کے نامی کر رہے ہیں۔

اباحہ کر میرے دل میں شکر گزارا کی کا جذبہ پیدا ہوا شباب کو خط دکھایا تو وہ بڑی بے نیازی سے "دعا نہیں کرنے کے لیے ان کی ذہنی کمی ہوئی ہو گی۔" قدرت کا جواب سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

دن میں نے قدرت اللہ سے پوچھا کہ آج کل بزرگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ آج کل بزرگ تو ہیں، لیکن عین افراسم کے ہیں۔

اباحہ دن جنت کے حقیقی بات ہو رہی تھی۔ اس روز قدرت اللہ چنگکن کے عالم میں تھے۔ قدرت میں وہ عجیب و غریب قسم کی باتیں کر دیا کرتے تھے، ایسی باتیں جو وہ عام حالت میں کر ہی نہ سکتے تھے۔

میں نے "ایک صاحب تھے جو ریاضی میں ایم اے کر چکے تھے انہیں روحانیت کا شوق پڑا۔ بات کرنے لگے، پھر تڑکے قلم کیلک وہ روزانہ داتا صاحب کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اس صبح پر پہنچ گئے کہ داتا صاحب کے دروہہ پنڈے کی حاضری کی صورت پیدا ہو گئی۔ وہ داتا صاحب کے دروہہ بیٹھے تھے۔ داتا صاحب نے کوئی بات کی تو وہ بولے، "میں بات تو ریاضی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ داتا صاحب نے فیسے سے ان کی جانب دیکھا۔ بات پھر دوہرائی۔ ان صاحب نے اپنا اعتراض پھر دہرایا۔ اس پر داتا صاحب نے ان کے پاس داتا صاحب کے لئے زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی باتیں آٹھ پھوٹ کر بند ہو گئی۔

انہیں "میں نے پوچھا۔"

مشکل یہ تھی کہ آنا ضیف کسی بات میں بھائی جان سے مشورہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بھائی جان کو نہیں ملتا تھا "چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ مرتبے میں کسی صورت وہ بھائی جان سے مل نہ تھا چونکہ اس کا سائیں اللہ بخش سے براہ راست تعلق تھا۔ اور یہ تعلق بہت قدیم تھا۔ وہ انہیں طعن دیا کہ اگر آپ تو احکامات مری سے لیتے ہیں۔ (مری میں بھائی جان مقیم تھے) ہم تو راست سرکار قبلہ کے حکم کے پابند ہیں۔

دورنی

میں سوچ میں پڑ جاؤں ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی بزرگ کے دو ہالکے۔ ایک دوسرے سے خفا رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ بھلا ہر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ بڑے اخلاق سے ہیں، لیکن درپہ درپہ دل میں ہی جذبہ موجود رہتا ہے کہ دوسرے کو تنہا دکھائیں۔ رقابت اور کمپیٹیشن کا جذبہ چھپائے رکھتے ہیں۔

پیر و مرشد کو اس دورنی کیفیت کا علم ہوتا ہے، مگر وہ التزاماً دخل انداز نہیں ہوتے۔ قدرت اللہ شباب سے ملنے کے بعد اس کے توسط سے مجھے اس بات کا اور آگ بھلا ہوا۔ عام طور سے بزرگ ایک دوسرے سے پر خفا رکھتے ہیں۔ اور اس پر خفا کا عملی طور پر اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

مجھے اس بات کا بھی شعور ہو چکا تھا کہ ہر بزرگ کو اپنے مرتبے پر مان ہوتا ہے کہ ہر بزرگ میں ایک ایسی ہی "میں" ہوتی ہے جیسے عام آدمیوں میں ہوتی ہے۔ انہیں اپنے شیش کا واسطہ ہوتا ہے۔

بزرگوں کے درمیان اختلافات ہوتے ہیں۔ کوئلہ دار ہوتی ہے، ڈبلی ڈبلی چھبی لڑائی۔ میں انہیں جتنیں بھی ہوتی ہیں۔ جو کبھی کبھی ہلاکت تک پہنچ جاتی ہیں۔

میرے لیے یہ عجیب و غریب بات تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگی "میں" کی نفی کیے بغیر مانا نہیں ہو سکتی۔

میرے دن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے تھے۔ یہ بڑھا بڑا ڈاڈا ہے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں

جب بھائی جان مری سے آئے تو میرے نے آغا صاحب کی اس مجددانہ کیفیت کی رپورٹ

بھائی جان یہ سن کر چپ ہو گئے۔

راجہ شفیع نے کہا: آغا صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

میرا بولا: جناب اس روز آغا صاحب اپنے آپ میں بیٹھے تھے۔

دانی نے کہا: یہ صاحب مزار کی تدبیریں ہوئی۔

بھائی جان بولے: شاید آغا صاحب کو کچھ ملنے والا ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولے۔

شروع ملنا چاہیے۔ انہوں نے میں سال سرکار قبلہ کی خدمت کی ہے اور فقیر کی خدمت

نک لائے بغیر نہیں رہتی۔

راجہ کہنے لگا: یہ تو مجددانہ رنگ ہے۔ ظاہر ہے کہ فقیر نے جو دیا ہے آغا صاحب میں اسے

سائلے کا عرف نہیں ہے۔

بھائی جان بولے: جو دیتا ہے وہ ساتھ عرف بھی دے گا۔

دانی نے کہا: آپ آغا سے بات تو کریں۔

میں بھائی جان نے کہا: یہ آغا اور سرکار قبلہ کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں دخل دینے والے

نہیں ہیں۔

ای روز آغا صاحب کے دونوں بھائی مزار پر آ گئے۔ وہ بھائی جان کی خدمت میں وفد کی

صورت میں آئے تھے انہوں نے آکر بتایا کہ آغا دوش و حواس کو بیٹھے ہیں۔ کمر میں با آواز بلند

قرآن تلاوت دیتے ہیں: ہازیا کرسٹیں کرتے ہیں۔ جناب ہم ایک شریف خاندان کے فرد ہیں۔ آغا

کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث دعا بنی ہے۔ ازراہ کرم ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔

بھائی جان بولے: ہمیں ایسا لگتا ہے، جیسے آغا صاحب کو مرتبہ ملنے والا ہے۔

میں جناب: انہوں نے جواب دیا: ہمیں ایسا مرتبہ نہیں چاہیے جو باعث بدنامی ہو اور

دعائے کوفت کا باعث ہو۔

قدرت ہوئے، بزرگ جت برداشت میں کرتے، جت کرتا ہر دو ٹول کے خلاف ہے۔

یہ سن کر میرے ذہن کا لیوڑ اڑ گیا۔ دانا اور کسی کو تحیڑ ماریں۔ وہ دانا جو صرف دنا با

تھے۔ جو اب بھی وصل کے بعد ساتوں کو دوسے رہے ہیں، دیے جا رہے ہیں۔ وقت کے

ساتوں کا جویم بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ تو خیر جملہ محترمہ تھا۔ بات آغا صاحب کی ہو رہی تھی۔

مجددیت

آغا عتیف میں دلی ہوئی شدت تھی جس کا اظہار بھی کبھار ہوتا تھا۔ ایک روز آغا صاحب

آئے، آئے ہی انہوں نے خلاف معمول با آواز بلند سائیں اللہ علی کو لگا کر شروع کر دیا۔

گلیاں دینی شروع کر دیں۔ آغا کی آنکھیں انگڑوں کی طرح سرخ تھیں۔ چڑھ سوجا ہوا تھا۔

بکھرے ہوئے تھے۔

پھر وہ تھوڑے اتر آئے۔ مزار کی چوکھٹ کو آگاہی کے نشانی کی۔ مزار پر چڑھا گیا۔

قبلہ کو مخاطب کر کے ہازیا باتیں کیں۔ مزار کے قریب رہنے والے لوگ گھروں سے باہر

آئے۔ وہ حیرت سے آغا کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ

صاحب سے کچھ کہے۔

میری را

میری را مزار کا ظہور تھا۔ میرے کا مکان مزار کے پہلو میں تھا۔ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی کوٹھی

اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتا تھا۔ اور مزار کی خدمت کیا کرتا تھا۔ چھارو دتا مصلیٰ کا

رکھتا۔ میرے کی حیثیت ایک چوکیدار خادم کی تھی۔ میرا مزار کا متولی نہیں تھا۔ سائیں اللہ

کا حکم تھا کہ مزار پر کوئی شخص متولی بن کر نہ بیٹھے۔ مزار پر چھت ہیر نہ کی جائے۔ مزار کی

دعاری کو لونچانہ کیا جائے۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ سرکار نہیں چاہتے کہ ان کی قبر کو مقبوریتا دیا جائے اور

متولی آئیں۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ایک افراد نے مزار پر بیٹھے کی کوشش کی تھی،

جس خود کریں گے۔ مجھے مداحات کرنے کا کوئی حق نہیں۔

جب شب پائین روانہ ہونے لگا تو میں نے پھر آٹا کی عرضی یاد دلائی۔

کہنے لگا: میں نے وہ عرضی اٹلاف کو ہر کو سے دی ہے وہ اس پر ایکشن لیں گے۔

یہ بات جبران کن تھی چونکہ شب ہر سال کے اعداد بخود ہی کیا کرتا تھا اور حتی الوسع کوشش کرتا کہ اس کی مدد کرے، کیا مرد قلندر نے اسے منع کر دیا تھا کہ آٹا کی عرضی پر ایکشن نہ لے۔

تعمیناتی

یہ بات میرے لیے جبران کن تھی۔ اٹلاف گوہر بنیادی طور پر فٹنس کے افسر تھے۔ انہیں روز اور ریکویشن کا علم تھا، پھر انہوں نے یہ فٹلسی کیوں کی کہ آٹا کی جو فٹری اکاؤنٹس میں ایک ریکورڈ پوسٹ پر فائز تھے ایک کانٹر سیکچول پوسٹ دے دی۔

آٹا مجھ سے ملے کہنے لگے، مفتی صاحب زبان بند رکھئے، مجھ اس بے ضابطگی کی طرف توجہ نہ دلائے، مجھ سرکار قبلہ کا وارنٹ مل گیا ہے۔ مجھے یقیناً افسری ملے گی۔ مرد قلندر کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا آٹا صاحب میں تو زبان بند رکھوں گا، لیکن اگر اسے لوٹنے بے ضابطگی کی نشاندہی کر دی تو۔

اسے لو آپ کا دوست ہے وہ بولے۔ آپ اسے بات سمجھا دیں۔

صغیر ہمارے اسے لوٹے میں صغیر صاحب سے ملا۔ صغیر صاحب سے میرے بڑے اچھے

مراسم تھے۔ اور وہ بھلا، بعد روانہ ہوئے رکھتا تھا۔

صغیر کو بات بتائی تو وہ بولا، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اٹلاف گوہر ایسی فٹلسی نہیں کر سکتے۔ میں

نہیں مانا۔ آپ انہیں یاد نہ نہیں، لیکن جب کالذات آپ تک پہنچیں تو فٹلسی کی نشاندہی نہ کرنا۔

تقریباً ایک سال آٹا اس کانٹر سیکچول آٹا کی کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے

پرنٹ مجھے فٹری اکاؤنٹس سے ایک خط موصول ہوا۔ لکھا تھا آپ نے ہمارا آدمی بنام آٹا شریف

مستعار لے رکھا ہے۔ مرہٹی سے اس کے متعلق حتی فیصلہ کریں یا تو اسے اپنے حکم میں

بجائی جانے کا دیکھیے یہ معاملہ دینے والے اور لینے والے کے درمیان ہے۔ دینے والا جانے اور لینے والا بھاری کوئی حیثیت نہیں کہ اس بات میں دخل دیں۔ آپ سرکار قبلہ کی خدمت میں اپنا درخواست پیش کریں اور دعا کریں کہ آٹا شریف کو عرف عطا کیا جائے کہ وہ سرکار قبلہ کی دین کے متحمل ہو جائیں۔

درخواست

آٹا شریف نے ہمیں بتائے بغیر ایک درخواست صدر ایوب کی خدمت میں بھیجی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں فٹری اکاؤنٹس میں لازم ہوں۔ افسری کا ٹھکانہ امتحان پاس کر چکا ہوں۔ تقرری کا انتظار ہے۔ عالی چاہ میں اپنی ذوق رکھتا ہوں اور ایک انٹر نیشنل ایبل سوسائٹی کا ممبر بنی رہا ہوں۔ ایوبوں اور صحافیوں سے میرا رابطہ ہے، میں اس بات کا خواہاں ہوں کہ مجھے وزارت افریقہ میں کوئی سیٹ عطا کی جائے۔ صدر ایوب نے یہ عرضی قدرت اللہ شب کو بھیج دی۔ لکھا، اگر اصولی طور پر ممکن ہو تو آٹا شریف کو وزارت اطلاعات میں کوئی پوسٹ دے دی جائے۔ جب یہ درخواست شب کے پاس پہنچی تو وہ دست نیران ہوئے کہنے لگے، آٹا صاحب نے یہ بات مجھ سے کیوں نہ کی۔ وہ درخواست چند ایک ماہ ویسے ہی چلی رہی۔

میں نے چار ایک بار شب کو یاد دلایا کہ آٹا کی عرضی پر آپ نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

برابر وہ جواب دیتا کہ ہاں۔ بڑا اچھا کیا کہ آپ نے مجھے یاد دلایا۔

جب بھی میں آٹا کی عرضی کی بات کرتا تو شب یکی جملہ دہرات، لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہ کرتا۔

ایک روز تنگ آکر میں نے شب سے کہہ دیا کہ آپ بھی آٹا کے لئے سرکار قبلہ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔

اس نے پچھا، میں اللہ بخش صاحب کی کیا پالیسی تھی۔

میں نے اسے ساری بات بتائی کہ جب بھی آٹا صاحب کے افسر بننے کے امکانات پیدا ہوتے تھے، سرکار قبلہ ان کے رشتہ والی دیتے تھے۔ آپ بھی ایسی کر رہے ہیں۔

یہ سن کر شب چپ ہو گیا۔ میں نے ضد کی تو بولا۔ ہاں آٹا صاحب کی تعیناتی میں انہیں

آجائے اندر سے سمجھیں آواز آئی۔

اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ چھ سات مسائل بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ہلکا بیٹھا ہے۔ کمرے کی دیواروں پر جا بجا قرآنی آیات کے پوسٹرز لگے ہوئے ہیں۔ ایک دیو نیکل صبح ایک طرف ڈھیر لی ہوئی ہے۔

مسائل ہادی ہادی ہلکا سے اپنے مسائل کے حلقوں پر چبھتے۔ ہلکا بڑے غور سے ہر مسئلہ کی بات سنتا اور پھر گردن اٹکا کر سر کی سوچ میں پڑ جاتا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ سر اٹھاتا اور مسائل کو جواب دے دیتا۔

صغیر کو کچھ کراہی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہلکا آپ تیریت سے ہیں صغیر صاحب۔

بی قاضی صاحب! اللہ کا شکر ہے۔

کیسے آتا ہوا؟ حاضی نے پوچھا۔

آپ نے قربا لیا تھا کہ مشکل کو آنا اس لیے میں حاضر ہو گیا ہوں۔

ہلکا مسکرایا ہوا! صغیر صاحب آج تو سوسوار ہے۔

لو ہو صغیر! لا! میں سمجھا سکتا ہوں۔

کل آئیے ٹائپ لے کر! پھر میری طرف حلقہ ہونے بولے۔

قربائے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

صغیر! لا! یہ میرے عزیز دوست ہیں۔

ہاں تو قربائے! ہلکا نے مجھے حلقہ کیا۔

مجھے تو بتا بہت کچھ نہیں پوچھنا! میں نے جواب دیا میں تو صرف سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں! میں نے کہا۔

خوب خوب بڑی کرم نوازی ہے آپ کی! ہلکا نے کہا۔

صغیر! لا! حضور! ان کے ایک دوست ہیں۔ ان کی تین تائی ملک سے باہر ہو گئی ہے۔ یہ جانتا

چاہتے ہیں کہ وہ دکھ واپس آئیں گے۔

ان کا اسم گرامی ہلکا نے پوچھا۔

بتاب! ان کا نام ہے قدرت اللہ! صغیر نے جواب دیا۔

پرمانش پوسٹ دے دیں بصورت دیگر اسے واپس بھیج دیں۔

اس خط کو پڑھ کر الحظ گوہر کو احساس ہوا کہ غلطی ہو گئی ہے۔ الحظ گوہر حیران تھے کہ یہ غلطی کیسے ہوئی۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ الحظ گوہر کو کیا پتا تھا کہ یہ ایک مرحوم قلمند کی شرارت تھی۔ الحظ گوہر اس بات کو کیسے سمجھتے وہ تو ایک سکھ بندہ دانشور تھے۔ صرف عقل کو مانتے تھے۔ ان کے ذہن میں قابلیوں اور ملا جلیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

قدرت اللہ شباب الحظ گوہر کی ملا جلیوں کے معترف تھے۔ کہتے تھے! اس شخص کو اللہ نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں! مگر سول سروس میں کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔

میں نے پوچھا! کامیابی کیوں نہ ہو گی۔

بولے! سول سروس میں بیچے بیچے چلے، واپس کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ آگے چلے واپس کو نہیں۔ سول سروس میں میڈیا کر بیٹھتے پھرتے ہیں۔

بہر حال۔ آٹا کی تین تائی میں غلطی کو دور کرنا لازم ہو گیا۔

اور الحظ گوہر نے جوں توں کر کے آٹا کے لیے انٹرنیشنل انٹری آزمائی نکال اور آٹا کو انٹری مل گئی۔

یہ خبر آٹا کو ملی تو وہ جاہل میں آگئے! بولے شباب نے تو کچھ نہ کیا تھا اور اسی لیے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ آخر کار قلمند مدینہ میں آگئے۔ ان کی بات کو کون جال سکتا ہے۔

بھائی جان بولے! یہ پڑھا پڑا ڈنڈا ہے۔

اس پر صغیر بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگا! غلطی سی! یہ کون بزرگ ہے۔ جس نے یہورو کے تمام انٹروں کو اٹھا کر دیا۔

میں نے کہا۔ تم حاضری دینا چاہتے ہو کیا۔

شیر اور بکری

UrduPhoto.com

ہلکا ہاں! پھر کہنے لگا۔ میرا بھی ایک ہلکا ہے۔ میں بھی آپ کو لے چلوں گا اس کے پاس۔

صغیر مجھے سبب بتاؤ جان کے ایک مکان میں لے گیا۔

اس نے دروازہ کھولا۔

UrduPhoto.com

تقاضی بلایا سرخاک کر بیٹھ گئے۔

پھر دھنسا "پاپائے سرافخیا ہوئے" یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔

صغیر صاحب۔ یہ تو آپ نے زیادتی کر دی۔

لیلیٰ کی اس بات پر ہم حیران ہوئے۔

پاپا بولے "میں تو ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ آپ نے ہماری کوشیر کے روپرو بٹھا دیا۔ نہ صغیر

صاحب کہیں ہماری کہیں شیر۔

بزرگ اور آزمائش

بزرگ

دراصل ان دنوں میں بزرگ کے مفہوم کو نہیں سمجھتا تھا۔

ان دنوں میں سمجھتا تھا کہ بزرگ بڑے طاقت ور لوگ ہیں۔ مستقبل میں جھانک سکتے ہیں۔ لوگوں کے رخ بدل سکتے ہیں تقدیریں بدل سکتے ہیں۔ کراثات دکھا سکتے ہیں اور یہ طاقتیں انہیں مجاہد اور مہارت کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں پھر بزرگوں سے رابطہ کے بعد آہستہ آہستہ جھ پر انکشاف ہوا کہ بزرگوں کے متعلق میرا نظریہ بالکل غلط تھا۔

بزرگ تو بڑے عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔ عام انسان کی طرح آزادی نہیں ہوتے بلکہ انکثات کے پابند ہوتے ہیں۔ اتنی پابندی کہ ان کا بالی پل بندھا ہوتا ہے۔ اتفاق کی پابندی ' خدمت خلق کی پابندی ' شریعت کی پابندی ' پرائیویسی کی پابندی ' ایک کڑے ڈسپلن کی پابندی اور سب سے بڑھ کر کلام کی پابندی۔ کلام کے چٹاؤ میں ان کی اپنی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔

داتا صاحب کی کتاب پڑھ کر مجھے پتہ چلا کہ دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایئر گروپڈ ایک روحانی نظام چل رہا ہے جس کی ایک کڑا نظم و ضبط رائج ہے۔ جس کی جواب دہلیبیالی نہیں ہوتی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پہرچھے ہے بھی پتہ چلا کہ بے شک بزرگوں کو کچھ طاقت حاصل ہوتی ہیں، لیکن ان کو استعمال کرنے پر اتنی پابندیاں ہوتی ہیں کہ جنگلی کی بے شکوت سلق آتی ہے کہ ”وہن پر پھلی چٹری سہلے ڈوہ رکھ کے سوئی۔“ مطلب ہے کہ اس چودھریاں کا پیدل گردہ ہے جس کے سہلے دودھ دکھا ہو اور وہ اسے بے بغیر سو جائے۔

ایسے ہی بزرگوں کا صلہ ہے دودھ کی گڑی سہلے رکھی ہے، لیکن پینے کی ممانعت ہے۔ کہتے ہیں حضرت علیؓ جنگ میں تھوڑی دلی کر رہے تھے۔ ایک دشمن کو گرا دیا۔ اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھنے میں تھوڑا ہو گئے والے سے کہ دشمن نے ان کے چہرے مبارک پر ٹھوک دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ دشمن کو قتل کے بغیر اٹھ بیٹھے اور اسے چھوڑ دیا، کسی نے پوچھا یہ کیا کیا آپ نے فرمایا، اس نے میرے منہ پر ٹھوک دیا تھا، اس کے بعد اسے قتل کرنا تو اس میں ذات کا فائدہ شامل ہوتا اور انتقام کا فائدہ بھی آ جاتا، جنگ میں تو صرف اللہ کے ہم پر قتل کرنے کی اجازت ہے۔

میں نے جانا بزرگ پر لازم ہے کہ وہ لاگ لکھ سے پاک ہو۔ بندہ بشر ہوتے ہوئے لکھ سے پاک رہتا ہے عد مشکل ہے۔

میں نے جانا کہ بزرگ کسی کے دوست نہیں ہوتے، کسی کے دشمن نہیں ہوتے۔ کسی کے عزیز نہیں ہوتے۔ کسی کو عزیز میں رکھتے۔ اگر ان میں حکم ہو جائے کہ بیٹے کو قربان کر دو تو وہ بڑے اطمینان سے بیٹے کو اٹھ لاکر قربان دھکی کر طرف چل پڑتے ہیں۔

جوں جوں میں بزرگ کے منہم کو کھتا گیا توں میں میرے دل میں بزرگوں کے لیے احرام اور ہر دلی کے جذبات پیدا ہوتے گئے۔ احرام اس لیے کہ وہ اللہ والے ہیں اور ان میں اللہ دل کر دہ ہے، انصاف ہے، عقل ہے برداشت کرنے کی طاقت ہے کہ وہ ذات کی نفی کرنے کی ہمت رکھتے ہیں اور ہر دلی اس لیے کہ وہ اتنے مجبور ہیں پابندوں میں بیکڑے ہوئے ہیں اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ تو ہم جس بزرگ بنادیں تو میں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائیگا نہ حضور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالے، میں اس کا تحمل نہیں ہو سکتا مجھ پر یہ ظلم نہ کیجیے۔

اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ نام لٹا دیا جاتا ہے۔ سب با سب کا مجاہد ایک چھوٹی سی لغزش کی وجہ سے مٹی میں مل جاتا ہے۔

بزرگ لوگوں پر مسلسل خوف طاری رہتا ہے، اللہ کا خوف کہ چلے یا ان چلنے میں حکم عدولی نہ ہو جائے۔ کہیں وہ لاگ لکھ کے پھیر میں نہ آجائیں۔ کہیں نفس شیون نہ مارے دے۔

ابتدائی ایام میں جب مجھے شعور نہ تھا کہ شباب چمکنے کے عالم میں ہے، جب مجھے علم نہ تھا کہ جو میرے ہوتے ہیں وہ چمک بھی جاتے ہیں، جب مجھے یہ شک نہیں تھا کہ وہ کاشی ہے اور کسی کام پر مامور ہے، یا وہ میرا ہوا ہے۔ اس نے اتفاقاً کہا تھا اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو جانتے ہو کیا ہو گا۔ میں ایک پانچ ہوں گا۔ سڑک کے کنارے پڑا ہوں گا۔ میرا سارا جسم کل چکا ہو گا۔ اس میں مٹھایاں رنگتی ہو گی۔ لیکن میرا ذہن بالکل ٹھیک ہو گا۔ حیات بیدار ہوں گی، تاکہ لذت کا احساس ہو، تاکہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ لوگوں کو مجھ سے کراہت آئے گی۔ جسم سے بدبو کے مہم کے اٹھیں گے۔ کوئی شخص میرے قریب نہیں چمکے گا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے حیرانی ہوئی۔ یہ کس مشن کی بات کر رہا ہے۔ صدر کے سیکرٹری کا کیا مشن ہو سکتا ہے۔ بلکہ، یہی تاکہ صدر کے احکامات کی تعمیل کرے اور اگر صدر غراض ہو جائے تو ذرا سے زیادہ بھی کرے گا کہ تو کبھی سے خرواش کر دے۔

۱۹۸۸ میں جب شباب اور میں نے اکٹھے جاکا قلعہ ج کے دوران شباب نے مجھے بتایا کہ عام بزرگوں کو بچ کرنے کا شوق نہیں ہو گا۔ چوں کہ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں تو جیسے جوتا پھیرا نذر پڑتا ہے، ایسے ہی جوتے کے ساتھ اپنی دستار بزرگی کو بھی اللہ کا لازم ہوتا ہے۔ چوں کہ حرم میں صرف بندہ کی حیثیت سے داخل ہو سکتے ہیں اور یہ یقینی نہیں ہو گا کہ وہاں ہی رہائیں جاتے بزرگ کی جائے گی طے لے، نہ لے نہ لے۔

پہرچھے پتہ چلا کہ قیامت کے بعد جب ۱۲ سوا کی پیمبری لگے گی تو عام آدمی سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کتنے دفعہ کام کیے اور ہر دفعہ کام کا کیا دیا جائے، لیکن بزرگ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو سونپائیں کرنے کی استطاعت دی گئی تھی، لیکن آپ نے صرف ۳۰ تک کام کیے۔ اتنے کم کیوں کیے جواب دو۔

انہوں نے تصویر کھینچی تھی۔ کہنے لگے، 'جب ولایت ملتی ہے تو کچھ اس قسم کا منظر ہوتا ہے۔
 لہ سمندر کا کنارہ ہوتا ہے۔ سامنے اٹھوا سمندر ہوتا ہے۔ طوفان زدہ سمندر، جو بے سحاب ہوتا
 ہے، دل کو ایک ٹوٹا ہوا پتھر اور پھٹی کوئی کشتی دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں میاں اب تیری بہت
 ہے۔ اس روحانی سمندر میں جتنی دور جا سکا ہے چلا جا۔

یہ تو بڑی بے بسی اور بے چارگی کی بات ہے، میں نے کہا۔

اس نے سر اٹھتے میں ہلا دیا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ ولایت بہت بڑا اعزاز ہے۔

ہاں ہے، وہ بڑا، بڑا اعزاز ہے۔ ساتھ ہی بہت بڑی بے بسی ہے، بے چارگی ہے۔ دونوں
 پہلو ہیں۔ لوگ صرف ایک پہلو دیکھتے ہے۔

شباب جی مجھ سے ایک وعدہ کریں، میں نے کہا۔

کیا، وہ بولا۔

مجھے اس کث سے بچائیں۔

کیا مطلب، وہ بولا۔

مجھے ڈر ہے کہ بھائی جان یا کوئی اور بھلا مجھے اللہ کی راہ پر نہ ڈال دے۔ مجھے وردی نہ پنا
 دے۔ دیکھتے میں ایک پورا اور کمزور آدمی ہوں، آرام طلب ہوں، محنت یا مشقت کا لال نہیں۔
 میری قوت ارادی بہت کمزور ہے۔ مجھ میں حوصلہ نہیں، صبر نہیں، برداشت کرنے کی بہت
 نہیں۔ میں ایک عام بندے کی حیثیت سے جینا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا، 'مجھے ڈر ہوتا ہے اگر بھائی جان یا کسی اور نے مجھے سپاہی کی وردی پہنا دی تو میں
 مارا جاتا۔ آپ جانتے ہیں، میں ایک ہڈیاتی آدمی ہوں، میں سالک نہیں بن سکتا۔ مجھ میں
 توازن کا فقدان ہے۔ میری طبیعت میں مہذوبیت کا عنصر ملای ہے۔ میں عقل و غرور کو دونوں گد
 اپنا ہوش نہیں رہے گا۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گیا۔

پھر بولا، 'لوگ تو بے اعزاز حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

شاید میں بھی کرنا، اگر آپ سے نہ ملتا تو شاید کرتا، لیکن میں نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھ لیا

کرامتیں

ان دنوں جب میں بزرگوں کے تذکرے پڑھا کرتا تھا تو مجھے تذکرے لکھنے والوں پر بڑا فہم
 آتا تھا۔ تذکرے بزرگوں کی کرامتوں سے بھرے ہوتے تھے۔ کوئی تذکرہ نویس، صاحب تذکرہ
 کے کردار کے متعلق نہیں لکھتا تھا کہ وہ کتنے حکیم کردار کے مالک تھے کوئی اس پر روشنی نہیں
 ڈالتا تھا۔ کوئی انہیں انسان کی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ سبھی بزرگ کی بات کرتے ہیں
 ان کی پرنسپل قوتوں کی بات کرتے تھے۔ کشف کی بات کرتے تھے، کرامتوں کی بات کرتے
 تھے۔ ان کی بٹری کمزوریوں کی بات کرتے نہیں تھے۔ اس مسلسل نکالنے کی بات نہیں کرتے
 تھے۔ جس میں وہ گرفتار رہتے ہیں۔ اس مسلسل اتھار اور آزمائش کی بات نہیں کرتے جس کے
 تحت وہ زندگی گزارتے ہیں۔ بزرگوں کے تذکرے پڑھ کر قاری سمجھتا ہے کہ بزرگ ایک صاف
 سترا، نمایاں دھوا ہوا، پاک صاف شخص ہوتا ہے، جو ایک اعزاز کی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور جسے پیر
 نچل قوتیں حاصل ہوتی ہیں۔

ولایت

اس زمانے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ جب انسان کو بزرگی عطا ہوتی ہے تو
 کپڑے کی طرح اسے دھو کر مٹری کی دی جاتی ہے، کوئی لاکھن باقی نہیں رہتی۔

ایک دن میں نے شباب سے اس بارے میں پوچھا۔

کہنے لگا، 'مجھے تو اس بارے میں علم نہیں، لیکن بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگی عطا ہوتی ہے تو
 تمام حیات شکنی قاتل MAGNIFY ہو جاتی ہیں، رخصیات میں تیزی آ جاتی ہے، شدت
 پیدا ہو جاتی ہے۔ خرابیات میں دھار پیدا ہو جاتی ہے

کیا بہت رخصیات میں ہی شدت پیدا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، وہ بولا، 'بہت اور سختی دونوں رخصیات چار چہرہ کا تیز ہو جاتے ہیں۔

مجھے پوچھا، 'ولایت کیا ہے؟

کہنے لگا، 'غور صاحب نے ایک مرتبہ بتایا تھا مجھے۔

نہ ہائیں۔ سو واٹ۔

میں نے کہا اس روز آپ کو پیغام ملا تھا کہ یہ فوت ہو آپ کچھ دے ہیں غلط ہے جو کچھ
اچھا ہے ہیں۔ وہ صحیح تھا۔ کیا یہ بائق الفطرت پیغام نہیں تھا۔
دیکھئے وہ بولایا بائق الفطرت واقعہ نہ تھا کسی کرم فرمائے ہدایت دی تھی۔ فرض کیجئے اگر وہ
پر نبیل بھی تھا تو اسے عمل میں نہیں لایا تھا۔ میں بائق الفطرت واقعات جزئیات نہیں کرتا۔
اگر مجھ پر ایسے واقعات ہوتے ہیں تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔
یہ واقعات کون عمل میں لاتے ہیں۔
مجھے علم نہیں۔ غالباً دی فورسز ہی ہوتے۔

قدرت اللہ شہاب نے شہاب ثانی کے آخری باب میں لکھا ہے کہ چھبیس سال مجھ سے
غیر خدا تکلیف ہوتی رہی۔ اگر شہاب مجھے یہ بات بتا دیتا تو میرا کریم کا جذبہ ختم ہو جاتا۔ لیکن
شہاب نے مجھے یہ بات بھی نہیں بتائی تھی۔
شہاب کے متعلق میں نے چند باتیں محسوس کی تھیں۔
۱۔ کہ وہ ایک بلند کردار کا مالک ہے۔
۲۔ کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔
۳۔ اللہ کا عابد بندہ ہے۔
۴۔ حضور سرور کائنات کا کوئی نظام ہے۔

۵۔ اسے پر اسرار ہدایات ملتی رہتی ہیں اور مورخین ہوتی رہتی ہیں۔
۶۔ اس نے بھی دعوتی نہ کیا تھا کہ وہ بزرگ ہے یا اسے کوئی منصب حاصل ہے۔
۷۔ چون کہ ہدایات ملتی تھیں اس لیے ظاہر ہے کہ وہ کسی کام پر مامور تھا۔ اسے کچھ کرنا
تھا۔ کیا کرنا تھا؟ اس کام کا مجھے علم نہ ہوا۔ البتہ اس نے چشمن کے عالم میں کئی بار مجھے بتایا تھا کہ
اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو میرا حشر کیا ہو گا۔
تو شہاب سے میری دلچسپی صرف اسرار کی وجہ سے تھی یا اس کے عظیم کردار کی وجہ سے؟
میں اس کا احترام کرتا تھا۔
اگر وہ بزرگ ہو نہ یا بزرگ ہونا تسلیم کر لیتا اور مجھ سے کہتا کہ میری بیعت کر لو اور

ہے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔

میری بات سن کر وہ ہر خاموش ہو گیا۔
کتنے لگا مفتی صاحب آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ میں بھی آپ کا ہم خیال ہوں ایک عام
مسلمان اللہ کا بندہ بن کر جینے سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو گی مرتبہ نہیں۔
بے شک آپ ایک مسلمان ہیں۔ میں نے کہا لیکن آپ عام بندہ نہیں ہیں۔ جو آپ میں
اس نے کچھ کتنا چاہا لیکن میں نے اسے چپ کر دیا۔
میں نے کہا شہاب صاحب یہی لائیزوی بیٹے دیت دیر زوی کراؤں۔

اگر ایسا ہوتا

اگر شہاب ایک بار میرے سامنے تسلیم کر لیتا کہ میں ایک بزرگ ہوں تو ساری بات ہی ختم
ہو جاتی۔ میں اسے ایک بیابان لیتا۔ میرے دل میں اسرار کی حیرت نہ رہتی اور میرے اندر کے
دانش ور کو جاننے کا جذبہ نہ رہتا۔ اس کے برعکس بن کر میں سکون سے بیٹھ جاتا۔ یوں میری
زندگی کا رخ ہی بدل جاتا اور شاید اللہ ہماری گھنٹی کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔
مجھے شہاب سے صرف اس لیے دل بہسی پیدا ہوئی کہ اس کی زندگی میں پر اسرار باتیں
واقعہ ہوتی تھیں اور میں اس اسرار کا عید چاہتا تھا۔
ایک بار میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا بھی تھا۔
میں نے کہا شہاب صاحب آپ کی زندگی میں یہ بائق الفطرت نوعیت کے واقعات
ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

مجھے نہیں معلوم اس نے جواب دیا۔
ہوتے تو ہیں باتیں نے پوچھا۔
ہاں شاید۔ آپ انہیں بائق الفطرت سمجھتے ہیں۔ میں بائق الفطرت کو ماننے میں۔
بزرگ لوگ جو کراہیں دکھاتے ہیں میں نے کہا۔
چھوٹی بات ہے وہ بولا۔
اس کے بغیر لوگ انہیں مانتے نہیں۔

@Geraldine

ہائی کی وجہ اپنے اپنے شوق کی کوٹائی ہے۔

یہ بھی جب گورکھ دھندا ہے۔ مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں کوٹائی رہ جاتی ہے۔
شوق خیز ہو تو مجاہدہ کمزور رہ جاتا ہے۔ ان دونوں کو ہم آہنگ کرنا اپنے بس کا روگ تو
ہے نہیں۔ چنانچہ مجبور ہو کر ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔
جہاں محنت اور شوق دونوں اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ وہاں جگر کی بے بسی
کام آگئی۔

اپنی محنت کو شوق یا شوق سے محلات پر قابو پانے کی کوشش میں ایک قسم کا
دعویٰ ہوتا ہے۔ عاجزی میں مجبوری اور صبر۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ لب چند لیم سے
کچھ اقلقت محسوس ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ رو جاری رہے۔

اپنا جائزہ لیا تو اس اندرونی بندش کی وجہ کچھ کچھ میں آئی۔ پچھلے اگست
میں جب واقعات سے پٹنا کھلیا اور صبح شام میری آگ جانا شروع ہوا تو جو نتیجہ نکلا اس
میں خدا کی کوئی بہتری ہی تھی۔ زبان سے یہی کہہ دیا۔ لیکن دل میں
نہیں کسی غصہ کو شے میں شکست کا احساس ہنسا رہا کہ آخر ایسا ہوا تو کیوں ہوا۔

پاکستان میں تو دعوتوں، دوستوں، عزیزوں کے بیگانوں میں یہ احساس دیا رہا
لیکن یہاں کی تبدیلی اور دفتر کے عالم بے کاری نے اندر ہی اندر اس احساس کو ہوا
دی۔ خدا کی طرف سے ہماری کا انتظام ایک طرف۔ اندر ہی اندر یہ احساس شکست و
باپوسی دوسری طرف۔ اس تضاد اور تلخ میں دل و دماغ اور روح کے لیے جو جو بند
نہ بند ہیں وہ کم ہیں یہ تضاد ایک قسم کا کفرانِ نعمت تھا۔ شکر ہے کہ لب یہ بات
سمجھ آگئی۔ چنانچہ اب میں نسبتاً بارش محسوس کر رہا ہوں۔ اب انشاء اللہ جلد ہی لکھنا
بھی شروع کر دوں گا۔

۵ جون ۱۹۸۰ء کے خط میں قدرت اللہ نے لکھا۔

میں اب ہر دن اپنے پروگرام میں لگ گیا ہوں۔ پچھلے چھ ماہ گویا (IN
(TUNING کا عرصہ تھا۔ اب کہیں جا کے صبح FREQUENCY کی

(WAVE LENGTH) کا کچھ کچھ سراغ ملے گا ہے۔ دعا کرتے بھی رہیں اور

بھائی جان اور سائیں صاحب سے کرواتے بھی رہیں۔

اس چھ مہینے میں تزکیہ نفس کی سی حاصل بھی کی۔ نفس تو منوٹا ہی رہا، لیکن
جسم ضرور پٹا ہو گیا۔

تقلیل طعام، تقلیل مقام، تقلیل کلام اور تقلیل کام کا ملوسم سمجھنے کی ضروری
ہستہ کوشش کی چنانچہ لب تک ۱۹ پانچ دن گھٹ چکا ہے۔ دینہ ذبح کر کے ساڑھے
نو سو چھلے تیسے ڈال کر سامنے رکھیں تو صبح اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر بے کار
بوہڑ اڑ گیا ہے۔

دھوکے سے کہنا تو محال ہے لیکن ذوقا کی اندازہ لگتا ہے۔ انشاء اللہ

اگلے سال ارض منور کی زیارت نصیب ہو گی۔ قیام طویل ہو یا مختصر، ہر
صورت میں آپ کی شراکت کا اہتمام بھی ضرور ہو گا انشاء اللہ۔

یہ خطوط میرے لیے حیران کن تھے۔ مجھے بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ شاب صاحب
میں تزکیہ نفس میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی زبردست کو بکلی سرزد ہو گئی ہو۔ جس
کی وجہ سے پراپیت کرنا ضروری تھا۔

لیکن میری دانست میں کوئی کوٹائی تو نہ ہوئی تھی۔

ہوا صرف یہ تھا کہ صدر ایوب نے بیرونی اور شاید اندرونی دباؤ میں آکر شاب کو حکومت
کے محلات سے الگ کر دیا تھا۔

ذاتی طور پر شاب کو حکومت یا عہدے سے دلچسپی نہ تھی۔

ایڈووکیٹ فقور صاحب تو براہِ مکرہ رہے تھے کہ شاب کا حکومت سے الگ ہو جانا ملک کے
نہ میں نقصان دہ ہے۔ خود صدر صاحب کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاب صاحب
کی حکومت سے وابستگی ملک کے لیے باعثِ برکت ہے۔

بھائی جان بھی شاب کی علیحدگی پر فکر مند تھے۔ سائیں کرم دین کہتے تھے صدر نے شاب
کو الگ کر کے اپنے پاؤں میں خود کھلاڑی ماری ہے

شاب نے پاکستان سے روانگی سے پہلے ہم سب سے کہا تھا کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا

ہے۔ جب پاکستان کا آئین بنایا تو اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔ اس پر شباب نے مدح و تحسین بھائی جان اور سائیں جی غرضی سے پھرے نہیں سارے تھے۔

پاکستان کا اسلامی جمہوریہ بن جانا بھی محض ایک اتفاق امر تھا۔ صدر ایوب اور اس کی کابینہ سیکرٹری مزاج کے لوگ تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اقوام عالم میں پلوکار حیثیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کو سیکلر حیثیت دی جائے۔

صدر ایوب نے پوری باری کابینہ کے ہر رکن سے پوچھا تھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ ہر رکن نے سیکلر کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ آخر میں انہوں نے قدرت اللہ سے بھی پوچھا تھا۔ حلال کہ قدرت اللہ کابینہ کا رکن نہ تھا۔ لیکن صدر ایوب اتفاقاً قدرت سے پوچھا کرتے تھے۔

قدرت اللہ نے کہا تھا مجھے اتفاق نہیں ہے۔ دنیاوی نقطہ نظر سے میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ اس پر صدر ایوب نے کہا تھا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں اور قدرت اللہ نے جواب دیا تھا کہ جناب میں مقرر نہیں ہوں۔ تقریر نہیں کر سکتا اگر آپ اجازت دیں تو میں کل لکھ کر اپنے دلائل پیش کر سکتا ہوں۔

اگلے روز کابینہ میں قدرت اللہ نے لکھ کر اپنے دلائل پیش کیے تھے اور حیرت کی بات تھی کہ ساری کابینہ نے قدرت اللہ کے دلائل کو تسلیم کر لیا تھا۔

ان سب باتوں سے یہ پتا چلتا تھا کہ قدرت اللہ کی دینی پاکستان میں غلط اسلام سے متعلق تھی۔

کوٹاہی

قدرت اللہ نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ صدر ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی طرف لائے۔ قدرت اللہ نے انہیں قرآن کریم کے مطالعے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ علامہ اقبال کے کلام کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن اس میں وہ پورے طور پر کامیاب نہ ہوا تھا۔ صدر ایوب کے سیکلر دلائل نظر کو بدل نہ سکا تھا۔

میری رائے میں قدرت اللہ کی یہی ایک کوٹاہی تھی، لیکن یہ کوٹاہی تو صدر ایوب کی تھی۔

ضروری ہے ان کی نگاہی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ ان کا رہنا ضروری ہے وہ لاکر کمن ہے خدمت کر سکتا ہے۔ بھائی جان نے کہا تھا کہ 'شاب صاحب کے جانے کے بعد نفسا نفسی بھائی جانے گی۔ ہم سب کے حصے میں آئے گا پھر جب زندہ دار لوگ نکل دیئے جائیں گے۔ پھر جب شاب صاحب ایوب سے خدا حافظ کئے جانے والے تھے تو لاہور سے غفور صاحب فون آگیا تھا۔ غفور نے کہا 'آپ صدر ایوب سے آج نہ ملیے۔ میں آ رہا ہوں۔ ذہنی بات کروں گا۔ آپ صدر صاحب سے اظہار غارتگی نہ کیجیے' بات بہت اہم ہے۔

شام کو غفور صاحب آگئے۔ پتہ نہیں۔ انہوں نے شاب سے کیا کیا باتیں کیں۔ مجھ سے ملے تو کہنے لگے 'شاب صاحب کا باہر جانا ضروری ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے شاب صاحب سے کہا تھا کہ باہر چلے جائیں یہاں نفسا نفسی کا طوفان آنے والا ہے، لیکن وہ نہ گئے اگرچہ اب دیر ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی ٹھیک ہے۔ ملک کے وسیع تر مفاد کے لیے ضروری ہے۔ انشاء اللہ انہیں چند ماہ کے بعد واپس بلا لیا جائے گا۔ پھر ان کی حیثیت زیادہ پر اثر ہوگی۔

میرا اندازہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اگرچہ وقت کے متعلق صرف اللہ کی ذات کو علم ہے۔

شاب صاحب صدر سے ملے تو صدر نے کہا 'ہماری عارضی غلطی گہری ضروری ہے۔ جو جو کام تم نے ملک کے لیے کیا ہے' مجھے ایک ایک بات یاد ہے۔

صدر نے کہا 'شراب تم میری کمرل کے چچے جاتے ہو۔ جس میں ٹکڑے کے لیے پٹیاں توڑنی پڑیں گی۔'

پاکستان

یہ ہماری باتیں ایک ایک کر کے مجھے یاد آتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اصلی بات کیا تھی۔ میں بری طرح سے کنفیوز ہو رہا تھا سوچا کہ پاکستان کو اپنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ چوں کہ اسلامی جذبے کے زور پر قائم ہوا ہے 'اس لیے اسلامی ملک ہے' لیکن اسلامی ملک تو دنیا میں بیسیوں ہیں۔ پھر اسے خصوصی اہمیت کیوں دی جا رہی

میں نے کہا "خود رو اپنے کام سے آئے ہوں گے۔
 کہنے لگی "بیشک کام سے آئے ہیں۔ چلی اتر آتے ہیں۔ ایک رات رہتے ہیں۔ اگلے روز کام
 کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔
 میں نے کہا اب کی بار بھی کام سے آئے ہوں گے۔
 بولی "نہیں" وہ کہتے ہیں مجھے کوئی کام نہیں ہے میں تو صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا
 ہوں۔ کتب ختم کر کے واپس چلا جوں جگ
 کیا واقعی؟

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بڑس میں ہوئی جہاز کا کرلیہ خرچ کرے۔
 اپنا وقت ضائع کرے ایک کتب پڑھنے کے لیے۔
 ٹھیک ہے گنگار کی محل کو چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا ہے۔ لیکن امی تو ایک کچا گنگار
 ہے۔ گنگار کم۔ کم "حق زیادہ۔"

حاتم طائی

پھر دقت "قدرت اللہ کے کردار کا ایک اور پہلو سامنے آگیا۔ اس کا ایک خط موصول ہوا۔
 اس خط میں ایک چمک خٹوف قلم ساتھ ایک پرہ خاض میں چار توبوں کے نام اور پتے لکھے
 ہوئے تھے۔ ہر نام کے سامنے رقم لکھی ہوئی تھی۔ نیچے درایت تھی کہ ان توبوں کے چوں پر
 مٹی آرڈر بھیج دیے جائیں۔ اس معاملے میں تہل کو کام میں نہ لائیں۔ ہر صورت میں انہیں
 یہ رقم پہلی تاریخ سے پہلے موصول ہو جانی چاہئیں۔ اگر مٹی آرڈر ایسوں سے کچھ بچ جائے تو
 اسے اپنے پاس نکالت کے طور پر رکھ لیں۔ اگر ڈالے خرچ ہو تو مجھے واپس ڈاک اطلاع دیں۔
 اس نوعیت کے پہلے خط کو تو میں نے اہمیت نہ دی، لیکن جب ہر تیسرا خط اسی نوعیت کا
 موصول ہونے لگا تو میں حیران رہ گیا۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ خرچ کرنے میں قدرت اللہ خاصہ بخیل واقعہ ہوا ہے۔ خرچ
 کرنے میں وہ بڑا مہلک تھا۔

ایک دفعہ میں نے صفت سے شکایت کی۔ وہ ہنس کہنے لگی "جی نمائے گی کیا" پھر دے گی

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی آپ بیتی لکھوں جس میں اپنی کمزوریوں اور کمزوریوں کو
 سچائی سے بیان کر دوں۔ چوں کہ فن دونوں مجھ میں جرأت نہ تھی "اس لیے میں نے اسے جگ
 بیتی کی شکل میں لکھا تھا میرا خیال نہیں تھا کہ اس کتاب کو کسی قسم کی اہلی حیثیت حاصل ہوگی۔
 اشفاق احمد اور بانو قدیر مجھ سے بہتر اہلی شعور رکھتے تھے۔ چونکہ انہوں نے باقاعدہ اردو
 ادب کا مطالعہ کیا تھا اس کے برعکس میں نے صرف انگریزی ادب پڑھا تھا "وہ بھی نفسیات کے
 حوالے سے۔

پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ جب میں صدر گھر میں او
 ایس ڈی ہوا تو چک لالہ میں مجھے ایک مکان ملا تھا کہ وہ ایک ایک ڈیڑھ سال کے بعد ہمیں گھر
 لائن میں ایک کوآرڈر مل گیا۔ اس لیے ہم گھر لائن میں آگئے۔

دہاں آئے ابھی دو ایک دن ہوئے تھے کہ شام کے وقت پڑوسیوں کی لڑکی آئی۔ کہنے لگی۔
 کراچی سے میرے اکل آئے ہیں۔ انہیں سونے سے پہلے پڑھنے کی عادت ہے۔ اگر آپ کے
 پاس کوئی کتاب ہو تو دے دیجئے "صرف رات کے لیے چاہیے کل وہ کراچی واپس چلے جائیں
 گے۔

ابھی میں نے کتابوں کے ہڈل نہیں کھولے تھے۔ اتفاق سے علی پور کا ایلی کٹی پڑی تھی۔
 میں نے سوچے کچھ بے پردہ کتاب اسے دی۔

کیا واقعی

اگلے روز وہ لڑکی کتب واپس دے گئی۔ کہنے لگی "اکل ساری رات کتب ہی پڑھتے رہے"
 سوئے نہیں۔

آٹھ دن کے بعد وہ لڑکی پھر آئی۔ کہنے لگی "کراچی والے اکل پھر آئے ہیں۔ پہلے تو
 وہ کام سے آئے تھے اب کہتے ہیں "میں صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ مجھے وہ
 کتب دے دیں۔

میں نے کہا "لی بی آپ کے کراچی والے اکل کرے گی۔"

کہنے لگی "ان کا اپنا بڑس ہے۔"

راولپنڈی میں ہم تین چار سال اٹھتے رہے تھے، لیکن قدرت نے کبھی امام بری کی بات نہ

کیلہ ہماری تو تنخواہ کٹوتیوں کے بعد اس قدر قلیل رہ جاتی ہے کہ مشکل سے دال روٹی پلٹی

۱۔ م۔ اے کہ، ۲۔ تم، ۳۔ کہ، ۴۔ اگر، ۵۔ انک، ۶۔ وہ کے لئے ایک اصل طریقہ تو خریدو۔

انہیں اندر داخل ہونے نہ دیتا تھا۔ ذات سے بہت کر خواہشات پوری نہ ہوتیں تو یہی اسے دھکا
میں لگتا تھا۔ قدرت اللہ نے پاکستان کے قیام اور استحکام کے متعلق صدر ایوب سے بڑی
امیدیں استوار کر رکھی تھیں۔

لیکن جب وہ صدر صاحب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ سامنے ہوتل اور گلاس رکے بیٹھے
ہوئے تھے۔

مجلد

پھولی کے انعام پر جب قدرت جانے لگا تو میں نے کہا چند ایک باتیں چاہتا ہوں۔

کیا جانا چاہتے ہیں آپ اس نے پوچھا۔

اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ سے دلچسپی ہے۔ دیکھیے شباب صاحب آپ میری
مقیدت کا ذائقہ اڑایا کریں۔

میں مذاق نہیں اڑاتا، وہ بولا، آپ عقیدہ ہالے مقیدت ایک پھولی چیز ہے۔

میں ایک پھولا آدمی ہوں، پھولیا ہوں۔ میرے اندر عقیدے کا غلغلہ تھا ہے۔ لیکن میری
مقیدت میں غلوں سے۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میری غلوں بھری مقیدت کا ذائقہ
اڑائیں۔

میری بات اسے لگی۔ بری طرح لگی، بولا، ہاں پوچھئے۔ آپ کیا جانا چاہتے ہیں۔

ایک شہر ہے، میں نے کہا، مجھے ملے نہیں۔

یہ بتائیے کیا آپ نے انڈیا میں پھلشن میں سٹر بننے کی کوشش کی تھی۔

ہاں، اس سے سرکشت میں بلا دیا۔

اس لیے کہ آپ کو وہیں مجلد کر کے کامو قہ طے۔

ہاں وہ بولا۔

آپ مجلد کیوں کرنا چاہتے تھے۔

مجلد ایک دھولی ہے، وہ بولا، وہ آپ کو زمین پر بیچ کر دھو دتا ہے۔

میں اپنی شکست کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔

نے کبھی لام بری کی یا ان کے مزار پر جانے کی بات نہ کی تھی۔

یہ آپ کو نصیحت، لام بری کی حاضری دینے کی بات کیجئے سو مجھے، میں نے قدرت اللہ سے

پوچھا۔

کہنے لگا، پھلشن میں اسلامی کتابوں کی دنیا بھر میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس لائبریری
میں بے شمار قیمتی مسودات ہیں۔ اشفاق سے ایک قیمتی مسودہ دیکھنے میں آیا، جس میں لکھا تھا کہ
لام بری نے فرمایا تھا کہ ہمارے علاقے میں ایک اسلامی شہر آباد ہو گا، جو دنیا کے اسلامی ملکوں کا
مرکز بنے گا۔

وہ کلی کتاب کب کی لکھی ہوئی تھی میں نے پوچھا۔

وہ ڈھائی سو سال پہلے کی، وہ بولا۔

میری ہنسی نکل گئی۔

آپ فہم رہے ہیں۔ آپ کو یقین نہیں آیا کیا اس لیے پوچھا۔

یقین کی بات نہیں، میں نے کہا، اسلام آباد کی بات ہے جو اس وقت زیر حیر ہے۔

اسلام آباد کی کیا بات ہے اس نے پوچھا۔

اسلام آباد بنگلوں کا شہر ہے جس کی حیرتیں نہ اسلامی رنگ ہے، نہ پاکستانی۔

اسلام آباد نے لام بری اور ان کے نور پور شاہوں کو آؤٹ آف پورٹ قرار دے دیا ہے۔

اشفاق نے لام اور ان کی درگاہ پر شرم ساری محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام سڑکوں کو توڑ

دیا ہے۔ جو نور پور جاتی تھیں اور نور پور کو جانے والے گاؤں کو اسلام آباد شہر میں داخل ہونے

کی اجازت نہیں ہے۔

وہ مسکرایا، کہنے لگا، بزرگوں کے ساتھ بڑے کئے لوگ ایسا ہی کرتا کیا کرتے ہیں۔

قدرت اللہ کی رخصت کے دوران انکی ایک مجلس ہوئیں۔ انہیں کے گھر جلی وہ گھر سے

ہوئے تھے۔ اشفاق احمد کے گھر مزار پر، دربار میں۔

یہ انوکھا کرم تھی کہ قدرت اللہ کو روک لیا جائے گا۔

قدرت اللہ کے کردار میں ایک بات واضح تھی۔ وہ ذاتی خواہش کو دل میں رکھنے سے

انحراف کرتا تھا۔ سرسری شرم کی خواہشات آتی تھیں، اس کے دل کا دروازہ کھلتا تھا، لیکن وہ

آپ صدر ایوب سے بات کیوں نہیں کرتے 'میں نے پوچھا۔
'میں وہ بولا' اگر میں واپسی کے لیے کوں تو ذات کا مسئلہ بن جائے گا۔ ذات کا مسئلہ
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہیں دیے ہی کریں۔
دیے مفتی صاحب' وہ بولا' اگر میں 'ول' کروں تو وہ مجھے بلانے پر خود کو مجبور نہیں کے' لیکن
میں 'ول' کیوں کروں۔

پھر مس یوں

میں نے کہا یہ بتائیے کیا اب بھی ریک میں چنگاوریں بجز بڑاتی ہیں۔ 'میں' وہ مسکرایا'
'چنگاوریں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔
کس سوچ میں پڑ گئے 'آپ' میں نے پوچھا۔
'بولتا' پر 'ول' بات یاد آگئی۔ آج سے آٹھ دس سال پہلے میں نے رمضان مبارک کی
انائیسیوں کو جانگنے کا پروگرام بنایا تھا۔

میں موقع پر مس یوں کا فون کیا کہ 'لچ میرے ساتھ کھانا کھاتے ہو' وہ کہہ کر وہ نہ رکھا۔
'اب روزہ ہی نہ رکھا تو رات جاننے کی بات ہے مفتی ہو گئی۔ پچھلے رمضان ایڈن سٹائیسوں
کو شب بیداری کا پروگرام بنایا۔ اسی روز فون آیا۔ 'مس یوں نیوڈارک سے ہل ہی تھی۔ کہنے
گئی 'میں آ رہی ہوں' مجھے پیرس میں ٹیلے اور پھر اپنے ساتھ ریک لے جائیے۔ میری والدہ
میرے ساتھ ہو گئی۔

دس سال کے بعد بھر دی بات۔ مقدمہ سٹائیسوں شب کا پروگرام منع کرنا تھا۔

کیا 'مس یوں' کو اس بات کا شعور تھا' میں نے پوچھا۔

'میں' قدرت نے کہا 'اُس سے چاری کو کیا پتہ کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

کون استعمال کرتا ہے' میں نے پوچھا۔

بتائیں 'کون' شرکی توہین اور کون۔

شرکی توہین آپ کو پتہ کیوں نہ پاتی ہیں۔

صرف مجھے ہی نہیں۔ کوئی بھی ہو' جو راستے پر چل نکلے جس کے پہنچ جانے کا شعور ہو۔

آپ یہ بھی مجاہدہ کر سکتے تھے۔
'میں' وہ بولا' یہاں تک ایک باتیں ممکن نہ تھیں۔ یہاں تک کھانا کم سو تو ممکن تھے کم ہو
ممكن نہ تھا۔ مجاہدے سے فرات بڑھ جاتی ہے۔ مجھے کلف پسند نہیں وہ ایک چھوٹی چیز ہے۔
فرات سے کیا ہوتا ہے' میں نے پوچھا۔
'لوگوں کے اندرونی اوصاف نظر آنے لگتے ہیں۔ جب مفت کا بھائی فوت ہوا' تو مفت کو بڑا
مذہب ہوا۔

'ایک دن اتفاق سے میری نظر پڑ گئی۔ دیکھا کہ مفت کے اندر قصائی چمرا چکے گوشت
کٹ رہا تھا۔ مجھے مفت پر ترس آنے لگا۔

دیکھیے مفتی صاحب' وہ بولا' عبادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ باہر کی دنیا جیسے دے دیے ہی
رہتی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تقدیر بھی وہی رہتی ہے' بدلتی نہیں' صرف
زادہ نظریوں جاتا ہے۔ دکھ دیا ہی رہتا ہے' لیکن اس کی دھار کاتی نہیں۔ باتیں وہی رہتی ہیں
لیکن باتوں کی وہ اہمیت نہیں رہتی۔ ذات سے اخراج ہو جانے تو واقعات اور اسامات پر سہ
نہیں رہتے۔

میری زندگی عمل طور پر بدل چکی ہے اس نے کہا۔ یوں ہی ہم آہنگی زیادہ ہو گئی ہے۔
ذات کافی پیچھے ہٹ گئی ہے۔ پہلے صدر ایوب کو مظلیم سمجھا لیا تھا ملاح کہ وہ راستہ کا ایک سنگ
میں تھا۔ اب وہ بات نہیں دی۔ اگرچہ میری مظلیم صدر ایوب پاکستان کی جاکو کیے کر پار کا
سنگ ہے۔ دوسروں کی بہت اس میں زیادہ صلاحیت ہے۔ فکر کے سامنے بیٹے بھی لوگ ہیں' ان
مب میں صدر ایوب بھرے' لیکن صدر میں دین اور اللہ کا جذبہ بڑھ نہیں پایا۔ فقط نظریں
مزید وسعت پیدا نہیں ہوئی' بلکہ محدود ہوتا جا رہا ہے' دنیاوی ہوتا جا رہا ہے۔ وہ عقلت نہیں
دی۔ جمور کی بجائے ڈیڑے کی طرف رغبت ہو گئی ہے۔ ممکن ہے' سنگا بات رکھو بن گئی
ہو۔ سوئیے اللہ بھر جاتا ہے۔

آپ کی واپسی کی کیا صورت ہے' میں نے پوچھا۔
'کہنے لگا' وہ صورتیں ہیں۔ یا تو میری شرائط پر مجھے واپس لایا جائے۔ اور یا واپس ایوب کے
بعد عمل میں آئے۔

ان مطلق صاحب 'شاید آپ نے صدر صاحب کو مناسب طور پر نہ پایا ہو۔

بھائی جان آپ دیکھ رہے ہیں۔ 'ہاں میں نے کہا' راتوں رات عوام کا کلب بدل گیا ہے۔
 عوام کے بعد پہلی مرتبہ ہم نے محسوس کیا ہے کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے، لیکن بھائی جان 'صدر
 صاحب کا رویہ عوام سے ہم آہنگ نہیں تھا۔

مطلق ٹھیک کہتا ہے 'وائی والا' صدر کی تقریر میں وہ جوش نہ تھا جو عوام میں دھڑکتا جاگ
 اٹھتا ہے۔

بھائی جان بولے، 'بھئی ہم تو حکم کے پابند ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا
 ہے' 'لفظ صدر کو توفیق عطا فرماتے۔

انواہیں یا خبریں

پیر انواہوں کا ایک وطن چل پڑا۔

اگر میں مروتقدیر کے دربار پر جا کر دوا کرکٹ اگر مجھ پر دلت طاری نہ ہوتی۔ اگر میں
 بھائی جان سے عقیدت نہ پالیتا، اگر مجھے قدرت اللہ شہاب نے بے گناہت نہ دیا تو میں بھی ان
 لوگوں کو انواہ سے زیادہ شیشیت نہ دیتا۔

جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ جو بات قدرت کے ظاہر اصولوں سے ہٹ کر ہوتی
 ہے 'جس بات کا سائنس کی لب کی تجزیہ نہیں کیا جاسکتا' اس کو کم دانش ور انواہ سمجھتے ہیں۔
 حالانکہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے کہ قدرت کے کچھ
 اصول ایسے بھی ہیں جن کا ہمیں ادراک نہیں ہے اور صرف چند ناقص ایسے ہیں جن کا سائنسی
 لب کی تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ دانش ور ہر اس بات کو 'نہ' وہ سمجھ نہیں سکتے انواہ کہ کمال دیتے ہیں۔

بہر حال اب ان مشاہدات کے بعد میرے لیے وہ انواہیں نہیں کہ خبریں تھیں۔

لاہور کا ایک مسٹ جو کبھی نہیں بولا تھا دروازے سے لوگ چپ لٹے تھے، کبھی کبھی کچوں میں

جنگ

وائی کے خواب کے ایک پتے کے بعد بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اتنا تھکا دھا کہ سارا پاکستان سناٹے میں آ گیا۔

چھ جنوری کی رات کو سارے لاہور کو چکا دیا گیا 'اعلان کردیا گیا کہ ایشیائی بغض کی روپوش ہے
 کہ کل صبح بھارت لاہور پر حملہ کرے گا۔ اس لیے لاہور کے عوام کو خبردار کیا جاتا ہے کہ جہاں
 بچا دو، گھروں سے باہر میدانوں میں نکل آؤ تاکہ ہم باری سے جانی نقصان نہ ہو۔ اس اعلان کو
 سن کر لاہور والے ڈر کر پناہ لینے کی بجائے جہاز کے نعرے لگاتے گئے۔

لاہور پر بم باری ہوئی تو لارہیں شہر قوں میں پناہ لینے کی بجائے چھتوں پر چڑھ گئے اور
 بھارتی ہوا بازوں کو نکلے رکھنے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں میں کسے دالوں کے دلوں سے
 یوں معدوم ہوگئی ہو اور پاکستان کی محبت از سر نو جاگ اٹھی ہو۔ چاروں طرف سے پاکستان کا مطلب
 کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے گونج رہے تھے۔ پاکستان اور اسلام کا تعلق ہو کر وہ چکا تھا 'پیر
 سے ابھر گیا تھا۔

پاکستانی افواج میں تو یہ جذبہ کبھی گرد آلود نہ ہوا تھا۔ ان میں شہادت کے لیے تازہ ترپ پیدا
 ہو گئی تھی۔

جب صدر ایوب نے ریڈیو پر بھارت کے حملے کا اعلان کیا حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ
 گیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ صدر ایوب بول رہے ہیں۔
 ان کے انداز میں کج گہرا تھی، لچکناکھی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے کھلے قرقر قرقر کا پ
 رہے تھے۔ وہ جہاز کی بات نہیں کر رہے تھے 'جنگ کی بات کر رہے تھے۔ وہ مملکت خدا وادی
 بات نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ ملک کی بات کر رہے تھے ان کے لیے یہ اسلامی جوش نہ تھا۔

میں نے بھائی جان سے بات کی 'میں نے کہا' بھائی جان ساری امیدیں جو میں نے صدر
 ایوب سے استوار کر رکھی تھیں 'خاک میں مل گئی ہیں۔ لگتا ہے وہ محنت جو پاکستان کے کسی
 ایک سرلوہ کو بننے والی ہے 'صدر ایوب کے نصیب میں نہیں ہے۔

سب اللہ کے ہاتھ میں ہے 'وہ بولے' وہ ملک ہے جو چاہے کرے۔ ہم تو اس کے چاکر ہے۔

پاکستان اور دعا

ہم نے قاضی صاحب سے عرض کی کہ پاکستان کے لیے دعا کریں۔ قاضی صاحب بولے 'مفتی صاحب میں آپ کے لیے دعا کر سکتا ہوں۔ دو سروس کے لیے دعا کر سکتا ہوں پاکستان کے لیے دعا کرنے کی میری کوئی حیثیت نہیں ہے پاکستان کے لیے بڑے بزرگ کام کر رہے ہیں۔ میں تو آج جھوٹا آدمی ہوں۔ بڑے کام بڑوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں بڑے بزرگ میدان جنگ میں پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں ورنہ یہ بے ہوتا کہ چنڈی میں اوہم گرائے جائیں اور ان میں سے صرف پانچ بچیں۔'

مکرم بھر کر چلانے لگا لوگو! دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کیا معجزے دکھاتے ہیں۔ ڈرو نہیں فتح ہماری ہوگی۔ سیالکوٹ سے آنے والے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سینکڑوں سفید گھڑ سوار دیکھے جو سفید وردیاں پہنے ہوئے تھے 'ہاتھوں میں کھواریں تھیں۔ کہتے تھے کہ ہم علف پر جا رہے ہیں۔ روزنامہ جنگ کو دیندہ منورہ سے خط موصول ہوا۔ لکھا تھا 'جس روز لاہور پر حملہ ہوا۔ اسی رات دیندہ منورہ میں مقیم دو افراد نے خواب میں دیکھا کہ حضور اعلیٰ معلّم گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ پوچھا حضور! اتنی جلدی میں کہاں جا رہے ہیں فرمایا 'پاکستان میں جلو کے لئے جا رہے ہیں۔'

۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں قدرت اللہ کا ناہنجو انصوں نے ۲۰ کو لکھا تھا۔ اس خط میں قدرت اللہ نے جنگ کے متعلق افسانہ خیل کیا۔ انہی ملاحظہ ہو۔

آزمائش کا دور

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو فضل کیا ہے۔ وہ مقام شکر بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ہم لوگ جیسے جہوں کے مسلمان ہیں وہ تو ظاہر ہے۔ اس پر بھی خدا نے ہمارے فرائض ایمان کی لاج رکھا۔

آزمائش کے وقت جو غرائز وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ مسلط ہوتے ہیں۔ عداوت، ہنس، اس لیے فن پر ٹھانے بنانا یا اسلحہ کے لیے ان پر بھی کرنا مناسب نہیں۔ اصلی چیز تو تبادلی ہے۔ اہل ہند کے علاوہ ایمان کی تبادلی بھی۔

۲۔ افراد اور قوموں کی زندگی میں دعا بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لیے دعا کرتے ہیں، اور کچھ دواؤں کے لیے یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہتے ضروری اور موثر ہیں، لیکن کچھ دواؤں کے لیے یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہتے کے لیے اس کی مصلحت کرتے ہیں، جب تک کسی ملک یا قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں، اس ملک پر مصیبت تو آئے گی، لیکن چاہی نہیں، دعا اور کوشش کریں کہ پاکستان میں ایسے لوگ پیدا نہ ہوں۔

۳۔ ہندوستان کے تئیں دعا نہیں ہے۔ بین الاقوامی منڈی میں بھی انصاف اور اہمیت دہشت کیساتھ کم یا کم ہے۔ اسی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے ختم نہیں ہوا۔

قدرت اللہ اپنے خطوط یا بیانات میں سب سے کام لینے کا دعویٰ تھا۔ اس نے کبھی بڑھا چڑھا کر بات نہ کی تھی۔ اس کی بات غلطی، غیر ضروری تھیں، کثرت کثرت کر دیتا تھا۔

رہائی کے بل کو چھ کرنے کے لیے آیا تھا۔ دریا پر پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ دریا پر ایک عظیم جگہ چل رہی ہیں۔

ایک اور پائلٹ قیدی نے بتایا کہ ہم دو دریا پر حملہ کرنے آئے تھے۔ مطلق پائلٹ صاف تھا۔ حالات سازگار تھے لیکن جو نمی ہم دو دریا کا پچھتے تو یہ نہیں ایک گاڑھا ہاڈل کہیں سے آگیا اور اس نے دو دریا کو چھپا لیا۔

پاکستان کے صحافی اور لویہ جو مختلف محاذوں کا دورہ کر کے آئے تھے انہوں نے بتایا کہ جس بھی بھارتیوں نے ہتھیار ڈالے، وہ محض غلط فہمی کی وجہ سے ڈالے چونکہ پاک فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن بھارتی فوج نے سمجھا کہ پاک فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔

سینئر فائر

جنگ ۶ جنوری سے شروع ہوئی تھی۔ ۲۳ کو سینئر فائر ہو گئی۔

سینئر فائر کے احکامات سن کر فوجی کمانڈر بہت سچے آئے اس لیے کہ پاکستان کی فوجیں جگہ جگہ بھارت کے علاقے کے اندر تک پیش قدمی کر چکی تھیں۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق سینئر فائر منظور کر لیا۔ سخت حفاظت تھی چونکہ سینئر فائر کا فیصلہ دہوکے تحت کرنا پڑا تھا۔

ظہور ایڈووکیٹ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جنگ میں میری ڈیوٹی سرگودھا پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے نقصان ہونے نہیں دیا، اللہ احسان ہے۔

کہنے لگے میں نے بروقت صدر صاحب کو خط لکھ کر بتایا تھا کہ سینئر فائر کے لئے دہوکے کا آپ جانتے رہے۔ اگر آپ کو تسلیم کرنا پڑے تو یہ شک منہ ڈھانی تسلیم کر لیں۔ عمل کرنے میں تاخیر کریں اور فرض کیجیے سینئر فائر عملی طور پر کرنا پڑے تو صرف دو یا تین گھنٹے کا ہو، لیکن صدر صاحب نے اس چیز کے کسی حصے پر بھی عمل نہ کیا۔

بزرگوں کا خیال تھا کہ اس جنگ میں پاکستان کا پلہ ہماری تھا۔ پاکستان کو ٹیجی ادا ہو حاصل تھی۔ لیکن صدر صاحب میں جذبہ جلا نہیں تھا، اس لیے بات بن کر بھڑکنی۔

ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے سربراہ میں جب تک اسلام اور جملہ کے لیے جذبہ نہ ہو گا کچھ نہ ہو سکے گا چونکہ پاکستان کی تمام تر اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔

اس کا کتا تھا کہ شدت اور جذباتیت روحانی دنیا میں DISQUALIFICATION بھی ملتی تھی۔ اس کے برعکس غفور صاحب مکمل کرپا کر دینے کے عادی تھے اور ان کا انداز جذباتی تھا۔

غفور کا خط

غفور صاحب کا کتا تھا کہ یہ جنگ پاکستان کے لیے ایک اہم موقع تھا جو صدر صاحب کی بے حس کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔

۲۱ فروری ۱۹۶۶ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو ایک خط لکھا۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

”ہمارے حکمران طبقے کو یہ علم نہیں کہ ملک میں روحانی انقلاب آ رہا ہے جس سے صرف پاکستان اور ہندوستان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں درویشوں کی تعداد کثرت سے ہے یہی ایسے لوگ ہیں جو چشمِ دزدان میں ہندوستان تو کیا ان ملکوں میں انقلاب لا سکتے ہیں جہاں اسلام کا نام و نشان نہیں۔“

سبز دودھ جنگ ہندو پاک کے واقعات کو اگر آپ غور سے مطالعہ فرمائیں تو انسانی عقل و فکر حیران رہ جاتی ہے۔

میرے بہت سے فوجی دوست کہتے ہیں کہ اس جنگ نے انہیں صحیح اور سچا مسلمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی اور نبی آخر الزماں کی کرم فواہی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اتنی شدید فوجی اور جنگی تعلیمیں کر کے حق حاصل کیے۔ یہ جنگ درویشوں کی کمانڈ کے تحت روحانی انشی قوت سے لڑی گئی۔

تم بزدل ہو

۲۸ اگست ۱۹۶۶ء کو غفور صاحب راولپنڈی تشریف لائے۔ مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر

UrduPhoto.com
© یہ فیہ میں اصل تفصیل ملاحظہ کریں۔ خط نمبر ۷۱
UrduPhoto.com

آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا: ”کتنے گئے“ صدر ایوب سے ہم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، چوں کہ صدر ایوب کے کردار میں کئی ایک خوبیاں ہیں۔ وہ ظلم نہیں، ٹیک نیت ہیں۔ لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں، خود پسند نہیں، ذاتی مفاد کے قائل نہیں، لیکن ”جھا“ وہ سبیکلو ہیں۔ ان میں اسلامی رتھان نہیں ہے اور وہ کچھ زیادہ ہی ریشل ہیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ قدرت اللہ انہیں گائیڈ کرتے رہیں۔ اب شہاب صاحب کے جانے کے بعد وہ چند ایسے لوگوں کے زیر اثر آ گئے ہیں جو انہیں صحیح مشورہ نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا اسی وجہ سے میری ڈیوٹی گت بھی گئی کہ میں انہیں باقاعدہ خط لکھوں۔“

غفور صاحب نے بتایا کہ جنگ کے بعد میں مکہ معظمہ میں تھا۔ مکہ شریف کے ایک کھڑاب نے مجھے ایوب کے پیام سے بظاہر میں نے کہا میں ایوب نہیں ہوں، غفور ہوں۔ اس نے میری بہت پر توجہ نہ دی اور مجھے ایوب کہنے پر مصر رہا۔ پھر اس نے مجھے کچھ ایسی دینی شروہ کر دیں۔ بولا ایوب تم بزدل ہو۔ تم بھلو کر گئے، ڈرتے ہو۔ کافر سے جہاد نہیں کرو گے، بولو۔ غفور صاحب نے کہا میں نے اس واقعہ کی خبر ذریعہ خط صدر پاکستان کو پہنچادی تھی۔

بزرگوں کی مینٹنگ

پھر مکہ معظمہ میں بزرگوں کی ایک مینٹنگ ہوئی۔ اس مینٹنگ میں زیادہ تر بزرگ صدر ایوب کے خلاف تھے۔ دو جن ایسے بھی تھے جو صدر ایوب کے حق میں تھے۔ اور چاہتے تھے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔

غفور صاحب نے کہا کہ میں نے اس واقعہ کی صدر ایوب کو اطلاع دی۔ میں نے صدر صاحب کو لکھا کہ اگر آپ کو ان باتوں کا نتیجہ نہیں آتا تو فی الفور اپنا کوئی الٹریٹیو پیش کیجیے تاکہ وہ خود آکر دیکھ لے کہ یہاں نقصان کے خلاف ہے۔

غفور صاحب نے کہا انیسویں صدی کے صدر ایوب نے اپنا افریقہ میں بہت دیر کر دی۔ انہوں نے اعوان صاحب کو سمجھا۔ اعوان صاحب جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو میں وہاں سے آچکا تھا۔ غفور صاحب نے کہا کہ مکہ شریف سے آنے سے پہلے مجھے کہہ کے ایک بزرگ نے تعویذ دیا کہ ایوب صاحب اسے پتے نہ رکھیں۔ پاکستان میں آکر میں نے بہت کوشش کی وہ تعویذ صدر



دکٹر مکی مفتی
اپنے بے گانے



مفتی



مقبول قریشی



مباح مفتی



ڈاکٹر انست مفتی



انجمن برادران



امجد مفتی (جانی)

موتوں کے عالم میں قلم اس صورت حال میں لکھنے کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے مگر ایسے ہوتا ہے کہ کوئی پرانی عادت یا نشہ جو آپ چھوڑ چکے ہوں، وقتوں کے بعد پھر سے آپ پر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کیفیت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وہ شیشہ ہائے مے کشی کہ معلوت اسی میں تھی
جنہیں وہیں پرے پرے۔ وہیں کی خاک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہا ہوں میں

کبھی کبھار شیشے بھٹائے بھٹے پر اپنی حملہ کر دیتا تھا۔ وہ میرے دور دورہ آکر کھڑا ہو جاتا۔ مجھ سے کہتا: یہ تو کیا کر رہا ہے۔ یہاں سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یہ ظلماتی دنیا جس میں تو بی رہا ہے، یہ تجھے کبھی کبھہ میں نہیں آئے گی۔ یہ تیری دنیا نہیں ہے۔ یوڈنٹ بلاگ ٹوٹ۔ تو تو خشکی پر رہنے والا ہے۔ کیوں خواہ خواہ ٹوٹ کر میرے پائوں میں غوطے کھا رہا ہے۔ تجھ میں بزرگ بننے کی خواہش نہیں ہے، ملاحیت نہیں ہے۔ تیرے کردار میں استقامت نہیں ہے پھر تو یہاں کس امید پر بیٹھا ہے۔ صرف اس لیے کہ اپنی CURIOSITY کی تسکین کر سکے۔ صرف جاننے کی خواہش کی محفل تو متعدد حیات نہیں بنائی جاسکتی۔ آج تجھے اس ماحول میں جیتے ہوئے دس گیارہ برس ہو چکے ہیں، لیکن روحانی دنیا کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جان سکتا۔

قدرت اللہ شہاب ایک وسیع سمندر ہے جس کی نہ کوئی سمت ہے نہ کنہارا۔ تجھے آج تک کبھی نہیں آیا کہ وہ کون ہے کس کام پر مامور ہے۔ چھوڑا۔ اسے اپنا کام کرنے دے تو اپنا کام کر۔ تو تو ذات کا ایلی ہے۔ "ذات دی کو بزرگی، ہمتیں، بلی بلی"۔ چل کی خاتون کے در پر جا کر بیٹھ۔ یہی تیری اصلیت ہے۔ یہی تیری منزل ہے گزشتہ تین سال میں اپنی لے دو تین بار مجھ پر حملہ کیا تھا اور ایسے وقت پر وار کیا تھا کہ میں کئی دن ڈھمی پر بندے کی طرح تڑپ رہا تھا۔

بھائی جان سب میری عقیدت کمزور پاتی جا رہی تھی۔ اگرچہ دل میں ان کا احترام ہوں گا توں قائم تھا۔ مرنے والے کی خدمت میں میں باقاعدہ حاضر ہوا دیا کرتا تھا، لیکن دل میں اک خوف سا رہا تھا کہ وہ اپنی جان کے الفاظ میں وہ بہت ڈانڈے بٹھے۔ طاقت ور تھے اور کوئی کس کو برداشت

اُس کرتے تھے۔ قدرت اللہ کا عظیم کردار اور وسعت دل کی وجہ سے میری زندگی کامرکزیں
ہو گیا اور اس جذبہ عقیدت و ثبات کا مضرب ثل ہو گیا تھا۔

آ رہے ہیں

پھر ایک دم قدرت اللہ کی اُن کی خبریں آنے لگیں۔

دو ایک سناؤں نے مجھے بتایا کہ ہمارے اخبارات میں ان کے آنے کی خبریں چھپی ہیں۔

راجہ شیخ دوڑا دوڑا میراں آیا کہنے لگا "شباب صاحب واپس آ رہے ہیں۔"

وفاقی نے مجھے فون کیا کہنے لگا "میری یہ کسی خبریں سن رہا ہوں۔"

میری سے بھائی جان کا ڈانچہ کہ سننے میں آیا ہے کہ ستارا واپس آ رہے ہیں۔ اس کے
مطلق معلومات حاصل کر کے آ گئیں۔

سائیں کرم دین بولے "ایک" واپس آئیں گے" انہوں نے اُنہیں ملک سے باہر بھیج کر
لال قلعی کی قحی "اب بھگت رہ ہیں۔"

میرے دوست شیر شاہ "گما مہارک کو شباب صاحب آ رہے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ وہ
وزارت تعلیم کے سیکرٹری کی جگہ سے کام کریں گے۔"

پھر غفور صاحب کا خط ہوا "لکھا تھا"

شباب صاحب کی واپسی نے انکلمات عینہ منورہ سے چھ ماہ پہلے جاری ہو چکے ہیں۔ کچھ
میں مہینے آ رہا کہ وہ کیوں نہیں آ رہے۔ آنے میں کیوں تاخیر کر رہے ہیں۔

آخر میں قدرت اللہ کا خط ہوا "لکھا تھا" انکلمات عینہ صاحب ہے کہ ہم واپس آ رہے ہیں۔ اب
کی ہار شاید وزارت تعلیم تقرر ہو گی۔"

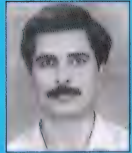
لیکن قدرت اللہ کی آواز پہلے ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے میرے ذہن کا لیڈر اڑا
کر رکھ دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ہل گئے۔ یہ کیا ہوا۔

یہ ۱۹۹۹ء کی بات ہے۔ میلازات سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ میں نے سرکاری گھر نکالی کر دیا تھا
نور قریب ہی ایک مکان کرائے لے لیا تھا۔

اس مکان کی ایک سٹ بیٹل پر تین کمرے تھے جن کے ساتھ ساتھ ایک لمبا برآمدہ



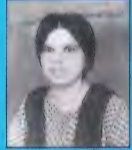
تسکینہ مصنی



کوہ پرت



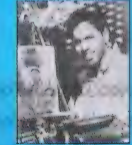
سویلا



فریدہ رحمانی



نقش اور نیو



عسکری تصویر بناتے ہوئے



لہذا اس کا ایسی حقا کہ عقل و خرد روحانیت کے لیے باعث تقویت ہیں۔

اس لیے میں قدرت اللہ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

مکس کی زندگی شیب و فراز سے بھری ہوئی تھی۔

جب وہ دو سال کا ہوا تو اس کا باپ گھر بھڑک چلا گیا۔

جب وہ چار سال کا ہوا تو اسی حیثیت کے لیے چھوڑی جلی جی، پھر باپ پتہ نہیں کہیں سے آ

گیا۔ وہ مکس کو اپنی لگا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

نوف زوہ چھ

اسے بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کئی کوئی چھوڑ جاتا ہے کبھی کوئی آ جاتا ہے۔ اسے لوگوں پر بھروسہ نہ رہتا۔

مگر میں صرف ابا تھے اور بوڑھی دادی اباں۔ وہ باہر کھیلنے نہ جاتا تھا کہ کہیں وہ دونوں اسے بھڑک نہ چلے جائیں۔

باپ سکول لائٹ تھا۔ جب وہ پڑھانے کے لیے سکول جاتا تو مکس ضد کر کے باپ کے ساتھ جانا نہ دیتا۔ جتنی دیر ابا پڑھاتا رہتا، مکس دیوار سے لگ کر کھڑا رہتا۔ جب ابا شاف روم میں جاتا تو

مکس ساتھ جاتا اور وہیں کرسی سے لگ کر کھڑا رہتا۔

مکس ایک اکیلا اور خاموش بچہ تھا۔

پھر گھر میں ایک ابا آگئی۔

یہ وہ ابا نہ تھی۔ پتہ نہیں کون سی ابا تھی۔ وہ اور بھی گمراہ گیا۔

۱۹۵۱ء میں جب وہ چنڈی آسے تو مکس کو اینٹ میری سکول میں داخل کر دیا گیا۔

جس گھر میں مکس پرورش پا رہا تھا، وہاں لکھتے پڑھتے تھے، پٹیلیں تھیں، پٹیلیں تھیں۔ باپ سارا دن پٹیلی پر بیٹھ کر سکھاتا تھا۔ باپ کی ریڈیو دھرا ہوا جو ہر وقت چلا رہتا کیوں کہ ابا

موسیقی کے بغیر لکھ نہ سکتا تھا۔ گھر میں کوئی کتابوں نہ تھا اصول نہ تھا پابندی نہ تھی۔ گھر میں فریت تھی اور آزادی تھی۔

باپ کے چند ایک دوست تھے وہ سب بیڑی میں ملازم تھے۔ عمر تھا، مسعود تھا، مرزا تھا، ہار

پند کرتی ہے۔ دونوں آپس میں ملا کرتے تھے۔ پھر مکس کو پتہ چلا کہ گھر والے لڑکی کی شادی کر

رہے ہیں۔ اس پر مکس ان کے گھر چلا گیا اور لڑکی کے عزیز و اقارب سے، جو فوج میں افسر تھے،

بات کی۔ جواب میں لڑکی کے بھائی اور باپ نے مکس سے بد کلامی کی اور تحلیل کر کے اسے گھر

سے نکال دیا۔ اس شاک سے مکس کے ذہن کا توازن قائم نہیں رہا۔

میں اس لڑکی سے مل چکا تھا۔

ایک اے کے بعد میں نے مکس سے صاف کہہ دیا تھا کہ اب تماری شادی ہو جانی چاہیے۔

بہتر یہ ہے کہ تم اپنا بیٹن ساتھی خود تلاش کرو۔ تلاش کرنے کے بعد مجھے بتا دینا۔ پھر میرا کام

شروع ہو جائے گا۔ اس کے لواحقین سے میں خود جا کر ملوں گا۔ شیشی کروں گا، ہاتھ جوڑوں گا،

اگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئے تو ہم لڑکی کو انوکھا کر لیں گے۔

ایک دن مکس میرے پاس آئے کہنے لگا، اب آپ فارغ ہیں کیا۔ اگر فارغ ہیں تو ذرا باہر

آئیے۔ میں آپ کو اپنے ایک دوست سے ملانا چاہتا ہوں۔

جب میں ڈرائیگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ ایک

بھرے جسم کی سنجیدہ چٹ کپڑی لڑکی تھی۔

میں نے زندگی میں چٹ کپڑی خواتین تو دیکھی تھیں۔ لیکن چٹ کپڑی لڑکی نہیں دیکھی

تھی۔ لڑکیاں تو رنگ دار ہوتی ہیں، دھاری دار ہوتی ہے۔

چٹ کپڑی سفید اور سادہ لباس پہنتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔

دراصل چٹ کپڑی سنگار کرنے میں درجہ مکمل حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ وہ اس انداز سے سنگار

کرتی ہے کہ تاثر "سلاکی" کا قائم رہتا ہے اور یوں نظر آتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔

کہتے ہیں کہ چٹ کپڑی کا ڈھاپائی نہیں لگتا۔ اور وہ مہربان ہو جائے تو جنت میں جاسے کی

آزاد نہیں رہتی۔

کئی ایک دن میں نے متوجہ نہیں کرنا دے۔ میں یہ جانتا چاہتا تھا کہ آیا یہ محبت میں تحلیل

کا نتیجہ تھا یا واقعی مکس کو کوئی مشاہدہ ہوا تھا۔ اس معاملے میں میرے حلقہ ارباب میں قدرت اللہ

کے سوا کوئی شخص نہ تھا جو میری راہ نمائی کر سکتا میرے جاننے والوں میں قدرت اللہ ہی ایسا

مرد تھا جو روحانیت اور عقل و دانش کو ہم آہنگ سمجھتا تھا۔ میری طرح انہیں متعلق نہیں سمجھتا

ٹھیک ہے، باپ نے کہا کل سے تھکی سکول میں آئے مجھ۔
نتیجہ یہ ہوا کہ تھکی سے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے میٹرک لیٹن پاس کر لیا۔
اس زمانے میں باپ کی زندگی میں انقلاب آیا تھا اور وہ مرد قلندر کے مزار پر جانے لگا تھا۔
تھکی بھی اس کے ساتھ باقاعدہ مزار پر حاضری دیتا تھا۔ راجہ شیخ نور دانی اس کے دوست بن گئے
تھے اور بھائی جان اس پر شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ پھر وہ کراچی چلے گئے۔
طبلہ

چند ایک ماہ دھارے راستے اگے رہے، پھر ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے باہر اپنی
لگائے کیوس پر چاقو سے رنگ توپ رہا تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ظاہر تھا کہ وہ وہاں خانے
بجائے۔

تصویر بنا رہے ہو، میں نے پوچھا۔

بانتھ آنا رہا ہوں، وہ بولا۔

میں حیران ہوا، یہ لڑکا موسیقی سے پیشکش کی طرف کیسے آگیا۔

پانچ چھ مہینے وہ بانتھ آنا نے میں لگا رہا اس دوران میں گھر میں سات آٹھ کیوس آکٹھے
کئے، محض دو ایک ڈیمر، درختوں کا ایک جھنڈ، قلعے کا دیوٹی منظر، مری کا شہر و سوپ چھٹاؤں میں۔
مری کا لینڈ سکیپ قدرت اللہ شہاب کی بیوی ڈاکٹر عفت کو اس قدر پسند آیا کہ وہ اٹھارہ
لے گئی۔

پھر وہ تھکی سے کہنے لگی، چھوڑ لاؤج وایج کوئی اے ایم اے میں کیا رہا ہے۔ آؤ ہم طرا
بہشت نگر کا روپار کرتے ہیں۔ تو تصویریں بنانا چاہیں چھٹی جاؤں گی۔ تھی اس تصویر کو بڑا
کمرت سی میری لئے والیاں خرید رہی ہیں۔ پانچ سو روپے میں ایک تصویر بنیوں گی۔
پھر دھنا، پیشکش کرنے کا تھار اتر گیا اور تھکی کا بچ کی لیکچر وینیز میں حصہ لینے لگا۔

DECLAMATION پھر بحث۔ پھر وہ کرکٹ کھیلنے لگا اور کولگی کینڈ جینٹل میں غامض شہرہ
میک پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ دھنا، اسے سٹیج پہنے کی تھن گئی اور اس نے کئی ایک ماہ کی
کے بعد ایک پبلک سٹیج پہنے کر ڈالا۔

اسٹیج پہنے کے بعد اس کی توجہ آڈیو اور ویڈیو کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ سارا سارا
کبانوں کی دکانوں پر چمک میں پرندوں کو تلاش کرتا اور پھر آکر مجھے کہتا ہوا، جزاروں کا دیکھا۔

کراچی میں تھکی باپ کے ساتھ ویلج ایڈ کے دفتر میں چلا جاتا دفتر میں ساز تھے، پرو بیکڑے،
کیمرے تھے، ٹیپ ریکارڈر تھے، اندر بشیر تھا، این انشا تھا اور حفیظ جالندھری تھا۔
دفتر کے باہر قیصر تھا، جس کے ساتھ باپے چٹا دولوں سارا دن کراچی میں آوارہ گردی کرتے
تھے۔ شام کے وقت اندر بشیر کے گھر محفل موسیقی لگتی تھی۔

پیارنگ سے شدہ موسیقی سن کر پتہ نہیں کیا ہوا۔ ایک روز جب طبلہ نہ آیا تو تھکی
نے اٹھا کر طبلہ بھانا شروع کر دیا۔ یہ ایک حیران کن بات تھی۔

تھکی کی ملاجیت کو دیکھ کر پیارنگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے تھکی کو طبلے کے متعلق
ترتیب دینا شروع کر دیا۔ چھ مہینے تھکی طبلہ بھانے کے محفل میں لگا رہا، پھر اس نے طبلہ بھانا
چھوڑ دیا۔

ایک دن میں نے پوچھا، تم نے طبلہ بھانا کیوں چھوڑ دیا کہنے لگا، ابو طبلہ بھانا مقصود نہ تھا۔
تلی کہتا چاہتا تھا سو سمجھ گیا ہوں، تلی کا بھید مل گیا ہے، اور وہ اندر دھج گئی ہے۔ بس یہی چاہا
تھا اب طبلہ بھانا وقت ضائع کرنے کے برابر ہے۔

پھر کراچی سے ہم واپس پٹنڈی آئے اور تھکی گاؤں کا بچ میں داخل ہو گیا۔
اس کے بعد تھکی میں ایک تبدیلی واقع ہوئی۔ پہلے وہ سارا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔

اب زیادہ وقت گزرتا ہے کہ باپ کا زمانہ لگتا ہے۔

پیشکش

ایک روز میں نے پوچھا آج کل کہاں رہتے ہو۔

اٹھے کہوں سے پاس ہو جاتا تھا اور پڑائیں حاصل کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا ابو احمق نہ تو مطالعہ سے پاس ہوتا ہے نہ محنت سے۔ احمق سوچہ بوجہ کے زور پر پاس ہو تا ہے۔
ایک سال کے بعد مکی میرے پاس آیا کئے لگا ابو میں نے سی لائیں کی تیاری مکمل کر لی ہے۔ میں ابھی پڑائیں حاصل کروں گا۔
بڑی خوشی کی بات ہے میں نے کہا۔
لیکن وہ بولا میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھو۔

کئے لگا کیا یہ ضروری ہے کہ میں سی لیں لی بنوں۔
میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور کہا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم عزت کی نوکری کرو۔

ابو میں سی لیں ہی کی عزت کی نوکری نہیں سمجھتا۔

میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میں سی لیں ہی بننا نہیں چاہتا وہ بولا۔

تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں نے پوچھا۔

اس لیے اس نے جواب دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں محنت سے ہی چراتا ہوں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے اگر آپ چاہیں کہ میں سی لیں ہی بنوں تو میں احمق نہ دوں گا ورنہ نہیں۔

میرا الیہ یہ ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو یہ خوش فہمی دے رکھا ہے کہ میں وسیع القلب باپ ہوں اور ان کی رضامندی کے بغیر کوئی بات ان پر ٹھوسا پسند نہیں کرتا۔

بسرمل اس روز میرا بی چاہتا تھا کہ فرائز دلی کا وہ ڈھونگ چاک ہاں کر کے دوں لیکن مجھ میں جرأت نہ ہوئی۔ میں نے بیٹے پر جبر رکھ کر کسی سے کہا کہ کوئی ان نہیں۔ اگر تم سی لیں ہی کی عزت کی نوکری نہیں سمجھتے تو نہ کسی ٹھیک ہے۔

ان دنوں مکی کی کئی ایک سیلیبھن تھیں یہ نہیں وہ اس کی ہاں تھیں دوست تھیں یا محبوبائیں تھیں۔

میں نے ایک دن مکی سے کہا کسی اب تجھے شادی کر لینی ہے مگر ہے کہ تو اپنا جیون

تیمیں میں یک رہا ہے اور ابو کہا ہے کہ پتہ ہی نہیں کہ اس کے جبک میں کچھ ساؤتھ سسٹم چلا ہوا ہے۔ جو کوڑیوں کے مول بک جائے گا۔ اس زمانے میں مکی نے شہت سے محسوس کیا کہ اس کا باپ ایک غریب آدمی ہے اور وہ ایسی چیزوں کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود مکی کی ایک مٹھیوں آگئیں 'ریکارڈر' انیس 'ہیڈز' لکڑی پتیکر۔
پھر ایم اے میں تعلیمات کے پریکٹیکل کے لیے اسے چاہا کہ لے لائو رور منٹ کالج میں جاتا پڑا۔

چھ ماہ وہ اشفاق اور پاؤ کے گھر رہا۔ وہاں اس نے اشفاق سے بہت کچھ سیکھا چونکہ اشفاق کی جملہ قابلیتوں میں مسز کی قابلیت بھی موجود ہے۔ وہ مٹھیوں سے کھیلا رہا ہے۔ بڑے پیار سے انہیں ہاتھ لگاتا ہے۔ اپنے بیٹوں سے کہتا ہے 'خالوں اس مٹھی سی جان پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ وہ اتنی سی ہے لیکن اتنا بڑا کام کر رہی ہے۔
پاؤ نے مکی کے گرد مٹا کے ڈھیر لگا دیے اور اسے لت پت کر دیا۔ اشفاق کے گھر نے مکی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔
پھر وہ گاؤں کالج میں پیکرار ہو گیا۔

سی لیں ہی

انہی دنوں میں نے مکی سے کہا ایک بات پاؤ کے۔
کئے لگا کہیے۔

میں نے کہا پہلے وعدہ کرو کہ تم زندگی بھر گورنمنٹ کی نوکری نہیں کرو گے۔
کیوں اس نے پوچھا۔

اگر گورنمنٹ کی نوکری کرتی ہے تو سی لیں الیں الیں کرنا لازم ہو گا سی لیں الیں کے بغیر گورنمنٹ کی نوکری کرنا ہے عزتی ہے۔

اچھا وہ بولا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں سی لیں الیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ سی لیں الیں کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

مکی کو مطالعہ عاشق نہ تھا لیکن اسے احمق پاس کرنے کا اگر آتا تھا نتیجہ یہ کہ وہ بیسٹ

ملک کا مضر موجود نہیں ہے، محبت کا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کسی روز اگر آپ کے میاں کی آزادی ترقی نظر مجھ پر پڑ گئی تو میں پانگوں کی طرح بازاروں میں گھوم پھر رہا ہوں گا، چڑا سو جا ہو گا، منہ سے دال نکھ رہی ہو گی۔

میں نے یہ سب

ساتھی خود تلاش کرے، مجھے اس کا بیٹہ دے دے باقی میرا کام۔

اس کے کچھ دیر بعد وہ چٹ کپڑی کو گھر لے آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ ابو اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے ایک دوست سے مل لیں۔

میں نے اس کے

اور بے جان بن گئے ہیں۔

ایسا مشاہدہ اللہ کی جانب سے آتا ہے۔ یا تو یہ مشاہدہ آزمائش بنا ہے یا انعام۔

جن کو اس مشاہدے سے نوازا جاتا ہے وہ اسے جان لیتے ہیں۔ ان میں انڈر سٹینڈنگ پیڈ ابو ہاشم ہے۔ مشاہدات کا تجربہ شادی کا تجربہ جنس کا تجربہ.....

ہمیں کے خطوط سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سورج جو اس کے دم میں طلوع ہوا تھا اس کی کرنیں ابھی تک ہمیں کو گھیرے ہوئے تھیں۔

دو سال کے بعد ہمیں چیکو سلاویہ سے واپس آگیا، لیکن وہ ہمیں قتلہ جس کے ساتھ میں نے زندگی کے تیس سال گزارے تھے۔

وہ ایک مرتعہ ہوئے پھول کی طرح قتلہ لگتا جیسے ٹوٹا ہو۔ وہ زیادہ شستا قتلہ زیادہ محسوس کرتا تھا، لیکن بہت کم بولتا تھا۔

مجھے آج تک علم نہیں ہوا کہ پرگاہ میں ہمیں پر کیا تھی۔

لیکن وہ تیس لوٹ بیٹیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے طاقن اور ذہنی کیفیات کا پتہ دیتی تھیں۔

ان لکچوں میں مختصر نوٹ تھے۔ موضوع وحدانیت تھا، کیم لراوی بنا پر وحدانیت کا مسئلہ حل کیا ہوا تھا کیم روشنی اور رنگ کی بنیاد پر۔

ہمیں کسی کی آمد پر ہم سب نے حلقہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ چچ عواکیم یا پرگاہ کی بات نہیں کریں گے تاکہ اس میں ناخوش گوار یادیں پیدا نہ ہوں۔

ایک دن جب ہمیں اس میں ایکے بیٹھے تھے تو میں نے ہل کی بات چھیڑ دی۔ شاید اس لیے کہ میں حقیقت حل جاننے کے لیے بے قرار تھا۔ میں نے ہمیں پرگاہ میں تو تم چھائی پر لگے رہے۔

ہاں ابو، وہ بولا، چھائی پر لگا رہا کاش وہ دن لوٹ آئیں اور اب میرے چھائی پر لگ چکوں، لیکن اب شاید ایسا نہ ہو۔ اس نے لمبی آواز بھری بولا، کھو دیا ابو کو دیا اب کی آنکھیں بھر آئیں۔ آواز بھرا کئی۔ کئے گئے، اب میں ایک غلطی برتن ہوں ہاں کیم جس کے شمارے سے

سادہ چھوک لکل گئی ہے اور چھوٹا باقی رہ گیا ہے۔ کوئی غلط نہیں رہا۔ کوئی مشعل نہیں

دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ اس کے خطوط میں چاہتا پاکستان اور اللہ کا تذکرہ ہوتا۔ ساتیس کے حوالے سے، یا قلمی کے حوالے سے، یا دیے ہی۔ اگرچہ وہ اپنے خطوط میں منہ و قفل سے بات کرتا تھا۔ ذاتی کیفیت کے اظہار سے گریز کرتا۔ لیکن دلی ہوئی شدت اچھل کر باہر نکل آتی جسے محسوس کر کے میرے دہرے اس کا سوجا ہوا مسخ شدہ چہرہ معلق ہو جاتا، آنکھیں پونی کی طرح سرخ ہوتیں۔ مثلاً اس کے خط سے انکشاف ملاحظہ ہو۔

ابو چک ایک مایوس قوم ہے۔ انہوں نے اپنی امیدوں کے تمام اٹلے مار کسرم کی فکری میں ڈال رکھے ہیں مار کسرم کا رنگین وعدہ لیا تھا ہوا جس سے انہیں دھچکا لگا اور سارے اٹلے ٹوٹ گئے۔

اللہ مشرق کے پاس اللہ ہے۔ اہل مغرب کے پاس زر ہے۔ چک کے پاس نہ اللہ ہے نہ زر ہے، پھر چک کس سرید پر بیٹھے۔ اسے پتہ نہیں کہ وہ کون ہے بلکہ مر سے آ رہا ہے، فکر مر کو جا رہا ہے، اس کی منزل کیا ہے، زندگی کا مقصد کیا ہے۔

چک کی گہری مایوسی سے ایک طوفان ابھر رہا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے پاکستان میں ایک طوفان بن رہا ہے۔ چک کے دل میں ابھرے والا طوفان ثبت نہیں۔ پاکستان میں بننے والا طوفان ثبت ہے۔ پاکستان میں عظیم واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ اللہ ایک عظیم پلازہ ہے وہ مجبوروں کو پسند نہیں کرتا۔ چھوٹے چھوٹے واقعات سے عظیم نتائج پیدا کرتا ہے۔

پاکستان میں عظیم واقعات رونما ہوں گے۔

ہمیں کے ہر خط میں کسی ناکی بولنے پاکستان اور خدا کا تذکرہ موجود ہو گا۔ لگتا جیسے وہ پرگاہ میں بیٹھا ہے، لیکن اسے اپنے ارد گرد ہماروں طرف پاکستان ہی پاکستان نظر آتا ہے۔ اس کے کئی ایک خط تو جنہیں مضامین کی حیثیت رکھتے تھے۔ مثلاً:

مشاہدہ

بابو۔ اللہ نہ نکلوں میں ہے نہ عبادتوں میں۔ قرآن کریم پڑھتے رہو پڑھتے رہو، پھر بھی آپ اللہ کو نہیں جانتیں گے۔ عقل اس کا اٹھ نہیں کر سکتی۔ اسے آپ صرف مشاہدے کے

انے کے لیے بھی کھڑی کھڑی گھومتا رہے گا، ان کھڑکیوں جو شہروں سے دور واقع ہیں، جن پر اسی شہری اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ وہاں جانے والے مقامی لباس پہننا ہو گا اور ٹرک وہاںوں میں قیام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

آجہ دان عسکی میر کتب کو نرسنگ دتا رہا۔ انڈیا کے ایکسپرت کے لیے یہ ایک انوکھی نرسنگ تھی۔

پھر وہ دونوں سندھ، بلوچستان، قباقر، مکران اور بعد کے دور اقلہ گاؤں کی جانب نکل گئے، جس مظلوم پاکستانی پتھر مغرب زدہ شہروں، کلا، ماب اور جدیدیت کے حملے سے ابھی بچا ہوا اچھا ہے۔ جہاں لوگ ساز و داروں پر لگے لگے لڑ رہے ہو چکے ہیں۔

پتہ نہیں عسکی نے وہاں کیا دیکھا۔ ہر حال چند ماہوں کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس پر لوگ درخت کا جنون سوار تھا۔ چیکو سلائیہ میں اس کی باگنی کا مرکز مطالعہ تھا، اب لوگ ورڈ ہو گیا۔

جہانگیر

عسکی کا ایک لنگو تہہ دوست تھا۔ جہانگیر۔

جہانگیر ایک کمزور بچہ تھا۔ بچپن سے ہی اسے لپٹائی لگی ہوئی تھی۔ اس کا بچپن اور جوانی اس بیماری کے خلاف مسلسل جدوجہد میں گزرے تھے۔

جہانگیر والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کے والدین آجپے سے والدین محبت تھی۔ میں نے زندگی بھر اس قدر پیار کرنے والے والدین نہیں دیکھے، جہانگیر سے پیار ان کا واحد مقصد حیات تھا۔ وہ اپنے بچنے کے لیے بڑی قربانی کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

جہانگیر کا والد آری میں مول اضر تھا۔ لیکن اس زمانہ کی چھاپ نہیں لگی ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں سے ہلاکت کے چھینٹے اڑتے رہتے تھے۔ اور وہ ہر وقت ہذبہ محبت سے بھٹی بلکہ جھلکتی رہتیں۔ اس کے انداز میں ایک عام نادان تھی۔ مزاح کی حس تھی اور خدمت کا جذبہ تھا۔

جہانگیر بھی عام نوجوانوں جیسا نہیں تھا۔ اس کی طبیعت میں تین صلاحیتیں نمایاں تھیں۔

رہی۔ بس غلامیں لٹکا ہوا ہوں اور خود بھی ایک غلام ہوں۔

میر کتب

پھر یہ غلام میر کتب کی آمد پر ہو گیا۔

میر کتب ایک معری نوجوان تھا، خوش شکل رنگین مزاج، جس کھ۔ وہ یوٹیکو کا ایک ایکسپرت تھا۔ جسے پاکستان کے لوگ گیت اکٹھے کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا۔

یوٹیکو وزارت تعلیم سے اکثر مطالبات کیا کرتی تھی، یوٹیکو کا ذہنیت کے ہوتے تھے اور جنہیں پورا کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یوٹیکو کا یوں ایک جیتے جانتے آدمی کو لوگ گیت جمع کرنے کے لیے بھیج دیا ایک غیر معمولی بات تھی۔

وزارت تعلیم کو کیا پتہ کہ گیت کیا ہوتا ہے، سر کیا ہوتی ہے، تل کیا ہوتی۔ میر کتب کی آمد پر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

ہر حال انہوں نے میر کو انٹرک میں غصا دیا۔ بولے، ہم چند روز میں لوگ گیتوں کا انتظام کر دیں گے، آپ انتظار کریں۔

دیر تک وہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ پھر آخر کے باہر نکل گیا۔ کسی سے عیتوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے چاروں کا پتہ دے دیا۔ میر کتب کو چارے بہت پسند آئے، وہاں مشریت کی جھلک تھی۔ دو مہینے میر کتب بائیں سے گیت ستارا، چٹکائی بناتا رہا۔

پھر کسی نے میر کو بتایا کہ یہ گیت تو چارہ گیت ہیں، لوگ گیت نہیں ہیں۔ اس کا دل ٹوٹ گیا، وہ سیدھا سیکرٹری تعلیم کے پاس پہنچا۔

لوگ ورڈ

الحق سے ان دنوں قدرت اللہ پکڑی تعلیم تھے۔ انہوں نے عسکی کو میر کا معلوم مقرر کر

عسکی نے میر کتب کو اچھا لگا، بھائی پاکستانی لوگ گیت اکٹھے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لوگ گیت بائیں کے چاروں میں نہیں ملتے، نہ ہی آرٹ کونسلوں میں ملتے ہیں۔ انہیں جمع

میں کوئوں سے پوچھتا ہوں 'یہاں کوئی تقریب ہو رہی ہے۔

وہ کہتے ہیں 'تم دیکھ نہیں رہے سامنے تخت بچھا ہے۔

یہاں تاج پوشی ہوگی۔

اس کی تاج پوشی۔

وہ جواب دیتے ہیں۔ جن کی تاج پوشی ہوئی ہے۔ وہ ابھی نہیں آئے

اتنے میں پہنچ پر ایک شخص نمودار ہوتا ہے۔

یہ کون ہے 'میں نے ان سے پوچھتا ہوں۔

یہ اس تقریب کا ناظم ہے وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ آنے والے بادشاہ آگاہ پرتانے گا۔

پھر وہیں دیکھا ہوں تو ناظم نے دونوں ہاتھوں میں تاج اٹھا رکھا ہے۔ اے

سے میری فتح نکل جاتی ہے۔ یہ تو قدرت اللہ شہاب ہے۔ ساتھ نہایت آنکھ کھل جاتی

بڑا عجیب و غریب خواب ہے۔ میں نے کہا۔

ایسا خواب مجھے کبھی نہیں آیا۔ مقبول نے کہا۔

تم قدرت اللہ کے حلق سوچتے رہتے ہو گے 'میں نے کہا۔

قلبی نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ میں انہیں سرسری طور

جانتا ہوں۔

مقبول قریبی میرا دلدادہ ہے۔ میری بڑی بیٹی سویرا کی مقبول قریبی سے شادی ہوئی تھی۔

جب اس کی چاہ سے شادی کا پیغام آیا تھا۔ ان دنوں وہ سی۔ اے کی ٹینک حاصل کر رہا

تھا ان دنوں قدرت اللہ شہاب ملک سے باہر تھے۔

میں نے انہیں خط لکھا جس میں مقبول قریبی کے کو ایک درج تھے اور ساتھ ہی ایک نوٹ

کرافت ملوث تھی۔

قدرت اللہ نے جواب دیا کہ میں نے مقبول قریبی کو غور سے دیکھا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ ابھی

آدی ہے اور انشاء اللہ موزوں رہے گا۔ آپ معاملہ اللہ پر چھوڑیں اور مقبول قریبی کا پیغام منظر۔

کر لیں۔

مقبول قریبی ایک خوش مزاج خوش پوش نوجوان تھا۔ اس میں مزاج کی حس موجود تھی

لیکن بنیادی طور پر وہ ایک عقیدہ اور عقیدہ نوجوان تھا۔ سواٹ روپیہ کو بچانے کرتا تھا۔

انکوائس میں ہونے کی وجہ سے وہ جہاں بھی روپیہ کا قائل نہ تھا۔ وہ جیڑی مریدی کو بچانے

کرتا تھا۔

مقبول قریبی عام طور سے خواب نہیں دیکھا کرتا تھا۔

نہ چاہتے 'نہ سوتے کے۔

ایک روز وہ سخت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا 'میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا

ہے۔ عام طور پر مجھے خواب نہیں آتے۔ کبھی کبھار آتے بھی تو وہ بامعنی نہیں ہوتے۔

کنفیوزڈ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خواب بالکل واضح تھا۔

میں نے پوچھا۔ کیا دیکھا تم نے۔

بولا۔ دیکھا ہوں کہ ایک بہت بڑا جھوم ہے۔ وہ سب کسی تقریب پر جا رہے ہیں۔ ان میں

بڑا جوش و خروش ہے۔ میں بھی اس جھوم میں شامل ہو جاتا ہوں۔

ہم در یک چلتے رہتے ہیں۔

آخر ہم ایک بہت بڑے عظیم الشان قلعے میں پہنچتے ہیں۔ قلعے کے اندر داخل ہوتے ہیں

ایک بہت بڑے ہائی کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ سامنے ایک اونچا

سیج بٹا ہوا ہے۔ اس پر ایک تخت بچھا ہوا ہے۔

دوسری شادی

شہزاد کی وفات کے بعد میں دوسری شادی کرنے کے حق میں نہ تھا۔ مجھے کثرت ازدواج سے نفرت تھی، چونکہ میری زندگی والد صاحب کی کثرت ازدواج کی وجہ سے تباہ ہو چکی تھی۔

ابن نے مجھے دوسری شادی کرنے پر مجب کر دیا تھا۔

ابن کہتی تھی۔ دیکھو ممتاز بے شک اپنے لیے دوسری شادی نہ کرو، لیکن اس بچے کی طرف دیکھو۔ کیا بچہ اکیلا تنہا لاوارث دنیا گزارے گا کیا اسے مگر نصیب نہ ہو گا۔ مجھ پر بھروسہ نہ کرو، میں تو جانے والی ہوں۔ قہر بڑا نہیں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ اس بچے پر رحم کرو۔

شادی سے پہلے میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس روز میری بیوی نے نکاح سے بدسلوکی کی، اسی روز میں علیحدگی اختیار کر لوں گا۔ میری بیوی اقبال بیگم کا پر مجھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے گھر میں سوسیلے پن احساس تک نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جب اس کی اپنی بیٹیاں بڑی ہو گئیں تو ایک دن اس کو خودی میں میرے منہ سے نکل گیا کہ جب نکاحی کی ہاں فوٹ ہوئی تو۔

ٹریکیں یہ سن کر حیران رہ گئیں۔ دادا سے پوچھنے لگیں۔ کیا نکاحی ہمارا بھائی نہیں ہے۔ جب انہیں حقیقت حال کا پتہ چلا تو وہ ان روٹی رہیں۔

میں خوف زدہ تھا کہ دوسری شادی مجھ پر ایسے اثرات پیدا نہ کرے جو والد صاحب کی دوسری شادی نے مجھ پر کیے تھے۔ میری زبان کے دھارے کا رخ ہی بدل دیا تھا۔

ابا کی دوسری شادی کے بعد دوخت میں آئے یہ مگر کی نوکرانی بنادی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب میں وصال سال کا قادیب میں نے ہوش سنبھالا تو میں ایک نوکرانی کا بیٹا تھا۔ گھر میرا اپنا گھر نہ تھا۔ لہذا گھر مجھے کبھی نصیب نہ ہوا۔

دوسری امی نے ہم سے بڑی بدسلوکی کی۔ جس کی وجہ سے احساس کتبی میرے بندہ نہ میں رنج گیل۔

میری دوسری امی سالکوت کی شیار تھیں۔ بڑی خوبصورت عورت تھی۔ وہ میری آئیڈیل بن گئی۔ اس لیے عورت کے ساتھ میرا دل (LOVE HATE) تعلق قائم ہو گیا۔

اپنے بے گانے

برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان اور بھارت کے درمیان بلوچندری لائن مقرر کرنے میں بڑی بے انصافی کی گئی تھی۔

ضلع گورداسپور جو مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ تھا، بھارت میں شامل کر دیا گیا تھا۔ جاناے کے مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔

منفیس محلے میں رہنے والے عزیز و اقارب اور برادری کے تمام لوگ پاکستان میں چلے ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ قافلے کی صورت میں پاکستان پہنچے تھے۔ کچھ راستے میں شہید کر دیئے گئے جو پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے وہ جگہ جگہ بکھر گئے۔

ہمارے چند ایک قریبی عزیز لاہور میں مقیم ہو گئے۔

جب نکاحی اور میں پاکستان میں پہنچے تو ہماری حیثیت لاوارثوں کی تھی۔ رشتے داروں سے میل ملاپ کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ کوئی ہمیں منہ لگانے کے لیے تیار نہ تھا۔ جن کے دل میرے خلاف غم و غصہ اور نفارت کے چند بلبے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے ملنے کے دواوا نہ تھے۔ چند ایک جو ملے تھے بہت مختار تھے۔ چوری چوری ملنے لگے کسی کو پتہ نہ چل

کے شاعر لیب فن کار اور دانش ور سوار تھے۔

مجھے والد صاحب کی وفات کی خبر گاڑی میں ملی تھی، لیکن میں نے اپنا نہاری رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں کرائس کا آدمی نہیں ہوں۔ کرائس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بھاگ جانا ہوں۔ دوسرے میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ باپ کی وفات کے بعد بڑا بن کر آجینا ہے۔

امجد مفتی، مسلمان مفتی

وفات سے پہلے والد صاحب نے ایک دن مجھے پاس بٹھا کر بڑی سنجیدگی سے کہا تھا ممتاز میری ایک بات مان لو۔ تم باقی بہن بھائیوں سے تعلق رکھو یا نہ رکھو یہ تمہاری مرضی ہے۔ لیکن امجد سے ضرور تعلق قائم رکھنا۔ وہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔

سارے بہن بھائیوں میں امجد واحد بیٹا تھا جس نے اپنے عہد کی قربانی کی تھی۔ اس بات پر مجھے خوشی محسوس ہوتی تھی کہ لہذا امجد سے محبت کرنے کے لیکن ان کی محبت کا انداز مجھے پسند نہ تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ امجد کو اپنا بچہ سمجھتا تھا۔ میرے ہاں۔
دو اسے اپنے بیٹا بنا رہے تھے۔ اس کی صلاحیتوں کو اپنے سانچے میں ڈال رہے تھے۔

اس پر میں نے کئی بار احتجاج بھی کیا تھا۔

میں کہتا تھا۔ اب امجد نے اپنے دور میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اسے جدید کے مطابق تربیت دیجئے۔ اسے اپنی کاروبار بنانی نہ پڑے۔ ایسا کرنے میں لاپرواہی کا رنگ ہے۔
اس بات پر لہذا مجھ سے مشتاق نہ تھے۔

امجد ہر بات میں اپنی بات کی بات کرتا تھا۔ میرے خیالات اس کے لئے اہل قبول نہ تھے۔
پھر اس کی شادی کی بات چل نکلی۔

ابا چاہتے تھے کہ امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں کریں۔

مجھے یہ بات پسند نہ تھی۔ اس لیے کہ ابا کے رشتے دار دور دریدہ سے اس پر بے گانہ تھے۔
جب امجد کی شادی کی بات چلے تو وہی تھی تو میں ابا سے جا کر ملا۔ ابا نے کہا ابا اللہ کے واسطے امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں نہ کریں۔

میری بیٹی نہایت پریس (SUPPRESS) ہو کر رہ گئی۔

میرے دل میں قادر ہو سبیلش کا بندھ کر گر گیا۔

یہ تمام نہایت حقیقی نوعیت کے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ میری ساری زندگی میں جس کا زہر حمل گیا۔ یہ تعلیمات میں علی پر کے اہلی

میں قلم بند کر چکا ہوں۔ یہاں صرف حوالے کے طور پر انہیں دہرانے پر مجبور ہوں۔

والد صاحب

میری دوسری بیٹی کی حکومت نو دس سال چلی۔ اس کے گھر کوئی بچہ نہ ہوا۔ اور وہ وفات پا گئیں۔

اس کے بعد والد صاحب نے دو اور شادی کیں۔ اس وقت میں دسویں پاس کر چکا تھا۔ ان

شادیوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا۔ پھر یہ بھی ہے کہ میری تیسری اور چوتھی والدہ کے

بچوں سے خوش گوار تعلقات رہے۔

والد صاحب بھی میری جانب مہلت رہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ان کے گھر کو اپنا نہ

سمجھ سکا۔

اس گھر پر بیچ بگلی کی مرگ چلی تھی وہ جوں کی توں قائم تھی۔

والد صاحب سے میں نے زندگی بھر اچھا سلوک نہ کیا۔ اب سوچتا ہوں تو مجھ پر شرمندگی

طاری ہو جاتی ہے کہ والد صاحب کی جو جو باتیں مجھے نا پسند تھیں، لہذا میرے بعد وہ سب

باتیں ایک ایک کر کے مجھ میں پیدا ہوئی گئیں اور میری خوشیوں کے باوجود تقویت پاتی گئیں۔

چونکہ والد صاحب کے گھر کو گھر نہ سمجھا اس لیے اس کے افراد خانہ کو بھی نہ اپنا لیا۔ بھائی

بھنوں کو بیگنے سمجھا۔

تیسری والدہ سے میری دو بیٹیاں تھیں۔ کشور اور انور۔

چوتھی والدہ سے تین بھائی تھے۔ امجد، ارشد اور سلمان۔

۱۹۶۶ء میں جب میرے والد فوت ہوئے تو اس وقت میں اس سیشن گاڑی میں سوار تھا، جو

صدر ایوب کو حنا دارف کرانے کے لیے کراچی سے پشاور تک چلائی گئی تھی اور جس میں ملک بھر

کرامت کی رنڈا منٹ کے بعد اس کی بیوی نے اس سے اچھا سلوک نہ کیا اور وہ باطرح دربر ہوا۔ آخری ایام میں وہ اپنے بیٹے کے پاس آگیا۔ بدروہائی فوج میں اونچے عہدے پر فائز تھا اور لالہ دار راولپنڈی میں مقیم تھا۔ میں کرامت کو ملنے جایا کرتا تھا۔ چونکہ میرا لنگو بیہ قہل میں اکثر اسے کہتا تھا کہ کرامت تیری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تو سب کو پرا دیتا ہے۔ سرگت اور چائے پتا دیتا ہے۔ شراب کی بندش ہو چکی ہے۔ اب تو کسرا یہ پر زندگی سے چٹا ہوا ہے۔ اب بس کر معافی دے اور رخصت ہو۔

جواب میں وہ مسکرا کر آگتا ممتاز تو مجھ سے چھ ماہ بڑا ہے۔

عرصہ درواز تک ہماری نوک جھونک چلی رہی۔

پھر ایک روز وہ رخصت ہو گیا۔

میں نے نیت کے پھن میں کہا کیوں ہے تو تو کتا تھا میں تجھ سے چھ ماہ مینے بڑا ہی اب بول۔

مجھے جھوس ہوا جیسے اس کے کوٹ مکرانہ میں کھل گئے۔ اس مکرانہ میں بی بی تھی۔

ڈاکٹر اہت مفتی اپنے باپ پر گیا تھا۔ اس کا باپ مبارک علی ہمارے محلے میں واقع ہرگ تھا۔ آخری ایام اس نے مسلسل عہدے اور ترکیب میں گزارے تھے۔

میں اسے دیکھ کر حیران ہوا کہ آقا تھا۔ اکثر اہل سے کہتا اہل یہ حیرا بھائی کیسا افسانہ ہے۔ بالکل بے چارہ ہے۔ جیسے پانی ہو۔ اسے گھاس میں ڈال لو یا کنورے میں۔

ڈاکٹر اہت بھی اپنے باپ کی طرح بڑا عہدے گزارا تھا۔ بڑا ہوا بڑا فنی۔ اس کا کرارے کی طرح روشن تھا لیکن اس دیکھتے تھے اندر آقا ہر گھر میں وہ چڑھانے بھونٹ رہا تھا۔

میں اسے دو ایک بار قدرت اللہ کے پاس لے گیا تھا۔

میں قدرت سے کہا کہ یہ کیا گورکھ دھندلا ہے؟ شخص جو گرد و پیش کو ہونٹا اور خدمت سے روشن کیے رکھتا ہے اس کے اپنے گھر میں کیوں اندھرا ہے۔

جس کا مسلک لوگوں کو تسکین دیکھتا ہو۔ وہ خود کیوں ہے چین رہے۔ کیوں اضطراب زدہ رہے۔

جیسے کیوں اضطراب ہے؟ ہائے کہا وہ لوگ میری بہت عزت کرتے ہیں۔

میں نے کہا کیا ابھیر کی شادی آپ اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کی عزت بڑھے۔ یہ تو انا پسندی ہوئی آپ کو چاہیے کہ ابھیر کی شادی ایسی جگہ کریں جو اس کی زندگی کے لیے باٹ خوشی ہو۔

آپ اس کی شادی کسی تعلیم یافتہ لڑکی سے کریں۔ کسی ملازم گھرانے میں کریں۔

کسی ملازم گھرانے میں رشتہ کرنا مجھے منظور نہیں انہوں نے کہا۔

اب سے بائیس ہو کر میں نے ابھیر کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ابھیر نے میری بات کو اہمیت نہ دی۔ انا اس نے سمجھا کہ میں اس کی شادی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ایک وقت کے بعد ابھیر نے اپنا رنگ انقلاب اس کی شخصیت میں اتنی مثبت خصوصیات پیدا ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اس میں فنا کا وصف اس شدت سے پیدا ہوا کہ اس نے ہر شخص کی خدمت کرنے کو اپنا شعار بنا لیا۔ ابھیر کے جھ پر بڑے احسان ہیں۔ اس نے زندگی بھر مجھ سے محبت کی ہے۔

سلمان مفتی بچپن میں ہی پولیو کا شکار ہو گیا تھا۔ ۱۹۷۹ میں سلمان فوت ہو گیا۔ میری طبی فطرت کی وجہ سے میں نے میرا رابطہ نوٹ کیا۔

حکایت کرامت المات

بھائی بہنوں کے بعد میرے کزن تھے۔ ہاموں زاد۔ پھوپھی زاد اور خالہ زاد۔

سب سے زیادہ دوا بل ہاموں زاد بھائیوں سے تھے۔ وہ میرے دوست بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔

تقسیم کے بعد حکمت لاہور آگیا تھا۔ کرامت ریلوے میں ملازم تھا اور ان دنوں ملتان میں متعین تھا۔ اہت جو ڈاکٹر بن چکا تھا وہ فیصل آباد میں مقیم ہو گیا تھا۔

مکے میں مقیم ہونے کے باوجود میرے کزن میرے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔

پھر حکمت پر اللہ آپڑی۔ اسے جوڑوں کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ معذور ہو کر صاحب فراش ہو

©Oneurdu.com

میں ہر ایک کو سب سے زیادہ ہے۔ میں جواب دیتا۔

ہر ہم ایک تاریخ مقرر کر لیتے۔

اور اہل آنکھ دن پہلے ریلے پلٹ فارم پر جائیں۔

تو رت مجھے کتہ میں بھی نہیں سمجھ پاتا کہ یہ کیا گورکھ دندا ہے۔

ایسا ہونا نہیں چاہیے مگر ایسا ہوتا ہے جو کچھ ہانتا ہے خود کسی نہیں دیتا بلکہ یوں کہنا

کئے گی، ممتاز تو نے سارے رشتے داروں سے جملہ تو لیا ہے۔

میں نے کہا، نہیں اہی، میں نے نہیں توڑا۔ ٹوٹ گیا ہے۔

چاہے کچھ بھی ہے، وہ بولی فریہ سے تعلق نہ توڑا۔ میرے لیے۔

فریہ میری، بشیرہ کی بیٹی ہے۔

فریہ سے تعلقات قائم رکھنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے کہ فریہ میں وہ تمام عیب موجود ہیں۔ جو مجھ میں ہیں۔ مثلاً، میری طرح وہ ایک ہڈیاتی لڑکی ہے۔ میری طرح اس کے ہڈیات کا شیرہ بڑا گاڑھا ہے۔ میری طرح وہ بھی فیصل ہے۔ اس کا قصہ بھی بھڑبھڑا ہے۔ میری طرح وہ بھی منہ پھٹ ہے۔ میری طرح وہ بھی ایکسپنر پاؤں رکھ کر زندگی گزار رہی ہے۔ میری طرح اس کی بریک بھی کام نہیں کرتی۔

میں نے کتنے ہی ایک جیسے پرغصہ ایک ہی درخت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ انسان کی بات اور ہے۔ ایک جیسی خواہشات کے لوگ تو مل بیٹھے ہیں لیکن ایک جیسے اوصاف کے لوگ مل بیٹھ نہیں سکتے۔ سر حال میں اور فریہ، لیڈی لیام میں لڑنا اور جھگڑنا جھگڑ کر تھک گئے تو مل بیٹھے ہیں۔ فریہ نے میری بڑی عزت کی ہے۔

پھر فریہ کے میاں ہیں پرغصہ نڈر احمد۔

نڈر احمد حقیق اور تنقید کے آدمی ہیں۔ وہ CREATIVE CRITICISM کے قائل ہیں اور اس قدر عقلی لکھتے ہیں کہ ہماری خبروں میں بعد اناشر قلم ہے۔ اس کے باوجود میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں ان کا مداح ہوں۔

لطیف، منظر مفتی

پھر میری بچو بچی زاد کرن لطیف تھی۔ وہ بڑی بارغ و بہار خاتون تھی۔ لطیف نے مجھ سے بہت محبت کی۔ ہم دونوں یوں اکٹھے رہتے تھے، جیسے لگو ہے ہوں۔

لطیف، شہزاد کی پڑوسی تھی۔ دراصل وہ دونوں ایک ہی مکان میں رہتی تھیں۔ درمیان میں کوئی دروازہ نہ تھی۔ اسے ظلم تھا کہ میں شہزاد کے گرد کیوں پیچھے لیتا رہتا ہوں، لیکن اس نے کبھی مجھے ٹوکنا نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بات اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ٹوکنا بیکار ہے۔ اس

لطیف ایک بڑی دھکی خاتون تھی۔

اس کا میں جو میرا غلط زانو تھا، ایک ڈاکٹر تھا۔ اسے مغربی طریق زندگی اس قدر پسند آ گیا کہ وہ شادی کے دو ایک سال بعد مگر چھوڑ کر چلا گیا۔ بس لطیف کا ساگ، دو ایک سال قائم رہا۔ پھر اس پر زندگی بھر کی تعلیمی مسئلہ کر دی گئی۔

میاں جانے سے پہلے اسے اپنی تعلیمی کے طور پر ایک بیٹا دے گیا۔ زندگی بھر منظر مفتی میں کا واحد سہارا رہا۔

بچپن میں مغرب شہزاد اور میرا راز دان اور پیچھے بردار تھا۔ بڑا ہو کر وہ میرا دوست بن گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ بے تو جی اور تعلیمی کے باوجود وہ بچہ منظر کا انڈیل رہا۔ ۱۹۷۳ء میں منظر کا پاپ دہلی کا ہائیڈ آئرس تھا۔ اس وقت کے دوران وہ پھانسیج میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتے کیا تو بند ہو جائیں گے اسے شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ایسی دردنگی کا غماز تھا کہ گاندھی نے خود اعلان ہمدردی کیا۔ منظر جان ہوا تو وہ بھی پاپ کی طرح انگریز تھا۔ اس میں بڑی ملاحظتیں تھیں، مگر وہ بڑے کار نہ آ سکیں، سر حال منظر نے مجھ سے بڑی محبت کی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے متاثر رہے۔

تمکینہ، صبا مفتی

دیپے تو شہزاد کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

لیکن ہم دونوں کی محبت کی وجہ سے ان کی زندگیوں ایک الیہ میں بدل گئیں۔

انوار سے پہلے میں نے شہزاد کو بہت سیکھا تھا کہ بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں لیکن وہ نہ لائی۔

میں نے کہا، دیکھ جلی مشکلات ہوں گی جنہیں بچے برداشت نہیں کر سکیں گے۔

آخر میں فیصلہ ہوا کہ بچے، بچے نہیں جو ان ہیں، اپنا اچھا برا بکھاتے ہیں۔ لہذا ان سے پوچھ لیا جائے۔

بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا ہم میں کے ساتھ رہیں گے چاہے کچھ بھی ہو۔

© Oneurdu.com

پھر ایسے حالات پیش آئے کہ بچے دل گئے۔

شہزاد کا بیٹا قیس بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا لیکن اس میں بے پرواہی تھی۔ آوارگی تھی جب میں راولپنڈی پہنچا تو شہزاد کی سب سے چھوٹی بیٹی نمکینہ کامیاب پنڈی میں ملازم تھا۔

نمکینہ کی شادی بہت چھوٹی عمر میں کر دی گئی تھی۔

نمکینہ کامیاب مجھے پسند نہیں کرتا تھا وہ مجھ سے کیل میل آپ رکنا نہیں چاہتا تھا۔

اس لیے نمکینہ چوری چوری مجھ سے ملتی تھی۔

نمکینہ کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔

ایک سال ہم چوری ملتے رہے، پھر وہ بندش ٹوٹ گئی۔ جب نمکینہ کے بچے جون ہو گئے تو وہ مجھ سے ملائیے لے گئے۔ اس کا بیٹا مباح متقی پیش پیش تھا۔

آخری ایام میں میرے رشتے داروں نے صدق دل سے مجھے معاف کر دیا۔ لیکن وہ عجیب جو قائم ہو چکی تھی نہ گئی۔

رفیق و ہرو

رفیق و ہرو دو واحد رشتہ دار تھا جس نے ہم سے زندگی بھر رابطہ قائم رکھا۔

رفیق اقبال بیگم کا بھائی تھا۔

اقبال بیگم کے تین بھائی تھے۔ عبدالغفور، عبدالجبار اور عبدالرفیق۔

عبدالغفور جہلم میں مقیم ہو گیا تھا۔ عبدالجبار نے تحصیل علم کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

تقسیم کے بعد ائین آباد کے شیخ کراچی مراعت کر گئے تھے اور انہوں نے موٹر پارش بزنس کو اپنا لیا تھا۔ چونکہ کاروباری اہلیت پڑی میں رہتی ہوئی تھی اس لیے بہت جلد انہوں نے موٹر پارش بزنس میں ایک مقام پیدا کر لیا۔

اقبال بیگم کے والد یوسف دہرو تقسیم سے پہلے جہلی ہند میں بیجمری میں جھکے داری کا کام کرتے تھے۔

تقسیم کے بعد یوسف دہرو بھی اپنے بیٹے عبدالرفیق کو ساتھ لے کر کراچی چلے گئے۔



میرزا اسف علی خان



میرزا حسین (شہاب کا بہنوئی)



میرزا شہاب (قدرت اللہ کا بھائی)

آج پشہ ہونے کے باوجود دیانت دار آدمی تھے۔ کراچی میں کھیلانی نام کرنے کے
 لیے ہر حربے استعمال کیے جاتے تھے وہ یاسف وہوہ کے لیے قاتل قبول نہ تھے، بچے رفیق کو
 اور وار جانے کے لیے راولپنڈی آنا پڑا یوں ہمارا رابطہ قائم رہا۔
 رفیق میرا سلا بھی تھا دوست بھی اور بھائی بھی۔
 انکس کے وقت وہ ہمیں سارا دیا تھا۔
 عام حالات میں وہ میرا ساتھی تھا۔



ممتاز مفتی، پروین عافت، موی ہستہ (الندن)



ممتاز مفتی، گلن، نجمینہ، عکسی، والدہ نجمینہ

وہاں پہنچنے کے اظہار دی کہ وہ لاہور سے پنڈی پہنچ رہی ہے۔ ڈاکٹر عفت اپنے عزیز
 بھائی لاہور گئی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا چلو میں بھی عفت سے مل آؤں۔ اس لیے اپنا
 کپڑا پہن کر میں ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ جہاز لیٹ تھا اس لیے میں ایئر پورٹ کی کنٹین میں
 بیٹھا۔ اس زمانے میں ایئر پورٹ کی کنٹین ایئر پورٹ سے ملحقہ ایک عمارت میں تھی۔
 پھر وہاں کے بعد شباب کی بھینہ اور بچے کنٹین میں داخل ہوئے۔ ان کے رنگ اڑ
 گئے تھے۔ سانس گویا اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی خوف زدہ کیفیت میں تھے۔
 گویا کہا ہوا ہے، نے نہ تھا۔

محمد ہد

پہ نہیں ہیں مجھ میں قدرت اللہ سے بات کرنے کی صحت نہ پائی۔ © Oneworld.com

پھر امین صاحب اٹھے اور قدرت اللہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور تشدد بھرے نعرے سے

”ہر جی کے تختِ خلافتِ خدا، عمل اور صرف عمل کا کمالِ خدا“

چلائے۔

وہابی ڈاڑھ ڈواٹ۔ وہابی۔ دہن ی وراڈی ڈرک۔ قدرت اللہ کاسر جکا ہوا تھا وہ ڈائیکنگ
فیمل پر نظرس جمائے بیٹھا رہا۔

امین نے پھر اسے لٹکارا "جواب دو۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔"

قدرت اللہ نے سراسیمہ اور ایمان کی طرف بڑی معذرت اور بے بسی سے کھٹکی پامرد کر دیکھنا شروع کر دیا۔

پھر اس کی رائیں آنکھ سے ایک آنسو ٹھکانا اور گل پر رک گیا۔ معاف مجھے خیال آیا کہ یہ وہی نشہ ہے۔ وہی پرانی آنکھیں سی، جس میں چٹکھن عمل میں آئی تھی۔ کیا ہائیڈروکسیل کے عملے میں وہ دن میں اس قدر شہت پیدا ہو گئی تھی۔

قدرت اللہ ایک تن حملہ کیا، فرما: "مگر میں عفت کے سوا اسے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ کوئی اس کی کیفیات سے واقف نہ تھا۔ بیشیو نہ، بھونی نہ ان کے بچے۔" دفتر میں کسی کو نہ تھا کہ یہ شخص صاب کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

محمد امین

عفت کی پوزیشن بھی بڑی ٹیڑھی تھی۔ وہ جانتی تو تھی، لیکن بتانے پر پابندی تھی۔ نہ مگر
 والوں کو بتا سکتی تھی، نہ میاں سے کھل کر بات کر سکتی تھی۔

قدرت کا بہنوئی کشمیری قہار وہ ایک مراد مستقیم سی فرد قہار نیک دل قہار خلی قہار
 مجتبیٰ قہار قہار شہت کا مارا ہوا قہار نور ہے مد فیصل قہار وہ خود جھوٹ بولنے سے کرچ
 کرتا قہار جھوٹ بولنے والے کو سخت چیلند کرتا قہار من پست قہار اصولوں کا پابند قہار کا
 مسئلہ قہار صدمہ صلوٰۃ کا پابند قہار و فریض وہ اپنی رائے کا برا اظہار کرتا قہار کسی قسم سے
 فیورزم کو گوارا نہ کرتا قہار حکومت کے احکامات بھی اگر اصول و قانون سے ہٹ کر ہوتے تو وہ
 ان کی عقل سے برا اظہار کرتا قہار

عاجی عید المعجود

ایک روز قدرت کئے لگا بیٹنی صاحب میں چار ایک دن کے لیے لاہور جا رہا ہوں۔ اگر آپ فرمت ہو تو آپ بھی چلیے۔

آپ دورے پر جا رہے ہیں کیا۔ میں نے پوچھا۔

نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ ایک ذاتی کام ہے۔

لوئی چنگور ہے کیا۔

۱۱ مکر لیا۔ چکاڑیں تو ختم ہو گئیں۔ ہالینڈ میں ایک کرم نوازی یہ ہوئی کہ چکاڑیں ختم ہو گئیں۔

تو پھر لاہور میں کون سا ذاتی کام ہے۔ میں نے پوچھا۔

ایک بزرگ سے ملتا ہے۔ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ چلیے آپ بھی مل لیجیے۔ دراصل عفت
ایک بچاکی دیرینہ خواہش ہے کہ حلقی صاحب انہیں بیعت کے لیے قبول کر لیں۔

آپ کی سفارش مان لیں گے کیا؟

نہیں تھیں وہ گھبرا کر بولا۔ وہ تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میری کیا حیثیت ہے کہ سفارش
 دل۔ آپ کے دوست غفور صاحب ایڈیٹر ہیں نا وہ بھی خواہش مند ہیں کہ ملانی صاحب
 رحمت کر لیں۔

وہ تھا۔ میرے ذہن میں حلقی صاحب کی بڑائی کا احساس ابھر ہوا۔ اچھا۔ اتنے بڑے ہیں
میں نے پوچھا۔

۱۸۸۷ء کے غدر میں ملحق صاحب نے شرکت کی تھی، اس وقت وہ نو جوان تھے۔ اب ان کے قریب ہو گئے۔

مضیٰ بالکل ٹھیک ہے۔ دانت دوبارہ اگے ہیں، ہل سفید ہو کر دوبارہ کالے ہو گئے ہیں۔ ۵۴
بچے ہیں۔ اب ۵۵ ویں حج پر جا رہے ہیں۔

یہ کوائف من کر میرے ذہن کا فیوز اڑ گیا۔

ہے ایک عظیم الشان روح قبہ چارباٹی کے نیچے ایک عظیمی ہندسی پڑی تھی۔ چارباٹی پر ایک

بڑا چھتیا ہوا تھا۔

قدرت اللہ ہل میں داخل ہوا تو میں جان بوجھ کر پیچھے رہ گیا۔

قدرت کو دیکھ کر وہ بوڑھا لپک کر اٹھا قدرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور دواخانہ وار اسے چمکنے لگا۔

ہمان اللہ، 'ہمان اللہ' کہہ کر وہ قدرت کا ہاتھ پکڑ کر چوڑا اور اس کو انگوٹھوں سے لگا رہا۔

یہ منظر دیکھ کر میں رک گیا۔

حالی صاحب بار بار کہہ رہے تھے۔ ہم نے حضور قبلہ سے عرض کی تھی کہ ہمیں بھی ان صاحب کی زیارت کرائیے، جن پر آپ خوش ہیں۔ ہم نے سرکار قبلہ کی ۳۵ سال خدمت کی علم بجالائے، لیکن سرکار ہم سے اتنے خوش نہیں ہیں جتنے آپ سے ہیں۔

حالی صاحب پھر سے قدرت کے ہاتھ چومنے لگے۔

پھر بولے، 'ہم نے درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی زیارت کرا دیں تو حضور نے ہماری درخواست من لی۔ حضور کی بڑی کرم نوازی ہے کہ انہوں نے آپ کی زیارت کرا دی۔

ہمان اللہ، 'ہمان اللہ' وہ پھر قدرت کے ہاتھ چومنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر میں چپ چاپ باہر نکل گیا۔ اس عالم میں ان دونوں میں عمل ہونے کی جگہ میں حیرت نہ ہوئی۔

ہل سے باہر نکل کر میں ایک چوڑے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ یہ کیا معجزہ ہے، 'قدرت اللہ بزرگ سے ملنے آیا ہے یا بزرگ کو قدرت اللہ کی زیارت کرائی گئی ہے۔ یہ بزرگ صاف بات کیوں نہیں کرتے۔ سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ کیوں خود خود کے انجمنہ ڈالتے ہیں۔

پھر دھت' مجھے خیال آیا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ جس کی حالی عبدالمعبود جیسے بزرگوں کو زیارت کرائی جاتی ہے۔ جس پر حضرت ماجر کی صاحب اس قدر خوش ہیں۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ہل کرے سے باہر نکلے۔ آگے آگے قدرت اللہ تھے۔ پیچھے حالی صاحب آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر میں اٹھا، آگے بڑھ کر حالی صاحب کو سلام کیا۔ حالی صاحب نے دینیک السلام تو کہہ دیا۔ لیکن انہوں نے میری جانب نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اس پر قدرت اللہ بولا۔ حالی صاحب یہ میرے عزیز دوست ممتاز مفتی ہیں۔

اچھا! چھتیا وہ بولے اور میری جانب دیکھے بغیر شاباب کے ساتھ چٹوں میں مصروف رہے۔

اتنے بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے پوچھا۔

جناب ماجر کی کی بیعت ہیں، وہ بولا۔ ماجر کی صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں انہوں نے ہندوستان میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ جو چند ماہ چلی، پھر انگریزوں نے اسکو اور کلک حاصل کر لی اور اس اسلامی ریاست کو تسخیر کر لیا۔

کہتے ہیں قدرت اللہ نے کہا کہ اس وقت جناب ماجر کی کو ایک مجذوب مست نے خبر دی تھی کہ تمہارے خواب کی تعبیر آج سے نوے سال کے بعد نکلے گی۔

اچھا! پھر میں نے پوچھا۔

انگریزوں نے ماجر کی صاحب کو قید کر لیا، 'قدرت نے کہا، لیکن ایک روز انہوں نے دیکھا کہ جیل کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اس لیے جیل سے باہر نکل آئے اور سیدھے کراچی کی طرف پیدل چل پڑے۔ بیٹھوں پتلے پھر جہان میں سوار ہو کر مکہ کمرہ پہنچے اور پائی زندگی وہیں بسر کی اسی وجہ سے انہیں ماجر کی کہتے ہیں۔

یہ حالی صاحب ماجر کی صاحب کے مرید ہیں، 'میں نے پوچھا۔

ہاں، 'شاباب نے جواب دیا۔ ان کے چار مرید تھے صرف حالی صاحب پیچیدہ حیات ہیں۔

حالی عبدالمعبود کے کو انک جان کر میں بے حد متاثر ہوا۔ اس لیے قدرت اللہ کے ساتھ لاہور چلا گیا۔ شاباب نے مجھے بتایا کہ حالی صاحب چھتیا میں اسنگن روڈ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اسنگن روڈ پر غنت کے عزیزوں کی بہت بڑی کوٹھی تھی۔ جو اب خستہ حالت میں تھی، صرف دو ایک کمروں میں رہائش تھی۔

ساری کوٹھی ویران پڑی تھی۔ آباد کمروں میں دو ایک خستہ حال بوڑھی خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔

شاباب نے پوچھا، وہ بزرگ کہاں ہیں۔

ایک خانقہ نے جواب دیا، 'وہاں رہیں کرے میں ہیں۔ دو ایک بار آپ کا پوچھ بیٹھے ہیں۔

UrduPhoto.com

حاضری یا زیارت

UrduPhoto.com

ہل کرا بڑا غل اور اندھیرا تھا۔ اس کے ایک پرے سرے پر چار پائی بچھی ہوئی تھی۔

قدرت اللہ نے مجھے اشارہ کیا کہ ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

شپ ہوائے

قدرت نے کار کا دروازہ کھولا اور آگلی سیٹ پر حاتی صاحب کو بیٹے لوب اور احزام سے بٹھایا۔ بھر پور سیٹ کا دروازہ کھول کر اشارہ کیا۔ بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔

حاتی صاحب قدرت سے مسلسل باتیں کرتے رہے۔ ان کی باتوں سے پتہ چلا کہ قدرت اللہ نے کلینڈ میں حضرت مہاجر کی صاحب سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ رابطہ اس قدر گہرا ہو گیا تھا کہ دوپہر بیٹھ کر بات کرنے کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور قدرت اللہ کو ان کی خوشنودی میں آگئی تھی۔

انار کلی میں جاکر گاڑی رک گئی ریلوے جس سوسائٹی کے منتقل انار کلی سے باہر ایک معمولی سی چائے کی دوکان تھی۔

ایک طرف چائے کا بنیادی دیکھ چمے پر چڑھا ہوا تھا۔ جس میں کڑک چائے گرم ہو رہی تھی۔ دوسری جانب چار ایک بچا رکھے ہوئے تھے۔ جن پر چند ایک لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ دوکان میں صرف ایک لڑکا تھا۔ جو سرویس پر مامور تھا۔

یہ لڑکا جسم کا بھرا ہوا تھا۔ قد چھوٹا تھا۔ لباس میلہ تھا۔ ہل کھڑے کھڑے تھے، چہرے پر ایک بے ٹام سی بے حسی طاری تھی۔ ایک آنکھ میں پھولا تھا جس کی وجہ سے چہرہ اور بھی بد نما ہو گیا تھا۔

حاتی صاحب لاہور چھانچل کی ایگن روڈ سے روز میں بیٹھ کر اس چائے خانے پر آئے تھے۔ ایک پیالہ چائے کا پیئے اور پھر اس لڑکے کو چہرے پر آنے دے کر واپس چلے جاتے تھے۔

تین مرتبہ شباب لور میں حاتی صاحب کے ساتھ اس دوکان میں گئے۔ وہاں چائے پی اور پھر حاتی صاحب کو ایگن روڈ پہنچا کر واپس آ گئے۔

میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ حاتی صاحب اس ہوٹل میں آئے چہرے آئے دیکھ کے لیے کیوں آتے ہیں۔

اگر بچے کو رقم دینی مقصود ہے تو ایک دم پانچ دس روپے کیوں نہیں دے دیتے۔

پتہ نہیں وہ بولا۔ بہت بڑے بڑگ ہیں۔ بڑے بڑگوں کے بھید وہی جانتے ہیں۔

یہ ایک معمولی سی بات ہے، اس میں کیا بھید ہو سکتا ہے بھلا، میں نے کہا۔

میں نظر نہیں آتا۔ کچھ نامکمل مقصود تو ہو گا۔ کوئی مصلحت ہوگی۔ کوئی حکم ہو گا۔ آپ اور میں ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

انوکھا اعزاز

اچھا ایک بات بتائے، میں نے کہا۔

وہ میری جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

گذشتہ تین ماہاتوں کے دوران میں نے حاتی صاحب کو چھ بار سلام کیا ہے۔ تین بار آپ نے میرا تعارف کرایا، یہ میرے دوست ہیں۔ ہے نا۔

اس نے سر ہلکٹ میں ہلکا ہلکا۔

لیکن انہوں نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر میری جانب نہیں دیکھا۔ شاید آپ نے نوٹ نہ کیا ہو۔

کیا تھا وہ بولا۔

اتنی بے اشتعال بھی تو نہیں ہوتی چاہئے۔ ہانک میں ایک عام آدمی ہوں۔ منہ زبانی مسلمان ہوں۔ پائیکیز کی سے محروم ہوں، لیکن آخر ایک انسان ہوں۔

وہ چاہے تو جہ کریں، نہ کریں۔ قدرت نے کہا۔ ان کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے زندگی میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

کیا وہ واقعی بڑے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

بہت بڑے، وہ بولا۔ عالم ہیں، شاعر ہیں۔ ان کی نوٹ تک میں ساتھ ہزار شعر کہتے ہوئے ہیں۔ ۲۰ ہزار شعر! میں زبانی یاد ہیں۔ قاری اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ مومل کے رہنے والے ہیں۔ یہاں آکر غیر ملاتے میں بس گئے ہیں۔ چار ایک دن کی پیدل مسافت کے

بعد سڑک پر پہنچے ہیں۔ ہر سال حج پر جاتے ہیں۔ سارے یورپ میں گھومے اور لکھتے ہیں۔
 اتنے بڑے ہیں، میں نے کب۔
 ہیں وہ بولا بہت بڑے۔

ایک روز قدرت نے مجھ سے پوچھا۔ آپ کا کوئی عیسا دوست ہے کیا جو عربی دان ہو۔
 آپ کا مطلب ہے کوئی عالم دین ہو، میں نے پوچھا۔
 نہیں، نہیں، وہ بولا، ملائیں سے نہیں دینی عربی دان ہو۔
 میں نے کہا، بتائیے بات کیا ہے۔
 کہنے لگا، حلی صاحب کی ایک غزل ہے۔ عربی میں ہے اس کا ترجمہ کرنا ہے۔
 دکھائیے تو میں نے کہا۔

سید فیضی

قدرت نے میز پر پڑا ہوا ایک کھنڈ اٹھایا اور مجھے دیکھا۔ مجھے ایسے لگیا جیسے کھنڈ پر قرآن
 کریم کی آیت لکھی ہوئی ہو۔ وہ دن میں سوچتا رہا کہ میرا ایمان کون دوست ہے جو عربی دان ہو۔
 میں نے مسودے سے پچھا مرے پوچھا عیسا سے پوچھا کسی نے حلی نہ بھری۔ پھر میں نے ریڈیو
 نشین پر مذہبی پروگرام کے نیشن کو فون کیا تو جواب میں فیضی بولا۔
 فیضی، میں نے پوچھا تو تمہی کیسے آگیا۔
 فیضی ہنس کر ریڈیو والوں نے ایک ٹاک کے لیے بلایا ہے۔

سید فیضی میرا پرانا دوست تھا۔ پیورو آف ریلیژن اینڈ سرجن میں ہم دونوں اکٹھے کام کیا
 کرتے تھے۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں دسترس رکھتا تھا۔ فارسی کا شعر پڑھتا تو ایسے لگتا
 جیسے ابھی ابھی ایران سے آیا ہو۔ عربی بولتا تو لگتا جیسے قرآن کریم پڑھ رہا ہو۔

اسلامی تقریبات میں دوسرے علماء کے ساتھ فیضی کو بھی مدعو کیا جانا تھا۔ وہیں سٹیج پر
 کھڑے ہو کر جب وہ تقریر کرتا تو ایسے لگتا جیسے حلق کے تمام پردے بدل گئے ہوں۔ سننے والے یقین
 نہ آتا تھا کہ فیضی بول رہا ہے۔ فیضی کی شخصیت میں بڑے تعلقات تھے۔ وہ ایک وقت عالم بھی
 تھا، ادیب بھی، مولوی بھی اور مذہبی تھا۔ اس میں رنگین مزاجی کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
 ہر بات پر ہنستا ہنساتے ہوئے رنگین پلہ کی طرف متوجہ ہو جاتا، ہر نئی آواز پر کان کھڑے ہو

اس کے بعد حلی صاحب کا قدرت اللہ سے رابطہ پیدا ہو گیا۔ جب بھی حلی صاحب حج پر
 جاتے تو راستے میں ایک رات قدرت اللہ کے پاس رکھتے، قدرت فرما، مجھے اور لکھی کو فون
 کرتے آجائیے، آجائیے۔ حلی صاحب آئے ہوئے ہیں۔

ہم دونوں مودبناہ سلام کے حلی صاحب کے پاس جا بیٹھے۔ حلی صاحب ہم سے حلیاب
 ہوئے بغیر قدرت اللہ سے جہاز میں مصروف رہتے یوں جیسے قدرت کے علاوہ کوئی اور کمرے
 میں موجود ہی نہ ہو۔

ہر باج دس منٹ کے بعد جب بھی موقع ملتا۔ قدرت اللہ حلی صاحب سے کہتے۔ یہ میرے
 دوست ہیں ممتاز مفتی، ساتھ ہی میری جانب اشارہ کرتے۔ حلی صاحب میری جانب دیکھے بغیر
 سرسری طور پر اچھا اچھا کہ کر پھر سے قدرت سے جہاز میں مصروف ہو جاتے۔

اگلی مرتبہ جب حلی صاحب پھر تشریف لاتے تو قدرت پھر مجھے فون کرتے۔ اس وقت ان
 کے انداز میں اس قدر معصوم خوشی ہوئی جیسے کوئی بچہ اپنے کسی ساتھی کو لٹو کھلانے کے لیے بلا
 رہا ہو۔

ایک دفعہ میں نے قدرت سے کہا چھوڑ دو یہاں آنے کا فائدہ آپ کے حلی صاحب تو لگا
 اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، بات کرنا تو الگ بات ہے۔

یہ سن کر قدرت گھبرا گیا کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، وہ بولا ہے شک حلی صاحب
 متوجہ نہ ہوں۔ ہمارے لیے یہ اعزاز کیا کام ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔

ایک روز میں نے شے میں کد شاپ صاحب سے کیسے بزرگ ہیں۔ اس پر قدرت گھبرا گیا
 بولا، نہ لکھی بات نہ کہیے مفتی صاحب بزرگی لٹو کا ایک کٹھ ہے وہ مجھے چاہیں عطا کر دیں۔
 چاہے کالے چر کو عطا کر دیں۔ بزرگ کو کونج کرنے والے ہم کون ہیں۔ بچ کرنے کی عادت اچھی

Oneurdu.com

ہاتھ بچھیں اور سے بھگ جاتیں۔ پتلیاں لیشیں مار تیں۔
میں نے چاکر کما یا ریش میں تو تجھے ڈھونڈ رہا ہوں۔
ہو لا مجھے ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔
مشکل کیوں ہے۔

ہر طرح کے کمالات نے اسے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اس کی ذات کو ہم فخریہ
القابات حاصل ہیں۔

۵۔ کوئی بلندی نہیں جو اس کی وجہ سے اپنے کمال پر نہ ہو۔ دسترس سے زیادہ بلند
ہے۔

۶۔ پابند میں حسن و سرور غنی سے اس نے نیا پائی ہے ہانگ پورے چاند کی مانند جو کبھی
ڈوبنے والا نہیں۔

۷۔ یہ سلام ایک خاص بندے کی طرف سے ہے جو دینے کا رہنے والا ہے 'اور وہ سب
سے بہتر دینے والے اللہ کے رسول' کا قربت دار ہے۔

۸۔ وہ حیرتی خدمت میں بے زبہ ملاقات حاضر ہوا اور اس نے حیرتی ذات سے انفاق کے
مجھے جتنے ہوتے دیکھے۔

۹۔ ایسی ایسی باتیں ممدوح سے منسوب ہیں کہ خلق خدا اس کا ذکر کرتی ہے اور لوگ جن
بہڑوں کو نقل و حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

۱۰۔ اگر تم کو مہجنت کا میرے ساتھ سلوک کرو تو تم اس کے لال ہو اور غویوں والے
انسان ہو۔

۱۱۔ درنہ میری بد قسمتی ہو گئی اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ ایک کریم النفس انسان کی دریاہی
اور بخشش سے۔

انجام بخیر

اس قصیدے کو چادہ کرہات ہانگل ہی واضح ہو گئی کہ حضرت ماجر کی نے حاجی عبدالعہود کو
شاب صاحب سے طویا اور حاجی صاحب ان سے فیض یاب ہونے کے حتمی تھے۔ یہاں تک
تو بہت واضح تھی۔ پھر خیال آتا کہ شاب کون ہے۔ یہ عید نہیں ملتا تھا۔
پھر آخری ایام میں قدرت کی وفات سے چند ایک سال پہلے۔ میرے ایک دوست نے مجھے

کس نے لکھا ہے 'اس نے پوچھا۔
دفتار' میں سے کاندہ پر نظر دوڑائی دیکھا تو قدرت اللہ نے پہلے ہی حاجی عبدالعہود صاحب
کے دستخط کاٹ رکھے تھے تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو قصیدہ کس نے لکھا ہے۔

ڈاک سے موصول ہوا ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
فیضی چنا بولا کسی نے شاب صاحب کی سفارش کرانی ہو گی۔ جہی توہینوں کے چنگے لگائے

ہیں۔ ہاں انداز دو رہی ہے۔
چلو کسی کا کلام ہو جائے گا۔ تو کیوں اعتراض کرتا ہے۔ میں نے کلمہ

لوہوں، فیضی بولا 'شاب صاحب بڑے نکالیں ہیں وہ کلام کر دیں گے' لیکن اس قصیدے
کے قریب میں نہیں آئیں گے۔

فیضی کا ترجمہ چادہ کر میں پھر سے سوچ میں پڑ گیا لکھا تھا۔

قصیدہ

۱۔ بہترین سلام ہو ان غویوں پر جو اس کی فطرت میں شامل ہیں اور اچھی عادتیں ہی قبولیت
کی تکمیل ہو اگتی ہیں۔

۲۔ عزت اور وقار کو اس کی ذات سے تخلیق حاصل ہے کیونکہ وہ شاب بھی منزلت رکھتا
ہے اور کوئی ایسی فعالیت نہیں جس میں وہ بیجا ہوا نہ ہو۔

بتایا کہ حلی صاحب اسلام آباد کے ایک بچے میں مقیم ہیں۔
شام کو قدرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا آپ کو پتہ ہے کیا کہ حلی عبدالعزیز
صاحب آجکل اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ ان کے ۳۳ حج مکمل ہو چکے ہیں اور اب وہ مشکل
طور پر اسلام آباد میں سکونت رکھتے ہیں۔

محمد علی شاہ

جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہو تا تو میرے دل میں یہ سوال ابھرتا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ کیا وہ
کسی کلام پر مہور ہے۔ کوئی فیصلہ آئینہ ہے یا سیکرٹ ہے۔ تعلق رکھتا ہے۔ چاہے وہ کالی تھا یا
افرقہ۔ میرے لیے اس بات کا کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ اس کے عہدے کی فضیلت سے میں کبھی
متاثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے بزرگ بننے کی خواہش نہ تھی۔ نہ ہی میں بیعت کرنے کا سعی تھا۔
انہیں تو خوف زدہ تھا کہ کس قدرت اللہ مجھے ایسا رخ نہ بخش دے جو مجھے کہیں اور لے
جائے۔

میں تو اس کے کردار سے متاثر ہوا تھا۔ اس کے کردار کی عظمت نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔

تکسی نے چنگی سلاو کیے سے واپس پر مجھے دو ایک بار کھانے کی کوشش کی تھی کہنے لگا بیٹا
آپ خواہ مخواہ اجماع میں پڑے ہیں۔ سیدھی بات ہے۔ شب صاحب کا مسلک محمدیہ ہے۔ وہ
حضورؐ کے عقلی قدم پر چلنے کو کوشش کرتے ہیں۔ ہر بات پر وہ سوچتے ہیں کہ ان حالات میں حضورؐ
کا طرز عمل کیا ہوتا۔

تکسی کہنے لگا میں نے شب صاحب سے پوچھا تھا کہ یہ بتائیے کہ افضل ترین مہجرت کون
کی ہے۔ انہوں نے کہا میری دانست میں افضل ترین مہجرت ہے۔

IDENTIFICATION WITH MOHAMMAD حضورؐ کا تصور کرو کہ
خصوصی حالات میں ان کا رد عمل کیا ہوتا۔ ان کے جذبات کیا ہوتے محسوسات کیا ہوتے۔ تکسی
نے کہا اب آپ کو بھی انہوں نے بتایا ہو گا۔ میں مجھے بھی یہ بتایا تھا میں نے جواب دیا۔

وفات

ایک روز قدرت اللہ نے مجھ سے کہا ایک خبر تھی ہے۔ آپ نے سنی ہے کیا۔

میں نے بڑی مشکل سے حلی صاحب کے گھر کا پتہ لگایا پھر یہ خوشخبری قدرت کو بتائی۔
لیکن اس نے ہر بات ٹال دی۔

ایک روز میں نے قدرت کو پکڑ لیا میں نے کہا دیکھیے جانے کا کیا مطلب ہے۔ میں تو حلی
صاحب سے ملنے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں تو آپ کے لیے کہ رہا ہوں۔ اگر آپ ان سے
میں ملنا چاہتے تو صاف انکار کر دیجیے۔ جانے کا مطلب۔

میری بات سن کر وہ سنجیدہ ہو گیا کہنے لگا حلی صاحب اب حلی صاحب نہیں رہے۔
حلی صاحب حلی صاحب نہیں رہے میں نے حیرت سے دہرایا۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔
ہاں وہ بولا۔ وہ سیناگل ہو گئے ہیں۔

پھر وہ دھردلی کے مستحق ہیں میں نے جواب دیا۔
ہاں دھردلی کے مستحق ہیں۔ وہ بولا۔

وخت میں نے محسوس کیا کہ حلی صاحب سیناگل ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی ہو گئے

UrduPhoto.com
ایسی کیفیت میں دھردلی کلم نہیں آئی کیا میں نے پوچھا

نہیں تو میں نے جواب دیا۔

کئے گا غفور صاحب وقت پا گئے۔

مجھے بری طرح دھچکا لگا۔ میں ایک دم چپ ہو گیا۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

ہاں وہ بولا مجھے بھی یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اقلہ میرا ذہن دھندلا گیا اقلہ اسی روز مجھے صدمہ ایوب نے بلا سمجھا۔ مجھے دیکھ کر صدمہ صاحب بولے 'شواہب خیر تو ہے۔ تم آج اکڑے اکڑے کیوں ہو۔'

میں نے کہا 'جناب میرے ایک محسن انتقال کر گئے ہیں۔'

کون۔ انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جناب وہ میرے ہی محسن نہیں تھے۔ آپ کے بھی محسن تھے۔ پاکستان کے'

خیر خواہ تھے۔

کون تھے وہ 'صدمہ نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جناب وہی جو آپ کو خط لکھا کرتے تھے اور آپ ان خطوں پر بہت جھنجھکیا

کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو کئی ہدایت نامے بھیجے تھے کہ 'تشدد خود تحریف نہ لے جائیے

گاہ پر پشور سے گا' لیکن سیر قاتل میں التوا کیجئے گا۔

ہاں ہاں 'صدمہ بولے 'مجھے یاد ہے۔

میں نے کہا 'اگر آپ ان کی ہدایت پر عمل کرتے تو آج قتل ہی کچھ اور ہوتا اور آپ

پاکستان کے مردِ عالمہ کا نام پاتے۔

ان کے خطوط مکمل ہیں میں انہیں دیکھتا ہوں گا۔ صدمہ نے کہا۔

اب کیا قاعدہ سے اب تو حیران کن ہے جھوٹ چکا ہے۔

شباب نے کہا 'اس وقت صدمہ صاحب کی حالت قاتل ترس تھی۔ تھکا ہوا' ہارا ہوا' ٹوٹا

ہوا۔ کئے گئے 'شواہب عقل سے مٹ کر باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں کوشش کے باوجود میں

UrduPh.com

یہ ہماری پہلی ہے 'شباب نے کہا 'جب کی بد قسمتی ہے کہ آپ کو یقین نہ دلا سکے۔

میں نے پوچھا 'شباب جی یہ آپ کو خبر کیسے ملی۔

قدرت نے کہا 'انتقال کے دو ایک دن پہلے انہوں نے مجھے ایک خط لکھا تھا۔ انہوں نے

لکھا کہ لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے داتا صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ داتا

صاحب نے فرمایا کہ ہمارا پیغام شباب کو پہنچا دو۔ انہوں نے پیغام دیا۔ میں نے عرض کی کہ جناب

فرشاد صاحب کی کرائس خط لکھ دوں گا۔ داتا صاحب نے فرمایا 'آخیر نہ کرنا۔ زندگی کا کوئی مجرورہ

نہیں۔

ان کے فرماں کے مطابق آپ کو خط لکھنے بیٹھا تو محسوس کیا کہ یہ پیغام خط میں لکھنے والا

نہیں۔ اس لیے جلد خود آکر عرض کروں گا۔

مجرورہ آپ سے آکر لے' میں نے پوچھا۔

نہیں قدرت نے کہا 'انہیں اتنی صلت نہ ملی۔ غالباً' انہوں نے داتا صاحب کے اشارے

کو سمجھا نہیں۔

حیرت کی بات ہے۔ میں نے کہا 'اب آپ کو پیغام کے بارے میں کیسے پتہ چلے گا۔ بلیے

لاہور جا کر داتا صاحب کی حاضری دیجیے۔

قدرت نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ پروتوکول کے منافی ہے' پھر قدرت نے ایک دم بات بدل

کئے گا 'غفور صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ انہیں آپ کو بھی ایک پیغام دینا تھا۔

میرے نام پیغام میری نفسی شکل تھی۔ شباب صاحب میری کیا حیثیت ہے کہ کوئی بزرگ مجھے

پیغام دے' کیوں میرا لائق اڑاتے ہیں آپ۔

قدرت ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ کئے گا' میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ کے نام کسی بزرگ کا

پیغام نہیں تھا۔ داتا صاحب کی بات نہیں۔ غفور صاحب نے اپنی جانب سے آپ کو پیغام دینا ہو

گا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ اسلام آباد آؤں گا تو مجھے مفتی صاحب کو بھی ایک پیغام دینا ہے'

وہ آپ کے دوست تھے 'تا قدرت نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ شاید وہ دوست کی حیثیت سے

پیغام دینا چاہتے ہوں۔

تزوٰن، الربیع

ایک روز راجہ شفیق آگیا۔ کہنے لگا، تجھے صاحب دار ہے ہیں۔

کیا کہتے ہیں، میں نے پوچھا۔

بولے، کہتے ہیں انہیں، کہنے اگر فرمت ہو تو آجائیں۔

تو کیا تھا کیا ان کے گھر یا وہ تجھے ملے تھے۔

ہاں وہ بولا۔ میں عفت سے ملے کیا تھا۔ وہاں پہاڑ پہ چلا کہ عفت لاہور پہنچی ہوئی ہے۔

شب آگیا ہے کیا۔

بالکل، دو بولا۔

میں شب کے گھر پہنچا تو وہ بیٹھا تلاوت کر رہا تھا اس روز رمضان کی ستائیسویں تاریخ

تھی۔

دعوت مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی۔ ماویں کو مجھے شب کے ہاں نہیں جانا

چاہیے تھا چونکہ رمضان کی ستائیسویں۔ شب کا عفت لاہور تھا اور میری موجودگی ماحول کی

ایکڑی کے ملتی تھی۔

ایک تو میں روزے سے نہیں تھا۔ دوسرے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ میرے

کپڑے اور جسم کبھی پاک نہیں ہوئے تھے۔ چوں کہ جوانی سے ہی مجھے **Confounded** کا لفظ یاد تھا کہ آقا قلم ان گیتوں میں جبکہ غلام محمد کے چچو مرشد کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک روز میں نے غلام محمد سے کہا 'یار اگر جو تو اپنی ٹوٹ بک مجھے دو دن کے لیے دے دے تو میں اس میں سے کچھ گیت لکھ لوں' پھر میں کاپی تجھے لوٹا دوں گا۔

غلام محمد نے میری بات مان لی اور کاپی مجھے دے دی۔

اسی رات دو بجے کے قریب میرا دروازہ بجایا۔ بچا رہا۔ میں گری قہقہہ سو رہا۔

پھر میری دوسروں نے دوا پر چڑھ کر مجھے آوازیں دیں۔

کہنے لگے 'باہر آپ کا کوئی مہمان دیر سے دروازہ کھٹکنا رہا ہے۔'

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

باہر غلام محمد کھڑا تھا۔

میں نے کہا 'تو غلام محمد۔ اس وقت خیر تو ہے۔'

بول 'بالکل خیر نہیں۔ تو مجھے میری گیتوں والی کاپی دے دے۔'

میں یہ سن کر حیران ہوا۔ کیا رات کے دو بجے تو اپنی ٹوٹ بک لینے آیا ہے۔

بول 'سرکار قلم مجھے سوئے نہیں دے رہے۔ بہت ناراض ہیں۔ کہتے ہیں تو نے ہماری کاپی

وٹاب کے ٹکے میں ڈال دی ہے۔ ابھی جا اور کاپی لے آ۔'

اس روز بجلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ میں پیشاب کا حکا ہوں۔ ٹیاگ ہوں۔

پہلے یہ احساس صرف جسم تک محدود تھا۔

پھر ۱۹۵۶ء میں جب میں بمبائی جان سے ملا تو مجھے اپنی ذہنی ٹیاگریزی کا احساس ہوا۔ مجھے پتہ

چلا کہ ذہنی طور پر میں کس قدر ٹیاگ تھا۔ جسمانی غلاطت سے کہیں زیادہ ٹیاگ۔

آج تک کوشتوں کے پادروں میں ان غلاظتوں کو دور نہیں کر سکا۔

ہاں تو اس روز شباب کے گھر پہنچا تو مجھے شدت سے احساس ہوا کہ آج مجھے اس کے ہاں

نہیں آنا چاہیے تھا چوں کہ اس روز ایک تو رمضان کی ستائیسویں تھی اور دوسرے جمعہ کا دن

تھا۔

پھر خیال آیا شاید شباب نے مجھے کام سے بلایا ہو۔ شباب نے مجھے دیکھتے ہی کہا 'یو! اچھا ہوا

اب آگے' عفت لاہور گئی ہوئی ہے اور میں آگیا ہوں! اس لیے میں نے آپ کو بلا لیا کہ گپ

ستار دعا

تقریباً ۱۹۳۰ء کی بات ہے جب میں منگھری کے گورنمنٹ سکول میں پڑھتا تھا۔ تو میرا ایک

دوست غلام محمد نے جو ان دنوں سیکٹی میں آٹا کا پنکڑ تھا۔ مجھے احساس دلایا تھا کہ میں ایک ٹیاگ

مفخص ہوں۔ غلام محمد میں دو خصوصیات نمایاں تھیں۔ ایک تو وہ سختی سے شریعت کا پابند تھا

دوسرے وہ ستار بچائے کا ریا تھا۔

نماز پڑھنے لگتا تو جائے نماز کے ساتھ ستار رکھ لیتا۔ نماز پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر مسطح

بیٹھے بیٹھے ستار بچائے لگتا۔

ایک دن میں نے غلام محمد سے کہہ دیا ابھی جواب نہیں مسطح پر بیٹھ کر ستار بچاتا ہے۔

وہ بولا 'میں ستار نہیں بچاتا۔ دعا مانگتا ہوں۔'

میں نے کہا 'دعا مانگنے کا یہ طریقہ ہے کیا۔'

بول 'تجھے نہیں پتہ۔ ستار مجھ سے بہتر دعا مانگتی ہے۔ اللہ کی منتیں کرتی ہے۔ ہاتھ جوڑا

ہے 'ہاتھ پڑتی ہے میں اپنا سارا دل کہہ دوں اپنے ترے' ہاتھ ستار میں خفگی کر دیتا ہوں اور وہ اللہ

کے حضور میں فریادی بن جاتی ہے۔ غلام محمد اللہ سے یوں باتیں کیا کرتا تھا جیسے اللہ اس سے

سامنے بیٹھا ہو۔ اسے اللہ سے بہت پیار تھا۔ ایسا پیار جیسے بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔

ایک دن میں نے کہا 'غلام محمد تجھے اللہ کیسے مل گیا۔'

کہنے لگا 'یہ میرے مرشد سرکار قبلہ کی دین ہے۔ وصال کے وقت وہ فرماتے تھے غلام محمد

تجھے کون سا عقد دیں ہمارے پاس تو صرف ایک ہی چیز ہے۔'

انہیں پھر خاک کرنے کے بعد جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ اللہ صوفے پر بیٹھا ہے۔

پیشاب کا منکھ

غلام محمد کے پاس ایک ٹوٹ بک تھی جس میں گیت غزلیں اور عمروں کے ہول لکے 'و

Oneurdu.com

شب رہے گی۔

میں نے کہا آج تائیسویں ہے۔ آپ کے لیے عہد کا دن ہے۔

عبادت

ہاں ہاں وہ بولا 'عبادت اپنی جگہ ہے کپ شپ اپنی جگہ۔ یوں کرتے ہیں کہ چند شہ بڑی لطف کی مسجد میں جا کر پڑتے ہیں' پھر وہیں ادھر ادھر پکڑ لگاتے ہیں۔ انظار کر کے مغرب کی نماز پڑھ کر واپس گھر آجائیں گے' پھر بے شک آپ چلے جائے۔
پھر گرام کے مطابق شہاب نے شہ بڑی کے چاول کھا کر انظار کیا۔ مغرب کی نماز لوائی اور گھر آ گئے۔

راستے میں میں نے پوچھا 'آپ عبادت کیسے کرتے ہیں۔

بولے 'بس اللہ کا نام لیتے ہیں۔ چاہے کیسے بھی لو۔ قرآن کریم کی تلاوت کرو یا کلام پڑھو۔

آپ کیا پڑھتے ہیں' میں نے پوچھا۔

بولے 'میں تو نفل پڑھ لیتا ہوں۔

میں نے کہا 'اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔۔۔۔

تو کیا' میں نے پوچھا۔

میں دیکھتا چاہتا ہوں کہ آپ کیسے عبادت کرتے ہیں۔

تو لب لبب کشن 'وہ بولا۔ بے شک دیکھ لیں۔

عشاء کی نماز کے بعد ایک بڑے کمرے کے ایک کونے میں اس نے جائے نماز بچھالیا۔

آپ بھی نفل پڑھیں گے' اس نے پوچھا۔

نہیں میں نے جواب دیا 'میں دیکھوں گا۔

کمرے کے دوسرے کونے میں میں بیٹھ گیا۔

شب شہاب بیت اللہ تک گھڑا ہوا گیا۔

اس کا کھڑا ہونے کا انداز ہی انوکھا تھا۔ یوں نہیں جیسے نمازی کھڑے ہوتے ہیں' بلکہ یوں

جیسے اللہ تعالیٰ اس کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں۔ وہ سر پہا بھڑیں کر کھڑا تھا۔

UrduPhoto.com

میرا خیال تھا کہ ابھی وہ رکوع میں جائے گا۔ لیکن وہ جن کا توں کھڑا رہا ہے جس وحرت لڑا رہا۔ اس کے جسم کا بند بندہ مجھ سے بھیگا ہوا تھا۔

دل تھا' مجھے خیال کیا کہ میں اپنی موجودگی سے فضا کو ہٹا کر رہا ہوں۔ مجھے بھی کچھ پڑھنا تھا۔ مجھے صرف درود کج یاد تھا۔ یہ جنت اللہ بخش صاحب کی دین تھی۔ میں نے درود کج یاد شروع کر دیا۔ ساری رات شہاب مجھ سے بری طرح لٹ پٹ کھڑا رہا۔ رات بھر میں اس نے ہاتھ ایک بار رکوع اور تھوڑا سا کھڑا ہو گا۔ پھر پچھلے پھر وہ دھڑام سے چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔

تو

اس نے دو ایک بار میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا' لیکن میں اس کے اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ مجھے سمجھ میں آیا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔ قریب گیا تو اس نے لیلی فون کی جانب اشارہ کیا۔ میں نے فون اس کے قریب رکھ دیا۔ اس نے ڈائل کیا' پھر مدھم آواز میں 'میں کیا کیا۔ اور پھر ہار لڑا دھڑکا کر پڑ گیا۔

میں حیران کھڑا تھا یا اللہ یہ کیا بات ہے قدرت مجھ سے بات کیوں نہیں کرتا۔ کیا یہ بھی عبادت کا حصہ ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں۔

اسنے میں دروازے کی کھنٹی بجی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ موٹر اندر داخل ہوئی۔ ایک صاحب 'بارنگلے بولے 'شباب صاحب کھلی ہیں۔

میں نے پوچھا 'آپ کی تعریف۔

بولے 'میں صدر کامیڈی ٹیل آفیسر ہوں۔

میں اسے شہاب کے کمرے میں لے گیا۔

ابھی وہ معائنہ کر رہا تھا کہ ایک اور گاڑی پچھلے میں داخل ہوئی۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ منت کو دیکھ کر مجھے حوصلہ ہو گیا اور میں بھاگ کر نیچے گیا۔

ایک نہیں سب

منت نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا 'شباب تو خیریت سے ہیں' دل تھا' بات سمجھ میں آگئی کہ

شاب تیار ہے۔ اس نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا ہے، لیکن عفت لاہور سے لیے گئے ہیں۔
عفت نے ڈاکٹر سے ہلت کی تو پتہ چلا کہ شاب کو دل کا دورہ پڑا ہے۔

عفت فارغ ہوئی تو میں نے پوچھا، آپ لاہور سے کیسے آئیں گی۔
میں نے کہا، شاب کو کوئی تکلیف ہونے والی ہو تو مجھے چار دن پہلے پتہ چل جاتا ہے۔ لاہور میں میں نے محسوس کیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ میں نے ایک کھانا کھا کر گھر کے گوشت بھنا کر کھا لیا۔ اس کے کھانے کے بعد میں نے ایک رات کے چھانچے میں ایک کن کنڈیو سیٹ کے لیے میں اتر پورٹ پر انتظار کرتی رہی، لیکن بات نہ بنی۔ البتہ کچھ صبح کی فحاشیت میں سیٹ مل گئی۔

ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ عفت نے کہا، ابھی میں ایک طبیسی داخل ہوئی اور قدرت کا چہرہ بھائی صاحب کراچی سے آگیا۔ آتے ہی بولا، قدرت خیمت سے ہے۔
قدرت اللہ سے مل کر جب صاحب باہر نکلا تو میں نے پوچھا، آپ کیسے آئے۔

میں نے کہا، کل دوپہر سے میری طبیعت خراب ہوئی شروع ہوئی۔ ایک بے عام ہے چینی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ شام کو بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔ میں نے ایک ٹرانسکولپلازٹر لگایا اور لیٹ گیا۔ لیکن بے چینی کم ہونے کی بجائے عذاب بن گئی۔ میں کچھ کیا کہ قدرت کا معاملہ ٹھیک نہیں۔ میں نے پی آئی اے کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے رات اسی میں ایک سیٹ مل گئی اور میں چلا آیا۔ جب بھی قدرت کو کوئی تکلیف ہونے والی ہوتی ہے تو میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک بے چینی لگ جاتی ہے پھر وہ اس قدر شدت اختیار کر لیتی ہے کہ عذاب بن جاتی ہے۔

حبیب شاب

حبیب، میٹ بنگ میں بینک ریشیڈ کا ڈائریکٹر تھا۔ طبعی طور پر وہ جرمٹ تھا۔ وہ ایک متقی آدمی تھا۔ اس کی زندگی میں محض اور دل کی بڑی اہمیت تھی۔ ایک شرور ورت تھا۔ اس کا خدا شدت سے حقیقت پسند تھا۔ ہندوستانی لوگوں کے اسے کوئی دل نہیں تھا۔ طبیعت میں مذہبی رجحان نہ تھا۔ یہ وہ فقیروں کو اچھا نہیں جانتا تھا۔ لاگ لگاؤ کا قائل نہ تھا۔ اس کے

سے بڑی محبت تھی اور جب بھی قدرت پر کوئی مصیبت آئے والی ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ ایک بے عام ہے چینی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی۔ قدرت کا کہنا تھا، حبیب اور میرے درمیان ایک عجیب سا تعلق ہے۔ میرے دکھ درد حبیب کو ٹرانسفر ہو جاتے ہیں اور اس کی خوشیاں میرے عام منتقل کر دی جاتی ہیں۔ میں نے بھائی جان کو یہ بات بتائی تو وہ سخت کنفیوز ہو گئے، کہنے لگے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

بھائی جان کو مطمئن کرنے کے لیے میں نے کہا، شاید شاب نے یہ بات مذاق میں کہی ہو۔ بھائی جان نے سرفی میں ہلا دیا۔ بولے، میں، وہ ایسے مذاق نہیں کرتے۔ ہر معاملہ اس روز حبیب کی کیفیت دیکھ کر مجھے یقین آ گیا کہ قدرت سچ کہتا ہے۔ قدرت کو ہارٹ ایکٹ کی تکلیف اس قدر شدید ہے کہ جتنی حبیب کے بے چینی میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اس روز میں خود فوج ہو چکا تھا۔ اللہ ہی کیسا خداؤں ہے۔ قدرت پر کچھ واقعہ ہونے والا ہو تو جیکم کو چار دن پہلے علم ہو جاتا ہے اور بھائی کے بے وجہ اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔

ملی جی

پھر مجھے وہ رات یاد آگئی جب حبیب کو گردے میں پتھری کی تکلیف تھی۔ ناقابل برداشت تکلیف اور دونوں بھائی ڈرتے تھے کہ کیس ملی کی کو پتہ نہ چل جائے۔ وہ پریشان نہ ہوں۔ اس وقت دروازہ ہوتا تھا اور ایک صاحب نے دروازے میں کھڑے کھڑے کہا تھا انیس نمبر پلاؤ۔

قدرت اسے نہ پلا تا رہا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد حبیب غسل خانے کی طرف بھاگا۔ چیشاب میں پتھری کے دو ٹکڑے نکل کر باہر گرے۔

دونوں بھائی بہت خوش تھے کہ ملی جی کو پتہ چلا۔ اتنے میں ملی جی داخل ہوئیں۔ حبیب سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں، شکر ہے، دونوں پتھر نکل گئے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اللہ ہی کیسا خداؤں ہے۔ ایک قدرت ہی نہیں۔ سارے انفرادی کسی ان جاتی طاقت کے زیر اثر ہیں۔ اس روز میں نے محسوس کیا کہ قدرت اللہ گھر والوں کا مرکز تھا۔

neurdu.com سے ہے۔ صرف چیزوں سے ہی نہیں کسی فرد سے بھی ہو سکتی تھی اور حالات سے بھی۔

ان دنوں لاہور میں ایک الری پیسٹلٹ آیا ہوا تھا جو تجزیہ کر کے بتاتا تھا کہ الری کس چیز کی ہے۔ وہ مریض کے خون میں مختلف چیزیں ڈالتا تھا۔ جس چیز سے خون میں اہل آہناک اس چیز کا نام بتا دیتا تھا کہ آپ کو کونسا چیز ہے۔ ایک چیز۔ اس چیز سے پرہیز کریں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ لاہور جا کر الری پیسٹلٹ کو دکھائوں۔ لاہور جانے سے پہلے میں قدرت اللہ کے ہاں گیا۔ میں نے کہا میں الری پیسٹلٹ کو دکھانے لاہور جا رہا ہوں۔ قدرت نے کہا فرض کیجیے پیسٹلٹ کہتا ہے کہ آپ کو گوشت سے الری ہے تو

تو کیا میں نے جواب دیا میں گوشت کھانا چھوڑ دوں گا۔

اجملہ بہت اچھا وہ بولا لیکن اگر اس نے کہا کہ آپ کو پان سے الری ہے تو۔

تو۔۔۔۔۔۔ مشکل ہے، لیکن میں کوشش کروں گا کہ پان کھانا چھوڑ دوں۔

چلے ہاں لیا کہ آپ پان کھانا چھوڑ دیں گے، لیکن اگر پیسٹلٹ نے کہا کہ آپ کو اپنی بیوی سے الری ہے تو آپ کیا کریں گے۔

اس پر مفت رفتہ مار کر ہنس پڑی۔ بولی آپ ان کی باتیں نہ سنئے یہ تو ویسے ہی اٹاپ شاپ بول رہے ہیں۔ آپ مجھ سے بات کیجیے۔ میں ڈاکٹر ہوں۔

ہاں جی تو ڈاکٹر صاحب آپ بتائیے کہ الری کیا ہوتی ہے، شاپ نے کہا۔

مفت بولی مفت صاحب الری کو کسی کی ہاند درخت کی کسی فنی پر بیٹھ جاتی ہے۔ آپ پیسٹلٹ سے پوچھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ کونسا فنی پر بیٹھا ہے پھر آپ پھر مار کر اسے اڑا دیتے ہیں، مگر وہ درخت کی دوسری فنی پر جا بیٹھتا ہے۔ یوں الری مٹی تو نہ اس نے شل بدل لی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں نے کہا تو آپ کا مطلب ہے کہ میرا لاہور جانا بے کار ہے۔

بالکل وہ بولی۔

تو پھر میں کیا کروں۔ ساری عمر کھانا کھاؤں اور گولیاں چھانک رہی ہوں۔

کسی بزرگ سے کہو دعا کرے، مفت نے کہا۔

چند ایک روز کے بعد میں شاپ کا محل جانے کے لیے گیا۔

میں نے کہا آپ کو ہارٹ اٹیک کیوں ہوا۔

کئے گا ہارٹ اٹیک نہیں ہوا۔

میں نے پوچھا پھر کیا ہوا۔

بولا، چینی کی پٹلی کو زیادہ دھڑکا جائے تو وہ ترخ جاتی ہے مجھے بات سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا، بھارتی نہ بھجوائے صاف بات کیجیے۔

بولا، صاف بات ہی تو کی ہے۔ اس رات میں نے خود پر زیادہ دھڑکا ڈالا۔ اس لیے ترخ کیا۔

میں نے کہا گذشت چار پانچ برس میں آپ کئی بار ترخے ہیں۔

ہاں شاید وہ بولا۔

کیا زیادہ دھڑکا لے میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

وہ مسکرا دیا اور پھر اس نے بات بدل دی۔ کئے گا آپ کی الری کا کیا صلہ ہے۔

الری کا تو

میری الری بہت پرانی تھی۔

پہلے میں دو ایک مرتہ دورہ پڑتا تھا۔

جسم پر پھینیں نکل آتیں۔ خارش ہوتی۔ آگ سی لگ جاتی تھی۔ پھر میں انی

بسمینک گولیاں چھانک رہتا۔ میں میں کتنی بڑا گولیاں پھاٹک چکا تھا۔

ڈاکٹر کہتا یہ الری ہے۔ مجھے الری کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا تھا۔

ان دنوں الری ایک نئی بیماری تھی۔ جس کی کئی ایک شکلیں تھیں۔ پھینیں نکلتیں یا چھینکیں آئیں یا آنکھ باک سے پانی بہتا۔ الری کا کوئی مستقل علاج نہ تھا۔ کوئی کھانا اور اوتھے ہو جانا پھر کوئی کھانا اور اوتھے ہو جانا۔

میں زندگی بھر گولیاں چھانکتے رہا۔ کوئی کھانا سے پہلے بیہوشیوں کی کھنی ہوتی۔ کوئی کھانے کے بعد پھینیں تو دب جاتیں مگر کوئی کی کھنی شروع ہو جاتی تھی یہ بھی بہت نہیں چن تھا کہ

بزرگ کہاں دعا کرتے ہیں جو راضی ہو رضا ہو کیوں دعا کریں گے؟ www.urduphoto.com مست خود آکر میری دلخیز نہیں بیٹھا بلکہ ٹھٹھا کیا ہے تاکہ میری الرئی سلب کر یوں میرا لاہور چالے کا پورگرام ختم ہو گیا۔

مست

ان دنوں میں سبب ثابت جان کے ڈی پاک میں رہتا تھا۔ اگلے روز ہمارے گھر کی دلخیز ایک مست آ بیٹھا اس کا چہرہ ڈراؤنا تھا۔ پہلے پہلے اسے دیکھ کر کہن آتی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بیماری تھی۔ ہر دو گھنٹے کے بعد وہ چلاؤٹا روٹی روٹی۔ اسے جو بھی دیتے کھا لیتا پھر دو گھنٹے کے بعد چھین مارنے لگتا روٹی روٹی۔

میری بیوی کہنے لگی 'یہ کیا مصیبت آپڑی ہے۔ اسے یہاں سے اٹھو۔ میں نے دو ایک بار مست سے بات کرنے کی کوشش کی کہ پاپا اور بیٹھ جا کر۔ تو نے تو ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ اس نے میری بات کی طرف توجہ نہ کی۔

چند ایک دنوں کے بعد مست نے کھانا شروع کر دیا۔ اس کے جسم پر ہنسے ہنسے چھالے لگ آئے، کھانا کھا کر چھالے زخم بن گئے۔

ہم سب خوف زدہ ہو گئے کہ مست کی کھلی گھر کے اندر آجی تو سب گٹ جاتیں گے، لیکن کوششوں کے باوجود ہم اسے اپنی دلخیز سے اٹھا نہ سکے۔ ایک دفعہ دو گھنٹے داروں نے اسے سمیٹ کر سامنے بند درواں کے پیچھے سے لٹا دیا، لیکن اگلے صبح جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ وہ پھر بیماری دلخیز پر آ بیٹھا ہے۔ یوں دس چودہ دن گزر گئے۔

دفعہً مجھے خیال آیا کہ ان دنوں کے دوران مجھے الرئی کا دورہ نہیں ہوا تھا۔ شباب کی طرف گیا تو ہر سبیل تذکرہ مست کی بات کر دی۔ میں نے کہا 'حیرت کی بات ہے کہ ہم تو رستے تھے کہ مست کی کھلی گھر میں داخل ہو جائے گی، لیکن اس کے برعکس اس ہفتے مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ قدرت نے مست کی بات سن کر اس میں دل بستی لینی شروع کی۔ مست کے حلق کی ایک سوال پوچھتے میری الرئی کے حلق وہ غیر معمولی دلچسپی لیتا رہا۔

میں نے کہا 'شباب ہی مجھے شک پڑتا ہے۔

کیا شک پڑتا ہے اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

ہاں وہ بولا 'ہو سکتا ہے۔ شاید بھائی جان نے ٹھٹھا ہو۔

اونہوں میں نے جواب دیا۔ بھائی جان ایسے کتب نہیں کرتے وہ تو عموماً مستی ہیں۔

شاید آپ کے سر پر قبضہ سامیں لٹے بکلیں گے سمجھا ہو وہ بولا۔

ہاں ہو سکتا ہے۔

آپ بھائی جان سے پوچھیں 'قدرت نے کہا۔

پوچھوں گا مجھے بتائیے کیا یہ لوگ اتنے طاقت ور ہوتے ہیں۔

ہاں وہ بولا۔ سنا ہے یہ لوگ بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔

یہ تو بڑی زیادتی ہے 'میں نے کہا کہ ایک شخص کو بچانے کے لیے دوسرے کو روگ لگا دیا جائے۔

جب میں رخصت ہونے لگا تو وہ بولا 'میری بھئی بھی شہر چلتا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ موٹر سائیکل میں رہنے دیں۔ آپ کے گھر جا کر میں بھی مست کو دیکھتا چاہتا ہوں۔

اس روز خیر از معمول وہ میرے گھر کی ڈیوڑھی میں در تک بیٹھاست کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر دلی دلی مسکراہٹ تھی۔ اس کے بعد بھائی جان سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں مست کی بات سنا لی۔ میں نے کہا 'بھائی جان ایک بیٹے سے وہ بیٹھے گھر کی دلخیز پر بیٹھا ہے۔ اس دوران میں مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ لگتا ہے جیسے میری الرئی اس نے سلب کر لی ہے۔ کھانا کھا کر اس کا جسم زخموں سے بھر گیا ہے۔

آم اور درشت

بھائی جان میری باتیں غور سے سنتے رہے۔

میں نے کہا 'جناب ایسے لگتا ہے جیسے وہ خود میری دلخیز آکر نہیں بیٹھا بلکہ اسے سمجھا گیا ہے۔

ہے۔

شاید وہ بولے 'ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا شاید سرکار قبلہ کا کرم ہو۔

بھائی جان سوچ میں پڑ گئے، پھر پوچھنے لگے، کیا آپ نے سرکار قبلہ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ مجھے الٹی سے بچانے کے لیے دعا کیجیے۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

سوچ لیجئے وہ بولے شاید۔

جی نہیں میں نے ان کی خدمت میں کبھی گزارش نہیں کی۔

یہ سن کر وہ پھر خاموش ہو گئے۔ دیر تک خاموش رہے پھر سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے

مفتی بی، آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ آم کھا لیے۔ پیر کیوں منگتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ

آپ پر لوگ صبر کرتے ہیں۔ کرم لوانا میں ہو رہی ہیں۔

اگلے روز راجہ شفیع آگیا۔ اس نے مجھے ڈانڈا شروع کر دیا۔ کہنے لگا، مفتی یہ کیا بری عادت

ہے تجھے۔ چھوڑ اسے تو آم کھا پیر کیوں منگتا ہے۔

یہ میرے بس کی بات نہیں راجہ، میں نے جواب دیا۔

بھائی جان تجھ سے ناراض ہیں۔ کہتے ہیں اسے سمجھا جا کر کہ ہل کی کھل اتارنے کی عادت

چھوڑ دے۔

دراصل راجہ شفیع ایک سچا مرد تھا۔ وہ جانے بغیر سامنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مجھ میں جاننے

کا جو نہ تھا سامنے کی توفیق نہ تھی۔

اس کے بعد جب بھی میں شاب سے ملتا تو وہ پوچھتا، مست کا کیا حال ہے کیا ابھی بیٹھا ہے۔

کیا آپ کو الٹی کی شکایت ہوئی۔

چار ایک بار مجھے خلک پڑا کہ شاید یہ شاب کی شرارت ہو۔ لیکن دل نے کہا نہیں۔ شاب

اس قسم کی شہدہ بازی کو پسند نہیں کرتا۔

UrduPhoto.com

پھر ایک دن میں جو کمرے باہر نکلا تو دیکھا کہ مست موجود نہیں۔

میں نے لوگوں سے پوچھا، جو کھلی میں کھیل رہے تھے۔

UrduPhoto.com

کے تھوڑے پر چار بیٹے پڑا تھا۔

اگلے روز علاقے کی پولیس نے آدراڑھ کھٹکھٹایا۔ کہنے لگے، آپ کے بیانات لیجئے ہیں۔

میں نے پوچھا، کس سلسلے میں۔

بولے، اس مت کے بارے میں جو آپ کی دلگیری بیٹھا رہتا تھا۔

اسے کیا ہوا، میں نے پوچھا۔

وہ فوت ہو گیا ہے۔

اگلے دن میں شاب سے ملا تو میں نے کہا، بڑا ظلم ہوا۔

کیا ہوا، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، مست فوت ہو گیا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے، وہ بولا، اس کا وقت آگیا ہو گا۔

میں نے کہا، پچ نہیں کیوں۔ لیکن میں کھلی محسوس کر رہا ہوں۔

وہ کیوں؟

اس مت نے میری الٹی سلب کر لی اور اپنی جان کر قربانی دے دی۔

شاب نے جواب نہ دیا۔

آخر دس ماہ کے بعد مجھے پھر سے الٹی کی پھینپھیں نکل آئیں۔

شاب اس پر مسکرایا۔ بولا، سائیں جی سے کو شاید وہ کوئی اور مت بھیج دیں۔

میں نے کہا، شاب جی۔ یہ تو بڑا منگکا سودا ہوا کہ ہر دس ماہ کے بعد ایک مت کی قربانی

دے دو۔

جواب سے ہو کر بولا 'اوسوں تو چاہے نہ چاہے یہ تو ہوا جو ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ ایک بار شباب نے بھی مجھ سے پرکھ لیا تھا کہ انا اللہ ہم انکسے جچ پر جائیں گے۔ آپ جچ پر جانے کی عرضی دے دیں۔

پھر وہ تین سال میں باقاعدہ جچ پر جانے کی عرضی دیتا رہا، لیکن قریب انداز میں میرا نام نہ لگا۔ اس اثنا میں شباب کا چہلہ ہو گیا اور وہ پینڈ چلا گیا۔

جچ کا پروگرام

میں نے خط میں اسے اطلاع دی کہ اس سال بھی میرا نام نہیں نکلا۔ جواب میں اس نے مجھے ۳۰ دسمبر ۱۹۵۸ء کو خط لکھا جس میں جچ کا پروگرام لکھا تھا۔ مجھے اس قسم کی ہدایات دی گئی تھیں۔

۱۔ جچ کے لیے درخواست دے دیں۔ اگر نام نکل گیا تو خوب۔

۲۔ اگر نام نہ نکلے تو آپ ہیرو آجائیں۔ امریکی ایکسپریس سے کہیں کہ وہ ٹکٹ بنا دیں۔

کراچی سے ہیرو

ہیرو سے ہیرو

ہیرو سے ہیرو

ہیرو سے ایسٹروم ————— لندن ————— ہیرو

ہیرو سے ایسٹروم

ایسٹروم سے کراچی

۳۔ کراچی سے یوں روانہ ہوں کہ ۳۱ یا ۲۷ کو ہیرو بننے جاتیں باقی جنگ لوہن نہ رکھیں۔

۴۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کی شام کو ہیرو بننے جاتیں گے۔

میں اس پروگرام کے مطابق تیاری کر رہا تھا کہ آخری ایام میں۔ غفور صاحب میری گھر آ گئے۔ ان کی آمد میرے لیے حیرت انگیز تھی چون کہ انہیں میرے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ کہنے لگے 'میں راولپنڈی کسی کام سے آیا تھا۔ سوچا آج سے ملتا جاؤں۔

میں نے جچ کی تیاری کے متعلق بات کی تو کہنے لگے 'کیا آپ کو شباب صاحب نے اطلاع

جچ، ہارٹ اٹیک، مکان،

پھر جچ کی بات چل نکلی۔

دراصل جچ کی بات کئی ایک سال سے چل رہی تھی۔

جچ کے متعلق میں نے تمام تفصیلات اپنی کتاب لیک میں درج کر دی ہیں۔ جنہیں یہاں درج کرنا مناسب نہیں چند اہم باتیں یہ تھیں کہ

جچ پر جانے کی خواہش میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جچ پر جانے کی خبر مجھے راجہ بازار کے فوارہ چوک میں کھڑے ایک مست نے دی تھی۔ پھر لاہور چھتائی کی ایک گلیں روڈ کی کوٹھی میں ایک نوجوان مست نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ شباب اور میں برآمدے میں بیٹھے تھے۔ دفعتاً باہر ایک شور مچا ہوا ہو گیا۔ بہت سی عورتیں ہاتھیں کر رہی تھیں۔ ان میں ایک مرد کی آواز بھی تھی۔ وہ جچ رہا تھا چلا رہا تھا۔

پھر وہ ہماری جانب آگیا۔ آتے ہی شباب سے بولا تو اسے جچ پر کیوں نہیں لے جاتا۔ لے جاتا پھر اس نے مجھے بہت سا کرنا نہ کھلایا۔ لے وہ بولا 'رکھ لے یہ تیرا خرچہ ہے۔

پھر وہ شباب کی طرف اشارہ کر کے بولا 'چہ نہیں ایمان والا ہے۔ عمل والا ہے۔ یہ پانچ جچ کرے گا اس کی گاڑی پر بھڑا لگے گا قاضی بنی ہوئی ہے۔' صرف دھچکا دھچکا پاتی ہیں پھر وہ

© Oneurdu.com

میں دی کہ اس سال آپ جے کے لیے نہیں جائیں گے۔ مدینہ شریف میں منعقد ہونے والی ایک
چند ایک روز کے بعد شباب صاحب کا خط ملا لکھا تھا پادشہ اس سال ہم جے پر نہیں جائیں
گے۔

رکلوئیں

جے کے دوران مجھے چار ایک ہاتھ کا پتہ چلا۔

کہ کمرہ میں شباب کو چار ایک بار اٹھایا سنا کا دورہ پڑا۔ دو تین بار اس کے جسم کے جوڑا کڑ
لگے۔ حرکت کرنا ممکن نہ رہا۔ جب بھی کوئی اہم مقام آتا تو اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کڑی
ہا۔

جے سے واپسی کے بعد میں نے اس شخص پر چھل کہ مکہ معظمہ میں ایسے حالات کیوں
اٹھیں آئے تھے۔

مجھے نہیں پتہ وہ بولا، بس میرے راستے میں رکلوئیں کڑی کر دی گئی تھیں۔

کس نے رکلوئیں کڑی کیں، میں نے پوچھا۔

بولا، پتہ نہیں غالباً دی فورسز ہی پوچھا۔

وہ فیری طاقتیں تو نہیں ہو سکتی تھیں۔

اس نے سرنگی میں ہلا دیا۔

ایک بات بتاتے ہیں میں نے کہا، آپ کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی۔ آپ خود ہی کہا کرتے ہیں
کہ رکلوئوں سے گھبراہٹ نہیں چاہیے۔ صرف اس کا راستہ روکا جاتا ہے جس کے پیچھے چاہئے کا خطرہ

ہا۔

ہاں وہ بولا ہوتا تو ایسا ہی چاہیے لیکن۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک بات اور ہے، میں نے کہا یہ رکلوئیں صرف مکہ معظمہ میں پیش آئیں۔ مدینہ
مورہ میں نہیں۔

توجہ اور مرکز

مدینہ منورہ تو رحمت ہی رحمت ہے، اس نے جواب دیا۔

جے کے دوران قدرت اللہ بار بار مجھے ایک ہاتھ سمجھا دیا کہ دیکھو یہی توجہ مرکز سے نہ

۱۹۷۹ء کے آخر میں شباب واپس پاکستان آگیا اور اس نے مرکزی وزارت تعلیم کے سیکرٹری
کا چارج لے لیا اور ۱۹۷۹ء میں ہم دونوں جے پر ملے گئے۔

مرد قدیم

جے میں میرا سب سے بڑا مشاہدہ مرد قدیم تھے۔ مسجد نبویؐ میں جب ہم فجر کی نماز کی تیاری
کر رہے تھے تو مرد قدیم اس جانب سے تشریف لائے جہرہ مسجد کا بڑا آئندہ تھا۔ اوپر سے مسجد
میں داخل ہوئے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

ان کے بڑے کی طرف دیکھ کر میں حیران ہوا۔ ان کے چہرے پر اتنی عزم اور سنجیدگی
تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوہے کے بنے ہوئے ہوں اور اس قدر قدیم ہوں کہ تاریخ کے کسی دور کی
سے نکل کر آئے ہوں۔

برآمدے سے وہ سیدھے ہماری جانب آئے۔ اس وقت ہم فجر کی نماز کے لیے کھڑے ہو
چکے تھے۔ پیچھے سے آکر انہوں نے ہم دونوں کو الگ کیا اور ہمارے دو میان آکھڑے ہوئے۔

اس بات پر مجھے بڑا فخر آیا۔ ہمیں الگ کرنا کیا ضرورت تھی۔

پندرہ بیس منٹ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہم سے منہ سے کوئی بات نہ کی، لیکن
ان کے ہاتھ متحرک رہے اور وہ باتیں کرتے رہے ان کے جسم میں محبت بھری لہریں تھیں۔
اپنا پتہ تھی، کرم نوازی تھی۔ ان کی شخصیت سے عجیب سی وابہریشنز نکل رہی تھیں۔ سلام
پھیرنے کے بعد میں نے قدرت کی طرف دیکھا وہ مجھ کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

لیکن اس کی آنکھوں میں دلی دلی پھلجھڑی چل رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ سمجھتا ہے، چاہتا

ہے۔ گرد و پیش میں چاہے کوئی واقعہ پیش آئے۔ کوئی بھڑکاو یا بحث نہ لڑی کہ (عقل) واقف الہی One word کا معنی ہے کہ یہ فائز تھا کہ یہ تمام مرے دفتر میں بیٹھے بھائے طے ہو سکتے تھے۔

۱. علی کھانے کا مڑا

عینہ منورہ میں دو روز صبح تک چپ بچھے جگنا اور ہم دونوں خجرو مبارک کے باہر کیو میں
 کھڑے ہو جاتے۔ جب مسجد نبویؐ کا خجرو مبارک والا دروازہ کھلتا تو وہ دھکے کھانا ہوا اندر داخل
 ہوا اور خجرو مبارک میں نفل کی نیت پاندھ کر کھڑا ہو جاتا پھر زائین کا مڑا اندر داخل ہوتا
 اور تھک کر دھکا لگا کر وہ یہاں سے وہاں لڑھکتا جا پہنچتا۔ پھر سے دھکا لگتا تو وہ فٹ پل کی
 طرف لڑھکتا ہوا دھڑ آ پہنچتا۔ خجرو مبارک میں نوافل پڑھنا بڑے دل گروے کا کام تھا۔ کئی بار وہ
 ہمارے باہر آکر غلامی چوٹ لگتی، لیکن اس کی نیت نہ ٹوٹتی۔

ہندو متود میں قیام کے دوران تین مرتبہ پاکستان ڈسٹری کے ڈاکٹر نے قدرت اللہ کو پیغام لیا۔ آج رات کو مسجد نبویؐ خصوصی طور پر قضاۃ اللہ کے لیے چند کمروں کے لیے کیے گی۔ آپ چاہیں تو آپ بھی ان کے ہمراہ مسجد میں جا کر نوافل ادا کر سکتے ہیں۔

قدرت اللہ شب نے ڈانگز کا شہر بے لوا کیا اور معذرت کردہ کہ میری طبیعت خراب ہے اس لیے میں حاضری نہیں دے سکوں گے۔ اس کے علاوہ وجہ کے وقت اس سے مجھے آج کا پورا سالہ جزو مبارک میں جانے کا وقت ہو گیا اور وہ جزو مبارک میں حسب معمول دیکھے کھانا بہ اعلیٰ مرتبہ جب پھر خصوصی طور پر مسجد نبوی کے کھانے کی خبر تیری ذرا عنف بگڑ گئی۔ کہنے لگی، آپ کو دیکھے کھانے میں مزا آتا ہے۔ ہمیں آپ جانے سے کیوں روکتے ہیں۔ میں روکتا تو نہیں اس نے جواب دیا اگر آپ چاہا جانتی ہیں تو بے شک جائیں۔ میں ڈانگز صاحب کو فون کر رہا ہوں۔ وہ خصوصی پاس بجھا دیں گے۔

۶/۱۰/۱۱ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا 'آپ بھی عفت کے ساتھ ہو آئیں۔'

میں نے نفی میں سر ہٹا دیا۔

وقت غصے میں بولی کیوں آپ کو کیا ہے۔

میں نے کہا، انہیں دھکے کھانے میں مزا آتا ہے۔ مجھے انہیں دھکے کھاتے دیکھنے میں مزا آتا

انطلاق سوز واقعہ، کچھ بھی ہو اس کا ٹولس نہ لیں۔ دل آزرہ نہ کریں، غم نہ کھائیں، قصہ نہ کریں۔ مرکز سے توجہ نہ ہٹائیں۔ ایسے واقعات صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ آپ کی توجہ ہٹ جائے۔

عینہ منورہ کے ہوٹل میں ایک روز میں غم و غصہ سے بھرا بیٹا تھا۔ اتفاق سے قدرت ا
گیا بھری طرف دیکھ کر بولا کیوں کیا ہوا۔

کچھ نہیں' میں نے اسے ہانپنے کی کوشش کی۔

آپ بڑے ڈسٹرکٹ ہیں وہ بولا۔

میں نے کہا، 'سعودی حکومت نے جو افسر آپ کے ساتھ بھیج کر رکھا ہے، اس کی دیکھ
 ویلیری پر حیران ہوں۔'

اس نے کیا کیا ہے، شہاب نے پوچھا۔

ایک پاکستانی لیڈی ڈاکٹر کو پھنسا لیا ہے۔ دونوں نے یہ سنا کر ایک کر دیا ہے۔ اعلائیہ اسکھے رہتے ہیں۔ شہاب صاحب پہلے مدینہ شریف میں الہی اخلاق سوز حرکت۔

مفتی صاحب اس نے جواب دیا، وہ یہ اختلاف سود حرکت صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کا جھوٹا کر دیں۔ آپ غم و فساد کا شکار ہو جائیں۔ آپ کی توجہ مرکز سے ہٹ جائے گی۔ آپ کے خلاف ایک سازش ہے۔

عام انسان

حج کے دوران دوسری بات جو قدرت اللہ نے مجھے سکھائی یہ تھی کہ حرمین شریف میں زائر کو عام انسان کی حیثیت سے رہنا چاہیے۔ بزرگی کا احساس پیدا نہ ہو۔ حمدے کا احساس نہ

ہو پڑائی کا احساس نہ ہو صرف انسان عالم انسان۔
قدرت اللہ اس پر عملی طور پر باندھ کر

جب بھی وہ حج یا عمرہ کے لیے سعودی عرب آتا تو ایک عام زائر کی طرح کیوں کھڑا ہو کر
وزرا حاصل کرتا۔ کیوں کھڑا ہو کر پی آئی اے کی ٹکٹ نہواتا اور فاران ایئرس پیسینج حاصل کرتا۔

©meurdu.com جس میں ایک جالے پچائے ہوئے انسانہ نگار نے لیک کی رونمائی پر یہ عنوان

سیارہ ڈائجسٹ

نکلا۔

ج کی رونمیا دلکھے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا یہ موضوع اسلام سے تعلق رکھتا تھا۔ اور میں

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سربلہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ماہ اور ایک مسلسل پندرہ ماہ کا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظرین بار بار شاہراہ ہل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مندی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ناشر سیف اللہ صاحب سے سرگوشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ ممتاز مفتی کو صدر گھر میں مرشد کیوں ملا۔ اس کا خبر کے لیے انہیں خائفہوں یا پھر غفلوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے اپنے کالموں میں بار بار اس کا ذکر کیا۔

ترقی پسند

پھر ترقی پسندوں نے اس کتب کے خلاف ایک مہم چلا دی۔ انہوں نے ایک خبر بھیجی کہ ہمسو میں ایک اہلی کانفرنس ہوئی جس میں ممتاز مفتی کے مضمون ”جج بیت اللہ“ پر جو سیارہ احتجاج میں قسط وار چھپ رہا ہے۔ تہہ کیا گیا۔ کانفرنس میں کہا گیا کہ ایسے مضامین لکھے جائیں جو قارئین کو مذہب سے بے زار کریں جیسے کہ جج بیت اللہ۔

اس پر مفتی دُور نے ہفت روزہ ”زندگی“ کے ۳۰ دسمبر تا ۹ جنوری ۶۲ء کے شمارے میں ایک کالم لکھا جس سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

گزشتہ دنوں روس میں امن بذریعہ قلم کار کانفرنس ہوئی۔ اس میں ایشیا اور افریقہ کے ترقی یافتہ اہل لبّ دوس کی ہدایت اور تحریک پر غریب عوام اور ممالک کی جبری ترقی کے ذرائع پر غور و فکر کرتے رہے۔ پاکستان اور بھارت کے بہت سے ”اہل دل“ اور ”اہل درد“ بھی دروہانے کے لیے سیر کو گئے۔ پاکستانی کمونسٹوں کے جدِ اعلیٰ جناب سجاد ظہیر اسی کانفرنس میں امن کے بوجھ سے دب کر اس دنیا سے ہل دیے تھے۔ اس کانفرنس میں برصغیر میں پائیدار قیام امن اور بھارت پاکستان کے فیڈریشن کے قیام کے لیے ان لوگوں کو ایک لائحہ عمل دیا گیا۔ اس کی تفصیل

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سربلہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ماہ اور ایک مسلسل پندرہ ماہ کا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظرین بار بار شاہراہ ہل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مندی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ناشر سیف اللہ صاحب سے سرگوشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

تقریبوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ تقریب کسی نہ کسی منہل پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور مقلد کسی نہ کسی مرحلہ پر پہنچ کر قلم ہو جاتا ہے، یہ مضمون بھی پندرہ ختم ہو گیا اور سامعین نے اس کے ختم کے ساتھ گرم جوشی سے تائیں بنائیں۔

اس تقریب میں ایک مضمون ذوالفقار بٹاش نے پڑھا اور کتب سے گزر کر اس شخصیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جس نے اس ستر کے کو بہت روٹتی بخشی ہے۔ یہ قدرت اللہ شاپ ہیں۔ ذوالفقار بٹاش کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس صاحب کرامت بزرگ کے گرد تین درویش اکٹھے ہوئے ہیں۔ ممتاز مفتی، اشفاق احمد، ابن انشاء ہر درویش مرشد کے حقیقی الگ بیان دیتا ہے اور زہلی داستان بناتا ہے۔

افجاز حسین بنامی کہتے تھے کہ ہم نے بھی شاپ کو دیکھا اور جانا ہے پتہ نہیں مفتی صاحب نے انہیں کس آنکھ سے دیکھا اور وہاں کیا جاوہر پلایا۔

اسرائیل کے ایک جریدے ONEURDU.COM PUBLISHED BY AHARONOT کے ذریعے شائع ہوا ہے جو اسے پاس کر کے 'کاشفاق' کے نام پر درود مجھ سے مخاطب ہو کر ہوا۔
ملتی برمل سے کتاب تمہاری نہیں ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچا کہ اس کتاب کی رائٹنگ
کھو۔

ماری رات میں سوچا رہا اشفاق کی کتاب ہے۔ یہ کتاب میری کتاب نہیں ہے مجھے اس کی
اشاعت میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔
اگلے روز میں نے نیش کونسل کے بلاکس "کتاب" میں اعلان کر دیا کہ لیک کے حقوق
مصنف کے حق میں محفوظ نہیں ہیں۔ جو شخص چاہے اسے مصنف کی اجازت کے بغیر شائع کر
سکے ہے۔

ڈاکٹر یاربر لیسٹکاف

حال ہی میں ایک امریکی ڈاکٹر یاربر لیسٹکاف نے "لیک" پر تحقیق کرنے کے بعد ہندی
دار لائبریری ٹائمز کیم آسٹا جون ۱۹۹۰ء کے شمارے میں ایک چار کالی نمونہ شائع کیا ہے جس کا
انٹرویو ہے۔

"BARBRA METCALF QUESTIONS THE ASSUMPTION THAT
ISLAM IS MONOLITHICALLY INTOLERANT OF SATIRICAL
TREATMENTS OF RELIGIOUS ORTHODOXY AND EXAMINES
THE URDU WRITER MUMTAZ MUFTI'S LABBAIK AN ACCOUNT
OF HIS PILGRIMAGE TO MECCA, A BOOK CONTINUOUSLY
IN PRINT SINCE ITS PUBLICATION IN 1975."

بارٹ انیک

جج سے واپسی کے چند ماہ بعد مجھے دل کا دورہ پڑ گیا۔ رات کے دس بجے کے قریب مجھے
چھاتی میں درد ہوا۔ دل میں سمجھا کہ شاید درد رتے ہے۔ مجھے اکثر ہوا کی شکایت ہو جاتی تھی۔ درد
بڑھتا گیا بڑھتا گیا حتیٰ کہ نا قابل برداشت ہو گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بارٹ انیک
ہے۔

کانفرنس میں اس مقدمہ کے لیے پاس کی جانے والی قرارداد میں کہا گیا کہ
"بھگہ دیش" کے قیام کے بعد برصغیر میں عوامی تحریک اور پروٹکری نگر
کی کاپیوں کو مزید منظم کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان
ثقافتی دیواریں توڑ دینا چاہئیں۔ پاکستان اور بھارت میں کنفیڈریشن کا قیام
اور پائیدار امن اسی صورت ممکن ہے کہ پاکستان میں جینیائی اوب اور
دہشت پسند تحریروں کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ دہشت پسند کمیتوں
اور پرانے ہندی ہنسی انداز کے انسانوں کی تشویر ہے حد ضروری ہے
جس میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا مذاق اڑایا جاتا جائے۔ قرارداد
میں کہا گیا ہے، اس سلسلے میں پاکستان میں روسی سفارت خانے کا تعاون
بہت ضروری ہے اور امریکی مراکز اطلاعات سے بھی مدد حاصل کرنا
چاہیے۔ کراچی سے نکلنے والے دو رسائل "عالمی ڈائجسٹ" اور "سب
رنگ ڈائجسٹ" کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور لاہور کے رسالہ "سیارہ
ڈائجسٹ" کے جنوری ۱۹۹۰ء کے نمونہ "ج بیت اللہ" کی تحریف کی
گئی ہے۔ برصغیر، فلج کی ریاستوں اور مشرق وسطیٰ کے ترقی پسند
معتقدین کو اس محل پر فوری جہاد امن شروع کر دینے کی تلقین کی گئی
ہے۔

ایک روز شب اور اشفاق بازار سے کچھ کتابیں خرید کر اسے تو اشفاق کئے لگا یا ملتی
تیری کتاب "لیک" اولی کتابوں کی دوکان پر نہیں ملتی۔ اسلامی کتابوں کی دوکان پر ملتی ہیں۔
شب ابول۔ قرآن کریم اور حدیث کی کتابوں میں رکھی ہوئی ہے۔ حیرت کی بات ہے میں
نے کہا میرا خیال تھا اس کتاب پر بڑے اشتیاقات ہوں گے۔

ہاں ہوتا تو کیا چاہیے تو اشفاق نے کہا۔
معلوم ہوتا ہے کسی اللہ کے ہنر سے اس کتاب کو پاس کر دیا ہے۔

مشیخ نے دو تین پارکاً میں ڈاکٹر لے آتا ہوں۔ لیکن میں نے (Dr. Farid) صاحب آپ کی ریکوری تو خوب رہی۔ آپ کا تو سکار بھی نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے ہماری دوائیاں بڑے اہتمام سے کھائی ہیں۔

میں نے کہا: جناب میں نے سیانے لوگوں سے مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا قلب کے لیے بہترین دوا طب میں نے کی۔ اس لیے میں خیرہ مراد یہ کہا تا رہا۔ کلور سٹل کے لیے مجھے بائو کسی میں ایک ایسی دوا مل گئی جو خون نہ کاڑھا ہوئے دیتی ہے نہ چٹا کرتی ہے۔

یہ سن کر ڈاکٹر صاحب سخت بگڑے ہوئے 'آپ پڑھے لکھے ہو کر کوئی بکس کی دوا کھاتے ہیں۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب ابھی ابھی آپ فرما رہے تھے کہ کمال کی ریکوری ہوئی ہے۔ سکار تک مٹ گیا ہے۔

اس پر وہ دودھ بگڑے۔ ہوئے 'آپ علاج کے لیے میرے پاس نہ آئیں۔ آپ انہی سے مشورہ کریں جن کی دوا کھاتے ہیں۔

ہارٹ اٹیک کے بعد ہسپتال میں لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آتے رہے۔

مکان

سب سے پہلے میری بیوی آئی۔ کہنے لگی 'آپ ہارٹ اٹیک کرا کے بیٹھ گئے ہیں اور ہمارے لیے ابھی تمہیں نہیں کیا کہ سر پہچانے کے لیے ایک کو فوری بنا دیتے۔ مجھے اس کی بات سن کر بڑا غصہ آیا کہ میں دل کے عارضے سے پرہیزوں اور یہ بی بی گھر کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

دیے اس کی بات کہی تھی۔ لاہور میں جو گھر ہمیں ملا تھا وہ ہم چھوڑ کر راولپنڈی چلے آئے تھے۔

پنڈی میں حکومت نے سرکاری ملازموں کو سیٹلائٹ ٹاؤن میں پلاٹ دینے کی سکیم بنائی تھی۔ میں نے بھی ایک مرضی دے دی تھی۔ میرا کلیم منظور ہو گیا تھا۔ ابھی پلاٹ نام زد نہیں ہوا کہ میرا چاولہ کراچی ہو گیا تھا۔

یوں میرے نام کوئی پلاٹ یا مکان ملا نہیں ہوا تھا۔ میری بیوی کے چلنے کے بعد میرا ایک دوست احسان میری خبر لینے کے لیے آگیا۔ احسان سی ڈی اے میں انکوائس افسر تھا۔ میں

میرا سہا ہے۔ ان دنوں ہم دونوں سیٹلائٹ ٹاؤن میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

میرا ج کپڑا گرام بنا تو مشیخ نے مجھے سے کہا کہ تمہارے بچے چلنے کے بعد اقبال اور بچے اٹیک رہ جائیں گے چوں کہ کبھی ابھی چیک سلاو کر کے واپس نہیں کیا تھا۔

کہنے لگا: ہماری گلی میں ایک مکان خالی پڑا ہے بہتر ہے ج پر چلنے سے پہلے مکان بدل لیں۔ اس کے کہنے پر میں نے مکان بدل لیا تھا۔

مجھے چھاتی میں درد ہوا تا اقبال نے مشیخ کو بلا لیا۔ جب درد نا قابل برداشت ہو گیا تو مشیخ نیکی لانے کے لیے بھاگا۔ پھر دھمتا "یوں ہوا جیسے کسی نے پانی کی منگ بجھ پر گرا دی ہو اور میں بے جان ہو کر چار پائی پر گر پڑا۔

ہولی فلی ہسپتال میں انہوں نے مجھے پے پے ڈین کا ٹیکہ لگا کر سلا دیا۔

اگلے روز ڈاکٹر آیا تو میں نے اسے بتایا کہ مجھے دل کا دورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: آپ فکر نہ کریں۔ ابھی پتہ چل جائے گا پہلے آپ چار ایک شٹ کروائیں۔

تین دن میں کیوس کمرے ہو کر شٹ کروا دیا۔ چوتھے دن میں نے ڈاکٹر سے کہا: جناب میں قلم مزدور آدمی ہوں۔ گھر چلانے کے لیے سکرپٹ لکھتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ گھر چلا چلوں اور سکرپٹ لکھنے شروع کر دوں۔

ڈاکٹر نے کہا: آپ کے دستوں کے نتائج آجائیں گے میں انہیں دیکھ کر آپ کے بارے میں فیصلہ کر سکوں گا۔

اگلے روز وہ گھبرایا ہوا آیا کہنے لگا: آپ کو کارڈری انفکشن ہوا تھا۔ بہت شدید ہارٹ اٹیک تھا۔ آج سے آپ بیڈ ریسٹ پر ہیں۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب مجھے آپ پر اعتماد نہیں رہا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ پہلے روز ہی اعتدال کے طور پر مجھے بیڈ ریسٹ کا حکم دیتے۔ اس پر ڈاکٹر ناراض ہو گیا اور میں اس کی اجازت

لے بغیر گھر چلا آیا۔

چھ مہینے کے بعد میں ڈاکٹر کے کلینک میں گیلہ انہوں نے میرا ای سی بی کیا اور خوشی سے

© neurdur.gov

نے کہا تمہارے جیسے دوستوں کا کیا فائدہ ہے۔ دیکھو ابھی ابھی میری بیوی مجھ کو لے کر نکلتی ہے۔ ایک کو غرضی کا انتظام بھی نہیں کیا۔

احسان نے کہا ایک عرضی لکھ دو۔

میں نے کہا 'واہ دل کے مریض سے عرضی لکھواتے ہو۔

اس نے کہا 'اچھا ایک کلمہ پر اپنے دستخط کر دو۔ چہ بیٹے کے بعد مجھے ایک خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمہارے نام اسلام کلب کے ایف۔ ایکس سیکڑ میں ایک ۳۰ x ۴۰ کا پلاٹ الٹ کر دیا گیا ہے۔ لہذا پانچ ہزار روپے لدا کر کے پلاٹ پر قبضہ حاصل کر لیں۔

میرے لیے پانچ ہزار کی رقم بہت بڑی رقم تھی۔ پاکستان میں میری ملازمت صرف چندہ سال کی تھی۔ میری پنشن کمپنیشن کے بعد بے ۲۰ روپے بنی تھی۔ میں نے جون توں پلاٹ تو حاصل کر لیا، لیکن مکان تعمیر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

تین سال کے بعد سی ڈی اے کے نوٹس موصول ہونے شروع ہو گئے کہ اگر آپ نے مکان تعمیر نہ کیا تو پلاٹ ضبط کر لیا جائے گا۔

میں سی ڈی اے کے اصرار سے جاننا میں نے کہا 'جہاں میں ایک راکٹر ہوں۔ ہم مزدوری کرتا ہوں۔ مکان بنانے کی توقع نہیں رکھتا' اگر آپ لوہے کے حوالے سے مجھے خصوصی اجازت دے دیں کہ جب بھی توفیق ہو، مکان بنوانوں تو شکر گزار ہوں گا۔ انہوں نے میری درخواست کو منظور نہ کیا۔

آفرز

پھر پلاٹ کی آفرز آنے لگیں۔ میں ہزار روپیہ، چھٹیں ہزار روپیہ، تیس ہزار روپیہ، جب ۳۵ ہزار کی آفر آئی تو میرا دل ڈل گیا۔

میں پھر سی ڈی اے کے افسروں سے جا ملا۔ میں نے کہا 'علی چاہ' میرا ایمان ڈل گیا ہے۔ پلاٹ کی آفر ۳۵ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

میرا خیال تھا کہ وہ کہیں گے کہ نہیں آپ پلاٹ کو بیچ نہیں سکتے یہ قانون کے خلاف ہے۔

وہ ہم آواز میں بولے 'بیچ دیجیے۔ بس آپ کو برسرِ سنت اتباع دینا پڑے گا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا ٹیوڑ اڑ گیا۔

پھر امین صاحب آگئے۔ وہ مجھے میں لال بھجوا کا ہو رہے تھے۔

امین صاحب۔ قدرت اللہ کے بہنوئی تھے۔

امین صاحب کی شخصیت میں تین اوصاف نمایاں تھے۔ ایک تو وہ سراسر مرلا مستقیم تھے۔ دوسرے خدمتِ خلق کے دوانے تھے اور تیسرے بڑے فیصل تھے۔

انہوں نے آتے ہی کہا 'میں نے سنا ہے آپ اپنا پلاٹ بیچ رہے ہیں۔ خیراد جو آپ نے

پلاٹ بیچا۔

میں نے کہا 'امین صاحب مکان تعمیر کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔

کتنے روپے ہیں آپ کے پاس' انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'صرف چندہ ہزار روپے۔

کتنے گئے 'چودہ ہزار کا چیک کٹ دیجیے ابھی اس وقت۔

اگلے روز میں نے شاپ سے بات کی۔

شاپ کتنے لگا 'آپ کو مبارک ہو۔ اگر آپ کے گھر کی تعمیر کا زمہ امین نے لے لیا ہے تو

آپ کا مکان بن گیا۔ امین اللہ کو گھر تعمیر کرنے کا ذوق ہے۔ وہ لوگوں کے گھر تعمیر کرتے رہتے ہیں۔

مارا دن ہزاروں کی خاک چھلتے ہیں تعمیر کی سستی ترین چیزیں خریدتے ہیں اور باقی وقت لبر کی

پرورڈن میں صرف کرتے ہیں۔ میرا گھر بھی انہوں نے بنایا تھا۔ میرے پاس بھی رقم نہ تھی۔

لیکن شاپ صاحب 'میں نے کہا دو لاکھ روپے آئیں گے کہیں سے۔ امین خاں کو کہیں۔

نہ ہی دو کروڑ پتی ہے۔

وہ مسکرایا 'یو! ایسے کاموں میں فیصلہ لارہو جاتی ہے۔ شاپ نے بیچ کا تھا۔ پتہ نہیں کہیں

کہیں سے رقمیں آتی گئیں۔ انہا نے دیکھے پیدا ہوتے گئے۔ انہائی بکوں سے رقمیں آتی گئیں

اور ۶۹ میں میرا مکان بن گیا۔



۱۔ تنگ دستی، خوف و ہراس
۲۔ صیہونی جادو
۳۔ ایٹمی کی واپسی
۴۔ دو اپانچ

تنگ دستی، خوف و ہراس

بھارتی حکومت کے سربراہین نے
انہوں آتے ہی مارشل لا نافذ کر دیا۔

جنرل یحییٰ

انہوں نے نیکرزوں کی ایک بیٹنگ بلائی جس میں سول افسروں کو سخت جھاڑ بھجوا دی اور
اپنی حکومت کے حلقہ منہ پھاڑ کر دعوے کیے۔ ہم یوں کر دیں گے، ہم دوں کر دیں گے۔
اس پر قدرت اللہ شاپ نے فیروز محمول مارشل لا کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگا، جناب آپ
کے مارشل لا کی کیا بات ہے نمایاں صاف ہو رہی ہے۔ کیا مارلی چاہی ہیں۔ قلعوں کی
دوکانوں پر جامیں گولا کی جارہی ہیں۔ خاک روپ بیکار پر سڑکیں صاف کر رہے ہیں۔
یہ سن کر جنرل کا پارہ چڑھ گیا اس نے نیکرزوں سے کہا اس شخص کا ذہن چل گیا ہے۔
اسے سمجھاؤ۔ ورنہ اسے خیارہ پھینکا دے گا۔

اس پر بعدد کرکشی نے شاپ کو گھیرے میں لے لیا اور اسے سمجھائے گئے۔
اگلے روز شاپ نے اپنا ایشیے پیش کر دیا۔

UrduPhoto.com



قدرت اللہ شاپ (۱۹۸۳ء)

سنبیل احمد بشیر

اور عمر بھر میں نے شب کے چلنے کے حکامات جاری کر دیے۔ حلقی کو تعلیم کا نیکرٹری ہنر
کر دیا اور شب کو روح نیکو سمجھنا دیا۔ اس کے علاوہ ہنر نے چنیدہ چنیدہ اکوئیں کو ڈیوٹی لکھی کہ وہ
ہادی ہادی شب کو سمجھائیں کہ وہ اپنا اشتغاف واپس لے لے۔ ان میں راجہ محمود آپد بھی شامل
تھے۔

ہنر نے جی جبرجگ حم کا آدمی قتل اسے تین پاؤں سے دلچسپی تھی۔ انکسراز آف پاور۔
شراب نوشی اور موٹی عورتیں۔

رات کے وقت شراب نوشی کا دور شروع ہو جاتا تھا کرے میں مونے گوشت کی دلدل
بجھ جاتی جس میں ہنر یوں لت پت پڑا رہتا جیسے سمندر کے کنارے کچھڑ میں مگرچھ لت پت پڑا
رہتا ہے۔

میں نے شب سے کہا یہ آپ نے کیا کیا۔ خواہ مخواہ ہنروں کے چنے کو چھڑ دیا۔
شب نے جواب دیا "ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم سب ہی حضور صیہ ہیں"
حکومت کا کوئی بھی سربراہ آئے۔ جائز طریقے سے آئے یا ناجائز طریقے سے۔ حکومت کرنے کی
الیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ چاہے ذلتی ہو، بخوار ہو۔ چاہے جسمانی طور پر مفلوج ہو، صاحب
کر دار ہو یا نہ ہو ہم سب ہی حضور صیہ اس کے گرد گھیراؤں لیتے ہیں اور ذاتی مفاد کے لیے اس کے
کن گاتے ہیں۔ تفریقوں کے پل پاندھ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حقائق پس پشت چلے
جاتے ہیں اور فیئینسیسی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا جناب آپ نے سانپ کی دم پر پاؤں رکھا ہے۔ اب کیا ہو گا؟ آپ کی مدد کو
کوئی نہیں آئے گا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں شب کو یو نیکو سے ملاوا آکریڈ ڈائریکٹروں کی ایک میٹنگ میں
شرکت کے لیے وہ پیرس روانہ ہو گیا۔ کراچی میں وہ حلقی سے ملاوڑ اسے چارنگ دے دیا۔

پیرس سے اس نے ڈاکٹر مفت کو فون کیا کہ "فورا" لندن "چانچو" مفت اور ثاقب چپ چاپ
لندن روانہ ہو گئے۔

بہائی جان نے کہا انہوں نے اچھا کیا کہ یہاں سے چلے گئے۔ یہاں مفلو پرستوں کا دور دورہ
ہو گا۔ بی حضور صیہ گھبراؤں لیں گے۔ نفسا نفسی ہو گی۔ آپا دھاپی چلے گی، لیکن آپ گھبراہٹیں



مستاز مفتی، محمود ہاشمی، رضا عابدی، افتخار عارف اور دیگر لندن کے جلسے میں



شب اب اور سیری

آئی پہنچ سکا۔ کئے گئے، ہمیں بھی من کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

اسی شام کو راجہ شفیق آکیہ۔ دو دست شے میں تھا، آئے ہی مجھ سے لڑنے لگے۔ کہنے لگا، میں اپنی مشکل سے بھائی جان کی توجہ شہاب صاحب کی تینتائی کی جانب مبذول کرتا ہوں تاکہ وہ انہیں جہد میں تینتات کرادیں، لیکن تم من کی توجہ دوسری باتوں کی طرف الٹھا دیتے ہو۔ میرا کیا لایا بڑا کر دیتے ہو۔

دراصل راجہ یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے رویے کو بدلنے پر قادر ہیں۔ اس کے برعکس میں یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے پروگرام پر پلٹے پر مجبور ہیں، چاہے وہ اتنے پسند کریں یا نہ کریں۔

میں نے بہت کوشش کی حتیٰ کہ راجہ کو یہ بات سمجھاواں، لیکن میں بری طرح سے ناکام ہوا تھا۔

راجہ شفیق دراصل رسمی قسم کا مرید تھا۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا کہ چلائی سے بھائی جان کا رخ بدلے اور انہیں اپنی ضروریات کے مطابق استعمال کرے۔ مجھے اس کی روش پسند نہ تھی۔ اس لیے میں محسوس کرتا تھا کہ میں آکیہ راہ گیا ہوں۔ اس کے باوجود میں راجہ کے غلوں کا معترف تھا۔

فینٹسیسی

شہاب کے جانے کے بعد وقتاً بے وقتہ مجھ میں فینٹسیسی کا ایک طوفان جاگ اُٹھا۔ تصویریں، نقش تصویریں، نگلی تصویریں۔

میں جوانی سے ہی فینٹسیسی کی بنیادی کاغذ تھا۔ جب بھی میں فارغ ہوتا تو میرے ذہن میں ایک قلم چلنے لگتا، نگلی تصویریں، ہوس سے بھرے ہوئے مناظر، قتل، اغراض خیالات، نقش پھول، شجر۔

پہلے میں اس صورت حال میں الزام دیکھی لیتا تھا۔ جب مرد فتنہ اور بھائی جان سے متعارف ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ علامت میری ذہنی غلط کاری کو ہوا دیتی ہے۔ میں نے بھائی جان سے بات کی۔ انہوں نے قریباً آپ کلہ پڑھا کریں، پھر میں نے اس کیفیت پر ملاحظہ

نہیں۔ یہ دور صرف ایک یا دو سال چلے گا۔

راجہ نے کہا، جناب ہم سب کے حالات خراب ہو رہے ہیں۔ ہم سب مصائب میں گرفت ہوئے ہیں۔

بھائی جان بولے جب مصیبت آئی ہے تو ایک فرد پر نہیں آئی، سارے گھرانے پر آئی ہے۔

تین چیل

راجہ نے کہا بھائی جان مصیبت جب بھی آئی ہے ہمارے گھرانے پر ہی آئی ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ آپ کیوں نہیں کوشش کرتے کہ شہاب کی مصیبت جگہ پر تینتائی ہو جائے۔ بھائی جان مجھے تھکایا کر کے بولے، آپ کو علم ہو گا کہ وہ کس جگہ تینتائی چاہتے تھے۔

میں نے کہا، جناب انہوں نے اس بارے میں مجھ سے بات نہیں کی البتہ راجہ محمود آہا سے کیا تھا۔

کیا کہا تھا، بھائی جان نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا، انہوں نے جہد کی سقارت کے لیے کہا تھا۔ راجہ محمود آہا صاحب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ کہنے لگے، فادان سروس میں تین مقام جنل خانے کے حرافہ کبھی جاتے ہیں۔ جلال آہا، جہد اور جھکڑ۔ جہد کی پوسٹ بے لٹس کے برابر ہے۔

پھر شہاب صاحب نے کیا کہا، بھائی جان نے پوچھا۔

شہاب نے کہا، مجھے متکور ہے۔

شہاب صاحب جرنیل صاحب کو جی حضور یوں کی ضرورت ہے، اگر آپ جی حضور لیے بننے کے لیے تیار ہیں تو جہاں میں گئے، لگے۔ اگر جی حضور لیے بننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو جہاں

جائیں گے اسے کراہ کر ٹاپا دے گا۔
نیک کہتے تھے راجہ محمود آہا، بھائی جان بولے۔

بھائی جان، میں نے کہا۔ شہاب صاحب کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہتے ہیں چٹنی ہوں اور ایک نہیں دو لوں گا۔ جرنیل کو کمری کمری سٹاؤں گا اور جہد کی پوسٹ بھی لوں گا۔

شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس دہائی بیماری میں تخفیف تو ہو گئی، مگر کچھ عرصہ بعد دوبارہ شروع ہو گیا۔

نکلنے بھی بھلا دورہ پڑ جائے۔ میں نے شب سے بات کی۔ اس نے کہا دورہ پڑتا ہے تو پڑے گا۔ اسے لہجہ نہ تھا۔ وہ اہمیت دے گا تو اسے تقویت ملے گی۔

اگرچہ شب کا جانا ہوا طریقہ مشکل تھا۔ اس کی نسبت لاجول پڑھنا آسان تھا۔ لیکن لاجول پڑھنے میں حقہ باقدم کی کیفیت تھی اور اس طرز عمل میں دورے کو خواہ مخواہ اہمیت ملتی تھی۔

بہر حال چار پانچ سال میں فینینسی کے دورے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ لیکن ان ایام میں پتہ نہیں کیا ہوا۔ ایک دم باوجود فینینسی کا ایک طوفان چلنے لگا۔ میں نے لاجول پڑھا۔ پتا لاجول پڑھتا تھا ہی طوفان خیز ہو گیا۔ پھر میں نے اس انکوار کرنے کی کوشش کی، لیکن عیب۔

میں بھائی جان کے گھر کی طرف بھاگا۔ وہاں مکان پر تالہ لگا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ ان کی بیوی بیمار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔

پھر میں راجہ شفیق کی طرف چل پڑا۔

راجہ فیروز معمول ترک میں تھا۔

میں نے کہا راجہ تجھے کیا ہوا۔

بولا "سب چھوٹ ہو گیا۔"

کیا مطلب۔

بولا "ایز یو ور۔ میں اپنی اصلیت کی طرف مڑ گیا ہوں۔ سارا دان تاش کھینا ہوں۔"

سینکس کے ساتھ۔

منہ ڈبلی نہیں۔ کچھل پھٹے پانچ سو جیتے۔

ارے میں چالایا تمہاری زبان میں لکت کیوں ہے۔

ایک چٹکی لی ہے۔ تم لو گے۔ وہ مڑا لمداری کھپٹ کھولا اور بوتل نکال کر میز پر رکھ دی۔

ایک گھونٹ لی اور وہ بولا "پھر چارے پر جا کر گھاسیں گے۔"

وہاں میری ایک پرانی سیکی رہتی ہے۔

راجہ شفیق سے بات کرتا ہے کہ ہر حال اس کی تو اپنی جڑی الٹی چل گئی تھی۔

اور قدرت کے متعلق بڑی پریشان کن خبریں آ رہی تھیں۔ وہ لندن کے مصائب میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش پذیر تھا۔ گھوڑا بند ہو چکی تھی۔ اسٹیشن منظور نہیں کیا گیا تھا۔ پٹن کی لوائیج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ کوئی بک الاؤنٹ نہ تھا۔ پرائیویٹ کے مالک اپلاس کے لائوسٹ پر گزر کر رہا تھا۔ یہ لائوسٹ بہت کم تھا۔

قدرت اللہ کا چھوٹا بھائی حبیب شاہ جو اسٹیشن چیک میں پبلک ریلیشنز کا ڈائریکٹر تھا ان دنوں قدرت سے ملنے کے لیے لندن گیا تھا اس کے بیان کے مطابق:

قدرت اس کی بیوی ڈاکٹر عفت نور پٹا صاحبہ اس چھوٹے سے گاؤں میں

کیمپری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ صبح ناشتہ پر ایک سوکھا نوٹ۔ دوپہر

کے کھانے پر ایک تازہ نوٹ چائے میں بھگو کر اور رات کو ایک نوٹ

آلیٹ کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ان کے ساتھ کسی ایک روز رہنے کے

بعد جب میں واپس آیا تو مجھے کھانے سے کوئی رغبت نہ رہی تھی۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دل اور جینٹ میں کافی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔

کیوں کہ کئی تکلیف دہ مقرر دل و دماغ پر ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔

سات سالہ صاحبہ پیل یا پائیکل پر سکول جاتا تھا۔ سکول جاتے آتے ہر

بار اس کا سائیکل برف میں پھنس جاتا تھا۔

برف و بارش میں قدرت کا پیل سفر خود سوا لاکھ لائبریری جانا۔ کھینچ

کے گٹے پر کپڑے دھوتا۔

عفت کی پریشان حالی "بے بسی" "آہیدہ" انھیں "گرتی ہوئی صحت۔ ان

سب مصائب کے باوجود قدرت کی منتظر میں نہ تو کبھی تھی اور نہ اس

نے کبھی کسی کے دورہ ان مصائب کا رونا دیا تھا۔

حبیب شاہ

حبیب شاہ "عملاً" قدرت اللہ سے مختلف تھا۔ وہ ایک جرنلسٹ تھا۔ سوشل فوڈ بات

تے دوچار ہوتے ہیں تو حبیب کو پتہ چل جاتا ہے اور آپ کی طرف اٹھ بھاگتا ہے۔

وہ سکرایا بولا، حبیب اور میرے درمیان ایک عجیب تعلق ہے۔ میرے دکھ اور تکلیفیں حبیب کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔

قدرت نے کہا، وہ ہر مشکل میں میرے کام آتا ہے۔

بچپن میں جب ہم گلت میں گورنر گمر میں رہتے تھے، ان دنوں مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہاں چھوٹی چھوٹی کتابیں کرائے پر ملتی تھیں۔ میں روز ایک کتاب کرائے پر لیتا تھا حبیب اور میں دونوں گھر سے اپنے اپنے بچے اٹھا کر سکول کے لیے نفلے گاؤں ہاؤسز میں چند ایک کو غریب خلی پڑی تھیں۔ سکول میں جانے کے بجائے میں ایک کو غریب میں گھر جاتا تھا حبیب سے کہتا کہ تو کو غریب کی باہر سے کنڈی لگا دے۔ میں وہاں سارا دن کتاب پڑھتا رہتا تھا جب حبیب سکول سے واپس آتا تو کنڈی سکول گھر بھیجے گا پھر کتاب اور ہر مہرہ دونوں بچے اٹھا لے کر گھر میں یوں داخل ہوتے جیسے سکول سے آئے ہوں۔ کہنے لگا، میں نے حبیب کو دھوئیں دے رکھی تھی کہ اگر تو نے راز فاش کیا تو کتے مار مار کر تیرا بھر کس نفلے دوں گا۔

میں نے کہا، شام صاحب یہ بتائیے کہ جب آپ کلک میں باندھ ہاؤس کے بدامرواح کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو کیا حبیب کو آپ نے بلایا تھا یا وہ از خود آیا تھا۔

از خود آیا تھا، اس نے جواب دیا۔

پابند

میں نے کہا شام صاحب آپ نے جو کلک کے باندھ ہاؤس کا نقشہ کھینچا ہے وہ عام باندھ ہاؤس سے بہت مختلف ہے میں نے بھی چند ایک باندھ ہاؤس دیکھے ہیں، بلکہ ہاؤس میں دھارے کھانے میں کسی ایک مقامات باندھ تھے۔ باندھ ہاؤس میں عجیب نوعیت کے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ کیلا چیلو تو اندر سے رست پر آمد ہو۔ باندھ ہاؤس میں واکر آسکتا ہے، لیکن وہاں کا خبر میں نہ تھا۔

شام صاحب باندھ ہاؤس کا یہ واقعہ اکثر سنایا کرتے تھے، لیکن ہر بار تفصیلات میں فرق پڑ جاتا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ بھوت بولتے تھے بلکہ یہ کہ پورا جی بیان نہیں کرتے

چیت کرنے کا دلداد، میل جول کا شوقین۔ قدرت کی طرح وہ انکو ورت میں تھا بلکہ ایک شرور ورت تھا قدرت کی ہر اسرار زندگی کو قہیب سے دیکھنے کی وجہ سے اسے راز دان کا راز ادا کرنا پڑا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بیانات میں بہت محتاط ہے۔ ہر معاملہ اسے اپنے پیسے بھلی کے کردار کی عظمت کا اثر سے احساس ہے اس مضمون میں جو اشفاق احمد نے اپنی کتاب ذکر شام میں شائع کیا ہے۔ اپنے پیسے بھلی کے حلق حبیب لکھتا ہے کہ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا عظیم انسان نہیں دیکھا جس نے جیسے ضبط اور کسر نفسی سے کام لیا، اللہ نے ذہانت اور دیانت کی خوبیوں سے نوازا۔ جو غریبوں کا دوست رہا جو عزیز و اقارب و دوست احباب کے لیے شفقت، محبت اور خلوص کی دولت سے مالا مال تھا۔ قدرت کی ذات کی یہ عظمت بچپن ہی سے آشکار تھیں۔ بچپن ہی سے اپنے ہم عمروں میں منفرد نظر آتا تھا۔

اس کے بعد پتہ چلا کہ جہل بچپن نے کچھ فنی افسروں کو لندن بھیجا ہے تاکہ وہ قدرت اللہ کو گرفتار کر کے پاکستان لائیں اگر یہ پروجیکٹ ممکن نہ ہو تو اس کے بیٹے کو اغوا کر لیں، تاکہ وہ پاکستان آنے پر مجبور ہو جائے۔

یہ خبر قدرت اللہ تک پہنچی مگر چونکہ لندن کے سرکاری معلقوں میں اس کے خیر خواہ بھی موجود تھے۔ قدرت کی گرفتاری کا امکان اس قدر تکلیف دہ نہ ثابتا تا قہیب کا اقرار۔ بل کہ وہ چاہا تو وہ قہر و غصے سے دہرائی ہو گئی۔ قہیب سکول جاتا تو دروازے میں کڑی رہتی۔ قدرت ہاؤس لگا تو قہر و غصے سے گریہ ہوا جب اللہ خبر کرے خبر سے واپس آ جاسا۔

حبیب اور قدرت کے تعلقات عجیب سے تھے۔ قدرت کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تو حبیب پر اک بے نام بے چینی طاری ہو جاتی تھی۔ اور قدرت کی جانب اٹھ بھاگتا کلک کے باندھ ہاؤس میں جب قدرت بدروحوں کے گھیرے میں پھنس گیا تھا۔ تو قدرت نے حبیب کو بلایا نہیں تھا۔ حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔ لندن میں جب قدرت تک دیتی کا ظہار ہوا تھا۔ تو حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔

ایک روز میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ کیا اسرار ہے کہ جب آپ کسی مقام

نے میں پایا۔ میں نے کئی بار کوشش کی تھی کہ شاپ سے مل جاؤں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ تل اور پانی کا ملاپ ہے۔ ایک گلاس میں دونوں اکٹھے ہو بھی جائیں تو بھی تل جیل رہتا ہے اور پانی پانی۔

صیہونی جادو

قدرت الٰہی شاپ نے شاپ ٹائے میں اسرائیل کے دوسرے کے خفیہ مشین کی روایت کو سرسری طور پر بیان کی ہے، لیکن اس نے اسرائیلی جادو کا ذکر نہیں کیا۔ شاپ ٹائے میں کہا ہے کہ جب اسرائیل نے فلسطینی علاقے پر قبضہ کر لیا تو یہ نیکو نے اس پر غایہ کر دیا کہ وہ فلسطینی بچوں کو ان کی مذہبی تعلیم سے محروم نہ کریں۔ فلسطینی اساتذہ انہیں تعلیم دیں اور وہ انہیں سکولوں میں پڑھائی جائیں، جو یہ نیکو میں سے منظور شدہ ہوں۔

اسلام دشمنی

اسرائیل نے حاتی تو بھلی لیکن عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے فلسطینی اساتذہ کو تختہ چھین دے کر گھروں میں بٹھا دیا اور یہ نیکو کی منظور شدہ کتابوں کی بجائے ایسی کتابیں رائج کر دیں جن میں اسلام، سیرت مبارکہ اور عربی تاریخ و ثقافت کے خلاف گمراہ کن پراپے کنڈا رقم تھا۔ مثلاً یہ نیکو کی منظور شدہ کتاب میں THE HOLY PROPHET OF ISLAM کے بدلے اسرائیلی اپنی کتابوں میں THE FALSE PROPHET OF ISLAM میں بدل دیتے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ فیش محل میں ایک سناٹا لعلی سے بند ہو گیا ہے۔ لڑے کے بخار کی طرح میرے تن بدن پر کچلی طاری ہو گئی اور دانت بے اختیار کٹ کٹ بچنے لگے۔ مری کے مریض کی مانند تشنگی میں گرفتار ہو کر آہ "ہا" "ہا" "ہا" لڑھکا ہوا میں ایک ایسی قائم دندل میں جا گرا جہاں پر لعل انسانی کی ہزاروں سال کی خوابیدہ تاریخ و نگہانی لے کر بیدار ہو گئی اور کنگھن کی طرح جگ جگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ڈی شان ٹریفیوں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تھی تاکہ ان کو اپنے کچھ غائبانہ قدرت دکھائے۔

اسی مسجد میں قریش نے عرش تک ٹوٹی ٹوٹی فرشتوں نے وہ راستہ منور کر دیا جس پر نبوت کا سطر اقتدار کے حضور ﷺ نے رسالت کی معراج کو چلایا۔ سدرۃ المنتہی کے پاس جس کے قریب جنت اللہ کی ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہی کو لپٹ رہی تھی۔ جو چڑچڑاہٹ رہی تھی لگاؤ نہ تو اٹھ لور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے غائب دیکھے۔

خبر نہیں وہ وصل کی گھڑی تھی یا فراق کا لمحہ کہ میں اس وقت فضائیں اذان کی گواہ گنجی اور بچپن میں کہیں پڑھا ہوا ہے پرانا شعر مجھے بے اختیار یاد آ گیا۔
خدا کچھ موزن سے کہ ٹوکا میں عشرت میں
چمکی مجھ پر چلا دی نوحہ اللہ ہو آکبر سے
جس شخص کے مسجد اقصیٰ کے حلقے میں جذبات ہیں جو مندرجہ بالا کوشش میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ وہاں سونے کے لیے نہیں جاتے گا۔

عربوں کو اسرائیل کی اس چال کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے یونیسکو کو رپورٹ دی۔ لیکن جب بھی یونیسکو کی انکوائری پادری اسرائیل جاتی تو اسرائیل سے فلسطینی مسلمانوں کو بلا لیتے اور سکولوں سے اپنی کتابیں نکال لیتے اور یونیسکو کی منظور شدہ کتابیں بچوں میں بانٹ دیتے۔
یونیسکو کا ادارہ سمجھتا تھا کہ عربوں کی شکایت تصعب پر مبنی ہے۔

اس صورت حال میں عربوں نے قدرت اللہ شام سے درخواست کی کہ وہ اسرائیل کا خفیہ دورہ کرے اور اس بات کا ایسا ثبوت لے آئے کہ یونیسکو کو یقین آجائے کہ عربوں کی شکایت درست ہیں۔

شام ہائے میں اس خفیہ دورے کی تفصیلات موجود ہیں۔
بہر صورت قدرت اللہ نے اسرائیل میں دو کام کیے۔
۱۔ یونیسکو کے لیے حلیہ ثبوت حاصل کیے۔
۲۔ اور ایک رات مسجد اقصیٰ میں تن خواہماری۔

مسجد اقصیٰ

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے لیے اسرائیل گیا تھا۔ تعلیم سے متعلقہ ثبوت حاصل کرنے کے کام لے اسے موقع فراہم کیا۔
اگر اس کا مقصد تعلیمی ثبوت حاصل کرنا ہو تا تو اسرائیل اس سے اس قدر خوفناک انتقام نہ لیتا اور قدرت دو سال کے لیے صیہونی جادو کے زیر اثر ایک پانچ دیو دار گوشت کا ٹوکڑا نہ بنا رہتا اور جب پاکستان واپس آتا تو آدھا آدمی نہ ہوتا۔

شباب نامہ میں قدرت لکھتا ہے کہ میں مسجد اقصیٰ میں صرف اس لیے گیا تھا کہ وہاں رات بسر کر اپنی نیند پوری کر سکوں۔ یہ بات قتل یقین نہیں ہے تن خواہماری عظیم الشان پڑھت مسجد میں جو ہمارا قبلہ ہوا ہے سونے کی غرض سے چلا۔ میری محض اسے تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں شباب کا اہتمام یہاں ہے کہ۔

قبلہ ہوا کی چار دیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے مہیب سانے نے مجھے سر سے پاؤں تک غراپ سے نکل لیا۔ مجھے

شاب نامہ میں ان موقیوں اور اہل اللہ کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے، جن سے یورپ میں ان کی طاقتیں ہوئیں۔

انہوں نے اپنے خفیہ دورہ اسرائیل کی اصل غرض و عاقبت بیان نہیں کی۔ انہوں نے نہیں بتایا کہ ان کی یودی واکٹر عفت کی علات کا اصل باعث کیا تھا اور یہ کہ علات کے دوران عفت نے کس حیرت انگیز قوت برداشت، صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ مرض الموت میں انہوں نے کس طرح انگلستان کے واکٹروں کو حیران کیا کہ ان کے واکٹر انہیں WONDER LADY کہنے لگے تھے۔

شاب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ نہیں بتایا کہ دورہ اسرائیل کے بعد موسیٰ انگلٹن نے کس طرح ان کا تعاقب کیا، ان پر تشدد کیا اور انہیں ایسی پٹریوں میں جٹا کر دیا جن کے ساتھ انہیں باقی زندگی ایک مسلسل لذت کے ساتھ گزارنی پڑی۔

شاب صاحب نے اپنی آپ بیتی میں یہ بھی نہیں بتایا کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کن روحانی ہستیوں سے ان کا ربط خاص تھا اور اس ربط کی نوعیت اور رعایت کیا تھی۔

حجاب

یہ سب باتیں وہ کیوں ضبط تحریر میں نہیں لائے۔ میرا خیال ہے کہ شاب صاحب اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کا باعث ان کی ذات کا انکسار اور خود شناسی کا احساس تھا۔

انہیں اپنی ذات کا بول بالا کرنے کا مطلق شوق نہ تھا۔ وہ ہر اس بات سے گریز کرتے تھے جو انہیں دوسروں میں نمایاں یا ممتاز کر سکتی ہو۔ وہ حجاب کے آدمی تھے اور حجاب میں رہنا انہیں اچھا لگا تھا۔

بھید نہ کھلے

گمان غالب ہے کہ اسرائیلی راہبوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں ایسا عمل کر گیا ہے، جو اسرائیل کے لیے جانی کا باعث ہو گا۔ اس لیے اسرائیلی جلد قدرت اللہ کے خلاف حرکت میں آ گیا۔

میری دانست میں تعلیمی نصاب کا مسئلہ اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا چونکہ یونیسکو زیادہ سے زیادہ علم جاری کر سکتا تھا لیکن اسرائیل کو اس پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ تعلیمی مسئلہ اس قدرت اہم نہ تھا کہ اسرائیل قدرت اللہ کو خوف ناک جلوس کی گرفت میں بکڑ لیتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اسرائیلی جلد کا تذکرہ کیوں نہ کیا حالانکہ یہ قدرت اللہ کی زندگی کا الٹاک ترین واقعہ تھا۔ اسرائیلی جلد کی وجہ سے جب وہ وطن واپس لوٹا تو وہ آدھا آدمی تھا اور اسرائیلی جلد کی وجہ سے واکٹر عفت فوت ہوئیں۔

میرا اندازہ ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں یہ بھید نہ کھل جائے کہ مسجد اقصیٰ میں اس رات کے دوران میں اس نے کیا عمل کیا اور یہ بھی کہ اس کے اسرائیلی دورے کا بنیادی مقصد مسجد اقصیٰ میں وہ عمل کرنا تھا۔

صرف میں ہی ان خیالات کا حامل نہیں ہوں اور لوگ بھی ہیں جنہیں قدرت اللہ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوا اور وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذکر شاب میں ذوالفقار ابجد تپاش اپنے معنون قدرت اللہ شاب میں لکھتے ہیں کہ:

ذوالفقار تپاش

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے شاب نامہ کے کئی اہم واقعات زیادہ تفصیل سے شاب صاحب کی زبانی سنے ہیں اور میں بعض ایسے واقعات کا بھی سامع ہوں جو انہوں نے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنی انوکھی طبع کے باعث شاب نامے میں تحریر نہیں کیے تھے۔ انہوں نے

ان کے لئے قدرت اللہ سے کہنے لگا آپ کو جو چاہا ہے۔ ہم بھی اوجھار رہے ہیں۔
اپنے تشریف لائے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پچھلے اذکھول دیا۔ قدرت کار میں داخل ہوا تو
اس نے دیکھا کہ بچپل سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے ہیں۔ قدرت اللہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔
انہوں نے فرما "بعد اس سے محسوس کیا کہ قضا کہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے
میں کیا کہ ایک لمبی سوئی اس کے جسم میں بھڑکی گئی ہے۔ پھر اسے ہوش نہ رہا۔ پتہ
نہیں اس کے بعد قدرت کو کہیں لے جایا کیا اس پر اس کی کیا کیا۔

اگلی صبح پولیس نے دیکھا کہ اسی شاہراہ پر بس پر قدرت اللہ بے ہوش پڑا ہے۔ اس
کی جیب سے ہوش کا پتہ برآمد ہوا۔ پولیس پہلے اسپتال لے گئی۔ جب ہوش آیا تو اسے
وہاں میں پہنچا دیا۔

قدرت کا بیان ہے کہ جب سے وہ سوئی میرے دم میں داخل ہوئی۔ میں محسوس کرنے لگا
تھیں میں گوشت کا ایک ٹوٹھا ہوں۔ مجھ میں اٹھنے چاہئے کی حسرت نہ رہی۔ یوں جیسے ریزہ کی
ہڈی جسم سے نکال دی گئی ہو۔

شراب کی بوتلیں

ڈاکٹر مفت کا بیان ہے کہ اسرائیلی جلد کا مسرت پہلا اثر یہ ہوا کہ ایک روز میں نے
لمبائی کوئی تو اس میں دو شراب کی بوتلیں پڑائیں۔ میں حیران ہوئی کہ یہ بوتلیں کہاں
سے آئیں۔ میں نے دونوں بوتلیں اٹھائیں اور باہر ڈرم میں پھینک دیں۔ اگلے روز میں
نے پھر لمبائی کوئی تو اس میں شراب کی دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔

ڈاکٹر مفت سوچ میں پڑ گئی۔ لوہر شراب کی بہت قسم کی چار پانی پر لاش کی طرح پڑا
رہتا تھا۔ ڈاکٹر مفت کے دل میں شکوک پیدا ہوئے۔ قدرت اللہ شراب شراب کے لئے
میں مسرت تو نہیں رہتا۔

اگلے روز پھر لمبائی میں دو شراب کی بوتلیں پڑیں۔ شکوک کو تقویت ملنے لگی۔
مجھے اس بات کا علم نہیں کہ قدرت نے بتیم کو اسرائیلی جلد کا واقعہ سنایا تھا یا نہیں۔ لیکن
مناہب ہے کہ اس نے کلی موٹر لور لمبی سوئی لور سہائی کی بات مفت سے نہیں کی تھی۔

چنانچہ شباب علم میں ان کا لہجہ بڑا مودب، انکسار بھرا بلکہ معذرت
خواہانہ رہا۔

وہ دوسروں کی تعریف اور توصیف اور ان کا کردار بیان کرنے پر تو
خوب زور قلم دکھاتے ہیں، لیکن جو کسی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جس میں
ان کی اپنی ذات کی کوئی برائی یا صفت ظاہر ہوتی ہو تو وہ طرح دے جاتے
ہیں یا بہت ہی سہل سہل سے اسے بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

شباب نامہ میں انہوں نے جہاں اپنے خلیہ دور اسرائیل کا احوال
بیان کیا ہے ان کا انداز بیان قدرے دبا دبا ہے، جیسے انہیں یہ فکر دامن
گیر ہو کہ ان کی بدنامی ظاہر نہ ہو جائے۔

پھر وہ ہمیں یہ بھی نہیں بتاتے کہ دورہ اسرائیل میں انہوں نے جو
ایک شب مسجد اقصیٰ میں گزارا تھی، اس کا اصل مقصد کیا تھا۔

لقب

ان دنوں یو نینکو کی میٹنگ میں شرکت کے لیے قدرت اللہ کو پیرس میں رکنا پڑتا تھا۔ بڑی
محنت کے بعد قدرت نے پیرس کے کسی کوئی ایک چھوٹا سا گاہم ہوش و حواس نکالا تھا جس
میں ایک چھوٹا سا کمرہ موجود تھا جس کا کاروبار بہت کم تھا۔

چوں کہ وہ دن باری تنگ دستی کے دن تھے۔ سارے گھر کا خرچہ یو نینکو کے ملاؤں پر ہوتا
تھا۔ اس لیے قدرت کی کوشش ہوتی کہ پیرس کے قیام کے دوران کم سے کم خرچ ہو۔

ہوٹل کا مالک قدرت کی سہولگی اور سہائی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم جاری کر دیا
کہ یہ چھوٹا کمرہ کسی اور گاہک کو نہ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مشر شہب آجائے اور اس کے پاس
رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔

اسرائیل سے واپسی کے بعد قدرت نے تمام جوت وہ اسرائیل سے لایا تھا۔ یو نینکو کے
سامنے پیش کر دیے۔ انہی دنوں جب وہ شاہراہ پر بس سٹاپ پر کھڑا یو نینکو جانے کے لیے اس کا
انتظار کر رہا تھا تو ایک لمبی کالے بھنڈے والی موٹر کار اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ کار کا

© Neurdly.com

کون سے کون سنائے

۱۴ مئی ۱۹۷۷ء

بیارے ممتاز

السلام علیکم

بیارے ممتاز آپ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر اسرائیل چلا گیا تھا۔ میرا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔

وہ دن اور آج کا دن۔ اللہ اللہ۔ غیب کا علم تو صرف خدا کے پاس ہے، لیکن جس دن میں میں یونیسکو میں اپنے دورے کا اعلان کیا اس دن سے ۷۰ سالوں کے ہارونی مارونی جادو نے مجھے بری طرح دبوچ لیا۔ مجھے برت سے اٹھے بھی اور برے بھی روحانی تجربے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہولناک تجربہ بلا کی روح کا تھا، جس کا ایک چھوٹا سا حصہ میں نے ۱۸ سال لائن میں بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک مری ہوئی مظلوم لڑکی کی بیچ و پکار تھی جو صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹیوں کو اس کے اپنے دھرم کے مطابق پروا آتش کیا جائے۔

لیکن اب کے تو مجھ غریب کا واسطہ مسیونیت کے اس زندہ عفریت سے پڑا جو دہائی اور دیگر اطوار پر ساری دنیا پر کسی ناگس طرح چھایا ہی ہوا ہے۔

جو کچھ مجھ پر گزری۔ وہ دن سننے اور کون سنائے۔ میرے گوشت پرست کا ریشہ ریشہ پھٹنے اور ٹوٹنے۔ کھڑی کے جالے کی طرح۔ بار بار بٹنے اور ٹوٹنے لگے۔ میرے تن بدن میں میری ہڈی ہڈی کو سڑک کے پتھر ڈالنے والے مزدور کھٹا کھٹ۔ کھٹ کھٹ توڑتے گئے۔

عفت پہلے مصائب کا دکھار تھی۔ بیٹے کے انوار کے خوف کی وجہ سے وہ سوکھ کر کالٹا ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ مسلسل قانون سے اس کا برا حال تھا۔

اوسر شاپ حتی الوبح دوسروں کو کافرت دینے سے احتراز کرتا تھا۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ قدرت نے عفت سے اسرائیلی جادو کی بات نہ کی تھی اور وہ غلامی میں اس عذاب کو بھیل رہا تھا جو اسرائیلی جادو نے اس پر طاری کیا تھا۔

اور بات

پھر ایک روز بھید کھل گیا۔ عفت الماری سے دو پلوں تلیم اٹھا کر باہر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ آئی اور اتفاق سے پھر الماری کھولی تو وہاں دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔ پھر جتنی بار وہ الماری کھولی اس میں دو پلوں تلیم پڑی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر اس نے شکوک رفع ہو گئے اور اسے خیال آیا کہ یہ تو کوئی اور بات ہے۔

بھڑوہ اور بات کھل کر سامنے آگئی۔

ایک روز اس نے ٹکا کھولا تو پانی کی بجائے خون چلنے لگا۔ عفت ڈر گئی پھر گھر میں جب بھا بکری کے کئی ہوئی سیریاں نظر آنے لگیں۔

بڑھ دو سال قدرت جادو کے اس عذاب میں جتا رہا۔ اس کی بیٹیوں پر ہتھوڑے چلے رہے۔ اس کے جوڑوں میں سٹیکس کھنکی رہیں۔ لوگوں کو اس کے جسم سے بدبو آتی تھی۔ اس میں نہشتا تو لوگ باک پر رول رکھ لیتے تھے۔

بڑھ دو سال کے بعد جب اس نے اللہ کے حضور میں التماس کی تو جادو کا ظلم ٹوٹا اور پھر نئے کی طاقتوں نے اس کے اعضا کو جوڑنے کا عمل شروع کر دیا۔

جب تک جادو کا ظلم چلتا رہا اس نے اپنے خنوں میں اس کا ذکر نہ کیا۔ یہ جتنی تنصیحا لوہ دی گئی ہیں۔ ان کا علم مجھے قدرت اور عفت کے وہابی پر ہوا۔

لیکن جب اسرائیلی ظلم ٹوٹا تو اس نے ایک خط میں کچھ تنصیلات لکھ بھیجیں جنہیں پڑھ کر میں حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ ایک ہولناک خط تھا۔ اس خط کی کبھی نقل میں کتاب کے آخر میں

ضمیمہ میں پیش کر دیا ہوں۔ یہاں اس خط سے اقتباسات درج ہیں۔

کشاکت، متھوڑا

جب میں چلا تھا تو واقعی مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی ایک بازو، ایک پا، ایک چشم، لپاچ، ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے بوسے کو گھسیٹتا ہو، مگر تا پڑا؟ گالیاں کھانا، گالیاں دینا، اسی لئے ایک بازو، اسی ایک جگہ کھڑا ہو۔

[illegible]

عفت واقعی گریٹ ہے۔ اس سے اچھی کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔
اس تکلف سے جگہ آ کر ایک روز میں بے اللہ میاں سے عرض کیا کہ کہ
اپنی تیری سے شمار عداوت میں سے ضرور یہ جگہ ایک عداوت ہوگی، لیکن
میرے اللہ میں تو مر چلا۔ اگر تو نے خود شکی حرام نہ کی ہو تو تو اللہ تیری
جسم میں ضرور خود شکی کر لیتا۔

بس وہ دن اور آج کا وہ وہ چارو ٹوٹ گیا۔ مری کے گھروں کی
چھڑوں پر ٹانگیں دیکھی ہیں آپ نے۔ اب ہر روز یوں محسوس ہوتا ہے
کہ وہی سڑک کے پتھر کو سنے والے مزدور میرے تن بدن کی شکست
ٹانگیوں کو جوئے اور سینٹ سے جوڑ جوڑ کر دوبارہ ٹھونک رہے ہیں۔

ہائے اس زور پشیمیں کا پشیمیں کا ہونا (خاکم بدھن)

رسیدہ بود بچائے و لے بچیر گذشت

UrduPhoto.com

یقین جانے۔ توڑنے اور جوڑنے کے عمل میں۔

ہتھوڑی برادر کی چلتی ہے۔

لوقت دونوں میں ہے

ایک میں دو کی۔

و سرے میں لذت کی۔

آپ کا
ق

قدرت اور میں

سوال یہ ہے کہ قدرت نے یہ خط مجھے کیوں لکھا۔

اپنی قلبی وارادت، روحانی مشاہدات اور وجدان کی کیفیات کو زبان پر لانے کی اسے عاقبت

میں نے اس نوعیت کی قدرت اللہ کی جتنی بھی باتیں اپنی تحریروں میں قلم بند کی ہیں، وہ میں نے بڑی چالاکی سے انگوٹائی تھیں۔

جب بھی وہ کیفیت میں سرشار ہوتا۔ میں دیکھتا کہ پیالہ بھرا ہوا ہے۔ لبالب ہے۔ تو میں ایسی بات چھیڑتا تھا جس سے چھلکن پیدا ہو چھینے اڑیں۔

ہم دونوں کا تعلق، عجیب سا تعلق تھا۔

وہ میرا ساتھی نہ تھا۔ ہمارے مشاغل الگ الگ تھے۔

وہ میرا مرشد نہیں تھا۔ مجھے کسی کو رہبر بنانے کی خواہش نہ تھی۔

میں اس کامرہ نہ تھا چوں کہ خواہگی اور پردگی کے جذبے سے بلاوقف تھا۔ مجھ میں پردگی
لیست نہ تھی۔

ہمارے راتے الگ الگ تھے۔

پھر راجہ شے میں چلایا بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔
بھائی جان نے کچھ جواب نہ دیا۔

راجہ بولا۔ لوحہ شب صاحب پر ہتھوڑے چل رہے ہیں۔ اور ہم سب
AS YOU WERE ہوئے جارہے ہیں۔
بھائی جان سر ہٹا کر بیٹھے رہے۔

راجہ نے والی سے پوچھا 'والی تم پر کیا بیت رہی ہے۔

والی نہایت افسوس سے بولا۔ اللہ کا احسان ہے۔ بس اتنا سا ہے کہ مجھے شب صاحب فجر
کی نماز پڑھنے نہیں دیتے۔

بھائی جان چونکہ شب صاحب نماز پڑھنے نہیں دیتے؟ انہوں نے پوچھا۔
جی 'والی بولا۔ صبح جب میں جاگتا ہوں اور اللہ کر وضو کا ارادہ کرتا ہوں تو شب صاحب
سامنے آکر کھڑے ہوتے ہیں 'بس یوں ہوتا ہے جیسے میرے جان نکل گئی ہو۔ مجھ میں اٹھنے کی
مکت نہیں رہتی۔

آپ کا وہم ہے 'بھائی جان بولے 'شب صاحب نماز سے کیسے روک سکتے ہیں۔

شاید وہم ہی ہو 'والی بولا۔

لورہ یہ متقی جو ہے 'راجہ چلایا 'اس سے پوچھئے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔

ہم سب پر بیت رہی ہے 'بھائی جان نے کہا 'میں بھی آپ کا بھائی ہوں۔ میں بھی شامل
ہوں 'وہ بولے پھر کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ پھر سر اٹھا کر بولے 'پتہ نہیں انہوں نے
مسجد اقصیٰ میں کیا کچھ کیا ہے کہ مہینہ مونی شریدار ہو گیا ہے۔ ہم سب کو جھینا ہو گا حصہ بھدر
ہے۔

دو مجبور

آپ فن کی مدد کیجئے 'راجہ بولا۔

ہم بدوں کی باتوں میں دخل دینے والے کون ہیں 'وہ بولے۔

میں نے اپنے خط میں یہ سب باتیں شباب کو لکھ دیں۔

وہ میرا دوست نہ تھا۔ ہم میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔

وہ مراد مستقیمہ قتل میں قاتل تھا۔

وہ سراسر عمل کا قاتل تھا۔ قتل میں سراسر نہ رہائی۔

وہ نہ کہنے پر مجبور تھا 'میں کہہ دیتے پر۔

وہ عقیدے کا قاتل تھا 'میں عقیدت کا مارا ہوا تھا۔

سیانے کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی راز سے بھر جاتا ہے تو وہ دغا دے رہا ہے باتیں کرنے پر مجبور ہو
جاتا ہے۔

مگر غالب ہے کہ میں قدرت کے لیے ایک دغا تھا۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مجھے تیس سال کیسے گوارا کیا۔ اس ضمن میں میرا خیال
ہے کہ قدرت ذات کا دھولہ تھا۔ اس نے سرور ایک میلہ چٹ پکڑا دیکھا اور اسے اٹھا لیا 'پھر
تیس سال وہ اٹھالینے کی لالچ پاتا رہا۔

مگر ہے اس جادو کے متعلق اس نے اشتقاق احمد کو بھی خط لکھا ہو۔ چوں کہ اشتقاق احمد
اس کا دوست تھا لیکن اشتقاق احمد نے مجھ سے کبھی اس کے بارے میں بات نہیں کی۔

حصہ بقدردہشت

قدرت اللہ کا خط پڑھا کہ میرے ہمارے سے چوک نکل گئی مجھے اپنا فیئینسی کا طوفان
بھول گیا۔

اتفاق سے اسی روز راجہ شیخ کا ٹیلی فون آگیا کہ بھائی جان مری سے آئے ہوئے ہیں۔ اس
لے کل صبح دربار پر پہنچ چلا۔ اگلے روز دربار میں بھائی جان والی راجہ لورہ میں بیٹھے تھے۔

میں نے بھائی جان سے کہا 'جناب میں تو پہلے ہی فیئینسی کے طوفان کے محلے سے بچ
ہوا بیٹھا تھا کہ کل شب صاحب کے خط نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ میں نے خط بھائی جان کی
طرف بڑھا دیا۔

بھائی جان نے کہا 'آپ اسے پڑھا کر سب کو سنا دیں۔

خط سن کر محفل پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ذرا تک خاموشی طاری رہی۔

ایلی کی داپسی

ایلی کی آنکھ مکمل تھی۔

محسن میں کائناتی کی دوسرا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

پتہ ایک چار پائیوں پر لوگ چلوں پھٹے پڑے تھے۔

رات کی رات کی خوشبو چاندوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ ہاتھ

ارے وہ چونکا اس کے قریب والی چار پائی پر کوئی چادر میں لپٹ پڑا تھا۔

اس کا بازو سرہانے تھے دبا ہوا تھا اور سرہانے سے متاثر ہوا ہاتھ مٹھی بن کر باہر نکلا ہوا تھا۔

شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑک شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر جیسے اس کا دل

دھک سے رو جاتا تھا۔

صرف شہزاد کا ہاتھ ہی نہیں۔ ایلی کو سائی ہاتھوں سے عشق تھا۔ رات چلتے ہوئے جب بھی

اسے کوئی عقوبت نظر آتی تو چہرے کے بعد اس کی نظروں کے ہاتھوں کو تلاش کرتی۔ اگر ہاتھ

دبے پتے ہوتے تو اس کی دلچسپی ختم ہو جاتی۔ اسے چٹے سفید بھرے بھرے ہاتھوں سے عشق

تھا۔

جواب میں قدرت نے مجھے بھڑا چادری۔

اس نے ۲۳ جون ۱۹۷۱ء کو جس سے مجھے خط لکھا جس سے اقتباس ملاحظہ ہو:

آپ کا خط پڑ کر کچھ دیر متذہب رہا۔ کچھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک

محض ذاتی تجربے کو اسنے لوگوں تک پہنچانا چاہیئے تھا یا نہیں۔

پھر تسلی ہوئی کہ آخر کیا مضائقہ ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ جب سے وہ محرر ٹائٹس کی فکشنل دن بدن بڑھتی جا رہی

ہے۔

قلبی، ذہنی اور روحانی دھم تو بالکل صحت یاب ہو گئے ہیں، لیکن جسم کی

نیس بست ہوئے ہوئے شتم ہو رہی ہیں جیسے ٹوٹی ہوئی پڑی جڑے

کے بعد بھی عرصہ دراز تک نرم رہتی ہے۔

اس کے جواب میں میں نے قدرت کو درج ذیل خط لکھا تھا: یہ میرا مختصر ترین خط تھا۔ لکھا تھا:۔

عالی جاہ میں بار بار آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔

کہ ہم اپنی چیز کو وجہ سے مجبور ہیں۔

آپ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

میں کمرہ دینے پر مجبور ہوں۔

۱۔ اصل خط غیبی ملاحظہ کریں۔ خط نمبر xvii

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کروٹ بدل لی۔

ہاں شہزادہ بیٹھ ہاتھ چمڑا کر کروٹ بدل لیا کرتی تھی۔ پتہ نہیں شہزادہ کو اپنا ہاتھ پکڑا دینے سے کیوں انقباض تھا دراصل شہزادہ کو کسی قسم کے جسمانی قرب سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی دور بیٹھا اپنی نگاہوں سے اس پر پوجا کے پھول برساتا رہے۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہو تاکہ جب اپنی زیادتی منہ کرنا تو وہ بدستور اقباضے انداز میں اس سے پوچھتی، کیا ہے تجھے؟

کچھ بھی نہیں، وہ خراب رہتا۔

کیا چاہے ہو؟ وہ چہ کر سکتی۔

اپنی کی نگاہیں اس کے ہاتھ پر مرکوز ہو جاتیں۔

ہاتھ پکڑ کر کیا کرے؟

وہ پھر خاموش ہو جاتا۔

ایمانداد۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر کہتی، جیسے جان چمڑا رہی ہو۔ پھر وہ اپنے کلمہ میں یوں لگ جاتی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے اس ہاتھ سے اسے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جسے اپنی نے تمام رکھا ہو تاکہ چمک بدلے سے باہر نکل آئے۔ اپنی چٹک۔

اگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ساتھ والی چار پائی کے سرہانے سے وہی ہاتھ پھر دیسے ہی باہر نکلا، ہوا تھا۔

اس نے پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے تمام لیا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادہ پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر کروٹ بدل لے گی، لیکن ایسا نہ ہوا وہ ہاتھ جوں کا جوں اپنی کی گرفت میں پڑا رہا، بلکہ اور بھی ڈھیل پڑ گیا جیسے خود کو اس کے حوالے کر دیا ہو۔ دیر تک وہ ہاتھ تھمتے پڑا رہا۔

پھر کوئی آہستہ سیٹی دی اور شہزادہ کے ہاتھ نے اپنی کے ہاتھ پر محبت بھرا دباؤ ڈالا۔ اور پھر ایک ہو گیا۔

عالم بی بی

وہ غافلانہ جس نے اپنی کو پھر سے بگاڑ دیا تھا اور اس کا ہاتھ دیا کہ کروٹ بدل لی تھی۔ ایک مسلمان عاتق تھی۔

شہزادہ تو خیر ساری کی ساری بیماری تھی اور وہ کئی ایک سال خاموشی میں اس کی پرستش کرتا رہا تھا۔ شاید اپنی کو اپنے بندھے کا اظہار کرنے کی کبھی ہرارت نہ پڑتی۔ اگر اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس کے ہونٹوں کے اس اس قدر قریب نہ آ جاتا۔

اور وہ چھوٹی طرح ڈنک نہ مارتا۔

اس رات گھر کے سب لوگ جاگ رہے تھے۔ وہ سب شہزادہ کے گھر کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔

اپنی کی دوا کی حالت بڑی نازک تھی وہ آخری دموں پر تھی۔ سب اس انتظار میں تھے کہ کب تو آواز پڑے اور وہ کونسا پھیلاؤ کر علی احمد کے گھر جا کر میت کے گرد بیٹھ کر قرآنِ خوانی کرے۔

اپنی بھی صحن کے ایک کونے میں کھولی پر پڑا تھا۔ دوا کی موت ڈنک کی بات نہ تھی چونکہ وہ نوے یا سو سال کی عمر پہنچی تھی اور اتنی لمبی عمر بے کے بعد اگر وفات ہوتی تو دستور کے مطابق محلے والیاں رونے کی بجائے خوشیاں منایا کرتی تھیں۔ لیکن اپنی کو دوا کی موت کا بڑا صدمہ تھا گھر میں دوا کی وہ واحد فرد تھی جس نے اپنی سے محبت کی تھی۔

اپنی کو پیاس لگی۔ اس نے پڑے پڑے آواز نکالی، کوئی ہے اللہ کا بندہ جو مجھے پانی پلائے۔

اس کا خیال تھا کوئی پچ یا اس کی بہن اس کے لیے پانی لے آئے گی۔

آواز لگنے کے بعد وہ پھر دوا کی کے خیال میں کھو گیا۔

پھر دھنسا۔ اس کے ہونٹوں پر لپس محسوس ہوا۔ اپنی نے آنکھیں کھولیں لیں۔ شہزادہ کے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں کے اس قدر قریب دیکھ کر وہ دھنکے کا پھوٹے ڈنک مارتا۔

وہ دلتا اور اس کا ہاتھ کو پکڑ کر چمڑے لگا۔

چمک کی چمادی میں شہزادہ حیرت سے بت بنی کھڑی تھی۔ تو اپنی۔ اپنی تو۔

اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس قدر قریب دیکھ کر اس نے اپنا شوق بھرا ہاتھ بڑھا اور اسے پکڑ لیا۔

دھنکا۔ ساتھ والی چار پائی پر شدید حرکت ہوئی۔ کسی نے ہاتھ چمڑا کر بازو سمیٹ لیا اور

میں راستے کی طرف جانے کا ارادہ کرتا تو راجہ میرے دھند آکر آہوتا پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے جا کر لہاری کھول کر اس میں سے بوتل نکالتا اور کہتا "پھر دلفنقی ان باتوں کو ایک چٹکی بھر لور پھر ہم اپنے لباس کے پاس جا کر اس سے نکالتے ہیں۔ کیا کیرت سنائی ہے۔ دلو تو سنے تو پاگل ہو جائے۔ دل ہیں۔"

وہ شیشہ ہائے بیکشی
کہ معلقت اس میں تھی
جنینیں وہیں پڑے پڑے
وہیں کی خاک کسا مٹی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہوں میں

پھر قیصر میرے دھند تو کر آکر آہوتا کہتا

ابہ لو میں نے تجھے کہا نہیں قتل کہ یہ تو کن لوگوں سے شیر و شکر ہونے کی کوشش کر رہا ہے 'تو شباب کے پیچھے پیچھے کیوں چل پڑا ہے۔ تو میں نے یہ ساتھ نہیں نبھے گا۔ تو ذات کا اپنی ہے 'ہر جہز اپنی اصلیت کی طرف مڑنے ہے سمجھے۔ تو کسی ہائی کے چوہارے کی دلہیز جا کر بیٹھ وہی تیری جگہ ہے۔ کوئے کو دلہنٹ داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اوپر سے سفیدی اتر جائے گی۔ اور پھر وہی کلا رنگ 'ہی کا نہیں کا نہیں۔

پھر ایک روز مسود قریب آ گیا۔ مسود سے میں بات کر سکا تھا۔ ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔

میں نے کہا 'یار مسود میں تو ہمارا ایک

بولا 'بڑی خوشی کی بات ہے۔

میں نے کہا 'میں بخیر ہوں۔

بولا 'میں بھی بخیر ہوں۔ دیکھ مفتی۔ زندگی کی لذت خلق جینے میں نہیں۔ مسلسل جینے میں نہیں۔ بلکہ جینے مرنے جینے مرنے میں ہے۔ اور دیکھ ایک بات یاد رکھ ہم تجھے پاس صرف اس لیے آتے ہیں کہ یہاں گنہگار کی محفل تھی ہے۔ گنہگار کی محفل چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا

انگلے روز جب وہ رخصت ہونے لگی تو اس نے مجھے خدا حافظ کہہ اس انداز سے کہا ہے وہ خدا حافظ نہ ہو۔

بلکہ جی تیاں ہوں کہہ کر رہی ہو۔ جیسے وہ انعام نہیں بلکہ آواز ہو اور جب وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو بات کیے بغیر مجھے بلا گئی۔ ضرور آئے گا۔

وہ ادھیڑ عمر کی غفلت تھی۔ چراچہ کور تھا۔ آنکھیں لگاڑی کی بیگ سے بھری ہوئی تھیں۔ رنگ نہ گورا تھا نہ سناٹا۔ گٹکا تھا۔ جیسے ہلدی ملی ہوئی ہو۔ وہ درختوں میں ایک عجیب سی مٹاس تھی۔ طبیعت میں شدت نہ تھی، سختی نہ تھی، خوشی نہ تھی، تواضع نہ تھی، انداز گھبراہٹ نہ تھی۔

میں نے اندھ بیڑی کی بیوی مودی سے پوچھا 'یہ کون تھی۔

وہ بولی 'یہ ہماری پردوس ہے 'عالم لی لی۔

عالم لی لی 'یہ بھی کوئی نام ہے۔

کہنے لگی 'عام تو علیحدہ علیحدہ ہے۔ بڑا مشکل نام ہے۔ میں تو اسے عالم لی لی کہہ کر بلاتی ہوں۔ ہمارے محلے رام عمر میں گھر کے پاس ہی ایک سکول میں پڑھاتی ہے۔ میاں فوت ہو چکا ہے۔ بچے بولتے ہیں۔ طبیعت کی بڑی اچھی ہے۔ ہالی مشکلات میں گھری ہوئی ہے 'ہے چارہ۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا اس روز سے مجھے عالم لی لی ہو گئی۔ اسٹے بیٹھے میرے سامنے وہ ہاتھ لگا رہتا۔ اور وہ ہاتھ بولتا مجھے تمام لو تمام بھی لو اب۔

ساری رات خواب میں وہ ہاتھ میرا ہاتھ تھا۔ رکتا ہٹا سا ہاتھ۔ جلی سی بیگ 'لور لگاڑی لگاڑی۔ صبح جاگتا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے لٹک جائے لگتا تو کانڈ پر انگ جانا پڑتا تو کتب کے صفحات پر چھائے رہتا۔

ایک بات بڑی عجیب تھی 'وہ یہ کہ بات الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔ زندگی بھر میں ہاتھ کا مطلب رہا تھا اب وہ ہاتھ خود طلب سے بھرا ہوا تھا۔ وہ مجھے دھوڑا تھا 'بانا تھا 'کسا تھا۔

اس ہاتھ نے پتہ نہیں کیا کہ وہ میرے ذہن میں سائیں اللہ بخش 'بھائی جان لور قدرت

UrduPharm

UrduPharm

میرا جی چاہتا تھا کہ میں راجہ شفیق سے جا کر ملوں اور اپنی ہاتھ جیج اسے سناؤں 'میں جب

کی۔

اگلے روز بھانڈا پھوٹ گیا۔ بھید کل میلہ عالم بی بی سامنے آکھڑی ہوئی۔

ہوس بھراقرب

ہاں نہیں تھے کیا بول۔ ہوس میرے بند بندہ سے پھوٹ نکلی۔

ابی نے زندگی میں کسی محبت کی تھی، لیکن ان تمام محبتوں میں ہوس کا عنصر پیش پیش نہیں ہوا تھا۔ انانی اپنی محبتوں میں جہلی قریب سے خوفزدہ رہتا تھا۔ اس کے لیے محبت ایک انانی کیفیت تھی، ایک سرشاری اور جس۔ عالم بی بی نے تو گویا بیس میں آگ لگا دی۔

رات کے وقت وہ کوفٹا پھلانگ کر عالم بی بی کے پاس جا پہنچا۔ جب وہ آدھی رات کے وقت کونے کا پردہ پھلانگ کر جاگ تو اسے اچھی طرح احساس ہوا کہ نیلیم اور بچہ جاگ رہی ہیں اور وہ نہ پر لوڑھی ہوئی چادر میں، وہ بچہ ہٹا کر دیکھ رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں کہ اس ۶۶ سالہ بڑے کو کیا ہوا کہ آدھی رات کو پردے پھلانگ رہا ہے۔

اور عالم بی بی کا جسم لٹا ہوا تھا۔ ظاہر تھا کہ کئی ایک سکندر اعظم حملے کر چکے تھے۔ وہ کئی ایک بار یہ مکمل مکمل چکی تھی۔ اور اب وہ جسم اس حد تک مضروب ہو چکا تھا کہ اسے طلب نہ رہی تھی، مرہو ہے جس۔

وہ اس عمر کو پہنچ چکی تھی کہ اب کسی سکندر کے حملے کی امید نہ رہی تھی۔ ابی کے اس ہاتھ نکلنے سے وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ اس حیرت میں خوشی کا عنصر اس قدر بھر پور تھا کہ اس کے جسم کے بند بندہ سے پھول نکل اٹھے۔

نیلم بچہ

نیلم اور بچہ یہ دیکھ کر چچکیاں مارنے لگیں۔

نیلم اور بچہ دونوں ہی بڑی سرلی تھیں۔ گلے میں شہدہ مڑ بھری ہوئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں میں تل تھی۔ سارے جسم میں لے تھی۔ جب وہ اٹھ کر کھڑی تھیں تو سماں بندھ جایا کرتا تھا۔ ان دونوں ان کی پھوٹی بہن بیٹی تھیں ہم سب کو کہا کرتے تھے 'سو کے کاٹھہ جسم کی مانگ

ہے۔

اور یاد رکھ ملتی، تو اگر صالح بن کر بیٹھ گیا تو ہم تیرے پاس نہیں آئیں گے۔

پھر وہ ہاتھ حرکت میں آگیا۔ کبھی میری چہرے کو سسلا، کبھی پاؤں میں انگلیاں پھیرتا اور کبھی جسم کو تھپتھپاتا۔ میں نے شدت سے محسوس کیا کہ وہ شہزاد کا ہاتھ نہیں تھا۔ کیونکہ شہزاد کے ہاتھ نے کبھی آکسیلا نہ تھا۔ پھر اردو بورڈ سے بلدا آگیا۔

ان دنوں شباب کی سفارش پر اشتقاق احمد نے مجھے اردو بورڈ میں ایڈیٹر کی آسامی پر لگا رکھا تھا۔ جب بھی بورڈ کی میٹنگ ہوتی یا کوئی اور امور داخل ہوتے تو ڈائریکٹر اردو بورڈ ایڈیٹروں کو بلا لیتے۔

وہ گھر یہ گھر

۱۹۳۷ء سے جب بھی میں کسی کام سے لاہور جاتا تھا تو ہمیشہ اشتقاق احمد کے ہاں فصر تھا۔ پہلے دو مزنگ روڈ میں، جہاں اشتقاق کے والدین اور بھائی بہن رہتے تھے۔ پھر اشتقاق کی شادی کے بعد اشتقاق بانو کے گھر۔

اشتقاق بانو کے گھر پہنچتا تو میں یوں محسوس کرتا جیسے بلیغ کتاب میں آگئی ہو۔

ان دنوں احمد بیڑ بھی لاہور میں رہتا تھا۔ احمد بیڑ نے ہمیشہ سے مجھ سے بڑی محبت کی ہے، اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے، لیکن میں بھی احمد بیڑ کے ہاں فصر نہ تھا۔ جب بھی لاہور جاتا احمد بیڑ سے ملنا ضرور تھا۔

احمد بیڑ اس بات پر بہت کڑھتا تھا کہ اسے اشتقاق کی طبیعت پسند نہ تھی۔ اہتمام میں وہ مجھ سے کہا کرتا تھا 'یار مجھے بات سمجھ میں نہیں آتی، اشتقاق کی طبیعت تم سے قطعی طور پر مختلف ہے' پھر تم اس گھر میں کیسے رہتے ہو۔ میں کہتا اس لیے کہ وہاں ہاؤس ہے۔ کبھی 'سیری' کوئی ہے۔

ای بے اور وہ گھر۔ مجھے ان گھر سے محبت ہے۔ احمد بیڑ کی بات سچی تھی۔ اس کی طبیعت بالکل میرے جیسی تھی اور نیلیم بچہ مودی سب میری دوست تھیں۔

اس مرتبہ وہ ہاتھ میری ہانڈ پکڑ کر احمد بیڑ کے گھر لے گیا۔

میں سوٹ کیس اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔ تو سارے گھر میں حیرت بھری خوشی کی لہر دوڑ

امہ بھیر کے اپنے والدین کے ساتھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ والدہ سے اہل بوسہ بلیسی تھی۔ والد سے لگاؤ تھا لیکن اس کے والد مرلا مسنجمی تھے اس لیے ان سے بقی نہ تھی۔

امہ بھیر کے والد سمجھتے تھے کہ میری وجہ سے ان کا بیٹا راستے سے ہلک گیا تھا۔

اسی بنا پر پروین سے میرا میل جول نہ ہو سکا۔

بحر روین کی شادی ہو گئی۔

جب امہ بھیر بنا پڑا فلم بنا رہا تھا تو ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں ایک حسین و جمیل لڑکی بیٹھی تھی۔ میں نے امہ بھیر سے پوچھا یہ کون ہے۔ امہ بھیر نے کہا: تم نے پروین کو نہیں پہچانا کیا۔

میں نے کہا: وہ ہنس رہی ہے تو چوہہ تھی۔ میں نے نہیں مانا۔

پروین بولی: شکر ہے آپ نے پوچھا تو۔ میں بھی کتنی شہر میں آئی۔

بحر روین امہ بھیر کے گھر آئے جانے لگی۔

جب اسے پتہ چلا کہ میں عالم لی بی کے لیے ان کے گھر آتا ہوں تو وہ بولی: اللہ اس لی بی کا بھلا کرے اس گھر میں اپنی قدم نہ رکھتا تو فرمایا۔

تلم پو کوئی عمری جیمیر لیتیں۔ پروین پھلجھڑیاں چلاتی۔ مودی چرتی چرتی چڑھانے جھوتی۔ امہ بھیر قہقہے مارتا۔ اہلی عالم لی بی کے کھیرے لیتا رہتا۔ یوں دن گزرتے۔ کیا دن تھے وہ۔

باز آ

پنڈی پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ چلو قدرت اللہ کو اطلاع دی دے دو کہ بیچ کتاب میں پہنچ گئی۔ انھوں میں اڑنے والے ٹیچو خدا مافک۔ ساتھ ہی میں نے عالم لی بی کا قصہ بیان کر دیا۔ جو اب میں قدرت اللہ کا ۵ جولائی کا کھوا ہوا ایک خط موصول ہوا۔ جس میں سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اصل خط میسے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XVIII

تھی۔ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ ہر وقت اپنے لنگڑے استو کے ساتھ بچوں کے پروگرام کی تیاری میں لگی رہتی تھی۔

گاہے میں تلم پو خال تھیں۔ بڑی سے بڑی مشکل بندش کی نقل اتارنا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ ان کی اسی مودی تو کراچی میں پیارنگ سے موسیقی کی قلم بھی لیتی رہی تھی۔

جب بھی عالم لی بی ان کے گھر میں قدم رکھتے تو وہوں بڑی شجیرہ کے گاہے نکلتیں میرا بچا گھر آئی۔ آیا دی میرا بچا گھر آیا۔

مودی عالم لی بی کے بدلے ہوئے انداز 'اکڑی ہوئی گردن اور پھلجھڑیاں چلاتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر چڑچلاتی۔ یہ کیا کھنڈر چلا ہوا ہے۔ انہوں نے 'وہ کتنی' لیکن امہ بھیر سب کو ایک جگہ بٹھا کر ڈانٹ دیتا تھا کہ خردار ممتاز کو کچھ نہ کہتا جو وہ کرتا ہے اسے کرنے دو۔ اس کاراست نہ لکنا۔ طعنہ نہ دینا۔

تلم پو کے انداز میں ایک مفرح حوالہ ہوتا تھا۔ وہ ایک پھلجھڑی سی چلا دیتی تھیں۔

تلی چوہو۔ پروین

اور پروین مافک کی تو بات ہی اور تھی۔ اس کی باتوں میں پیارنگ رس تھا۔ ۱۹۳۵ء میں جب میں پہلی بار پروین کے پاسوں اشفاق حسین سے ملا تھا تو اس کے ہاں کیا تو میں سرکل کے لیے تھا لیکن وہاں بیٹھ جو گیا ایسا بیٹھا کہ آج تک اللہ نہیں سکا۔ میرا بیٹھ جاساں لیے نہیں تھا کہ اس کے گھر میں موسیقی کی محفل لگتی تھی بلکہ اس لیے بیٹھ گیا تھا کہ اشفاق حسین کی باتوں نے مجھے افسانہ نہ دیا تھا۔

اشفاق حسین کے پاس کوئی خصوصی بات نہ تھی۔ اس کے پاس بات کرنے کا انداز تھا۔ وہ انداز بڑا چاؤب تھا۔

پروین مافک کی غزلی یہ تھی کہ وہ باتوں کی پھلجھڑیاں چلانے میں ماہر تھی۔ عام سی بات کرتی۔ اس کی بات چاہے بہت ہی کم ہوتی لیکن پھلجھڑی چل جاتی۔

پروین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا تھا جب وہ تلی چوہہ تھی۔ اعضا بے گئے اور بے ڈھنگے تھے۔ ان دنوں وہ اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

spirit of wilful defiance - there is always hope. The faintest flicker of healthy fear in the depth of consciousness keeps this hope alive. It is small things - like this flickers - that swings. The pendulum of mens faigh and destiny. So be of good cheer.

10. I no longer insist that you meet Bhai Jan immediately. Take your own time. Meanwhile write to be quite frequently.

کالے مول نہ ہونے کے

اب میں اس خط کو پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک عظیم خط ہے اور لکھنے والے کو وسعت قلب کا آئینہ دار ہے، لیکن ان دنوں جب مجھ پر عشق نہیں، محبت نہیں، بلکہ ایک جنون سوار تھا، میں نے اس خط سے کوئی اثر نہ لیا۔ قدرت کے لیے میرے دل میں جو عقیدت تھی وہ اس قدر دم پرانگی تھی کہ میں نے لانا خود کو اس بد روشی اور بھیست پر ت کہ وہ ۶۵ سال کی عمر کے پندرو میں نے ۲۱ سال کے نوجوان کے مضامین لپٹا لیے۔

رات کو میں کوٹھے چلا نکلتا۔

چندوں کی طرح عالم بی بی کے گھر کی دیوار میں چھپا رہتا کہ گھر والے صدر دروازہ بند کر لیں۔ عالم بی بی کے نوجوان بیٹے جو بائیس تو باہر نکل کر چپکے سے عالم بی بی کی آغوش میں جا پہنچیں۔ حالانکہ عالم بی بی کی آغوش لٹی پٹی تھی۔ وہ میرا انتظار نہیں کرتی تھی۔ اسے جسمانی قرب کی خواہش نہ تھی اور وہ اپنے نوجوان بچوں سے سخت خائف رہتی تھی۔ لیکن میں تو عالم بی بی کی خوشبو کا دیوانہ تھا، چاہے وہ الفتات کرے نہ کرے، لیکن مجھے اس کے قرب کا احساس رہے۔

شور اور ہاتھ میری اس کا یا پلٹ پر حیران رہ گئے۔ شور تو اپنی طبیعت کے مطابق اندر ہی اندر

6. In my judgement all thoughts and possibility of marriage must be fully and irrevocably averted. Family circumstances on both sides are such that matrimony cannot but fall in the purview of para No. 5 above weighing in the scale of prudence adherence to para No. 4 in the oft. repeated commission of sin (Will be far preferable to the complex consequences) of para no. 5, emanating from marriage. At our age and maturity we ought to be able to abide by this simple arithmetical calculation.

گلوگر لیں

7. I am emphasising against matrimony because this thought can spring at any time on the crest of desire, love, sex, compassion, or just self pity and morbid remorse. so be on the guard.

8. Please keep me informed at short intervals, write in symbols because there is no need for anybody else to know any thing about it.

9. It is easy to enter in the realm of God's grace. But it is exceedingly difficult to fall out of it. Frail mortals may violate divine injunction a hundred times but if it is not in a

ہوں اور اس سے اپیل کی جائے کہ وہ مفتی کو مرزوں کرے۔

انہیں علم نہ تھا کہ میں نے ابتدا میں ہی قدرت کو مطلع کر دیا تھا کہ آپ نے جس کڑوی کوئی پر شوگر کوٹک کی تھی۔ وہ اتڑ گئی ہے اور کڑواہٹ پھر سے اپنے جوں پر ہے۔
پھر عالم بی بی کی بات کمرنگ تھی۔ میری بیوی بیٹے سے محبت بن گئی۔ بیٹیوں نے بات کے بغیر خاموش پر دست کیا۔ صرف عکس خاموش رہا یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

راجہ شفیق کی وفات

میں نے سوچا چلو راجہ سے بات کرو۔ میں یہ چاہتا تھا کہ عالم بی بی خود آئی تھی یا کبھی کئی تھی۔ میں خود کرا تھا یا دھکا دیا گیا تھا۔

راجہ کے گھر گیا تو پتہ چلا کہ وہ در سے پر جہلم گیا ہوا ہے۔

دوبارہ گیا تو پتہ چلا کہ راجہ بیمار ہے، جہلم کے ہسپتال میں داخل ہے۔ پھر ایک روز جب ہم بھائی جان کے ساتھ دوبار میں بیٹھے تھے تو دھماکا بھائی جان کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تڑپ کر رہ گئے۔ پھر وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ آخر بولے۔ کئے گئے ذرا راجہ کے گھر جا کہہ دو تو لگائیں۔

راجہ کے گھر گیا تو گھر مشعل قلعہ پر دوسری نے بتایا کہ سب لوگ جہلم گئے ہوئے تھے۔

اگلے دن خبر آئی کہ راجہ فوت ہو گیا۔

ہم سب دفوانہ دو بارہ راجہ کے کھڑن کی طرف بھاگے۔

راجہ کو دفنانے کے بعد جب میں واپس آ رہا تھا تو مجھے ایسے عموں ہو رہا تھا کہ خود کو دفنانے کے بعد واپس آ رہا ہوں۔

راجہ کے جانے کے بعد میں بالکل ہی اکیلا رہ گیا۔

پھر ایک روز ایک لوز ملوٹ ہوا۔

میں نے عالم بی بی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ عالم بی بی نہ تھی۔

تھلی کے پر جھڑ گئے تھے، پیچھے سے سڑی نکل آئی تھی۔

میں حیرت میں ڈوب گیا کیا اس عورت کے لیے میں نے زندگی کے تین سال گوا دیے۔

سکتا رہا۔ دھواں دیتا رہا۔ پتو پٹا کر رہ گئی بولی، مفتی جی یہ کیا ہوا۔

کون مفتی بی کی بات کر رہی ہو۔

اپنے مفتی بی کی، وہ بولی۔

مفتی لد کیا کہ کوئے نے جو مور کے پر لگا رکھے تھے وہ اٹار پیچھے۔ اب اہلی سے بات کرو۔

پچھنے جی ان تھے کہ مفتی اور اہلی کا قصہ کیا ہے۔

پتو بولی، شایب صاحب کو پتہ چلا تو وہ کیا کہیں گے۔

کہیں گے، کالے مول نہ ہوئے ہے۔

بھانوس سوسن ملان لگے۔

پتو بولی، یہ بی بی ہے کون۔

میں نے کہا ایک عام سی بھٹی عورت ہے۔

یہ سب اس بی بی کا پھیلایا ہوا شر ہے۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ اس بے چاری میں شرکیں سے کیا۔ وہ تو خود مظلوم ہے۔

آپ بھی مظلوم ہوں گے، اس نے طعن دیا۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ شریں خود ہوں۔ قدرت نے میرے اندر کے شر کو دیا

دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ موتہ کی ناک میں رہا اب اس نے شیخوں مار دیا۔

پھر ایک روز میں نے عالم بی بی کو اگلی لگائی اور اسے پتو کے کھرے کیا اسے دیکھ کر مارا

کا مارا گھر کا پکا رہ گیا۔

اشفاق احمد، بشیر اور سودی کو عالم بی بی پر غصہ آتا تھا۔ صرف پتو ایک واحد فرد تھی جسے اس

ملوٹے پر دکھ ہوا۔ غصہ نہیں آیا۔

پھر احمد، بشیر اور اشفاق احمد مل بیٹھے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی مل بیٹھے نہ تھے۔ ان

دونوں کی شاخ میں مل بیٹھے کا مضر سرے سے سوچو توئی نہ تھا۔

ان دونوں نے کہا یہ مفتی تو جوڑ میں ڈوب گیا اسے دلیل میں لےت ہوئے کی لت پڑ

گئی ہے۔ اسے کیسے بچایا جائے۔

دونوں نے فیصلہ کیا کہ قدرت اللہ خدا کو کھسا جائے، جس میں اس واقعہ کی تفصیلات درج

انہوں کو تاراض کر لیا۔ گھر کی آبیاری کو تلف کر دیا۔ پلو کو دھکی کر دیا۔ کیسی 'میری' ٹولی کو چھین
کے رکھل۔ احمد بشیر اور سوہی کو دھکی کے رکھل۔

یا اللہ! میں نے پہلی بار بڑے عجز سے عرض کی 'یا اللہ کیا میری آنکھیں میری ہیں یا یہ نور سز
لی یا نذکی کمال ہیں۔ کیا یہ دیکھ سکتی ہیں جیسے میں چاہتا ہوں یا دیکھ جیسے وہ چاہتی ہیں۔'

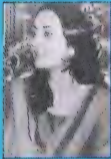
۱۔ داستان میرائے

۲۔ محشر رسول نگری

۳۔ پیر خانہ

۴۔ پاکستان

۵۔ چھوٹا منہ



مناقبہ سیم الدین



رفیق دہرو



سویلا، نسیم، نقش (ببین)

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

دو ایام



میرزا اسلم خان

میں جس کثرتِ جب وطن والیں پہنچے تو وہ وہ افراد نہ تھے جو ۳۰ سال پہلے یہاں سے انگلستان روانہ ہوئے تھے۔ پٹنہ روہیت نظر آتے تھے، لیکن اندر ان کا بند بندہ ٹوٹا ہوا تھا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو ملک کے سربراہ بنے تو انہوں نے پہلا حکم یہ کیا کہ قدرت اللہ کی بخش کی منظوری دے دی اور انہیں وطن والیں آنے کا مشورہ دیا۔

جب وہ وطن والیں آئے تو بھٹو نے کہا کہ جتنے سال آپ نے انگلستان میں گزارے ہیں۔ اتنی مدت کے لیے ہم آپ کی ملازمت میں توسیع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ بخش لے لیں۔ لیکن قدرت اللہ نے بھٹو کی اس آفر کو تسلیم نہ کیا۔ بھٹو کی خواہش تھی کہ قدرت اللہ بیکٹری کے محکمے پر فائز رہے۔ قدرت اللہ فوری طور پر بخش پانے کے حق میں تھا۔ قدرت اللہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھٹو کی خواہش کو رد کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت اللہ نے ہینشٹر چنے کے بعد ایک سال کے کنٹریکٹ پر ملازمت کرنا تسلیم کر لیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو اطلاع دیے بغیر اسٹنٹن دیپے بغیر پاکستانی محترمین ایک مضمون شائع کر ا کر کہ ”سی ایس پی ملازمت میں میں نے کیا پامال کیا کھڑا“ مگر آج۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو علم نہ تھا کہ یہ وہ کیوں شباب نہیں ہے جس کے ساتھ انہوں



میرزا اسلم خان

دیا گیا تھا۔

ہرمل اگر قدرت شباب ثانی میں آخری باب شامل نہ کرتا تو میں انکھ عمری نہ لکھتا۔
ہرمل عفت کو علاج کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قریبی عزیزہ جلی
کی۔
ماہ دیر کے بعد لندن سے ایک تار آیا۔ لکھا تھا۔

iffat resisting death come

اس تار کو دیکھ کر شباب اور اس کا بیٹا حجاب دونوں چلے گئے۔
تقریباً ایک مہینے بعد ۱۰۔۱۱۔۱۲ لکھا ہوا شباب کا خط ملا۔ جس کا ایک اقتباس درج
دیا ہے۔

اسے فریڈ

ہم یہاں پہنچے تو عفت کو ماں میں تھی۔
پانچ چھ روز تک حجاب کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی۔
اس بار حملہ بے حد شدید تھا۔
لاہور سے کئی سوکنا زیادہ۔

دو روز میں بے چاری کا دل بارہ مرتبہ رکھ مٹھوں سے Revive کیا
کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ لب دو رو صحت ہے۔ ابھی چھ سات پہنچے
اور ہسپتال میں رہتا پڑے گا۔

اس کے بعد خبر آئی کہ قدرت اللہ دیل گاڑی میں کنیشیری کے ہسپتال میں جاتا ہے
میں عفت داخل ہے۔ مٹھوں عفت کے پاس چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔
عفت کی بڑوں میں نے دیکھ کر کہا لی بی بی تمہارے بے فریڈ تھے بڑا پیار کرتا ہے۔
میں بھی تھک نہیں کر تا اور پھر آکر مٹھوں سے سامنے بیٹھ رہتا ہے۔
عفت نے کہا یہ میرا میں ہے۔

اصل خط میں یہ ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXV

ہی چھانے نکل آئے تھے۔ منہ میں چھاپے زبان پر چھانے ملے۔ لکھا دینا چوتھا ۱۲
تھا۔ کھانے پینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ سانس مشکل سے آتی تھی۔ پورے بارہ دن کھانا چا
بند رہا۔ ڈاکٹروں نے کھانا دینا ڈھکی چھوڑ دیا گیا ہے۔

بانو کے کمر میں عفت بار بار کھانا چلی جاتی تھی۔
قدرت اللہ شش و پنج میں پڑا تھا کہ لندن لے جائوں یا نہیں۔
میں ایک ڈرپاک آوی ہوں۔ کراس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں لاہور سے بھاگ

آ گیا۔

اور عفت لندن چلی گئی اس کے ساتھ اس کی ہمیشہ تھی۔
بانو اتنے دن کھال میں پڑی رہی کہ گھٹیل کر پانی ہو گئی۔ وہ لندن چلے گئے تو بانو چمک
چمک کر چھینٹے بن کر بھر گئی۔

آخری باب

بانو شباب کی نگاہ میں اس قدر کچھ ہو چکی تھی کہ ہر بات میں اس سے پوچھتی تھی۔ ۱۲
کروں۔ ہم سب میں صرف بانو کو شباب پر حق التیقین تھا۔
کچھ میں نہیں آتا کہ پھر بانو نے مراد برہم میں ایسے واقعات کیوں نہ درج کیے جو شباب
ناچنے کے آخری باب کی تصدیق کرتے۔

بانو نے یہ چشم دید واقعات شاید اس لیے بلک آؤت کر دیئے کہ قدرت اللہ نہیں جانتا تھا
کہ اس کی زندگی کے ایسے واقعات کو شکر کیا جائے، لیکن اگر قدرت اللہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی
ایسے واقعات کو راز رکھا جائے تو اس نے شباب ثانی میں آخری باب کا اضافہ کیوں کیا۔

قدرت اللہ نے آخری باب کے علاوہ شباب ثانی کے تمام باب ہمیں چارہ کر سنا ہے۔
آخری باب میں نے قدرت کی وفات کے بعد پڑھا۔ اگر وہ آخری باب مجھے سنا دیتا تو میں خدا
کے بیٹا جانا کہ میری جان لا تو اس آخری باب کو حذف کر دیتیے اور شباب ثانی کے سارے
باب از سر نو لکھتے۔

میرا اندازہ ہے کہ قدرت کا آخری باب لکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ آخری باب لکھنا اس پر مار

ملات کرے گی۔

پڑوس بولی میں نہیں باجی کبھی غلام بھی بیوی سے لٹکا لٹکا رہتے ہیں۔

عفت کی وفات

پھر خاموشی چھا گئی، اندر سے کوئی خبر نہ آئی۔ البتہ انواہیں سننے میں آتی رہیں۔ میرٹ والے نے لکھا کہ عفت کی بیماری اسے چھوڑ گئی ہے اور اب وہ بالکل صحت مند ہے۔ شاپ، عفت اور جاقب ایک مکان میں رہتے ہیں۔ وہ تینوں بڑے ”مطمئن“ ہیں، آرام سے زندگی گزار رہے ہیں، یوں جیسے کچھ بے ہوش۔

مجھے ان خبروں پر یقین نہیں آتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چلو کاٹھریوں اڑ جائے۔ اگر چلو کاٹھریاں داخل بھی ہو جائے تو غم لوٹے ہوئے اعضا کو جوڑنے والے تصور اچھا رہے ہوں گے۔

جیسے شاپ سے ہوا تھا۔

شاپ کا کوئی خط موصول نہ ہوا کہ راز کھلتا۔ شاید شاپ بات بتانا نہ چاہتا ہو۔

میں انتظار میں بیٹھ گیا کہ کبھی آئے گا اور چٹکن کی صورت پیدا ہو گئی تو شاید بات سیکل پھر دھتارے۔ خبر آئی کہ عفت وفات پا گئیں۔

پتہ چلا کہ کوئی بیماری نہ ہوئی۔ ہارٹ ایکٹ نہ ہوا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ ایک دن طبیعت چار پائی پر لیٹ گئی اور فوت ہو گئی۔

عفت کی وفات کے بعد جب قدرت واپس آیا تو میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔

پہلے جب وہ واپس آیا تھا تو آدھا آدمی تھا۔

اب وہ محض ایک ایسا لکھکا تھا۔ جس میں سے شہ چر گیا ہو۔

پھر جلد ہی چٹکن ہوئی۔ اتفاق سے میں موجود تھا۔

میں نے عفت کی بات پھیر دی۔

وہ میری باتیں سنتا رہا لیکن خاموش بیٹھا رہا۔ آنسو آتے رہے اور وہ پتیا رہا۔ میرٹ

مشہور لکھنؤ دسے برٹ ہر دار پر ڈیٹ "کا نقشہ" بکچ گیا۔

میں نے کہا، شاپ صاحب آپ تو کہتے تھے کہ آپ چلے جائیں گے اور جاقب کی

کیا میں نے کہا تھا وہ حیرت سے بولا۔

ہاں میں نے جواب دیا۔ آپ نے مجھ سے نہیں دین سے کہا تھا۔

میں کیا کر سکتا تھا؟ وہ بولا۔ عفت مدینہ شریف سے احکامات لے آئی تھی۔ میں مجبور ہو گیا۔ ساری بات الٹ ہو گئی۔

پھر رنڈ نوٹ گیا اور بات مکمل کر سامنے آ گئی۔

بولا، جب ہم لندن پہنچے تو عفت کو ماں میں تھی۔ انہوں نے کہا ملاقات بے کار ہے کما سے ہاگ کی تو آپ اسے مل لیا۔

ڈاکٹروں نے شک دیے۔ جو ممکن عمل ہو سکتا تھا کیا، لیکن کما نہ ٹوٹا۔ چند ایک دن گزر گئے۔

پھر ہم نے دوبارہ درخواست کی تو ڈاکٹر مل گئے بولے

ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما ٹوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ آپ اسے دیکھ لیتے ہیں ہم سمجھتے تو وہ بے ہوش پڑی تھی۔

در تک ہم خاموش کھڑے رہے۔ اسے دیکھتے رہے پھر جاقب کا میرٹوٹ گیا۔ اس نے چلا کر آواز دی۔ اسی عفت نے آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹر حیران ہو گئے۔ یہ کیا ہوا۔

ساری رات ہم باپ بیٹا لٹکے کے حضور سرگرم رہے۔

منش کرتے رہے۔

اگلے روز ڈاکٹر نے بتایا کہ عفت کی بیماری دور ہو چکی ہے۔ لیکن شدت کی کمزوری باقی ہے۔ اسے چھ ہفتے ہسپتال میں رہنا ہو گا۔ اس کے بعد وہ گھر جاسکتی ہے۔

یہ کیسے ہوا میں نے قدرت سے پوچھا۔

مسلط

پتہ نہیں، وہ بولا، شاید اللہ تعالیٰ کو ہماری منتوں اور تزلزلوں پر ترس آ گیا اور انہوں نے

ملت عطا کر دی۔ ہم باپ بیٹے کی صرف اپنی سی درخواست تھی کہ یا باری تعالیٰ ہم تینوں کا

باپ اور بیٹا بھی اطمینان اور سکون سے گھر میں نہیں رہے۔ ہمیں ملت عطا کر کہ ہم تینوں ایک

گھر میں آرام و سکون سے کچھ عرصہ اکٹھے رہیں۔

جب مفت ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو ہم تینوں ایک مکان میں آرام اور سکون سے رہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے قدرت اللہ شلب کا ملائی جب پڑھا تھا تو فوراً وضو

کر کے ملائی کی روح کو ایسا ٹوٹ پھٹا تھا شلب کی تحریریں اور میرے اس

ہنر میں کیا تعلق ہے۔ میں نہیں جانتا صرف بیان کر سکتا ہوں۔

.....

بولی نہیں تھڑکی تھیں۔ مجھے ہر دم ان کی سلامتی کا گھر رہتا ہے وہ گھرے ہوئے ہیں۔ اس نے فون بند کر دیا۔

میں اٹھ کر کپڑے پہنے لگا۔ ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ کہیں جاؤں کہ فون پھر بجے۔ میں نے چونکا اٹھایا۔ شب بول رہا تھا۔

کہنے لگا، آپ تکلیف نہ کریں۔ میں صبح سلامت گھر پہنچ گیا ہوں۔

میں نے دھیمی آواز میں پوچھا، کوئی فرائض تھی۔

ہنس کر بولا، نہیں۔

میں نے کہا، تو دوسری مل تھا کیلہ۔

بولا، نہیں۔ وہی فورسز بیٹاؤ۔

میں نے کہا، یہ چکاؤ نہیں بھی تو فورسز بیٹاؤ کی لکھت ہیں۔

بولا، کل بات کریں گے اور فون رکھ دیا۔

ابتدائی ایام میں میں نے ایک دن محنت سے کہا تھا۔

میں نے کہا، اکثر مجھے ایک بات بتاؤ گی۔

کہنے لگی، پوچھیے۔

میں نے کہا، کچ بچ بتائے گا وعدہ کرو تو پوچھوں۔

بولی، کیوں، جوت بولوں کی خواہ خواہ۔

میں نے کہا، یہ بتاؤ کہ قدرت اللہ شب کون ہے۔

وہ سٹپٹ گئی۔ بولی، کیا مطلب۔

میں نے کہا، لگتا ہے قدرت اللہ شب کوئی ہے۔

He is some body لیکن کیا ہے۔ کون ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی، میری بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ————— ملتی ہے

جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں میری تو مت ماری گئی ہے۔ کبھی کسی کمرے سے تازہ پھولوں

داستان سرائے

اپنے مضمیتوں کے دوسرے مجموعے "اورد لوکے لوگ" کا انتخاب میں نے "داستان سرائے" کے نام کیا ہے، جن میں نے زندگی کے بہترین لحاظ گزارے ہیں۔

میں تذبذب میں پڑا تھا۔ کیا تھا پھر جاننے لگا۔ پھر جان گیا۔
پھر جاننے لگا، یوں نہ تھا نصیب ہوا نہ چاہا۔
شباب کی وفات کے بعد مجھے لندن سے بلوا آ گیا۔
الحظ گو ہر نے افتخار عارف کے اردو مرکز کی چاہ سے بلایا تھا۔
مجھے لندن دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ سوچا چلو دوستوں سے مل آؤں گا۔ الحظ گو ہر تھا۔ یو سنی
تھا، افتخار عارف تھا، محمود ہاشمی تھا، پروین بھی ان دنوں وہیں تھی اور ڈاکٹر مزمل مفتی تھا۔
لیکن سب سے زیادہ تمنا مجھے مفتی کی قبر دیکھنے کی تھی۔
میں نے پروین عارف کو خط لکھا۔ اللہ کے واسطے وہیں رہنا۔ چلی نہ آتا۔ میں آ رہا ہوں۔
اگر تم نہ ہوئی تو اس فیصلہ عمل میں کھو جانے کا۔
وہاں میں صرف آٹھ دس دن رکھا۔

الحظ گو ہر نے اپنا پبلک ریلیشنز اسٹریٹجی کو میرے پاس بھیج دیا کہ چٹو مفتی کو جیتیں
دکھا دو۔ مجھے جیتیں دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ مجھے زبردستی دست فترا یہ ہے میں نے کیا۔
.....

شروع کیا تھا۔ اس پروگرام میں اشفاق نے شادی کا رد لیا۔

اشفاق احمد اچھا اور اگلا بھی ہے۔ اس کی وجہ اس کا نام ہے۔ اس کا نام عام لوگوں سے زیادہ سناتا ہے اور اس کا مطلق سنی ہوئی آواز کو ہو سو ری پر دواج س کر سکتا ہے۔

پتہ نہیں یہ کیسے ہوا کہ اشفاق احمد نے پروگرام کے شاہ صاحب کو ایک مثنوی کردار عطا کر دیا۔ 'خس' مہم آزار۔ منہ پر لور، پیٹ پر کچھ اور عام طور پر ریڈیو والے دیکھیں جوش کرتے ہیں ان کی اور اشفاق۔ انہوں نے بھی مثنوی کردار جوش کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ لیکن اشفاق احمد کا شاہ صاحب ہل نکلا۔ سامعین نے شاہ صاحب کے منہ سے اپنے اندر کی خباثتوں کا ذکر سنا تو نمل ہو گئے۔ پھر اس پروگرام کا نام تلقین شاہ رکھ دیا گیا۔ اور اشفاق پھان سے سید بن گیا۔ یہ پروگرام اس قدر پاپا رہا ہوا کہ بات کہیں تک جا پہنچی۔ ہوا یہ کہ ایک روز پروگرام کے دوران شاہ صاحب نے اپنے غلامِ برایت اللہ سے کہا کہ ٹوکرا لے جاؤ اور مانگے اور کتوں کے چنگے جس بھی پرے نہیں 'انہیں نوکر سے میں ڈال کے لے آؤ۔

برایت اللہ نے پوچھا 'شادی چنگے اکٹھے کرنے کا کیا فائدہ ہو گا۔
شادی نے کہا 'الحق تجھے نہیں پتہ ہم ان چنگوں کو اپنے صدر دروازے کی سائیڈ پر ڈھیر کر دیں گے۔

برایت اللہ نے پوچھا 'آقا اس کا کیا فائدہ ہو گا۔

شادی ہوئے، کھنے والے دیکھیں گے۔ ان کے دلوں میں ہماری لہرت کا رعب پڑے گا۔
ہمارا سوشل سٹیشن لوٹا ہوا ہو گا۔

یہ پروگرام ریڈیو سے رات کو نشر ہوا۔

صبح اشفاق احمد باہر نکلا تو دیکھا کہ صدر دروازے کی سائیڈ پر مانگے اور کتوں کے چنگوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

شرت کا ٹھکانہ

اشفاق احمد یہ دیکھ کر چمکے۔ 'نہ' 'نہ' ہو کر رہ گیا اس کے اندر کا ٹھکانہ بچ گیا۔ پھر وہ ٹھکانہ بار بار عیاں کر لینی دین کے اور دروازوں کے دوران ٹھکانہ کے ساتھ حرکت بھی

خدمت اس نے کی ہے، کسی اور نے نہیں کی۔ جتنی اپنائیت مجھے کسی سیری نو کی ہاتھ کے بچوں نے اور اس کی اہلی سزینہ نے دی ہے کسی اور نے نہیں دی۔

اردو لب میں میں نے اشفاق احمد سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

جب میں ریڈیو منٹ کے بعد جلی مشاکٹ میں گمراہ ہوا تھا تو اشفاق احمد نے اردو بورڈ میں مجھے ایڈیٹر کی آسانی پر قیادت کر دیا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قدرت اللہ شاہب جو میری زندگی کا عظیم ترین مشاہدہ ہے۔ وہ بھی اشفاق احمد کی دین ہے، چونکہ فیادی طور پر وہ اشفاق احمد کا دوست تھا۔

اشفاق احمد کی نہیں اس کے سارے بھائی، قادیان اور ملائیتوں کے مالک ہیں۔

اشفاق احمد کے والد بڑے خان خوب آدمی تھے۔ ان کی قابلیت ہفت رفتی تھی۔ ساتھ ہی وہ بڑے چارہ پیڑ آف دی فیلٹی تھے، جب وہ گھر میں پاؤں دھرتے تو سنا جاتا تھا کہ ان کے حکم کے بغیر پتا نہیں مل سکتا تھا کہ گھر میں سب سے بڑی پر اہم یہ تھی کہ کس طریقے سے بڑے خان صاحب کو رام کیا جائے۔ غالباً اسی وجہ سے سب بھائیوں میں امتیاز، مصلحت اور دنیا داری کی خصوصیت پرورش پا گئی۔ صرف ایک بھائی کے اندر ری ایکشن پیدا ہوا۔ اسے کہہ دینے کی عادت پڑ گئی۔ منہ پر کہہ دینے کی۔ سچ کہہ دینے کی۔ دنیا داری سے بے نیاز، فیملی، عمل کا متوال۔

اشفاق کو ابتداء سے ہی دل کی بات کہہ دینے میں چنگا پٹ محسوس ہوتی تھی۔

میری دانست میں اشفاق احمد کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کی شادی پاؤ قدیر سے ہو گئی۔ اگرچہ بظاہر اس شادی کی وجہ سے دونوں میاں بیوی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

تلقین شاہ

اشفاق کی شخصیت دو حصوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔ ایک تو وہ دور جس میں وہ اشفاق احمد

وہ ایک عام ساریڈو پروگرام تھا، "صبرت حقیر" جو اشفاق نے سکرپٹ رائٹری حیثیت سے

بناپتی اور اصلی

وہی قدرت اللہ آجائے بڑے لوب سے پاؤ کی خدمت میں عرض کرتے۔ بیکم صاحب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے میاں کو دو گھنٹے کے لیے باہر لے جاؤں۔ یقیناً جہاں سے وہ کھنے کے اندر آکر آپ کے میاں کو دلہن ڈیلور کر دوں گا۔
 پاؤ کہتی 'آپ کھانا کھائیں پھر بے تک۔'
 نہیں محترمہ وہ جواب دیتا 'کھانے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کہیں باہر سے تان کباب کھائیں گے۔'

جب بھی میں لاہور جاتا تو پاؤ مجھ سے شکایت کرتی تھی 'کہتی' اشفاق کا ایک نیا دوست بنا ہے جب بھی آتا ہے ہم سے بات نہیں کرتے۔ ایک بیگانہ انداز سے اجازت مانگتا ہے اور خان کو باہر لے جاتا ہے۔ ہمیں کھاس نہیں ڈالتا۔

کوئی بڑا حق ہے 'میں اسے جواب دیتا جو تم جیسی خاتون سے رابطہ نہیں رکھتے۔

وہ ہنسی 'مفتی جی آپ مجھے کھن نہ لگا کر میں۔'

میں کہتا 'میں کیا لگاؤں گا وہ تو اللہ نے لگا کر بھیجا ہے۔'

پاؤ بہت بڑی طاقت ہے اس کے پاس وہ بہت ملک اختیار ہیں۔ انکیشن اور خدمت۔

آہستہ آہستہ اس نے قدرت اللہ کو رام کر لیا۔ یہی تک کہ وہ اسی بارہوی خانے میں جڑی پر بیٹھ کر سرسوں کا ساگ 'پائے' اور وال چاول کھانے لگا۔

پھر قدرت اللہ سے میں حصار ہو گیا۔ اشفاق نے تعارف کرا دیا۔ پہلے تو میں اسے ملنے سے گریز کرتا رہا۔ چونکہ میں بڑا انٹی طور پر چھوٹا آدمی ہوں اس لیے بڑے افسروں سے الگ ہوں۔

پھر آہستہ آہستہ مجھے پتہ چلا کہ بڑا افسر ہونے کے باوجود وہ بھی میری طرح چھوٹا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں بناپتی چھوٹا ہوں' وہ اصلی چھوٹا ہے۔ اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ پر اسرار آدمی ہے۔ اسے ہدایات ملتی ہیں۔ لہذا ضرور وہ کسی منصب پر فائز ہے۔ خصوصاً جب بھائی جان نے کہا کہ سرکار قبلہ نے اس کی دستار بندی کی ہے تو میں بے حد متاثر ہوں۔

گو تھل اس کے بعد اشفاق احمد کی شخصیت کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ اس کے پروانوں نے اسے ہوا دی۔ قیادہ اہمر۔ اہمر تاکید۔

اشفاق احمد بنیادی طور پر ایک شریف النفس انسان ہے۔ اس کے اندر خیر کا عنصر حاوی ہے۔ اسے غصہ ضرور آتا ہے' لیکن وہ اسے نکالنا نہیں جانتا۔ لہذا اندر چڑچڑھوتی رہتی ہے۔ بغیراری دالے بغیر ہوتی رہتی ہے۔ اس کا غصہ خود کو ضرب لگاتا رہتا ہے۔ لہذا ملنا کر دیتا ہے۔

اشفاق احمد کسی کے خلاف سازش نہیں کر سکتا اپنی پارٹی میں بنا سکتا۔ چل نہیں پھیلا سکتا۔

اسے شہرت کھائی۔

کہنے لگا 'لوب کا ماحول بہت چھوٹا ہے۔

میرا پیغام وسیع تر ہے۔

اس لیے میں میڈیا کا آدمی ہوں۔

ان دنوں اسے علم نہ تھا کہ میڈیا تو سرکاری پابندی ہے فی دی شہرت کا ہمارا تو لگاؤ دیتی ہے' لیکن مجرمانہ طریقے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے راکھ کی طغی رہ جاتی ہے۔

شہرت نے ہم دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کر دی' پھر بھی ہمارے تعلقات جوں کے توں قائم رہے۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ وہ سلف سفینت اور سلف سینٹر ہو گیا۔ وال کا وہ دائرہ بن گیا جو کھ نہیں۔ پھر بھی میرے لیے کوئی فرق نہ پڑا۔ اس کا گھر تھا۔ پاؤ تھی 'مزینہ تھی' سیری تھا 'کیسی تھا' ٹائیڈ تھی' ذکی تھا اس بہت سے مجھے کوئی ٹھل نہ سکتا تھا۔
 قدرت اللہ بھی اشفاق کے گھر آیا کرتا تھا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب داستان سرائے فقیر نہ ہوا تھا۔ اشفاق اور پاؤ کمن آکر کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ چھوٹا سا بارہوی خانہ تھا اس میں دو تین بیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کھنی بنیاد بنائیاں چولے پر چڑھی رہتی تھی۔ ایک فرانی چین نور ایک لوبے کی کڑائی اور اسے گلی رہتی تھی۔

میں اس بارہوی خانے میں غصہ کھٹا کر بیٹھ جاتا تھا پاؤ کی نور ہم کھاتے۔

مومن کے ایک جانب ان دور مریضوں کا وارڈ تھا۔ جنہاں چار یا پانچوں پر مریض آسمان تلے لیئے رہتے تھے۔ نور بیلا ان میں دوبار وارڈ کاروائی لگاتا۔ ہر مریض کا عمل پوچھتا اور دوا تجویز کرتا تھا۔ نور بیلا نذا کے ذریعے علاج کرتا تھا۔ کتنا تھا نذا دوا سے بستر ہے چونکہ اس میں شفا کا عنصر داخل ہوتا ہے۔ زیادہ تر مریضوں کا علاج ملت ہو آتا تھا۔ صاحب حیثیت مریض کو اعجازت تھی کہ وہ نذا کی دوا کی قیمت لودا کر دے۔ دوا کی قیمت 'قیمت خریدہ کے مطابق لی جاتی۔

نور بیلا اپنے ذریعے میں بیلا میں کر نہیں بیٹھتا تھا۔ بلکہ چاروں طرف گھومتا پھرتا۔ کسی کو پانی پادنتا۔ کسی کے لیے گرم روٹی لے آتا۔ کسی کا عمل احوال پوچھتا۔ ذریعے میں اس کی حیثیت ایک کالی کی تھی 'بیلا کی نہیں۔ ذریعے کا خرچ کیسے چتا تھا اس کا مجھے علم نہیں۔

پتہ نہیں کیسے اشفاق سے یا دیوے ہی ایک روز اشفاق نور بیلا کے ذریعے پر جا پہنچا۔

شوق تحقیق

اشفاق کی علوت ہے کہ اسے کوئی نئی چیز مل جائے تو وہ اس کی تحقیق میں لگ جاتا ہے۔ اس کے اندر گھس جاتا ہے۔

جب وہ مکان بنوا رہا تھا تو فن حیر کے اندر گھس گیا۔ جب ننگے گھوا رہا تھا تو اس نے ٹوٹیوں کے متعلق تہم معلومات حاصل کر لیں۔ کون کون کتنی ٹوٹیاں بناتی ہے۔ ٹوٹی کا منہ کتنا کھلا ہوتا ہے۔ اس کا داخل کتنا دیر ہوتا ہے۔ ان دونوں وہ براہِ راز تھ روڈ پر جا پہنچا اور اس تحقیق میں لگ گیا کہ وہاں کیا کیا ہوتا ہے، کہاں کہاں جاتا ہے۔ کیا کیا باہر سے آتا ہے۔ کیا کیا خانہ ساز ہے۔ اشفاق احمد تحقیق کا موالد ہے۔

نور بیلا کے ہاں پہنچا تو وہاں بھی 'دلی میں جگہ ذہنی تحقیق میں لگ گیا کہ روحانیت کیا ہے۔ 'فصول کیا ہے۔

نور بیلا دیکھنے میں تو ایک عوامی فرد تھا۔ وہ بچہوں اور مرشدوں کی طرح مسند پر نہیں بیٹھتا تھا۔ مسئلے میں چھانٹتا تھا۔ سرکار قبل بن کر ارشادات فرماتے کا عالمی نہ تھا۔ وہ ایک لمبا سا چنڈ پنہ رکھتا اور ننگے پاؤں یوں گھومتا پھرتا جیسے کوئی خدمت گزار ہو، لیکن جب بات کرتا تو بڑی بڑی

اس دن سے میں نے داستان سرائے میں بیٹھ کر یہ چار کرنا شروع کر دیا۔ میں نے بار بار پاؤں اور اشفاق سے کہا: پیارو یہ ٹھٹھا آدمی جو تم پر اس قدر مہربان ہے۔ صرف ٹیک انسان ہی نہیں 'اس اللہ ہی افسری نہیں۔ بھائی جان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بلند پایے کا بزرگ ہے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ وہ تم کو دوست رکھتا ہے۔

پھر میں قدرت اللہ کی شخصیت کی پر اسرار باتیں سناتا رہتا۔ اشفاق نور بیلا بڑے انصاف سے میری باتیں سنتے رہتے اور اس سے بیگم جاتے لیکن پھر وہ اپنے پر ہلکا پھڑکتے اور پھر سوکے کاٹھ ہو کر بیٹھ جاتے۔

دو تین سال میں یوں رہا وہ سنتے رہے۔ لیکن بات جہاں دھری تھی وہیں دھری رہی۔ غالباً شوق تھا مجھے ایک جذباتی مجذوب سمجھتے تھے۔ اس لیے میری باتوں پر انہوں نے کان تو دھرا ہل دل نہ دھرا۔

دیے بات بھی درست تھی۔ میں ایک جذباتی آدمی ہوں اور مجھ میں مجذوبیت کا عنصر موجود ہے۔ لیکن غالباً انہوں نے میرے غلوں کی جانب توجہ نہ کی۔

قدرت اللہ کے مرتبے کے متعلق انہیں احساس دلانے میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا۔ مجھے ایک خزانہ ملا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میرے دوست بھی اس لوٹ کے بل میں حصہ دار بن جائیں۔

نور بیلا کا ذریعہ

پھر نور بیلا کا قصہ چل نکلا۔

نور بیلا ایک بزرگ تھا۔ اس کا ذریعہ لاہور چھانڈی میں کیو لری روڈ پر تھا۔ نور بیلا کے دو کام تھے۔ بنیادی کام یہ تھا کہ وہ ہر آنے والے کو گوشت روٹی کھاتا تھا۔ اس کے ذریعے پر آجھ نو لمبی لمبی داڑھیوں والے بابے کام کرتے تھے۔ چار ایک صبح شام روٹیاں پکاتے رہتے دو ایک ہفتی پکاتے پر ہمارے تھے۔ اور دو ایک چھوٹے موٹے کام کرنے پر۔ نور بیلا کا دوسرا کام دوا دار دوا کا تھا۔ ذریعے پر وہ بڑے بڑے بارگ نما بن کر تھے۔ ایک بہت کھانا تھی۔ ایک بے چہتی

© Oneurdu.com

میں اس لیے پر دستخط کیے تھے۔

صوفیانہ: 'پائیاں جھوٹے جھوٹے جملوں میں برکتیں تلاش کر کہ جانتے اس کے پاس ایسے تئیں

جملے تھے، جنہیں سن کر دانش ور چونک جاتے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

مجھے بلایا یہ بات بہت کلی۔ اتنا بڑا دعویٰ اور یوں بڑا۔ اور پھر اتنا مختصر۔

کسی نے کہا: 'یاد رکھی یہ جو پاکستان ہے یہ کیا اسلامی مملکت ہے۔

یاد رکھو کہ۔ ابھی تو بیج پڑا ہے، ابھی بوٹا نکلے گا اور جب بوٹے پر پھول لگا تو ساری دنیا حیرت

میں دیکھے گی۔

یہ جملے Aphorisms تھے۔ مثلاً: 'ماننے کے لیے جتنا ضروری نہیں۔ علم سمجھنے کی چیز

افورازمز

وہ مسکرایا ہوا میں اس قتل ہو تا پھر آپ کی منت کیوں کرتا۔

میں نے ہاتھ سے بات کہہ دی۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ اس جتنی جھگڑے نے بات میں کو تباہی ہو گی، لیکن اشفاق پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اننا وہ شباب کی موندگی میں نور پائی کی باتیں کچھ زیادہ ہی ہنڈے سے منانے لگا۔

پھر یہ نہیں کیا بول، کچھ ہو گیا۔

ہاتھ پر دھننا، انکشاف ہوا کہ قدرت اللہ ایک بڑا بزرگ ہے۔ ہاتھ کے نیچے عقیدت کے ہنڈے سے پھٹکنے لگے، قدرت اللہ نے اپنا گنڈا "اڈا دیا۔ جب بھی قدرت اللہ لاہور جاتا تو ہاتھ شوشیری، مسز جٹ ہاتھ کے تمام بیٹے بیٹوں سب قدرت کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے، پھر مسئلے مسائل چل پڑتے۔ سوال پوچھتے جاتے۔ قدرت اللہ ان سوالات کے جواب دیتا۔ بات کی وضاحت کرتا۔ فٹفٹے حل کرتا۔

ایک سال کے اندر اندر قدرت واستان سرائے پر ایک بزرگ کی حیثیت سے چھا گیا۔

واستان سرائے والے انتظار کرتے کہ کب شباب صاحب لاہور آئیں۔ خود شباب کی خواہش ہوتی کہ وہ لاہور جائے۔

دراصل جب سے واکٹر عفت فوت ہوئی تھیں قدرت کو "ہوم" نصیب نہ ہوا تھا۔

بے گھر

وہ اپنی ہمیشہ کے گھر رہتا تھا۔ اس کا بہنوئی لٹن، ہمیشہ محمود اور ان کے بیٹوں بچے گڈی۔

بلو اور پیکل سب اس کی عزت کرتے تھے۔

ایٹن پور فقیر کا قافلہ نہ تھا وہ خود ایک مراد مستغنیہ تھا۔ وہ قدرت اللہ کو ایک نیک آدمی

کہتا تھا اور میں نے

میرا ذاتی خیال ہے کہ قدرت اللہ نے اپنے گھروالوں کی نظر بندی کر رکھی تھی کہ ان کو قدرت کی اصلیت کا پتہ نہ چلے۔ طاقت قدرت کا معمول تھا کہ وہ صبح تین بجے جاگتا۔ جبہ ادا کرنا

UrduPhoto.com

پھر سولی پکڑ کر باہر نکل جاتا اور وہ کتنے اسلام آباد کا پکڑ لگاتا، پھر گھر آکر فجر کی نماز پڑھتا اور پھر سو ہاتھ گھروالوں نے بھی نہ سوجھا تھا کہ وہ کوئی رات کے وقت شہر کا پکڑ کیوں لگاتا ہے۔ وہ وقت نہ چل قدرتی کا ہوتا ہے نہ جانگ کا۔

ایک دن میں نے قدرت سے پوچھا، آپ جو رات کے تین بجے اسلام آباد کا پکڑ لگاتے ہیں تو شہر کے کتے آپ کا استقبال کرتے ہوں گے۔

ہاں، اس نے جواب دیا۔ بڑے کتے ہیں اس شہر میں۔ مگر اس وقت میرے گھر آتا ہے۔

میں نے کہا، شباب صاحب آپ انسانی ذہن کی تو جین نہ کیا کریں۔

اس نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

میں نے کہا، شباب بی، یا تو بات کہہ دیا کیجیے اور یا چھپانا مقصود ہو تو ایسے چھپائیے کہ چھپ جائے۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا کچھ علم نہ تھا کہ کوئی ایسا عمل عقیدہ بھی ہوتا ہے جو چلتے چلتے پڑھا جاتا ہے۔

اس نے کہا آپ نے کبھی مجھ کو سیرے چل قدرتی کی ہے۔

میں نے کہا جناب صبح کے وقت مجھ پر شیطان غالب ہو آتا ہے۔ رات کو نیند آئے نہ آئے۔ صبح کو وہ تھک تھک کر سلاطین ہے۔

بہر حال وہ مگر جس میں قدرت رہتا تھا اس کے لیے گھر نہیں تھا۔ گھروالوں کو علم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔

میرا گھر

بجی کبھی میرے گھر بھی آیا کرتا تھا۔

میرے گھر میں صرف وہ افراد اسے جانتے تھے، مانتے تھے، کبھی اور میں۔ میری بیوی شیتلی ہے۔ شیخ نو مسلم ہیں۔ وہ صرف اللہ کو مانتے ہیں۔ کسی بزرگ یا فقیر کو نہیں مانتے۔ بزرگ کو

نہ میری بیوی کے نزدیک بت پرستی کے مترادف ہے۔ کرامت کی بات سن کر وہ حسرت سے ہنس دیتی ہے۔ عقیدت کا وہ مذاق الماتی ہے۔ اور مجھے کولاف زنی سمجھتی ہے۔

اس قدر چھڑا تھا کہ بڑی شدت سے دکھ رکھا کا متوالہ تھا اور تیسرے محبوب صراہی اور بول کا دلدادہ تھا۔

بی ایم اڑ نے میری کسی تحریر پر کتہ چٹنی کی تھی۔ غالباً وہ تحریر قدرت اللہ سے متعلق تھی۔ اس نے مجھے ایک خط لکھا کہ جناب آپ بافق الفطرت باتیں کر کے کیوں اپنا وقار اور قارئین کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ایسے خط مجھے اکثر آیا کرتے تھے۔ جن کا میں نے کبھی جواب نہ دیا تھا۔ پتہ نہیں بی ایم اڑ کے خط کو دیکھ کر مجھے کیوں غصہ آگیا اور میں نے جواب میں لکھا کہ تحریر تمہارے اپنے محلے میں بھونکا اچھا لگتا ہے۔ میں اپنے محلے اہل دنیا میں بھونکا ہوں آپ بھی اپنے محلے صحافت میں بھونکیے۔

میرے خط کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا اور مجھ سے ناراض ہو گیا۔ کسی کی پرچی کو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ اگر اڑ نہ ملتا تو کیا ہو گا۔

تہینہ

بہر اتفاق سے میں نے تہینہ کو دیکھ لیا۔ تہینہ بہت ہی ذہین لڑکی تھی۔ بڑی ایکسٹروورٹ۔ جرات سے بھرپور۔ منہ پھٹنے قابلیت میں اپنے آپ جیسی۔ باپ کی پرستار۔ لیکن لوہی نہیں والی۔ محبت کرنے والی، ساتھ ہی فیصل۔ بھانجرا لگنے والا غصہ۔ وہ تو انورا کر نے والی تھی۔ ہونے والی نہیں۔

یہ تو مشکل پڑ گئی، میں نے سوچا اگر بی ایم اڑ نے انکار کر دیا تو اس لڑکی کو انورا کرنا تو مشکل ہو جائے گا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اڑ کو خط لکھا کہ اگر تم وسعت قلب سے کام لو اور گزشتہ گستاخی کو معاف کر دو تو میں بعد احرام تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کروں کہ اگر تم میرے بیٹے کی مفتی کو اپنی فرزندگی میں قبول فرماؤ تو یہ میرے لیے باعث اعزاز ہو گا۔

اڑ نے کھلے دل سے معافی دے دی اور کسی تہینہ کی شادی ہو گئی۔ تہینہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ لوہی ناگ والی تھی، وائٹ اور لی اینڈ تھی۔ اس نے ہمارے گھر میں آکر شہب کا تذکرہ غارتوہ سوچنے لگی کہ یہ شہب کیا شے ہے جو اس گھر پر محبت کی طرح سوار ہے۔ اسے شہب

میری تین بیٹیاں ہیں۔ سورا، نیلا، شعلہ، بیان کی شادی کے سلسلے میں ذہر دست رکھوئیں آگزی ہوئی تھیں۔ میری بیوی ان رکھوئوں کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ پھر بغیر کسی کوشش کے بغیر کسی وجہ کے وہ تمام رکھوئیں باری باری دور ہو گئیں۔ یوں دور ہو گئیں۔ جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس پر میری بیوی حیران رہ گئی، لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ اس میں شہب کا ہاتھ تھا۔ میری بیٹیوں کو احساس ہے کہ شہب نے مدد کی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے پتہ چاہنے اس بات کو تسلیم نہ کیا تھا۔

کبھی کبھی میں جوش عقیدت سے سرشار ہو کر گھر میں شہب کی بزرگی کی بات کرتا تو میری بیوی میرا مذاق اڑاتی۔

اس کا بے ادب رویہ دیکھ کر میں خوف زدہ ہو جاتا۔ یوں گھر میں شہب کی بات کرنا میرے لیے ممنوع تھا۔

۱۹۷۲ء میں کبھی کی شادی ہو گئی۔

میں نے کسی کو صاف کہہ رکھا تھا کہ میں حیرے لیے رشتہ تلاش نہیں کروں گا۔ جس لڑکی سے تو شادی کرنا چاہتا ہے اس کا نام اور پتہ ایک پرچی پر لکھ دے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دے۔ اگر لڑکی والوں نے رشتہ قبول کر لیا تو بہت خوب۔ کیا تو تم لڑکی کو انورا کر کے لے آئیں گے۔

بی ایم اڑ

کسی نے ایک پرچی پر بی ایم اڑ کی بیٹی تہینہ کا نام لکھ دیا۔ بی ایم اڑ کو میں جانتا تھا۔ وہ ایک جانا بچا دانش ور تھا۔ سب سے پہلے ہماری ملاقات اشفاق کے گھر میں ہوئی تھی۔ ان دنوں ہم اسے ڈپٹی کمار کرتے تھے۔

پیلے داڑھی تھا۔ پھر کرمنٹ کاغذ میں اقبالیات پڑھانے لگا۔ یہ پروفیشن بھی اسے جذبہ کر سکا تو وہ انگریزی روزنامہ بی ایم جی میں صفائی بن گیا۔ اس کے کالوں کو اپنے بیٹروں کی مدد مانگ گئی۔ پھر سول لیڈ ملٹری گزٹ بند ہو گیا۔ تو وہ تربیل میں پبلک ریلیشنز آفیسر بن گیا۔ تربیل ایک انٹرنیشنل شہر تھا۔ اس شہر میں تہینہ بی بی بیٹوں ہوئی تھی۔

بی ایم اڑ کی شخصیت میں تین خصوصیات نمایاں تھیں۔ وہ ایک پڑھا لکھا قلمب آدی تھا۔

اگلی بار دورہ پڑا تو تہینہ نے آدمے دل سے قل پڑنے شروع کیے۔ جوں جوں وہ قل شریف پر ماضی مکی، نکسی کی گردن کی حرکت دہم پڑتی تھی۔
تہینہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ آیات ہیں یا جادو ہیں۔
سات آٹھ دن کے بعد نکسی کے دوسرے ختم ہو گئے۔
یوں تہینہ بھی شباب کو بچھ ماننے لگی۔ اس طرح ہمارے گھر میں شباب کو ماننے والے دو کی بجائے ڈھائی ہو گئے۔
پھر بھی ہمارا گھر شباب کے لیے ایک بیگنہ جگہ تھی۔

مروا برہم

آخری چند ایک سال کے دوران داستان سرائے شباب کا گھر بن گیا تھا۔ پاؤں کی بست بڑی مرید تھی۔ سیری نے خود کو عمل طور پر شباب کے حوالے کر رکھا تھا۔ اس دور میں پاؤں نے جتنی خدمت شباب کی کی، نکسی اور نے بھی اس کی اتنی خدمت نہیں کی ہو گی۔
جب پاؤں نے مروا برہم کی تحفیف کا اعلان کیا تو میں بہت خوش ہوا کہ کوئی تو ایسے واقعات بیان کرے جن سے شباب بند کے آخری باب کی تصدیق ہو۔
نی دی پر پرگرام ہوا تو اشتقاق احمد نے شباب کی بزرگی کا تذکرہ نہ کیا۔ پاؤں کی مروا برہم اتنی تو محسوس ہوا، جیسے کتاب صرف اس لیے لکھی گئی ہو کہ یہ ثابت کیا جائے کہ شباب سے جتنے قریبی تعلقات پاؤں کے میاں اور اس کے بچوں کی تھے اور نکسی کے نہ تھے۔
کتاب پڑھ کر میں سمجھا میں اسے تعجب بھری نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر ٹیلی فون آنے شروع ہو گئے۔

ملحق 'پاؤں نے یہ کیا کیا! اتنی بڑی معنفہ ہوتے ہوئے یہ کیا کیا۔
کیا کیا! میں پوچھتا۔
اپنے گھر آنے کو بوٹ کرنے کے لیے کتاب لکھ دی۔
کیا مطلب۔

کتاب کہتی ہے کہ قدرت اللہ شباب کے جس قدر قریبی تعلقات علی صاحب اور بچوں

کے نام سے پڑ ہو گئی۔

پھر چند ایک ماہ کے بعد ایک عجیب حادثہ رونما ہونے لگا۔ نکسی رات کے وقت چار پائی سے اچھلتا پھر کرتا پھر اچھلتا کرتا۔ یوں جیسے کوئی اٹھا کر پھر دے رہا ہو۔ وہ گھبرا گئی، یہ کیسی بزدلی ہے۔ اس نے کمائیں ڈاکٹر کو بلا لائی ہوں۔ نکسی نے منع کر دیا۔
پھر اس 'اچھل کر' نے قتل پوری اور اس کی گردن مڑنے لگی۔ جھٹکا لگا تو گردن بائیں سے دائیں جانب مڑ جاتی۔ پھر جھٹکا لگا تو دائیں سے بائیں جانب مڑ جاتی۔ تہینہ نے نکسی سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے تو نکسی نے قتل واصل کرتا رہا۔

اسرائیلی چھینے

پھر اس نے تہینہ کو بتایا کہ چیکو سلوڈ یکہ میں ایک شام وہ کمرے میں رہنا بیٹھا پڑھا تھا کہ دروازہ بجلا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک حسین و جمیل خاتون کھڑی تھی۔ وہ از خود اندر داخل ہو گئی۔ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بولی میرا نام زہرا ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ دراصل میں اپنی سہیلی کا ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ لڑکی بائیں کمرے دی اور ساتھ ہی کمرے کی دیوار پر اگلی سے کچھ لکھی رہی۔ نکسی نے کہا وہ بڑی شہزادہ کی بیوی تھی۔ زہرا کے چالنے کے بعد۔ مجھ پر ایک 'دہلی' کیفیت طاری ہو گئی۔ میں ایک فیض میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ عداں کے باہر شدت سے برف پڑ رہی تھی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ یہ بڑا بڑا قصہ ہے۔ نکسی نے کہا 'اس عداں سے مجھ پر ایسی کیفیت وارد ہوئی راقی ہیں۔ تہینہ یہ سن کر خوف زدہ ہو گئی۔
میں نے تہینہ سے کہا تو قدرت اللہ کے پاس جا آئے ساری سنا۔ شاید وہ مدد کر سکے۔
وہ ٹھہرے میں چلائی۔ قدرت اللہ کیا ڈاکٹر ہے۔ کہ وہ مدد کرے۔ گھ آپ لوگ پڑے کیسے ۱۱
کر نکسی بائیں کرتے ہیں۔

افریق سے اسی روز قدرت اللہ ہمارے پاس آگیا۔ تہینہ نے اسے ساری بات بتائی۔
نکسی لگا 'آپ قرآن کریم پڑھی ہوئی ہیں کیا۔

ہاں وہ بولی۔

کیسے لگا؟ جب نکسی پر ایسی کیفیت طاری ہو تو آپ چاروں قل شریف پڑھا کریں۔

سے تھے اور کسی سے نہ تھے۔

یہ ہانگ بج ہے، میں جواب دیتا۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن ملحق اس بات پر کتب تو نہیں لکھی جاتی۔

مجھ میں آج تک اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ ہانگو کو یہ بات بتاؤں۔

محشر رسول نگہی

عفت کی موت کے بعد ایک دم سکوت چھا گیا۔

یوں جیسے بجھ کر چلنے کے بعد ایک دم خاموشی چھا جائے۔ ویرانی بھری، مروئی بھری خاموشی۔

یہ بجھ کر ایک جھٹکے سے رک گیا۔

شاید اس جھٹکے کی وجہ سے بھائی جان بیٹھے بٹھائے آئے، "فلاں" رخصت ہو گئے۔

جب قدرت اور میں بھائی جان کی قبر پر بیٹھے تھے تو میں نے کہا، یہ کیا ہوا، "فلاں"، کسی کو

خبر نہ ہوئی۔

قدرت نے مدغم آواز میں جواب دیا، "میں انہیں خبر تھی۔"

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ہوا، چند دن پہلے ان سے ملا تھا۔ انہوں نے مجھے انوداع کسی تھی۔ کہنے لگے ہم جا رہے

ہیں۔ ملحق کو خبر نہ دیتا۔ صرف تمہارا سلام پہنچا دیتا۔

ویرانگی، مروئی

اس کے بعد ایک ویرانگی چھا گئی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

۴۔ کڑے پھرا ہوا ہے۔

لیکن مجھے یہ پتا نہ چلا تھا کہ وہ کون ہے۔

یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ کسی کام کرنے کے لیے آیا ہے۔

کسی عظیم شخصیت کی آمد کے لیے جگہ بنانے کیجیسا کہ یہ کہ 'جا' جا کر دریاں بچھا کر سیاں لگا' وائس سپلہ کے اسے ہدایات ملتی ہیں۔ سرزمین ہوتی ہیں۔ شرکی طاقتوں کے علم سے 'اس کے گرد چکر لڑیں پھیرے لیتی رہتی ہیں اس کی راہ کاٹیں۔

یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا قاور پیرانہ اڑے لگے تھے، لیکن مجھے یہ علم نہ ہو سکا تھا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ میرے شعور کا بند بنگوئی دیتا تھا کہ قدرت اللہ کوئی ہے لیکن کیا ہے، کون ہے، کس منصب پر فائز ہے، اس کا مجھے پتہ نہ لگ سکا تھا۔

کھون لگا کر میں ہار گیا تھا اور پھر میں نے مان لیا تھا کہ وہ بڑا انسان ہے اور مان لیتا بھی تو موت ہے۔

میں نے جانے بغیر اپنی کشتی اس وسیع سمندر میں ڈال دی تھی۔ مجھے علم نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ میری منزل کیا ہے۔ بس پانی ہی پانی چاروں طرف پانی گھمرا ہوا پانی! نہ بہاؤ نہ حرکت نہ رخ۔

پیر بھائی

جب وہ سب ساتھ والے کمرے میں چائے پیئے کے لئے بیٹھے تو اس نے میری ہانپ کڑی-ی-یولا، بیٹھ چلا۔ اس کا ذہن بوجھا تھا، جسم لاغر تھا، انداز غیر معمولی تھا۔ انھیں کونیلوں کی طرح دیک رہی تھیں۔ کوڑا میں رعب تھا۔

میں بیٹھ گیا۔

یوں! نہیں پتہ ہے کہ ہم اسلام آباد میں کیوں آئے ہیں۔

میں نے سرنگی میں ہلا دیا۔

کہنے لگا، ہم اپنے حق پر مبنی سے ملے آئے ہیں۔ صرف اسے دیکھنے کے لیے اس سے ملنے کے لیے ہم نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک 'انٹارلسٹریٹ' کیا ہے۔

جیسے تمنا قائم ہونے کے بعد ”دی اینڈ“ کی سختی آجاتی ہے۔

جب صفت کی ولادت کے بعد قدرت لوہا تھا تو وہ 'وہ قدرت اللہ' نہ تھا جس سے ہم واقف تھے۔ ایک ایسا بڑا حجاب 'ہو' لاکھ لاکھ سے باہر آچکا ہو۔ جسے کچھ ہونے کی پروا نہ رہی ہو۔ کچھ کرنے کا فکر نہ رہا ہو۔ ایک ایسا کالی ہو دریاں بچھا چکا ہو 'کریاں لگا چکا ہو' 'واکس سچا چکا ہو۔ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا ہو اور اب اپنی مہلت کے دن گمن رہا ہو۔ اور دعائیں مانگ رہا ہو کر انجام بخیر ہو۔

پہلے قدرت اللہ انفلونز سے بھرا ہوا قند اس کا ہر گرام منقذ قند یہاں تک کہ اس کی
عملیت کا انداز بھی منقذ قند خدمت علی کا قصور منقذ قند اللہ کا تحلی منقذ قند
انفلونز کے علاوہ اس میں بے پتہ ”قند“ حتیٰ کچھ کرنے کا خاموش عزم۔ وہ ہر وقت
چاک و چوبند رہتا قند۔

وہ ایک دریا تھا۔ جو پہاڑی علاقے میں بہہ رہا تھا۔ گرتا اچھلتا، جھٹکتے کھاتا، سر کھراتا، چونٹیں کھاتا پے جاتے۔ چوٹ کھا کر وہ تیز دم ہو جاتا تھا۔

عفت کی وقت کے بعد جیسے وہ پہاڑی دریا۔ سمندر میں جا کر سمندر بن گیا۔ نہ بہاؤ رہا نہ سمت رہی نہ حرکت رہی نہ اچھل رہی نہ چھلکن۔

شاید اس کا سفر ختم ہو چکا تھا۔ وہ منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اور منزل کیا ہے۔ انتہام دی اینڈ۔

میں بھی وہ ممتاز مفتی نہ تھا جو ۱۹۵۸ء میں پہلی بار قدرت سے ملا تھا۔

پانی ہی پانی

میں نے انا کو دیکھا تھا' اتنی دیر کر یہ میں لگا رہا تھا' عقل کے گھوڑے دوڑائے تھے' پوچھ کر کہہ کی تھی' ایسے اسماعیل سے بھی ملا تھا جو جانتے تھے، لیکن ان سب کوششوں کے باوجود کچھ

میں نے کہا تھا۔
 کچھ صوفیوں نے یہ چاہا کہ قدرت اللہ ایک عظیم انسان ہے۔ باکدار آدمی ہے۔ اللہ کو
 تدبیروں پر مجبور کرتا ہے۔ حضور اعلیٰ علیہ السلام کو تو علم ہے۔ بخش دینے والا ہے۔ دہانوں

کی 'میں نے جواب دیا۔

کتنے 'کا' جنہیں پتہ ہے ہمارا یہ بھائی کون ہے۔

جی نہیں 'میں نے جواب دیا۔

تم ہمارے یہ بھائی ہو 'وہ بولا۔

میں ————— محشر صاحب میرا تو کوئی یہ بھائی نہیں ہے۔ نہ میں کسی کامیہ ہوں۔

ہے 'تمہارا یہ ہے۔ اس نے مجھے ڈانٹا۔

میں نے کہا جناب میں نے کسی کو یہ بتایا ہی نہیں۔

یہ بتائے نہیں جاتے 'وہ بولا۔

آپ کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہیں 'محشر صاحب۔ آپ تو خود بزرگ ہیں۔

کون کتا ہے میں بزرگ ہوں 'وہ بولا۔

میرے دوست مجھے یہاں زبردستی لائے ہیں کتنے تھے 'تو جنہیں ایک بزرگ سے ملا

لائیں۔

سمندر

وہ قریب تر ہو گیا۔ بولا۔ وہ سب احمق ہیں۔ افسس کیا خبر۔ دیکھئے ہم نے آپ کی کتاب

"ٹیک" پڑھی ہے۔ اس میں ایک فقرے نے ہمیں چٹکا دیا۔ آپ نے لکھا تھا "کاش کہ میں اپنی

کشتی" کی ندی یا دریا میں ڈال دیتا مجھے یہ تو پتہ چلا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ میری خنل کہاں ہے

لیکن میں نے اپنی کشتی سمندر میں ڈال دی۔ اب مجھے پتہ نہیں چلا کہ میری ست کیا ہے 'میری

خنل کہاں ہے۔ وہ رک گیا 'پھر بولا 'ہمارا بھی یہی حال ہے۔ ہم نے بھی اپنی کشتی سمندر میں

ڈال دی تھی۔ اب نہ کوئی ست ہے 'نہ خنل' بس ہمیں سمجھ میں آ گیا کہ تم ہمارے یہ بھائی

ہو۔ اور ہم یہاں صرف اپنے یہ بھائی کی زیارت کرنے آئے ہیں۔

محشر کی بات سن کر میرے ذہن کا لیز اڑ گیا۔

محشر سے ملنے کی مجھے قلعی طور پر خواہش نہیں تھی۔

میرے دوستوں نے زبردستی مجھے افکار کا گاڑی میں ڈال دیا تھا 'جیسے میں ہمیں کی ایک بوری

ہو یا یہ کہ رات کے آٹھ بجے فور سیکٹرز نے میرے گھر پر دھوا بول دیا۔ سردیاں کے دن

تھے 'میں لفاف میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔

کہنے لگے 'چلو جنہیں ایک بزرگ سے ملا لائیں۔

میں نے کہا 'نہ بھائی مجھے کسی بزرگ سے ملنے کی خواہش نہیں ہے۔

مروا 'یار تو' تو بزرگوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔

نہ بھائی 'میں نے کہا 'ایک سے ملا ہوں۔ جب سے توبہ کر لی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

مسود نے قہقہہ لگایا اور وہ چلے گئے۔

محشر کے ہاں پیچھے تو انہوں نے پوچھا۔ دیر سے کیوں آئے۔

وہ بولے 'مضور' ایک دوست کو ساتھ لانا چاہتے تھے۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا۔

مسود نے کہا 'وہ کتا تھا۔ مجھے محشر۔ ملی انڈوری ہی بھلی۔

علا بولا 'وہ کتا تھا جب سے ایک بزرگ سے ملا ہوں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔ خدا محفوظ

رکھے۔

محشر نے قہقہہ لگایا۔ بولا 'سیانا معلوم ہو تا ہے۔ ہم بھی اگر توبہ کر لیتے تو آن پھانسی پر نہ لگے

ہوتے۔

وہ بھی کئی ایک سال سے پھانسی پر لٹکا ہوا ہے۔ مسود نے کہا۔

کیا ہم سے اس کا محشر ہے پوچھا۔

متنازق 'مطلق' افسس نے جواب دیا۔

متنازق 'محشر بولے۔ اسے تو آواز دے گا اسے کو اگر سیدھی طرح سے نہ کیا تو ہم

بلوا بھی جانتے ہیں۔

اگے دو دو فور مسکینرز پھر آگئے۔ کہنے لگے 'بچہ سیدھی طرح سے چل پڑو نہ محشر

صاحب بلوا بھی جانتے ہیں۔

رند بزرگ

محشر رسول عمری ایک رنگ رنگیلا طرح دار رند بزرگ تھا۔ سارے ریڈیو پاکستان میں اس

اس وقت اس پر عجیب کیفیت طاری تھی۔

اس وقت وہ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

وہاں پہلا، یعنی لیکن سے حد چاک و چوندہ۔ ذہین، تیز طرار، یوں بیدار جیسے کوئی سپاہی جو ہاروں طرف سے دشمنوں سے گمراہ ہو۔

بظاہر وہ آرام فرما رہا تھا، لیکن آرام اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کی یونی بوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

اگرچہ اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ تراشی ہوئی۔ مٹی بھر، لیکن ایسے گتھا تھا جیسے بے داڑھی ہو۔ ہاتھ بے اثر۔ نہ وہ عمر کا متحرک تھی نہ معززت نہ بزرگی کا گتھا تھا جیسے منڈوے کی ہو۔ جو ایکڑ لگاتے پیتے ہیں۔

اسے دیکھ کر میں نے محسوس کیا جیسے چھوٹے سے نحیف و نزار جسم میں اتنی زیادہ جان ڈال دی گئی ہے کہ سارنا مشکل ہو رہا ہے۔

اسے دیکھ کر مجھ پر خوف سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو جھنجھوڑاں میں نے کہا مشرقی میں نے آپ کا کیا گاڑا ہے کہ آپ مجھے اسلام آباد بخش رہے ہیں۔

اس نے غصے سے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا مجھے اقتدار نہیں چاہیے۔ بزرگی کی طلب نہیں۔ میں تو ایک انسان کلارا ہوا ہوں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بزرگی کی طلب کے بے یولو، ہم بھی تو انسان کے مارے ہوئے ہیں۔

مسعود بولا۔ تم دونوں مرام گزیدہ آپس میں فیصلے کر لو تم تو چلتے ہیں۔

اگلے دن قدرت نے فون کیا کہنے لگا کل رات کہیں گئے ہوئے تھے آپ۔

میں نے کہا اپنے بھائی سے ملنے گیا تھا۔

آپ نے کسی کو بھی بتایا ہے کیا اس نے پرچہ مل۔

نہیں، میں نے جواب دیا، وہ کہتا تھا، جی ہائے نہیں جانتے، میں جانتے ہیں اور جو بتائے جانتے ہیں وہ پلٹے نہیں۔

بڑی دلچسپ بات ہے، قدرت بولا۔

کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کی کرکٹ کے چرچے تھے۔ جو بھی آتا اسے انگلی لگا کر ساتھ لے جاتا۔ وہ ہر کسی کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ اس کی محفل ہمہ وقت بھی تھی۔

ان دنوں وہ سعادت کے گھر میں مہمان تھا۔ بہت سے لوگ اسے ملنے آتے تھے۔ ہر وقت چائے، بکٹ، سموے، کباب پلتے تھے۔ اندر سے کھانے یوں پک کر آتے تھے جیسے اندر بیچ کی جگہ کوئی بوش کا چیف بیٹھا ہو۔

سعادت ایک خوش شکل ہارمب اور خوش لباس شخص تھا۔ وہ ان دنوں کسی سرکاری کارخانے کا ٹینک ڈائریکٹر تھا۔ اسے دیکھ کر جین میں آتا تھا کہ بڑی فتنی اور کرکٹ کا قائل ہو سکتا ہے، لیکن جس ذوق اور غلوں سے وہ محض اور اس کے دوستوں اور مریدوں کی خدمت میں لگا رہتا تھا، دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

سعادت

میں نے اعلیٰ سے پوچھا، یار یہ دونوں کیا چیزیں ہیں۔

کون سی چیزیں، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، یہ محض اور سعادت۔

کہنے لگا، یہ محض تو کوئی لادینی چیز ہے، اس کا بھید کسی نے نہیں پایا۔ خنڈے اور بزرگ کا مرکب معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ سعادت۔

سعادت نے سی ایس ایس کا امتحان دیا تھا چونکہ بلوچستان سے تھا، پاس ہونا اور سلیکشن میں آنا جتنی قہر لیکن۔ انٹرویو میں غصہ ہو گیا چونکہ پکھلا نا تھا۔

اگلے سال سعادت کے باپ نے محض کو انگلی لگائی اور ساتھ لے گیا۔ انٹرویو میں سعادت

پکھلا بھول گیا۔ پاس ہو گیا سلیکٹ ہو گیا۔ اسٹنٹ کوشنگ کیا، پوٹیکل ایجنٹ بن گیا۔ اب وہ محض کے گرد پھیرے لیتا رہتا ہے۔ کوئی مشکل آئے تو محض کو کون سے پکڑ کر لے آتا ہے۔

اسلام آباد سے رخصت ہونے لگا تو محض نے کہا ملتی ہم نے تجھے اسلام آباد کا چارج دے

دیا۔ جامونہ کر۔

وہ 'نہا تھا تیرا' جو بھی سمندر ہے، میرا بھی سمندر ہے۔ نہ ہمارا کوئی رخ ہے نہ سمت ہے نہ
خصل۔

وہ کون تھا قدرت نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون تھا میں نے جواب دیا، لیکن وہ مجھے اسلام آباد کا پادشاہ بنا گیا ہے۔ اب
آپ مجھ سے بائیں پلاٹ ہو شیار ہیں۔

چند روز کے بعد چیئر خالی کے لیے میں نے محشر کو ایک خط لکھا کہ وہ اعلیٰ جناب آپ تو
مجھے اسلام آباد کا پادشاہ بنا گئے تھے۔ یہاں کا تو سپاہی بھی مجھے گھورتا ہے۔ مرنے مروڑتا ہے اور
گھورتا ہے۔ کم از کم جانتے ہوئے پولیس کو تو بتا جاتے کہ میں کون ہوں۔

محشر نے جواب دیا۔ آپ بائیں پرست ہیں۔ پرانے خیالات میں جکڑے ہوئے ہیں۔
پرانے زمانے میں پادشاہ حکم کرتے تھے اور رعایا قہیل کرتی تھی۔ آج کل لوگ حکم کرتے
ہیں اور پادشاہ قہیل کرتا ہے۔

میں نے وہ خط قدرت کو دکھایا وہ مسکرایا۔

بولتا 'جگ کتے ہیں۔ پیلے مرشد آگے آگے چلا تھوڑے مریدوں کا رخ بدلتا تھا۔ گتا ہے' جیسے
اب حکم ہے کہ پیچھے پیچھے چلو اور رخ بدلو۔

چند دنوں کے بعد محشر کی جانب سے ایک کتاب موصول ہوئی۔ عنوان تھا 'شہلو خرمی'۔
دیکھا تو وہ محشر کے مرشد کا تذکرہ تھا۔

شہلو خرمی

اس تذکرے کا پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔

مجھے ان 'اسلامی کتابوں سے کوئی دل نہیں جو قلعے بیان کرتی ہیں۔ مسائل پر بحث
کرتی ہیں یا دو مخالف اور ان کے حیرت انگیز اثرات کی بات کرتی ہیں۔

مجھے صرف تذکروں سے دل بہنسی ہے۔

وقت یہ ہے کہ تذکرے سرکار جنابوں کے ہوتے ہیں، اس معرقلوں کے ہوتے ہیں۔

مردوں میں ادرشوات ہوتے ہیں۔ گرائیں ہوئی ہیں اور ان پر احرام کا اتار کاڑھا توام کا

ہوتا ہے کہ گتا ہے جیسے صاحب تذکرہ ہم میں سے نہ ہوں، بلکہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتے
ہوں۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا، جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

شہلو خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا، جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

شہلو خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

تبصرہ

| | |
|-----------|------------------------------|
| ہم کتاب : | شہلو خرمی۔ |
| مصنف : | محشر رسول محمدی۔ |
| ناشر : | سہیل پبلی کیشنز، کوئٹہ۔ |
| پرئز : | پاکستان پریس چینل روڈ، کوئٹہ |
| صفحات : | ۳۵ صفحات۔ |
| قیمت : | دس روپے۔ |

شہار خراسانی ایک تذکرہ ہے۔

کتب کا عنوان بذات خود اس حقیقت کا مظہر ہے کہ یہ تذکرہ دسی میں بلکہ اس نوع کی دوسری کتابوں سے مختلف اور منفرد ہے۔ مصنف کے ذلویہ نظر اور اسلوب بیان میں سادگی ہے تکلفی خلوص اور روانی ہے۔

اس تذکرے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ محشر صاحب نے صاحب تذکرہ اپنے سرکار قبلہ اور خود کے درمیان دسی احترام کی فک بوس دیوار کھڑی نہیں کی۔ بلکہ جذبہ احترام کو سمیٹ کر اپنے دل کی گمراہیوں کے بند بندہ میں دھپایا لیا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ صاحب تذکرہ قادری کے سامنے ایک انسان کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ ایک ایسا انسان جو ہمارے درود مند پر بیضا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔ ہمدردی، محبت اور خدمت کے احساسات سے سرشار، مساوات کے جذبے سے پیچھا ہوا۔

محشر صاحب نے اپنی تعریف کا جو بارود چیش کیا ہے وہ بھی منفرد اور اچھوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضور (ﷺ) کی سیرت

”حضور اعلیٰ علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں۔ اگر ہمیں نظر نہیں آتے تو یہ ہماری نگاہوں کا قصور ہے۔“

”جس طرح قدرت نے اپنے آخری رسول کی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحے کو تاریخ عالم کے اوراق میں محفوظ کر دیا ہے اسی طرح اس نے یہ اہتمام بھی کر رکھا ہے کہ ہر دود میں ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہیں جن میں رسول مقبول کی سیرت و اخلاق کی مختلف جھلکیاں فروزا فرمائی جائیں۔“

گویا قدرت نے چاہا کہ قیامت تک ہر دود میں آنحضرت کے علق عظیم کے آئینے چہرہ تابلی کہتے رہیں اور مہمان حق کے پردے میں حضور علیہ السلام کی ایک ایک اوجاز دکھائی دے جس طرح صدیق اکبرؓ میں آنحضرت کے بتلے فاروق اعظمؓ میں آپ کے جلال۔ مطلق فوج میں آپ کی حیاء و استقامت سلمان و ابوذرؓ میں آپ کے فہر و

مشق۔ معصیت میں آپ کے نطق۔ غلامی میں آپ کی شجاعت۔ بالائے میں آپ کی خوش لوائی۔ زید و حبیبہؓ میں آپ کی استقامت۔ علیؓ میں آپ کی جنت قاصع اور شیریں میں آپ کے جذبہ تسلیم و رضا کی جھلک پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اس امت میں قہود اولیٰ کے بعد بھی ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نایاب جھلک موجود تھی اور وہ اس کے نور سے اہل عالم پر حق کی چھت قائم کرتے رہے۔“

”اے اللہ والے آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی ہر دود میں موجود رہیں گے تاکہ آنحضرت کی رحمت اللعالمین کی تصدیق ہوتی رہے۔“

”اس کتاب میں امت محمدیہ کی ایک ایسی ہی صاحب دل کیفیت کا ذکر مقصود ہے۔“

ان الفاظ میں مصنف نے گویا (MOHAMMAD HOOD) کا تخیل جھلکایا ہے جس کی جھلکیاں بزرگان دین اور صوفیاء کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ ایک اچھوتا تخیل ہے۔ حرف اول میں مصنف نے حتمی طور پر برکتیں تذکرہ اپنے خاندان کے متعلق ضروری حقائق بیان کر دیے ہیں جو ان کے ذہنی رخسار پر روشنی ڈالتے ہیں اور مصنف کے ذلویہ نظر کو گھنے شبنم سے مدد دیتے ہیں۔

محشر صاحب کے آپا واداد خود ہرگز یہ لوگوں میں سے تھے۔ لہذا طلب حق کی تڑپ محشر نے دردمیں پائی، لیکن حاشا کی سمت کا تئیں کرنا بہت مشکل تھا۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

”چوں کہ آج کل ملت کا دور ہے اور لوگوں کو جان سے زیادہ تن عزیز ہے۔ اس لیے مہمان خدا امت بھی اپنے آپ میں پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

جو خون معرفت پہلے سب کے لیے عام تھا اب صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جن کے دلوں میں حق کی حقیقی پیاس ہو۔

امت مسلم کے لیے یہ کس قدر محرومی کا مقام ہے کہ ان ہی فیضان معرفت کے چشمے موجود ہیں، لیکن قدرت نے ان کو اپنی کبریائی کی حصار میں اس طرح چھپا رکھا ہے کہ عوام ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔“

عام طور پر تذکرے میں مروج کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں اور کرامات کا ذکر کیا

جاتا ہے۔ ساتھ ہی کن کے اقوال زیریں درج ہوتے ہیں۔

کچھ تذکرے ایسے بھی ہیں جن میں حالات زندگی کی نسبت اقوال کو ولایت حاصل ہوتی ہے۔ قوال کی روشنی میں صاحب تذکرہ کا کردار خود بخود ابھرتا ہے۔

اس ضمن کے تذکرہ میں تذکرہ غویہ سر فرست ہے۔ ایک روز ارشلو ہوا کہ قوت صاحب تذکرہ کی شخصیت کو اتنی خوب صورتی اور تاثر سے اپکار کیا گیا ہے کہ قاری اڑ سے بیگ جاتا ہے۔

معرصہ صاحب نے زیر نظر تذکرہ کو ایک نیا اسلوب بخشا ہے۔ صاحب تذکرہ کے حالات زندگی کا ذکر کرتے ہوئے بریکل تذکرہ وہ تصوف کے بڑے بڑے اور اہم مسائل پر تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ تبصرے ساری کتب میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں۔ انداز بیان بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار نہیں کرتے۔ بڑے بڑے حقائق کو سرسری انداز اور کچھ پھٹکے لفظوں میں لاد کر دیتے ہیں جو قاری پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ افکار و مسائل پر منتقلی کے پادہ و کتب پر پھیل نہیں ہو پاتی۔

مثلاً "مہلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"زندگی کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی فرمائیں برداری کرنے کا اہم مہلت ہے۔"

عشق

عشق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

"عشق حلت سے ہے۔"

مثلاً تیل ہے جو کسی درخت سے چٹ جائے تو اسے خشک کر دیتی ہے۔

الہام کے نزدیک عشق جنوں کی ایک قسم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ

نے عیبت امتیاد کے باعث اپنے کلام میں عشق کا لفظ استعمال نہیں

فرمایا۔

"قرآن کریم اور احادیث نبوی میں متعدد مقامات پر "حب" کا لفظ

استعمال ہوا ہے جو لفظ تعالیٰ کی اپنے بچے کو اور نیک کار بندوں سے محبت پر

اور بندوں کی اپنے مولائے محبت شدید پر دلالت کرتا ہے۔ گویا بندہ اللہ

تعالیٰ کا حب بھی ہے اور محبوب بھی۔"

مہلت اور عشق کے باہمی تعلق کی وضاحت یوں کرتے ہیں:-

"لفظ تعالیٰ کی محبت بھی مہلت کا ایک فرد ہے۔ عشق کامل کا

مطلوبہ مہلت میں شامل ہے۔ گویا عشق مہلت کا ایک جزو ہے۔

قرآن اور سنت سے پیچھے نکلنے سے عشق الہی کا ایک مجازی تصور

پیدا کر لیا ہے جس کا سرخ حقیقی صوفیاء فقرائے ہاں نہیں مانتا ہے۔

اس مجازی تصور سے سکر کو حاصل عشق سمجھا جانے لگا۔ نتیجہ یہ

نکلا کہ جو لوگ اس میں گرفتار ہوئے وہ سکر سے بے حال ہو گئے اور رفتہ

رفتہ مہلت کے قرآنی مفہوم کو ہوا راکرے سے معذور ہو گئے۔ ان کی

دیکھا دیکھی غفلت نے شرعی حدود کی پابلی کر دیا۔"

معرصہ صاحب کا اسلوب بیان بہت دل نشین ہے۔ زیر نظر تعقیف میں انہوں نے بڑے اہم

مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً کتب کے چند ایک ابواب کے عنوان ملاحظہ ہوں۔ مثلاً "حق"

کرالت کا تصور" انجاز خودی" ایمان پائیب" مقام عبودیت وغیرہ کتب میں کل سترہ ابواب ہیں۔

آخری دو ابواب فقہری سلسلے کے بزرگھان کے بارے میں ہیں۔

آخر میں صاحب تذکرہ کے بارے میں چند کوائف قاتل توجہ ہیں:-

آپ کا اسم گرامی محسن الدین شمسو قادہ وطن مالوف گجرگڑھی قاجو مردان سے ذریعہ

میل کے فاضلے پر واقع ہے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے پولیس میں ملازمت کرنی، لیکن

جلدی انہیں بے چل گیا کہ فرنگی کی حکومت کے تحت ان سے ایسے فرائض لدا کرنے کا مطالبہ کیا

جاتا رہے گا جو جذبہ حب الوطنی کے منافی ہے۔

لہذا آپ عجز پر پولیس سے مستعفی ہو گئے۔ اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن

گئے۔

اس دوران میں آپ سید حسین شاہ فقہر سے فیض حاصل کر چکے تھے لہذا اہل ذمہ

خدمت میں گزار دی۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ یہاں کوئی ذکر خلفائے ہے نہ گدی نشینی نہ دستار بندی نہ کوئی سرکار قبلہ ہیں نہ مریدان خدمت گزار۔ ہمدردی اور خدمت سے سرشار ایک ڈاکٹر ہے جس کا مسلک خدمت خلق ہے۔

محشر صاحب بھی دسی مرید کا کردار ادا نہیں کرتے۔ وہ اپنے سرکار قبلہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں جیسے ان کا پاسی رشتہ دوستی کا ہو۔

”شہداء حسن صورت سے متصف توحائی، لیکن وہ حسن سیرت کا

بھی مالک تھے۔ میں نے پہلی ہی صحبت میں اس کی شخصیت میں بے پناہ

کشش اور ایسی محبوبیت پائی کہ جس کو میں افلاطون میں بیان نہیں کر سکتا۔

یہ محبوبیت حقیقتاً اس لیے تھی کہ وہ خدائی نظر میں محبوب تھے۔

جس کا باعث صرف خلیق خدا کی خدمت کرنا تھا اور اس نے اپنی پوری

کمالی لوگوں کی امداد کرنے پر صرف کر دی۔ ڈاکٹری محض رضائے الہی

کے حصول کا ایک ذریعہ تھی۔“

اپنے پیر و مرشد کے متعلق اس غیر درمیانی انداز سے بات کرنا مصنف کی انفرادیت، غلوں اور

رسم خلفائے کے خلاف ایک جہاز ہے۔

محشر صاحب کوئٹہ کے ایک معروف شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں صوفیانہ رنگ ہے۔ آپ

کی طبیعت میں زہد رنگ کے بجائے انداز زندان کا رنگ ہے جو ان کے صوفیانہ مسلک کو اچانچ

کا ایک پردہ ہے۔

کتب کی کتب خانہ چھپائی میں کوئی نمائش محضر نہیں۔ غالباً اس لیے کہ مصنف کا مقصد صرف

تشریح ہی ہے۔

یہ تذکرہ چاہ کر میں نے محسوس کیا کہ واقعی ہم دونوں پر بھائی تھے۔ میرا ہی چاہتا تھا میں

بھی ایک ایسا ہی تذکرہ لکھوں۔ لیکن ہم دونوں کے ستر میں یک فرق تھا۔ محشر ابتدا سے ہی حلیم

و درضا تھا میں شک و شبہات کی دلدل طے کر کے نکلتا تھا۔

پیر خسانہ

در اصل قدرت اللہ اسی روز فوت ہو چکا تھا جس روز اس نے کینسر دہری کے قبرستان

میں نعشت کا تابوت لحد میں اتارا تھا۔

اس کے بعد چارہ سال وہ گویا ایک کھنکھاتا تھا جس سے شدہ چہ چکا ہو، ایک دسی بزرگ،

”معمولات“ ”معمولات“ ”معمولات“۔

پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا۔ تہجد پڑھنے کے بعد اسلام آباد کا چکر لگاتا، ساتھ کچھ

پڑھتا، فجر کی نماز کے بعد لیت جاتا، آٹھ نو بجے اٹھ کر پلٹ کر آتا اور پھر دوپہر کے کھانے تک

قرآن کریم کی تلاوت کرتا۔ عصر کے بعد پھر لیت جاتا، پھر نمازیں، نفل اور پتہ نہیں کیا کیا۔

رضوان شریف کے سینے میں خصوصی مہارت کے لیے قدرت مری میں قیام کرنا تھا۔ مری

میں وہ ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا جس میں محشر سا ملان رکھا ہوا تھا۔ جب بھی خصوصی

مہارت کا موقعہ آتا وہ مری چلا جاتا تھا۔

فقط اللہ ہو

ایک روز میں نے کہا، شباب صاحب وہ جتنے پردے آپ نے لوڑھ رکھے تھے، سب اتر

گئے۔

کئے گا میں سمجھائیں۔

میں نے کہا: وہ دن بھی تھے جب آپ چھپ کر غصے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر میں کسی سے کہہ دیتا کہ آپ بزرگ ہیں تو آپ کو غصہ آتا۔ قبلہ جب میں نے لیک لکھی تھی تو آپ مجھ پر سخت ناراض ہوئے تھے۔ اب آپ تنگ ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اب آپ ایک چھوٹی سی بات پر ایک گھبراہٹ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور جانتے بوجھتے ہیں۔

وہ مسکرایا: ہاں کچھ ایسی ہی باتیں تھیں۔ کسی روز میں سرعام بیٹھا ہوں گا میرے سامنے کالی سیڑی کی دوات ہو گی جتنے میں پاس کا کلم ہو گا اور میں تصویر لکھ رہا ہوں گا۔

میں نے کہا: معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اغراض پند نہیں، وہ صرف روائی بزرگ پند کرتے ہیں۔ شب صاحب آپ بنیادی طور پر انتہائی تھے۔ یاد ہے۔

جب کہیں انتخاب ہوتا تھا

قدرت اللہ شب ہوتا تھا

وہ مسکرایا۔

پھر آپ مار کھا کھا کر رات رات پر آگے اور غاص ملین گئے۔ جب پردے تھے تو آپ اس قدر جذبات نظر آتے تھے کہ اب۔ اب تو ثابت ہو گئے ہیں۔ قبلہ اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو۔

اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

پابند اور آواز

میں نے کہا: آپ مجھ پر ناراض ہو کر آتے تھے کہ میں بات کہہ دیتا ہوں۔ یاد ہے۔

قدرت نے سر زبانت میں باریا۔ کئے گا اللہ تعالیٰ کو اختیارے راز پند نہیں۔

میں نے کہا: شب صاحب میں اللہ تعالیٰ میں ہوں۔ میں اس کا ایک حقیر بندہ ہوں۔ میرا

حق چاہتا ہے کہ میں اس کے گن گاؤں۔ چکیاں مار مار کر لوگوں کو بھڑک کر وہ کتنا عظیم ہے۔ وہ

میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔ قدم قدم پر مجھ پر کرم نازل کیا کرتا ہے۔ میرا حق چاہتا ہے کہ میں اس

کے عظیم بندوں کی عظمتوں کو بیان کروں۔ وہاں بجا بجا کر بیان کروں۔ شب صاحب آپ اللہ

کے بندے ہیں۔

آپ پابند ہیں۔ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں ایک عام آدمی ہوں۔ آواز ہوں۔

آپ بے شک نہ کہیں، لیکن مجھے کہنے دیجیے۔

وائی ووائی کرنے کے لیے میں کوں گا۔

آپ کے گن میں گاؤں گا۔ آپ کی محنت صرف اس لیے ہے کہ آپ اللہ واسلے ہیں۔

شب صاحب سب تعریف اللہ کی ہے صرف اللہ کی، پھر ہم کیوں نہ بولیں۔ کیوں نہ بتائیں۔

کیوں نہ وہاں بیٹھیں۔

اس روز میں جلال میں تھا۔ پتہ نہیں میں کیا کیا پڑا پڑا اور وہ چپ چاپ سنا رہا۔

چچا

پھر معمولات کی بنا پر قدرت کا چچا ہونے لگا۔

پڑوس میں رہنے والی خاتون ایک روز اپنی جوں بچی کو ساتھ لے کر قدرت کے پاس آگئی۔

کہنے لگی: میری بچی کے لیے دعا کریں۔ اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ کوئی رشتہ نہیں آیا۔

قدرت نے کہا: بی بی آپ اس کی بل ہیں۔ جو دعا میں اپنے بچوں کے لیے کر سکتی ہے کوئی

دوسرا نہیں کر سکتا آپ اللہ کے حضور میں دعا کریں۔ اللہ اللہ قبولیت حاصل ہو گی۔ البتہ آپ

بچی سے کہیں کہ کسی نماز کے بعد یہ کلام اتنی مرتبہ پڑھے۔ خاص وقت پر خاص جگہ پر۔ وقت نہ

بدلے جگہ نہ بدلے۔ جانتے ہو۔

حسن اتفاق کہ دس دن کے اندر اندر اس لڑکی کے لیے رشتہ آگیا۔ بات طے ہو گئی۔

نکاح ہو گیا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

پھر سارے محلے کی باتیں کیوں کہ شب کے گھر کے باہر اکھڑی ہوئیں۔

محلے کے بعد بات سکولوں، کالجوں میں پھیلی۔ ایک میلہ لگ گیا۔

سوریا نیلو نقش

شب کا پر اپے گاڑا کرنے میں میری اپنی بچی بھی شامل تھی۔ میری معمولی بچی اسلام آباد

نور پور میں ہے۔ اے اے پاس کرنے کے بعد جینک کی دی آئی بی برانچ میں کام کرنے لگی۔ پھر وہ

امریکی ہوا کشتی میں ڈکٹریس بننے پر مامور ہو گئی۔

چہ سات ماہ کے بعد میرے ایک عزیز دوست فہام جلدھری نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا 'ملتی صاحب آپ قاری ہیں کیا۔

میں نے کہا 'ناگل ہوں۔

بولے 'ہم آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا 'پیارے میں کیا میل کلاڑنی کٹھن لگا ہوا ہوں کہ ملنے کے لیے مجھ سے اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔

وہ دھیمی آواز میں بولا 'میرے ایک دوست آپ سے ملنے کے خواہاں ہیں۔ وہ رشتے کے طے میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے دم آواز میں جواب دیا 'فہام صاحب میں بڑا محنت ہوں۔ میں نے اپنی اولاد میں یہ پراپے گزار کر رکھا ہے کہ میں بڑا وسیع القلب باپ ہوں۔ اس وجہ سے میں نے زندگی میں بڑی مار کھائی ہے۔ کیا کروں مجبور ہوں اب بدل بھی نہیں سکے۔ اس لیے مجھے اپنی بیٹی سے پوچھنا پڑے گا۔

جب مجھے پتہ چلا کہ جناب نذیر و زاہد اسی لڑکے کے والد ہیں جس سے نیلو نے وعدہ کر رکھا تھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

میں نے نیلو سے پوچھا 'میں نے کہا تو تو کتنی حقی کے لڑکے کے والد کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں مل سکے۔ یہ پتا کیسے مل گیا۔

بولی 'پتہ نہیں۔

میں نے کہا 'ہم میں کوئی فن سے ملا تھا کیا۔

نہیں تو 'اس نے جواب دیا۔

کیا لڑکے نے باپ سے بات کی تھی۔

اس میں اتنی جرات نہیں ہے۔ اس لیے اس کا امکان نہیں ہے۔

پھر ————— تو نے کسی سے بات کی تھی کیا۔

بولی 'شباب صاحب کو بتایا تھا اس لیے کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا میں ان سے بات چھانڈ سکتی۔

حیرت اور غصے میں مجھ کو ہوا میں شباب کے پاس چلا گیا۔

ہم لوڑمائل کلاس کے لوگ ہیں۔ لوہے رشتوں کے معنی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود کوئی رشتہ نہ آیا۔

لوگوں سے تعلقات پیدا کرنے میں ہم دونوں ہی نفل ہیں۔ میں بھی 'میری بیوی بھی۔ انہوں نے کہا 'میری کچھ کرو۔ اشتہار دو 'کوئی مافی تلاش کرو۔ ہم نے شدت کی کوششیں کیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ چھ سات رشتے آئے۔ میری بیٹی نے پاری پاری سب روجکت کر دیئے۔ اس پر مجھے بڑا غصہ آیا۔ لڑکی مجھ سے مکمل کر بات ہی نہیں کرتی تھی۔

کبیس سے شباب نے یہ بات سن لی۔

ایک روز میری عدم موجودگی میں وہ میری بیٹی سے ملا۔

پوچھا 'آپ کو کوئی رشتہ پسند نہیں آیا کیا۔

جی نہیں 'وہ بولی۔

ابھی نہیں تھے کیا۔

خاصے تھے۔

پھر 'آپ نے ٹاپنڈ کیوں کیے۔

شباب صاحب جی 'وہ بولی 'میں نے ایک لڑکے سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں شادی تم سے کروں گی۔

تو اس سے کر لیجئے شادی 'شباب نے کہا۔

کر نہیں سکتی 'وہ بولی۔

آپ ابو کو ان کے گھر بھیجیں۔

ابو تو چلے جائیں گے 'وہ بولی 'پر 'لڑکے کے ابو نہیں مانیں گے۔ وہ بڑے جبر جگ ہیں۔

جانکٹ جلی کے بیڑ ہیں۔ ان کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں چلے۔

وہ خاکدان سے باہر شادی کے خلاف ہیں۔

ایسا تو ان کا جی تھا ہے دروازہ کھول کر 'شباب نے کہا۔

لوں توں 'اس میں اتنی جرات نہیں کہ ابو سے بات کرے۔

قدرت اللہ ہے سن کر گھبرا گیا 'کہنے لگا 'اس طرح تو آپ کی شادی ہو گی ہی نہیں۔

نہ ہو 'وہ بولی 'میں نے وجہ نہ دیا ہے 'شباب جی وہ کیسے توڑوں۔

اس کا کام پر یقین نہ رہے گا۔ ایمان ڈول جائے گا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔
میں نے کہا شاب صاحب آپ پاگل کی کہہ رہے ہیں۔ ہم اسے قادر مطلق تو کہتے ہیں۔
مگر صرف ہونٹوں سے 'دل سے نہیں۔ ہم کہتے ہیں یا اللہ تو کیسا اللہ ہے۔ میں چہ سینے سے
تیرے حضور میں آؤ داری کر رہا ہوں، لیکن تجھ پر اثر ہی نہیں ہوگا۔ وہ میرے اللہ۔ کیا خدا کی
اس طرح کی بات ہے۔

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر بولا 'تو لوگوں کے ایمان کو حیران کرنے کا ہمیں کوئی
حق نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

میں نے کہا 'شاب کی میں اس مسئلے کا حل بتاؤں۔

بولے 'نیک'

میں نے کہا 'آپ ایک وعید کر لیں۔ اللہ سے منگوری لے لیں۔

کیسی منگوری 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'آپ اللہ سے التجا کریں کہ یا اللہ میرے در پر صرف اس سائل کو بھیجنا جس کا
کلام تو نے کر دیا ہو۔ میں نے کہا 'دیر کی بات ہے۔ مجھے ایک بابا ملا تھا۔ کتا تھا۔ ہم نے منگوری
لے رکھی ہے۔ ہمارے در پر صرف وہی سائل آتا ہے جس کا کلام ہو جاتا ہو۔

اتحاد ہو بولا 'تو پھر اس بابے سے خدا کی کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

میں اس کی طنز کو نہ سمجھا 'چہ نہیں 'میں نے جواب دیا۔

کلام نہ ہو 'قدرت نے کہا 'تو اس میں ایک غریب بھی ہوتی ہے کہ سائل کو احساس ہو جاتا
ہے کہ کلام کرنے والا بابا نہیں ہوگا۔ کلام نہیں ہوتا صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ کا کام

آپ اللہ کی ذات کے وجود کا احساس دلانا چاہتے ہیں 'میں نے کہا۔

بھئی اس کلام میں مصروف ہیں 'وہ بولا 'آپ بھی۔

میں بھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں آپ بھی 'وہ بولا۔

میں نے کہا 'شاب جی کیوں جموت بول رہے ہیں آپ۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر جموت

میں نے کہا 'یہ کیسے کیا آپ نے؟

کیا ہوا؟ اس نے پوچھا۔

نیلو کے رشتے کی بات مکی ہو گئی۔

کلیں 'اس نے پوچھا۔

جس دن وہ چاہتی تھی۔

یہ تو ہی خوشی کی بات ہے 'وہ بولا۔

پر یہ کیسے ہوا آپ نے کیا کیا۔

اس نے بات بدل دی۔ بولا 'اب تو رقم کا فکر کرنا چاہیے شادی کے لیے۔ آپ کے پاس کچھ

پیسے ہیں کیا۔ اگر نہیں تو بے تکلف مجھ سے قرض لے لیں۔ قرض حرام۔

یا اللہ۔ یہ تیرے بندے کیسے انسان ہیں 'میں چلا۔

صرف نیلو کی ہی بات نہیں۔ میری دوسری بیٹیوں سو اور شخص کی شادیوں میں بھی ایسی

ہی رکاوٹیں مائل ہو گئی تھیں۔ وہ سب ایسے ہی حیرت انگیز انداز میں دور ہو گئیں۔

میرج بیورو

نیلو نے اپنی بیٹیوں سے بات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو چار لڑکیاں میرے مگر آئیں۔ کتنے

گلیں 'میں شاب صاحب سے ملوا۔

یا اللہ یہ کیا مصیبت ہے 'میں نے سوچا 'کیا شاب نے میرج بیورو کو مل رکھا ہے۔

اگلی مرتبہ جب میں شاب سے ملا تو میں نے کہا 'کیوں تاہم میرج بیورو کو مل لیں۔ یہ تو

موج ہو گئی۔ ایک ہزار روپے کی فیس دیکھ لیں۔ دس برس سن میرا وہل میں آپ کا پانچا بن کر

پراپے کٹا کروں گا۔ چند مہینوں ہم کر ڈیوٹی ہو جائیں گے۔

وہ مسکرایا۔ بولا 'مطلق صاحب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ سلسلہ بند کر دوں۔

پوچھا۔ وہ کیوں۔

کتنے لاکھ مجھے پیسے خیر کیا تو میں خوف زدہ ہو گیا۔

کس بات پر۔

مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی لڑکی چہ سینے بلا تھا وہ عید کرتی رہے۔ لیکن مقصود حاصل نہ ہو تو

پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسا ہوتا تھا، لانا ہوتا تھا، جب بھی میں قدرت سے کوئی خاص معلومت حاصل کرنے کے لیے کچھ پوچھتا تو کچھ ٹا کچھ ہو جاتا کوئی ایسی بات کہ ہماری توجہ مبذول پاتی۔

مدینہ راعی

اس روز مدینہ راعی اکلیلہ سلام کرنے کے بعد وہ ایک کونے میں مودبانہ بیٹھ گیا۔ دیکھی شہادت کے بعد کہنے لگا۔

جب تک وہاں آگیا ہدایات کے مطابق گذشتہ تین سال سے میں دغلیہ پردہ رہا ہوں۔ کبھی غلط نہیں کیا جگہ نہیں بدلی۔ وقت اور احوال میں ہوا اب دوسرا سبق عطا فرمائیے۔ قدرت کچھ دیر غاموش رہا پھر کہنے لگا، میں مدینہ صاحب ابھی آپ کا سبق کچھ ہے۔ پکا ہو جائے گا تو بات کریں گے۔

مدینہ نے کہا، جب وہاں گئے کیسے پتہ چلے گا کہ سبق پکا ہو گیا ہے۔

قدرت نے بیٹے اسکو سے کہا، ہم خود آکر بتائیں گے۔

اسے یہ کیا ہوا۔ ایک دم قدرت کا اندازہ بدل گیا، لہذا بدل گیا۔ میں سے ہم ہو گیا۔ وہ تو خاص بی بی بن گیا۔

شاید مدینہ کے علاوہ اور لوگ بھی ہوں، جو قدرت سے سبق پڑھتے ہوں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، صرف مدینہ ہی ایسا فرد تھا، جس نے قدرت سے درخواست کی تھی کہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے عطا کیجیے۔

قدرت نے پوچھا تھا، آپ کس مقصد کے لیے پڑھنا چاہتے ہیں۔ میرا کوئی مقصد نہیں، مدینہ نے جواب دیا تھا۔

مدینہ راعی۔ ایثار راعی کا بھائی ہے۔ وہ جنگ کے رہنے والے ہیں اور قدرت اللہ صاحب کو اس زمانے سے جانتے ہیں جب وہ جنگ کا وہی کشتہ قتل جب وہ ایک موہنی کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ کتا تھا، یہ موہنی نہیں، نہ بھی ڈپٹی کشتہ ہے، فرق یہ تھا کہ یہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

جب علاقے کی کسی دو شیوہ کے گھریب صاحب کی پگڑی نازل ہو جاتی تھی تو قدرت

بولتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ میری تحریروں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے علی پور کا ایلی لکھی۔

آپ نے کہا، ”علی پور کا ایلی“ ایک سرکس ہے جس میں ممتاز مفتی ہنرمند کی حیثیت رکھتا ہے۔ یاد ہے۔

اس نے سربراہت میں بلا دیا۔

پھر میں نے ”دوغی بنیلے“ لکھی تو آپ کے مدارقی کلمات کیا تھے، یاد ہیں۔

آپ نے کہا تھا ممتاز مفتی۔ پچاس سال سے کہتے ہیں لکھ رہا ہے۔

اتنی محنت اور کوشش کے بعد اس نے کیا ڈسکور کیا۔

عورت۔ بھلاں اللہ کیا ڈسکوری ہے۔

دومن

وہ غاموش بیٹھا رہا۔

میں نے کہا، صاحب صاحب میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اللہ کا نام لوں۔ وہ جو میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اس نے قدم قدم پر مجھ پر کرم فرمائیں کی ہیں۔ صاحب صاحب جی میں شکرگزاری کے جذبے سے اس قدر مجرا ہوا ہوں جیسے کوئی پانی سے مجرا ہوتا ہے، لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیسے اس کا نام لوں۔ صاحب جی دلائل دروں کے مجھے میں رہتے ہوئے اس کا نام لینا بڑا مشکل ہے۔ کاش کہ کوئی مجھے سکھادے کہ میں کس طرح اس کا نام لوں۔ ایسے کہ بات پہنچ جائے دونوں میں کب جائے۔ صاحب جی آپ اشتقاق احمد کے اور ذرا ہوں کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں، کرتے ہیں بلکہ آپ اشتقاق احمد مجھ سے زیادہ قابلیت کا مالک ہے۔ اس کی تحریر میں اثر ہے، اس لیے کہ وہ آپ کا دوست ہے، آپ سے قریب تر ہے، لیکن اگر آپ مجھے اختلاف رائے کی اجازت دیں تو کہوں کہ مجھے اس قسم کے مجھے پرانے گٹھ سے اتفاق نہیں ہے۔ ایسے ذرائع تو پڑے لکھوں میں ری لکشن پیدا کرتے ہیں۔

اشتقاق کتا ہے کہ، ”ایسے ذرائع عوام پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ صاحب جی ہمیں عوام پر اثر نہیں ڈالنا وہ تو پہلے ہی اللہ ہو، اللہ ہو سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اثر تو دلائل دروں پر ڈالنا ہے لوہین میگزین۔“

دل آخر وہ دھیری حسن آباد کے رجم ہلے کے ہل جا پہنچا جو سالوں کو اپنے حقے کا پانی پلایا کرتا

ایک روز صدیق نے ہلے سے عرض کی کہ 'حضور مجھے غلاموں کی قبرست میں شامل کر لیجیے۔

رجم ہلے کے کہا تیرے اپنے گھر میں جو بزرگ ہے اس کے پاس جا' دارا دقت کیوں منافع لے رہا ہے۔

اس پر صدیق پھر شہاب کی خدمت میں حاضر ہو گیا کہنے لگا۔

مجھے رجم ہلے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

شہاب نے کہا 'یہ بابے بونشی لوگوں کو اپنے سر سے ٹالتے ہیں۔ یہاں کوئی بزرگ نہیں

صدیق نے کہا مجھے کچھ پڑھنے کے لئے عطا کیجئے۔

شہاب نے بھی ٹالنے کے لئے کچھ پڑھنے کے لئے دے دیا۔

پتہ نہیں کتنے سال وہ ستن پکا تارہا۔ پھر ایک دن جب وہ پڑھ رہا تھا تو ایک آواز سنائی دی یا

ایک ایک احساس ہوا۔ ٹینک ہوئی کہ ستن پکا ہو گیا ہے۔

پھر یہ ستن بادی چلتی رہی، چلتی رہی حتیٰ کہ یہ مقام آگیا کہ قدرت اللہ صدیق کی راہ فرمائی

لے لے گا شہاب کا صدیق کے نام ایک ایترائی خط عطا فرما دے۔

دلایات

برادر عزیز

اسلام علیکم

خط ملا۔ وظائف میں بھی کبھی دل بھی اور یکسوئی کے ساتھ دل نہ

لگتا ایک قدرتی امر ہے، اسے اصطلاحاً 'قبض' کہتے ہیں۔ اس کا واحد

علاقہ یہ ہے کہ اس کی جانب التفات نہ کیا جائے اور دل لگے یا نہ لگے

کو مشغول کر کے اپنے معمولات جاری رکھیں۔

رفتہ رفتہ قبض کی حالت بسط میں بدل جاتی ہے

عام طور پر یہ بھی ترقی کا ایک ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے

بلانے دو شیئہ کے گھر جا پہنچا اور پھر صاحب اسے دیکھ کر سر سے سمیت وہاں سے بھاگ جاتے۔

ایک راہی کے قدرت سے اتنے تعلقات تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ معافی تھے۔

ایک روز ایئر نے کہا 'شہاب میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ بچا رہا ریلوے میں ٹھکر

ہے۔ اسے کوئی اچھی نوکری دلا دیجئے۔

شہاب نے کسی کی مت کر کے صدیق کو نیک ڈاک میں لے کر گئے کی نوکری دلا دی تھی۔

نیک آدمی

صدیق کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ نیک آدمی تھا۔ نیک آدمی میں یہ غرابی ہوتی

ہے کہ وہ توقع رکھتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی نیک ہوں۔ نیک نہ ہوں تو اسے غصہ آتا ہے یا کم

از کم دل میں فحشیت پیدا ہوتی ہے۔

سیانے کہتے ہیں اتنے ابلے نہ ہو کہ دوسرے کی غلطیوں سے غصہ آئے۔ صدیق لگا اچھا تھا کہ وہ کر دے

پیش پکلی ہوئی کرپشن نہ کر سکا تھا اس کا غصہ بڑھتا تھا۔ اس نے نیک ڈیک میں

ساقیوں اور امروں سے اس پکلی ہوئی کرپشن کے خلاف احتجاج کیا 'چٹا' چٹا اور پٹا خراشٹے

دسے کر گھر آ جیتا۔

شہاب کو پتہ چلا تو چرچیک صدیق کے لیے جو دل میں گڑا دل تھی وہ ختم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا

کہ صدیق نوکری کے لیے چاروں طرف بھکاری بن کر گھوما پھرا۔ خواہ وہ نوکری نہ ملی۔

میں قدرت سے جا کر لڑا، میں نے کہا 'شہاب جی آپ بزرگ ہیں۔ غصہ کھانا آپ کا کام

نہیں۔ کمزورت پانا میرا کام ہے' آپ کا نہیں۔ آپ کا کام معاف کرنا ہے۔ آپ جن کے غلام

ہیں وہ مرا سر رمت تھے۔

قدرت نے کہا 'آپ صدیق کو سمجھائیں کہ غصہ نہ کیا کرے۔

میں نے جواب دیا 'شہاب جی میں کیسے سمجھاؤں میں نے تو خود گڑھ کھلیا ہے' کہا تا رہتا ہوں۔

آپ اس کے لئے گڑھ دل پیدا کریں۔ اسے بھڑا کریں۔

پھر صدیق کو ایک چھوٹی نوکری مل گئی، لیکن اس کی نیکی کا تقاضا اور غصہ ویسے ہی رہا۔

پھر پتہ نہیں کیوں اتنے بھولے کے پاس جانے کی لت پڑ گئی۔ کئی ایک بھولے کے در پر پڑا

سلام پھیرنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھ کر ایک تسبیح یہ دعا پڑھیں۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِقِينَ

یہ دعا سورہ انبیاء کے پچھنے رکوع میں ۸۹ ویں آیت ہے۔ وہاں پر اچھی طرح دیکھ کر اعراب درست کر لیں۔

ایک تسبیح یہ دعا پڑھنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد پھر ایک تسبیح یہ دعا پھر گیارہ بار درود شریف۔

اسی طرح تیسرا کعبہ کا وقت ہوئے یا عصری کا وقت آنے تک یہی کرتے رہیں۔ پھر اپنے صدق دل سے اولاد کی دعا مانگیں۔

پھر تہجد کے کچھ نفل پڑھ کر صبحی کھائیں اور فجر پڑھ کر سو رہیں۔ اس دعا کی برکت سے حضرت زکریا علیہ السلام کو سو برس کی عمر

میں فرزند عطا ہوا تھا۔ اگرچہ ان کی اولاد بھی عاقرہ تھیں۔ ستائیسویں کی شب کو سورہ انبیاء پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہی

کچھ پڑھیں جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ یہ خط لٹنے کی اطلاع ضرور دیں۔

امید ہے آپ بعد بیگم خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند
قدرت اللہ شہاب

شاید ایسی ہدایت اور اطلاعات قدرت اللہ کسی اور کو بھی دیتے ہوں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔

محروم خوش قسمت

جہاں تک میرا سوال ہے، میں نے قدرت کو ابتداء ہی میں کہہ دیا تھا کہ شہاب ہی مجھے اس بخت میں نہ ڈالیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ میں استحکام نہیں ہے۔ میں ایک ہلکا فرو

برے خواب آتے ہیں تو آتے رہیں، نہ ان کی طرف دھیان دیں نہ پریشان ہوں۔

آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ دفتری معاملات بھی ملتے ہی رہیں گے۔
ایثار صاحب کو سلام

نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

میرا اندازہ ہے کہ صدیق سے قدرت اللہ کی دل دہی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں استقامت تھی۔ صدیق نے بھی ناخوش کیا تھا۔ یہ بات قدرت کو بہت پسند تھی۔ اس خوشنودی کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرت ہر سال صدیق کو یکتا اللہ کی جگہ پر خیر خواہ کرتا تھا۔ مثلاً ذیل کا خط ملاحظہ ہو۔

مری

۱۰ جون ۱۹۷۳ء

عزیز بہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ شعیب گری کے باوجود آپ کے معمولات جاری ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور ان کو بدستور جاری رکھیں۔

یہی آپ کی سب سے بڑی کمائی ہے جس کا اجر انشاء اللہ آپ کو کسی وقت ایسا ملے گا جو آپ کے خواب خیال میں بھی نہیں۔

رمضان المبارک کی ایک سو سو شب کو رات کے گیارہ بجے سے فجر کی نماز تک جاگتے رہیں۔ گیارہ بجے دو رکعت نماز نفل پڑائے تو پڑھیں۔ ہر

رکعت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھیں اور تین بار آیت کریمہ بھی پڑھیں۔

۱۔ اصل خط مجھے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXI

ہوں۔ مجھ میں کثافت اٹھانے کی ہمت نہیں۔ آرام طلب ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ بزرگ بننے کی طلب نہیں اگر آپ میں اتنی طاقت ہے تو مجھے ایک اچھا انسان بنا دیں۔ دیا کریں۔

یہ بات میں قدرت کے سامنے مسلسل دہراتا رہا تھا۔

اس کے بلوغت آخری ایام میں وہ میری توجہ کلام کی طرف مبذول کراتا رہا۔ لیکن مجھ میں کلام اپنانے کی توفیق پیدا نہ ہوئی۔

شکر ہے نہ ہوئی ورنہ مجھ پر پابندیاں عائد ہو جاتیں اور میں یہ کوائف آپ کی خدمت میں پیش نہ کر سکتا اور اس عظیم انسان کے لیے ہذبہ شکرگزاری کا اظہار نہ کر سکتا۔ وہ عظیم انسان حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لائق ترین خادم تھا۔

مثیل کے طور پر ذیل کا خلاصہ ملاحظہ ہو جو قدرت نے مجھے مری سے لکھا۔

مری

۲۶-۲۷ جون ۱۸۳۳ء

محترمی ممتاز مفتی

السلام علیکم۔ کل صبح میں آپ کی طرف آنے والا تھا۔ ٹیلی فون پر معلوم ہوا کہ آپ رفیق صاحب سے ملنے پھڑکی گئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاید رفیق صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے۔

نئی اثبات کا رد کرنے کے لیے آپ کے لیے ایک نہایت آسان طریقہ سمجھ میں آیا ہے۔ اس میں نہ کوئی وقت اور نہ کوئی جگہ مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی خاص طریقہ پر بیٹھنا بھی نہیں۔ جس وقت آپ فارغ ہوں۔ فوراً سانس باہر نکالتے ہوئے Exhale

خاموشی سے زبان بلا کر لا لائے کہیں۔ اور سانس اندر کی طرف لاتے ہوئے Inhale اسی طرح خاموشی سے زبان بلا کر لا لائے کہیں۔ اسی طرح ہر سانس کو Exhale کرتے ہوئے لا لائے اور Inhale کرتے ہوئے لا لائے کہیں۔ اسے پاس اٹھائے کہتے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے فارغ الوقت میں کرتے رہیں۔ اس کو اس طرح پکائیں کہ یہ بالکل عادت بن جائے۔ ہمیں فرصت ہوئی وہیں سانس کے آنے جانے میں خود بخود نفی الہی شروع ہو گیا۔ صرف حسل خانے میں حاجت ضروری کے وقت ایسا نہ کیا جائے۔ کچھ لوگ اس میں ایسی مشق بیچ پھیلتے ہیں کہ حسل خانے میں زبان دانتوں تلے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ ذکر جاری نہ ہو جائے۔ وضو کی کوئی قید نہیں۔

اگلے بعد تک خوب مشق کریں اور بتائیں کہ کوئی مشکل تو دور پیش نہیں آ رہی۔ اگر اس پر کسی قدر عبور حاصل ہو جائے تو ساری عمر کے لیے سب امور کے لئے کافی ہے۔

والسلام

نیاز مند۔ قدرت اللہ شہاب

میں نے چند ایک روز کو مشق بھی کی تھی۔

لیکن جو فیئینسی کامیاب ہو۔ جس کا ذہن خرافات سے کبھی غلطی نہیں ہو سکتا۔ لہذا میری یہ کوشش سب سے لا حاصل ثابت ہوئی۔

حیرت کی بات ہے کہ میری ان کیوں کیوں کے بلوغت قدرت اللہ مجھ سے بایں نہ ہوا۔ اس نے زندگی بھر مجھ پیسے چٹاک کھنگارہ گوارا کیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

گنا ہے کہ وہ سمندر تھا۔ جس و خاشاک اور طاعت اسے چٹاک نہیں کر سکتے تھے۔

چون واپس باب

مل سے ہم دونوں ایک گلاس میں پڑے ہیں۔ لیکن الگ الگ وہ تیل ہے میں پانی ہوں۔

وہ چہلہ

اشفاق کی شکایتیں کرتا ہوں تو ہاتھ کو دکھ ہوتا ہے 'وہ ٹھسے میں کھتی ہے' کیا یہ غلن صاحب میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں 'اس میں تیسریوں خوبیاں ہیں۔ مجھ - نہ زیادہ خوبیوں کا مالک ہے' پرنس بن کر رہتا ہے 'پانی میں نہتا۔

وہ چہلہ

میں نے کہا 'مجھے آپ سے بھی شکایت ہے کہ تیل کو پانی میں نہ بدل سکے۔

نظر نہ کریں 'وہ بولا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کب ہو جائے گا۔ آپ نے کھجور کا درخت لگا بھی دیا تو کیا فائدہ۔

صوفی برکت علی

اس نے بات کا رخ بدلا۔ کہنے لگا۔ اگر لاہور میں آپ کو فرصت ملے تو صوفی صاحب کو سلام کر آئیں۔

وہ کون ہیں 'میں نے پوچھا۔

سلاور والے چائیں۔ سب پتہ چل جائے گا۔

میں نے حالی بھرلی۔ جی اچھا۔ لیکن میرا ارادہ نہیں تھا کہ صوفی صاحب کی خدمت میں ماضی دوں۔ مجھے کسی اور بزرگ سے ملنے کی خواہش نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ قدرت پوچھے گا تو تیل دوں گا۔ بہانہ بنالوں گا۔

داستان سرائے میں پہنچا تو عیاشی کا ایسا نشہ آیا کہ صوفی صاحب کی بات ہی ذہن سے نکل گئی۔

رات کو دس بجے فون بجلا اشفاق سے میں فون کے پاس تھا 'چوہا اٹھایا۔ میرے آپ دوست یوسف بول رہے تھے۔ انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ بولے 'آپ یہاں ہیں۔

میں نے کہا 'ابھی آیا ہوں۔

بولے 'ملاقات ہونی چاہیے۔

پاکستان

میں نے فون کا چوہا اٹھایا۔ قدرت بول رہا تھا۔

آپ لاہور جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا 'جی جا رہا ہوں۔

کسی کام کے لیے جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا 'کام نہیں۔ عیاشی کرنے جا رہا ہوں۔

کیسی عیاشی۔

تیل اور پانی

داستان سرائے میں قیام کرنا بذات خود عیاشی ہے۔ وہی میری ماں ہے۔ وہ مجھے چوہا کھلاتی ہے۔ یعنی ہوئی ماں کی دال۔ مٹی روٹی۔ کڑا ساگ 'جھپٹ سر' شیرے والی کابریں 'ہو ہاتھ سے ہاتھ ہوں گی۔ ہاتھ ہی ہاتھیں۔ ہاتھ ہی ہاتھیں۔ قدرت اللہ کی ہاتھیں۔ اشفاق کی شکایتیں۔

UrduUrdu.com

اس لیے کہ وہ مجھ سے دل کی بات نہیں کرتے۔ کسی سے دل کی بات نہیں کرتے۔

کی کتابیں خرید رہے تھے تو ایک کچھ غلوں آئی۔ بڑی بے تکلفی سے ہمیں پوچھنے لگی۔
کہ آگے نسو پاکستان توں۔

میں نے کہا ہالی چلے کیسے پتہ چلا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں۔
کہنے لگی: توڑے منہ سے جو کھلیا ہوا ہے۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

ہولی چلو بازار وچ جا کھڑوئے۔ نسو لوکل دے منہ کنڈا ہدے منہ تے روٹی ہووے
تے کنڈا ہووے بس جان لو کہ لو 'پاکستانی' اے۔ سلائی تے کچھ وچ نہیں اونڈا۔ حالات
بھیرے 'نے' پر چریاں تے روٹی اے 'بازار وچ روٹی اے' پیسے دی بھر مار اے۔ چڑیاں دی
بھر مار اے۔ سڑکوں تے موزوں اسی موزوں۔ دکلاں وچ مل اسی مل۔ سڑاں تے کچھ نہیں
اونڈی اے 'کی' ہو رہا اے۔

میں نے پوچھا ہالی آپ کیا کرتی ہیں۔

ہولی 'میں' انڈیا دی ہو شس آں۔

۱۹۸۶ء میں میں نے پاکستان پر ایک مضمون لکھا تھا جو درج ذیل ہے۔

مملکت خدا داد

اگرچہ پاکستان ایک جمہوریت ملک ہے لیکن بڑا بے ہمار ہے۔ حسین مناعہ سے ملائی 'رنگارنگی' کا
جواب نہیں۔ کسی جانب زرخیز مناظر اور میدان پھیلے ہوئے ہیں کسی جانب پہاڑوں کی سر۔ فلک
چڑیاں سرائے کھڑی ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں ہری بھری وادیاں لپٹی ہوئی ہیں۔ چٹنے
پھوٹ رہے ہیں۔ پھول ہی پھول رنگ رنگے پھول۔ کسی جانب ریت کے صحرا ہیں۔ کسی جانب
شگافاں دیہاتے۔ مناظر کے لحاظ سے پاکستان گوناگوں ہے 'ملائی' ہے۔ یہاں ہر قسم کی آب و ہوا
ملتی ہے۔ ہر قسم کی جانبت 'طرح' طرح کے چمکے پھندے۔

یہ علاقہ بڑا قدیم ہے۔ پتہ نہیں کتنی نہہیبیس قائم ہوئیں 'پہلی' پھولیں اور پھر چاہ ہو
گئیں۔ آج بھی یہاں جگہ جگہ ڈھیریاں موجود ہیں۔ جنہیں کھودو تو آثار کی دولت نکل آئے۔
میراثہ انکی ملتی ملتی حلی میں ہیں 'گیا' تو وہاں موسیو کیور نیل سے ملا۔

موسیو کیور نیل بین الاقوامی شہرت کا مالک 'آثار قدیمہ' کا ماہر ہے۔ قیام پاکستان کے وقت وہ

میں نے کہا 'ہولی چاہیے۔

بولے 'لیکن میں تو کل جا رہا ہوں۔

میں نے کہا 'مت چلو۔

کہنے لگا 'جانا ضروری ہے۔

ضروری ہے تو چلو۔

بولے 'ایک صورت ہے۔ میں صبح چلوں گا شام تک واپس آچوں گا کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ آپ میرے ساتھ چلیں راستے میں کپ شپ رہے گی۔

میں نے پوچھا 'جانا کہاں ہے۔

کہنے لگے 'صوفی برکت علی صاحب کی حاضری دینی ہے' سلاڑ والے۔

میں نے سوچا 'دیکھو کس چلائی کی مجھے پتہ نہ کروا دیا ہے۔

اگلے روز ہم کار میں سلاڑ والے جا رہے تھے۔ میرا دوست نور ایک بہت بڑا اہلی 'مسلمانی

شاعر عبدالعزیز خان۔

ہم تینوں ہمیں راستے ہوئے سلاڑ والا پہنچ گئے۔

وہاں صوفی صاحب کو دیکھا تو میں حیران ہوا۔ ایک نحیف و زہار مٹھی کڑی 'جس میں ایک
من جان ٹھوس رکھی تھی۔ تک کر بیٹھا مشکل ہو رہا تھا اندر خون کی جگہ پارہ
بھرا ہوا ہے۔ اتنی بے چینی نرسیت کر رہے تھے کہ گرد و پیش سے سمجھا کے اٹھ رہے
تھے۔

بعد کی لمبا پڑھانے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا۔

"موجود جان لو کہ ایک ایسا زمانہ آئے والا ہے جب یہ امین لو کوئی قدم

اٹھانے سے پہلے پاکستان سے پوچھنے کی 'کہا میں یہ قدم اٹھاؤں؟" اس

وقت ہم تو رخصت ہو چکے ہوں گے 'اگر ایسا نہ ہوا تو آکر ہماری قبر

تھوکتا۔"

میں تو ششدر رہ گیا۔ پانڈ 'اکتو بڑا جوانی ایک بزرگ کی زبان سے۔

پانڈ 'یہ پاکستان کیا ہے۔ کیوں لوگ اس کی محنت کی باتیں کرتے ہیں۔

جب میں ہجرت ہاتھ لگے گیا کیا قادر و شفیق حسین نور میں ایک دکان سے ہو میو بیٹھی

Per Capita آگم بڑھتی جا رہی ہے۔ پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں جگہ جگہ پاکستان کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ پالیسی یہ بھی کیا ہے؟

ایک طرف اپنی زبان، مادی دوسری جانب خوشحال۔ ہم کائنات پر رہے ہیں پھر پھول کیوں آگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے دو رخ ہیں۔ ایک تو حقائق کا رخ اور دوسرا پراسرار رخ جو کچھ میں نہیں آتا۔ حیران کن سہی مگر بہت واضح ہے۔ حقائق کے زاویے سے دیکھیں تو

تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دروازے کھلے تو منافع دیکھ کر تاجروں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ منافع کی شرح بڑھاتے گئے۔ ذخیرہ اندوزی کرتے گئے۔ دراصل ابھی تک مسلمانوں کا مزاج کاروباری رنگ میں نہیں رنگا گیا۔ کاروبار میں وہ آج کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ مستقبل ہی کے حوالے سے نہیں سوچتے۔ اس لیے جیتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بڑھتی جا رہی ہیں۔ سرکاری دفتروں میں رشوت ستانی زوروں پر ہے چھپ چھپ کر نہیں ملانی رشوت لی جاتی ہے۔ نور پور اس کے جیسے آپس میں ہاتھ جاتے ہیں۔ رشوت کے ہاتھ مقرر ہیں۔ رشوت لینا

خبر دی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں مغرب کے ایک معروف ستارہ شمس ایچ آرنیبلر کی ٹی وی روزنامہ نمبروں میں بھی تھی کہ آرنیبلر نے لکھا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہو گا مسلمان کی محنت قائم ہو گی پھر دونوں ملکوں میں اختلافات دریں گے۔ ان کے اپنی تعلقات ۱۹۹۹ء سے پہلے دوستانہ نہیں ہوں گے۔ ہندو اور دینی انتشار کا شمار ہو جائے گا اور مسلمان دلی تک قابض ہو جائیں گے۔ مغربی ستارہ شمس عرصہ دراز سے پیش گوئی کر رہے ہیں کہ دنیا پر ایک مٹا سن لوہہ غاصبی نکلور آئے گا ہے اس دور کو وہ انگریزوں کی ایجاد پادی گولڈن ایج کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا پر عجیب و غریب لوہہ مبارک ستاروں کے کائناتی شیشز آئیں گے ہو رہے ہیں۔ مسلمان اس دور کو نشاۃ چاہتے کہتے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس دور کے آنے سے پہلے، پہلے برزخیت ہوتی آئے گی۔

پاکستان کے جو قومی بھی انہیں غلطو پر پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔ ان میں ریلینڈی کے عجم غازی بھی ہیں۔

اب بیجے قیام پاکستان کی بات۔ قیام پاکستان عجیب حالات میں عمل میں آیا۔ انگریز اس کے حق میں نہ تھے۔ ہندو اس کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کی چند تحفیں بھی اس کے حق میں نہ تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن حالات میں پاکستان کا قیام ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ قیام پاکستان کے لیے قدرت نے ایک ایسے فرد سے کام لیا جو انگریز نصیب کا مالک تھا جو سیاسی ہیرا پیمیزی کے بخلاف تھا۔ (جو پاکستانی پچھلے سے بے گناہ قادیان اسلام سے برائے نام واقفیت رکھتا تھا قائد اعظم میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ بلند کردار کے مالک تھے۔ ان کے ہر مقابل گھڑی عملی قیام تھا۔ جو سیاسی ہیرا پیمیزی میں بہت مشغول تھے۔ سیاسی روش میں بلند کردار کا پانی کا فاضل نہیں ہو گا۔ انصاف بڑی رکوت ثابت ہوا ہے۔ مگر اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے کالہی عطا کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے صورت حال کا جائزہ لیا کہ قائد اعظم کو ایک اسلامی مملکت کا سربراہ بنانا ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ قائد اعظم کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیم و بس ضروری ہے۔ وہ قائد سے سمجھتی ہیں کہ قائد نے ان کا مشورہ کیا ان کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ساتھی قائد کو اسلامی تعلیم دیتے رہے۔ صوفی صاحب سے ملنے کے بعد لاہور سے

نعمانیوں پاشد ہندوستان پہنچا
حکم پدی کا رائد زلف جلودان
تقسیم ہند گرد و در در حصص ہوا
آشوب و رنج پیدا اذکر ازمانہ

ہندوستان کے عجم بزرگ جو حضرت مبارک کی سے پیام سے جاتے جاتے ہیں۔ ان سے مختلف کنکوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ۱۹۸۵ء میں جب ہندوستان میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی تھی فرنگی نے غدار کا نام دیا تھا۔ جو جناب حضرت مبارک کی سے ایک علاقے پر قبضہ کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ یہ اسلامی حکومت کچھ عرصہ حکم کرتی رہی پھر انگریزوں نے اپنا ٹکڑا ہوا شیرازہ از سر نو بنیاد انگلستان سے اس کی کیپ اور فوجی مٹوا دی اور پھر سے کھوٹا ہوا دار قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہوں نے حضرت مبارک کی سے اسلامی ریاست کا معاہدہ کر لیا۔ گوکہ پاری کی نور اس پر تسلط تھالیہ حضور مبارک کی سے کو گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت مبارک کی سے کا مسلمان ہند میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ یہاں تک کہ غیر مسلم بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ انگریز ڈاکٹر آف تھا کہ حضور کی گرفتاری پر حالات خراب نہ ہو جائیں ساتھ ہی وہ اپنا دار قائم کرنے کے لیے ضروری سمجھتا تھا کہ ان کی تباہی کرے۔ لہذا انگریز نے حضور کے ہاتھ باندھ دینے اور برصغیر ان کا بلوں نکالنا۔ ایک عجم عظیم سیاح نام مہدوب نے بلوں کا راستہ روک لیا وہ حضور سے خطاب ہو کر بولا۔ دیکھ یہ نہ سمجھو کہ تیری یہ کوشش باطل ہو گئی ہے۔ جو جگہ تو نے بڑا ہے نوے سال بعد اس میں سے کوئی پھولے گی۔ نوے سال بعد قیام پاکستان عمل میں آیا۔

حضرت مبارک کی سے صاحب کے آخری مری جناب ملحق عبدالعبود سے جن کا عملی میں اسلام تلوہ میں انتقال ہوا ہے۔ میں چند ایک بار ملاؤں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ۱۹۸۵ء کی جنگ میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ ان دنوں وہ جوتے تھے۔

شلہ بری لائف نے کج سے احوال میں سو سال پہلے فرمایا تھا کہ نور پور کے پاس ایک اسلامی شہر آباد ہو گا جو مستقبل میں دنیائے اسلام کا مرکز بنے گا۔

پاکستان کی تیسرے اور مملکت کے بارے میں بزرگان دین نے بار بار تذکرہ کیا ہے۔

صرف بزرگ ہی نہیں، نجومیوں اور جوتیشیوں نے بھی بہت پہلے پاکستان کے قیام کی

والہی: میں حیران ہو رہا تھا کہ باللہ اتنا بزرگ نور۔ اتنا بڑا دھوئی، قدرت اللہ کا تو کہتا ہے کہ دھوئی کرنا بزرگ کا کام نہیں۔

چھوٹا منہ

لاہور سے والہی آیا تو میں سیدھا شلب کی طرف گیا۔
گڈی نے کہا: آج ہاموں کا موڈ آف ہے۔
شلب کا موڈ آف ہو۔ میں، میں نہیں ہانتا، میں نے جواب دیا۔
بچ کتنی ہوں، وہ بولی۔
شلب کا تو موڈ ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے، اس میں اچھل نہیں۔
کبھی کبھی چمکتا ضرور ہے۔ لیکن یہ چمکن کسی اور طرح کی ہوتی ہے۔
گڈی بولی، میں ہاموں کو جانتی ہوں۔

گڈی

وہ بچ کتنی تھی۔ وہ قدرت اللہ کی ہمشیرہ کی بیٹی ہے۔ گھر میں صرف گڈی شلب کو جانتی تھی۔

میں نے پوچھا: تجھے کیسے پتا کہ شلب کا موڈ آف ہے۔
کہنے لگی: کچھ لوگ ملے آئے تھے۔ انہوں نے پاکستان کا ذکر کیا۔ ہاموں کہنے لگے۔ پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ راستے سے بھٹکا ہوا۔ ہم آج تک اسلام آباد

جب میں صدر گمراہ کا نانا لائیں ای با قلم شام کا وقت تھا آپ اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی موجود تھا۔

ایک سال اکلیڈ ٹاپا، وہ تازہ صابز قلم پڑی کراری اردو پڑھا تھا اس نے اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچا تھا۔ رہنے کے لئے مکان نہ تھا کھانے کے لئے روٹی نہ تھی۔ کئی دن مارا مارا پڑتا رہا، لیکن ڈکری نہ لی تھی۔ کوئی پرسلن محل نہ تھا۔

شاب صاحب آپ نے اس سال سے بیوی و پردی جتنی تھی اسے حوصلہ دیا تھا، مگر نہ کیجیے اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دیں گے۔ آپ کل دفتر آجائے ایک عرض لکھ لائے۔ شاید کل ہی ہفت بن جائے۔ حوصلہ نہ ہائیے، آزمائش کے وقت آجائے ہیں۔

جب وہ رخصت ہوئے لگا تو مجھے میں یولا، ہم اسے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں یہی آکر۔ لعنت ہو پاکستان پر۔

شاب صاحب یہ سن کر آپ نے جھکی کی طرح کرسی سے اٹھ کر سائل کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا تھا کٹ آؤ۔ یاد ہے۔

شاب صاحب میں نے آپ کے ساتھ میں جھکیں مل گزاریں ہیں۔ اس دوران میں آپ نے صرف ایک آدمی کو قہقہہ مارا ہے۔ اس لیے کہ اس نے پاکستان کو بد دعا دی تھی۔ اس کے بعد ہماری محفل میں جہلی صدر اب نور بن کے لال کار بیٹھے تھے۔ آپ نے ایک وزیر کو گرمیوں سے پکڑا تھا اس لیے کہ پاکستان کا وزیر ہوئے وہ پاکستان کے خلاف تجزیہ کرتا تھا۔ یاد ہے۔

ہم تو آپ کے ہاتھ میں شاب صاحب جو آپ کہتے ہیں۔ جی ہے، جو آپ کرتے ہیں وہ حق ہے۔ آپ ہی نے ہمارے دلوں میں پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

اور اب آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے حوالے سے بیٹے پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔

شاب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چند روز بعد وہ مری چلا گیا۔ وہ اکثر مہلات کے لیے مری چلا جایا کرتا تھا۔

میں نے کئی گز اور جب تک اسلام غلط نہیں ہو گا پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔ گڈی کہنے لگی، ہاں کی گواہ میں فخر میں تھا لیکن آواز کے پیچھے شدت تھی۔ ناراضگی تھی۔ میں ہاں کے ہٹے کو پچھاتی ہوں۔

گڈی کا کمرہ شب کے کمرے سے ملحق تھا اس روز میں شب کے کمرے میں داخل ہوئے لگا تھا کہ گڈی نے مجھے بلایا تھا۔

کہنے لگی، آج آپ ہاں سے اسیلا کے ساتھ بات کریں۔

شاب کے کمرے میں داخل ہو کر میں نے سلام کیا اور فریاد معمول پڑے لوب سے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

پھر شاب بولا، آپ خاموش ہیں۔ خیریت ہے۔ میں نے کہا، جناب میں اعتیاد برت رہا ہوں اس لیے۔

اس نے سوالیہ نگاہ سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا، جناب گڈی نے مجھے مشورہ دیا ہے کہتی ہے آج اعتیاد سے بات کریں۔

ہاں کاموز آف ہے۔

وہ مسکرایا۔

میں نے کہا گڈی کہتی ہے، کچھ ملاقاتی آئے تھے، انہوں نے پاکستان کی عظمت کی بات پھیر دی۔ جس پر آپ نے انہیں جھڑپا دی۔

ہاں، وہ بولا، لوگ غلط نہیں پھیلاتے ہیں۔ میں نے آپ کا مضمون پڑھا ہے پاکستان پر۔

جی، میں نے کہا۔

آپ بھی غلط نہیں پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

میں نے کہا، شاب صاحب آپ کو ایک بات یاد دلاؤں۔ اجازت ہے۔

شاب نے میری جانب دیکھا۔

ظمانچہ
ہم نے کہا، جب آپ مرکزی حکومت کراچی سے پڑی لائے تھے۔

گنیا والا بلا

چلتے چلتے میں نے جو سرائی کر دیکھا تو راستہ غافوس نظر آیا۔ میں نے اسے اہستہ سے دی اور چٹا رہا لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا توں یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں غلطی سے کسی ان جانی سڑک پر نکل آیا ہوں۔ میں نے سوچا کوئی را پکیر لے تو اس سے پوچھوں کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ کچھ دور سڑک سے ہٹ کر ایک بست بڑا درخت تھا جس کے قریب ہی گھاس پھوس کا ایک جموٹھا تھا۔ جموٹھوں کے باہر ایک شخص کھڑا تھا۔ میں نے سوچا اس شخص سے پوچھ لوں۔ جموٹھوں کے برابر پہنچا تو سبھی سی پتے کی آواز آئی اور سکوتر کے پچھلے پیچے کی ہوا نکل گئی۔ میں نے سکوتر روک لیا۔ کیا معیت ہے، میں نے سوچا، اب خاتون پیرفٹ کرنا پڑے گا۔ شہنی کو دیکھا تو اس میں بھی ہوا نہیں تھی۔ اب کیا ہو گا؟ میں گھبرا گیا۔

میں نے سرائی کو روک روک دیا وہی شخص کھڑا تھا جسے میں نے جموٹھوں کے سامنے دیکھا تھا۔

"کیا ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ ہو گیا ہے۔"

"اسے ادھر کر دو گے؟" وہ بولا۔

"یہ سڑک کدھر کو جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیس بھی نہیں جانتی" وہ بولا "ادھر پہاڑی کے پیچے جا کر ختم ہو جاتی ہے۔"

"آپ اس کوئی گھوڑا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں" وہ بولا "ادھر ایک رکھ ہے۔ وہاں سے روزانہ ٹرک آتا ہے۔ ٹرک آئے گا تو تم سے

ہاؤر میں حرکت ہوئی اور ایک دھلا سفید ریش چڑھا کر نکل آیا۔

اچھے ہی بولا "تو آگیا۔"

"جی" میں نے جواب دیا "میں راستہ بھول کر ادھر آ نکلا ہوں۔"

"ہاں" بڑھا بیڑا۔ "بہ چاہتے ہیں راستے دے دیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں راستہ بند کر دیتے ہیں۔"

میں نے کہا "جی" میرے سکوتر کی ہوا نکل گئی ہے۔ کچھ ہو گیا ہے۔"

"ہاں" وہ بولا "تم خود میں ہوا بھرتے رہتے ہیں۔ ان کا کرم ہو جائے تو ہوا نکل جاتی ہے۔"

پہلے تو میں اس کی باتوں پر نہ سمجھا "کرم" کون سا کوئی مہذب ہے جو انہیں شاپ بول رہا ہے۔

کچھ دیر کے لیے وہ چپ رہا پھر دم آواز میں بولا "تو جو سنے بت بنا رہا ہے کیا تجھے قسم

اس لیے دیا تھا کہ بت بنائے؟"

قسم کی بات سن کر میں چونکا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ میں لکھتا ہوں لیکن بت تو قلم سے

نہیں بنائے جاتے۔

دھن "وہ بڑھا جوش میں آگیا۔ کہنے لگا "کیا حیثیت ہے پاکستان کی۔ ایک جموٹا چھٹکی سا

ملک۔ غریب ملک۔ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا پھر آپ ہی چنر

گیا اور ہیل کے لوگ۔ ہاؤس طرف سے میں میں کی آوازیں آتی ہیں۔ بکسے میں میں کر

رہے ہیں۔ کھائے جارہے ہی اللہ کی اس دی ہوئی دیکھ کو کھائے جارہے ہیں۔

ساتھ اپنا کٹورہ بھرے جارہے ہیں۔ اپنی اپنی کوفلی میں دانے ڈالتے جارہے ہیں۔ ضرورت

نہیں۔ مٹی، خالص مٹی، دوسرے جاتے ہوئے کرم، سڑے کرم، کھانا، بھر جائے گا،

کہ وہ حتیٰ بات کرے۔ وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے کرے۔ آخری فیصلہ Oneirdu عندہ ہے۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا "نہیں تو؟" وہ بولا "میں کوئی جمو نیڑا نہیں۔"

"تو اور کب آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے" میں رکھ میں کام کرتا ہوں۔ روزانہ اور سے گزرتا ہوں۔ دو بار۔ میں نے کبھی جمو نیڑا نہیں دیکھا۔"

"میں کل آیا تھا" میں نے کہا "پہلی در اس جمو نیڑے میں بیٹھا رہا تھا۔" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میں پاگل خانے سے بھڑت کر آیا تھا۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب میں نے پاکستان پر مضمون لکھا تھا۔ اسے شائع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

میں ایک مذہبی مسلمان ہوں۔ میری زندگی محل سے یکسر غلط ہے۔ میری زندگی میں چار ایک ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہیں بیت کر مجھے پتا چلا کہ ہماری دنیاوی زندگی کے متوازی ایک روحانی کلام بھی چل رہا ہے۔

لیکن خیالی طور پر میں ایک لویب ہوں، دانشور ہوں۔ میرا وطن شکوک و شبہات سے اٹھ چلا ہے۔ ایسے واقعے سے میں چند ایک روز متاثر ہوتا ہوں، پھر منکر ہو جاتا ہوں۔

چند ایک روز میں سوچتا رہا پھر شکوک و شبہات نے گھیر لیا۔ "سچا؟" شاید میں نے خواب دیکھا ہو یا شاید وہ جمو نیڑا اور وہ یوں صاف میرے ذہن کی اختراع ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سڑک پر آنے جانے والوں نے وہ جمو نیڑا نہ دیکھا ہو۔ ضرور یہ میرے ذہن کی اختراع ہو گی۔ یوں میں نے خود کو مطمئن اور محفوظ کر لیا۔

پھر وہ ایک ماہ کے بعد میں نے اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک مڑا مڑا لفافہ برآمد ہوا۔ اس میں کافہ کا ایک گڑھا تھا "اوپر دسم اللہ" لکھی ہوئی تھی۔ بچے لکھا تھا: "کیا وہ بار صبح جاگئے وقت اور گیارہ بار رات سوئے وقت درد کرو۔ اس کے نیچے لکھا تھا: "جوا مہ پڑی بات۔"

جب میرے مضامین کا مجموعہ راسم الدین شائع ہوا تو میں نے اپنے مضمون پاکستان میں یہ واقعہ بھی شامل کر دیا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا "آئندہ سے بیٹوں کی باتوں پر قلم نہیں اٹھانا سمجھا؟" اس نے مجھے ڈانٹا۔ پھر دھتے کے بعد دھتے آواز میں بولا "ہم جنہیں دو لفظ دیتے ہیں۔ ان کا درد کرتے رہتے۔ قریب پارے چند کھنڈت سے اس نے کافہ کا ایک گڑھا اٹھایا۔

"میں پاک حالت میں نہیں رہ سکتا" میں نے کہا۔

"کچھ پروا نہیں" وہ بولا۔

"میں غلبی نہیں پا رہ سکتا" میں نے کہا۔

"اچھا" وہ رک گیا۔ پھر بولا "ٹھیک ہے" اور کچھ کھینے لگا کھینے کے بعد اس نے کافہ کا گڑھا ایک پرانے لفافے میں ڈالا اور وہ لفافہ مجھے پکڑا دیا۔ کہنے لگا "کیا وہ مرتبہ صبح اور گیارہ مرتبہ سوئے وقت اس کا درد کیا کر۔ اب تو چاہے اللہ تجھے کھینے کی توفیق عطا کرے۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ باہر میرا سکوتر سڑک کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے سکوتر اشارت کیا وہ چل پڑا۔

کچھ دور جا کر دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے سکوتر کا پیرہ تو چکر تھا۔ میں سکوتر روک کر بچے اترانے لگا۔ کو دیکھا ہوا ٹھیک ٹھاک "حق" پھر میں نے شفقی کا دیکھا وہ بھی ہوا سے بھری ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ مجھ پر حیرت طاری ہو گئی۔ دیر تک اسی عالم میں چلتا رہا، پھر جو نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ راست مالوں تھا۔

شک و شبہ

سامری رات میں سوچتا رہا۔ بات کچھ میں نہ آئی۔ اگلی شام کو میں پھر سکوتر لے کر چل پڑا تاکہ اس سڑک کا پکا نگاہوں جس پر میں غلطی سے مڑا تھا۔

کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد وہ سڑک مل گئی۔ میں اس پر چل پڑا۔ بڑے درخت کو دیکھ کر مجھے تسلی ہو گئی، لیکن بڑے آس پاس جمو نیڑا دکھائی نہ دیا۔ بڑے نیچے ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ جب وہ فارغ ہوا "تو میں نے پوچھا" "میں ایک جمو نیڑا تھا۔"

© Onurdu.com کنویں کا میزنگ
میں بڑا خوش تھا۔ سمندر کے میزنگ نے آکر سب قص
میں کر دیا۔

چاقہ

کوئٹہ پہنچے تو وہاں قلم قبیلہ نے انہیں اور شاعروں کا ایک میلہ لگا رکھا تھا۔ اس میلے کی
خصوصیت یہ تھی کہ بھیرتو حتیٰ کہ کھوسے سے کھانا نہیں چھلتا تھا۔ میلہ ہو اور ساتھ قلم ہو یہ
ہات میرے لیے ہی تھی۔

انہیں کو مختلف ہوٹلوں میں فہر لایا گیا تھا اور میزبانوں کا ایک قافلہ ہر وقت گردش میں
رہتا۔ چھپتا آپ کا قیام مناسب ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔ کسی بچہ کی ضرورت ہو تو

میزبانوں کی قافلہ سارا ہات کرتی تو نہ سے پھول مجھڑے رملن دیکھا کا دیکھا رہ جاتا۔ کھن
کھولے رکھتا کہ دس گھنٹا رہے۔

بچی ہات یہ ہے کہ مجھے ادبی محفل سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ میں تو کوئٹہ اس لیے گیا تھا کہ
مشر سے ملوں گا۔ اس سے چھڑائی رہے گی کہوں کا کافی جاد مجھے کسی عوامی شرکی ہوشیارت
تعلیم اسلام آباد میں اپنی دلی نہیں سمجھتی۔ وہاں تو صاحب رہتے ہیں جو قلم چاہتا جانتے ہیں، قلم
ہات نہیں۔

بلی فرصت ملی تو میں چھپتا چھپتا مشر کے گھر پہنچا۔
میں نے چھپتے ہی کما مشر صاحب میں تو مارا گیا۔ آپ کے شر میں آکر ل گیا۔
وہ جاگیرین کر چڑھا گیا 'ولا' فریادی۔ یونوس نے لولا۔
میں نے کہا 'غل' اپنی ایک غلوں نے لولا۔
ولا کون ہے وہ مختار۔

میں نے کہا 'غل' جاد وہاں ہمارے میزبانوں کی قافلہ سارا ہے۔
'ولا' فریادی کیا حسن کے زور پر لولا۔

میں نے کہا 'جناب' والا ظاہری حسن نے بھی، لیکن اندر کے حسن نے تو چاہی بچادی۔ کہتے

کنویں کا میزنگ

قدرت اللہ مری سے دلہن آیا تو میں کوئٹہ جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔

آپ کوئٹہ کس سلسلے میں جا رہے ہیں؟ اس نے پوچھا۔
میں نے کہا 'جناب' وہاں ایک ادبی محفل ہو رہی ہے انہوں نے بلایا ہے۔ لی آئی اے کا
نکٹ بیٹھا ہے۔

کہنے لگا 'وہاں کوئی مضمون پڑھیں گے آپ۔'

میں نے جواب دیا 'مضمون لکھنے سے تو بے کر لی ہے۔'

وہ کہیں؟ اس نے پوچھا۔

بڑی ڈانٹ پڑی ہے صاحب صاحب۔ کہتے ہیں جو تو نہیں جانتا، بے حیثیت ہے تو بے
حیثیت بنا کر رہ۔

میں نے صاحب کو کنیا والے پایا کا سارا واقعہ سنا دیا۔

وہ بڑے غور سے سنتا رہا۔ تفصیلات پوچھتا رہا، لیکن مجھے ایسا گھٹا تھا جیسے اس کی حیرت
معنوی تھی۔

میں نے کہا صاحب جی ساری فطرت میری ہے۔ میں تو کنویں کا میزنگ تھا۔ ایک دن کنویں
میں سمندر کا میزنگ آگیا۔ کنویں کے میزنگ نے پوچھا تو کہیں سے آیا ہے۔

وہ بولا 'میں سمندر سے آیا ہوں۔ سمندر بہت بڑا ہوتا ہے۔'

کنویں کے میزنگ نے اپنے اندر ہوا بھری۔ پھولا کر بولا 'کیا سمندر اتنا بڑا ہوتا ہے۔'

سمندر کے میزنگ نے کہا 'میں اس سے بہت بڑا۔ کنویں کے میزنگ نے اور ہوا بھری اور
پھولا۔ پوچھا کیا اتنا بڑا؟'

شباب صاحب کنویں کا میزنگ اپنے اندر ہوا بھر بھر کر پھاڑ پھٹ گیا۔

میں نے تو بے کر لی ہے۔ شباب صاحب، اس دنیا کے اصول زرا لے ہیں۔ جو جانتا ہے۔ وہ

جانتا نہیں جو نہیں جانتا اسے کہنے کا حق نہیں۔

Urdubooks.com

میں نے کہا صاحب گھر آیا، بولا آپ مجھے نہیں
میں نے کہا صاحب صاحب اتنے سب مل گئے ہیں۔ میں بھی سمجھا بھی تھا کیا۔

سکر کے قاضی صاحب

کئے گا، ہم بھی آجکل قاضی سے بارانہ لگائے بیٹھے ہیں۔

کون قاضی 'میں نے پوچھا۔

بولاً، سکر کا قاضی۔ تم نہیں جانتے سکر کے قاضی کو۔

میں نے سرنگنی میں بلا دیا۔

کئے گا، 'اے تو سارا کسٹن جانتا ہے۔ سیف الزبیر ہے۔

جو کہتا ہے حکم میں جاتا ہے۔ قاضی خداوند سے ہے۔ بڑا خداوند ہے۔ پتہ نہیں کس کی نظر

لگ گئی۔ کہتے ہیں شہلا باز قندرو کو سلام کرنے گیا تھا۔

انہوں نے کھلے میں بٹھا دیا۔ پادش و صوب سردی سب جرح کیا۔ پھر جب دھوم مچائی تو

لوگوں نے ایک مکان میں جا بیٹھا۔

اب ایک جھوم لگا رہتا ہے۔ ہم بھی باقاعدہ حاضری دیتے ہیں۔ ہم پر خاص نظر ممانعت ہے۔

رات کو جب آخری گاڑی کو سڑک کو آتی ہے تو ہم اجازت کی درخواست کرتے ہیں۔ جوب میں

دو فرماتے ہیں بیٹھے رہو۔ دو گھنٹے ٹھائے رکھتے ہیں۔ گاڑی شیش پر کھڑی رہتی ہے۔

آپ کا انتظار کرتی ہے کیا۔

میں 'اس نے کہا 'ہم کون جانتا ہے۔

تو پھر 'میں نے پوچھا۔

بس انجین کی کوئی کل بکڑ جاتی ہے۔

منفق جمل تجھے قاضی سے ملائیں، محشر نے کہا۔

میں نے کہا 'مجھے بھر سں۔ اس وقت منسوب نہیں۔

بولاً، کنگی بات۔

کنگی بات میں سے محشر کے منہ پر نبوت بولا۔

مہذب کا نام سن کر میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔

پرانی بات ہے شاید ۱۹۳۰ء کی۔

راجہ شفیق لال بادشاہ کا بڑا شیدائی تھا۔

maern

ہیں وہ کوئٹہ کے گورنر کی نیگم ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ گورنر تو حکم چلا کر پھر دیکھنا چاہیے۔

ہیں۔ خدمت کرنے پر نہیں۔

وہ کہنے لگا، اس معاملے میں مابودلت کچھ نہیں کر سکتے۔ اس شر کا بچہ بچہ اس محترم کے

مشق میں سرشار ہے۔ اور علاقے کے بڑے بڑے محترم کے میاں کے گن گاتے ہیں۔

پہلے کچھ لوگ پھاٹوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ جب ہے یہ آئے ہیں۔ لوگوں نے پھاٹوں

سے اترنا شروع کر دیا ہے۔ دونوں ہی سم قاتل ہیں 'کیا میاں' کیا نیگم۔ میاں نے غصوں کو رام کرنا

اپنا رکھا ہے۔ نیگم نے جبکہ جبکہ 'شر شر بچوں کی انگوٹیاں چلا رکھی ہیں۔ اور یہاں اتنی بڑی لہری

تحکیم قلم قبیلہ چلا رکھی ہے۔

منفق صاحب آپ تو بڑے اندام واعد ہیں۔ بھائی میرے مقام کو کچھ کر مشق لگایا کریں۔

محشر بھی کیا رہند بزرگ تھا۔ جب وہ اسلام آباد آیا تھا تو اس نے مجھے ڈانٹ لگائی۔ کہنے لگا، 'تو

تو اپنے محسن کا بھید لگنے میں یوں لگا ہے جیسے وہ مجرم ہو، نہ بھائی بھید نہ لگایا کر۔

تو کیا کروں 'میں نے پوچھا۔

ہم ایک دیکھ دیتے ہیں تجھے۔ دن میں کسی وقت۔ ایک کوئے میں بیٹھ کر اپنے مرشد کو

سامنے بٹھا لیا کر۔ تصور کے زور پر 'پھر ایک سو ایک مرتبہ یہ آیت پڑھا کر۔

کون سی آیت 'میں نے پوچھا۔

کہنے لگا یہ آیت۔

یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میری ہنسی نکل گئی۔

بولاً، جو نہیں میں بے حد متحید ہوں۔

اس روز کوئٹہ میں بھی اس نے بڑی شبیگی سے کہا دیکھ منفق۔ اگر تو کسی محترم پر عاشق

ہو جائے تو روز دوبار اس آیت کی ایک شیعہ کیا کر۔

ہوش الہی بظاہر ہے، اگر غائب رکے چلوں کا میل

خود وہ کیا ہو گا انہیں ہوش میں لائے ولا

لال بادشاہ مری کا ایک مہذب تھا۔ سارے علاقے میں اس کی دھوم مچ رہی تھی۔ وہ کھلے میں بیٹھا تھا۔ اس کے گرد سائیکوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ایک چھری ہوتی تھی۔

جس سائل پر وہ چھری چلاتا۔ وہ سائل خوشی سے پھولے نہ سکتا۔ سمجھتا کہ بس اب کام ہو گیا۔ کالیالیالی ہی کالیالی سارے علاقے میں مشہور تھا کہ جس خوش نصیب پر لال شاہ کی چھری چل گئی اس کی جملہ مشکلات آسان ہو گئیں۔

لال بادشاہ

پتہ نہیں کیسے راجہ نے عفت کو رشامند کر لیا کہ لال شاہ کی خدمت میں حاضری دیں۔ عفت نے شاہ کو بتایا۔ شاہ نے پوچھا کہ لال شاہ مہذب ہیں یا سائل۔ راجہ نے کہا: پہلے وہ مہذب تھے۔ اب تو سائل ہیں۔ سائیکوں سے ملتے ہیں۔ ان کے دکھ درد سنتے ہیں۔ پوچھ چمکھ کرتے ہیں۔

ہم نے لال شاہ کے ڈرے پر جانے کا پروگرام بنالیا۔ مری سے آگے پتہ نہیں کون سی سڑک پر۔ راجہ یوں: بس یہاں گاڑی روک لیجیے کسی مناسب جگہ پر پارک کر دیجیے۔

ہم سڑک سے نیچے اتر گئے۔ کافی فاصلے سے گرنے کے بعد ایک کھامیدان نظر آیا۔ اس کے پرے سرے پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک جانب لال شاہ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے سائل ہاتھ دھو کر دھاروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سائل بادی بادی صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اپنی مشکل بیان کرتے، ہم سب چھٹی طرف دیکھنے لگے۔

بھرجو میں نے غور سے لال شاہ کی طرف دیکھا تو خوف زدہ ہو گیا۔ ان کے چہرے پر نورانیت کی بجائے کئی قسمی خند بھری تھی۔ ان کی آنکھوں نے چہرہ صبح کر دکھا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور ایک آنکھ میں پھولا تھا۔

بھرجو میں نے قدرت کی طرف دیکھا تو اس پر گہرا ہت طاری تھی۔ رنگ بادی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور وہ ایک لمبے ترنگے سائل کے پیچھے دیک کر چمپا بیٹھا تھا۔ منہ روہیل سے

UrduDunya.com

کیاں تیرہت میں نے مدھم آواز میں پھل

اس نے ہونٹوں پر اٹھائی رکھ لی۔ پھر سر سے اشارہ کیا کہ میں جا رہا ہوں۔ آپ کچھ دیر کے بعد آجائیں۔

راجہ نے شاہ کو جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کی ہانہ پکڑ لی۔

کچھ دیر کے بعد جب میں پہاڑ کی لوٹ میں پہنچا تو دیکھا کہ قدرت ایک چتر بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔ سانس آکھڑا ہوا۔ رنگ زرد تھا۔ ارے یہ آپ کو کیا ہوا۔

کنے لگا: انہوں نے ہمیں دیکھا تو نہیں۔

پتہ نہیں میں نے کیا لیکن آپ خوف زدہ کیوں ہیں۔

ہولاء! اسے تو اپنا ہوش نہیں۔

اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔

یہ مہذب لوگ بہت طاقتور رہتے ہیں۔ لیکن انہیں سدھ بدھ نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں ان جانے میں کیا کردیں۔

کبھی کسی طاقتور مہذب کے پاس نہیں جانا چاہیے۔

مہذویت

میں خود مہذویت سے بہت خائف تھا۔

بھائی جان نے ایک مرتبہ مجھے بھری نگاہ اپنے چھوٹے بیٹے پر ڈالی تھی۔ وہ چار دن شرم میں

مہذویت کی حالت میں گھومتا پھرتا تھا۔

مجھے شعور تھا کہ مجھ میں مہذویت کا عنصر موجود ہے۔ اس لیے میں خائف رہتا کہ سائیکس انڈس یا بھائی جان کی ایسی نظر نہ پڑ جائے کہ میں کپڑے پہنا کر باہر نکل جاؤں۔

پھر مجھے ڈاک کے ذریعے ایک خط ملا۔ لکھا تھا: شرمے مہذویت کا خطرہ نکل گیا۔ خط میں نہ لکھتے واسے کا نام پتہ درج تھا نہ شکر کا نام۔ لٹا لٹا پر جو مرگئی ہوئی تھی وہ پڑھی نہیں جاتی

مگر بیچ کر میں نے بڑی کوشش کی کہ یہ بات بھول جاؤں۔

سوچا محشر نے مذاق کیا ہے، اگرچہ محشر کا قاضی صاحب سے میل ملاپ ضرور ہے، لیکن محشر ان کا پالکا نہیں ہے۔ اس لیے محشر کے اس اعلان کو ثابت دینا سراسر حماقت ہے۔

بیزسویہ

پھر اتفاق سے کوئٹہ کا ایک مشہور بہت روزہ پرچہ بیزسویہ لگا گیا۔ یہ ایک خصوصی اشاعت تھی جس میں تمام تر مضامین قاضی صاحب سے جھٹکتے تھے۔

پرچہ پرچہ کر مجھ پر لاؤ سر نو گورنمنٹ طاری ہو گئی۔

کوئٹہ کے مشہور صحافی محمد جعفر شریف نے بڑا لفظوں میں قاضی صاحب اور محشر کے باہمی تعلق کا وضاحت سے یوں اظہار کیا تھا۔

ایسا قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں کوئٹہ میں ان کے عقیدت مندوں کو پانڈیالی کا شرف محشر صاحب قبلہ کے توسط سے حاصل ہوا تھا۔ گویا محشر صاحب قبلہ کوئٹہ میں ان کے ہاتھ کردہ نماز کے تھے۔ محشر صاحب اس وقت بھی صاحب علی تھے۔

جنہیں وہ مناسب سمجھتے تھے۔ ایسا صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے اور ان کے لیے دعا کی درخواست کرتے۔

ایسا قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچنے کی روایت لاہور دارالافتاء دارالافتاء کے محشر نمبر کے لئے انہوں نے اپنے مضمون میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اس لیے اس کا درجہ مناسب نہیں، قاضی صاحب نے مجھے اپنے حلقہ میں شامل کر لیا تھا اور اس کی اطلاع محشر صاحب کے ذریعے ہوئی۔ غالباً ۱۹۵۴ء کے لاہور میں مجھے محشر صاحب کے ساتھ قبلہ ایسا صاحب کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہونے کا موقع ملا، اس کے بعد مسلسل محشر صاحب قبلہ کے ساتھ اور کبھی محشر صاحب کی اہانت سے ایسا

صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اپنی ذاتی..... پریشانیوں اور مصائب سے بچنے کے لیے ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہوتے رہے۔

یہ مضمون چھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ سیدہ عاقدرت کی طرف بھاگا۔ اسے میں نے سارا قصہ سنایا۔

میری بات سن کر وہ گھبرا گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا، پھر کہنے لگا، آپ کے پاس قاضی صاحب کی کوئی تصویر ہے۔

میں نے کہا، تصویر تو نہیں۔ البتہ بیزسویہ میں ان کا ایک چھپا ہوا ہے۔

وہ لے آئے، وہ بولا۔

میں پرچہ لے کر آیا تو وہ غور سے تصویر دیکھا، پھر کہنے لگا، یہ تو بہت طاقت ور مہذب ہیں۔ بہت طاقتور۔ یہ پرچہ ہمیں رہتے دیں۔ اس پر مجھے اطمینان ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب قدرت اور میں لاہور اشفاق کے ہاں غمرے ہوئے تھے تو مجھے پتہ چلا کہ محشر لاہور آیا ہوا ہے۔ اور سعادت کے گھر گھبرا ہوا ہے۔

سعادت کے گھر کا پتہ لگا کر شاپ اور میں محشر کو ملے گئے۔

محشر کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ محشر نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔

ایک نجف و نزار آدمی ظلی آنکھوں سے فضا کو گھور رہا تھا۔

شاپ کو دیکھ کر اس نے افسس کی کوشش کی۔ لاؤ گزلیا۔

وہ آدمیوں نے بڑھ کر اسے سارا دیا۔ اس کی ناگہان لاؤ گزلا رہی تھیں۔

محشر نے رخصت ہونے کے بعد جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو میں نے شاپ سے کہا، یہ وہ محشر نہیں تھا جسے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔

شاپ نے انہیں میں سر ہلایا۔ بولا، لگتا ہے مجھے رخصت ہوتے وقت قاضی صاحب نے اپنی حقیرانہ کی سرپرستی دے دی ہے۔ یہ اتنا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے۔

کچھ دیر کے بعد خبر لائی کہ محشر کو قلعہ ہو گیا ہے۔

وہ سال وہ چار پائی پر بے حس و حرکت سمیڑی کے عالم میں پڑا رہا۔ پھر فوت ہو گیا۔

بھری میں نے مجھے ملی ماراں کے حاجی رفیع الدین کی خدمت میں بیعت کے لیے بھیجا تھا اور میں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حاجی صاحب نے فرمایا تھا 'جاؤ والدہ صاحبہ سے کہہ دو کہ جس بات سے وہ خوف زدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی' واصل اڑے کی 'میکل ہو گی۔ پھر جب واصل چھٹ جائے گی تو انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں گے۔ رخ بدل جائے گا' سب ٹھیک ہو جائے گا اس وقت میں نے سسر بھرا تقصد لگایا تھا۔ ہونہ۔ اچھے لوگ' رخ۔ تقسیم سے بہت پہلے جب میں بی اے کا طالب علم تھا اور ہم لاہور میں شپ شپ لکیت میں رہا کرتے تھے تو میں ایک ہومیو پیتھ سے حصارف ہوا تھا۔

ڈاکٹر ہومیو مسعود

جس گلی میں میں گوریوں سے ملے چایا کرتا تھا وہاں ایک دوکان میں ایک صاحب بیٹھے ہوتے تھے۔ میرے ہند ایک کتابیں پڑی ہوئیں۔ اناری میں ہند ایک شیشیں اور کرسی کے پاس ایک بیگ۔

ان کی شخصیت میں دو باتیں بڑی نمایاں تھیں 'اکہاری' مجر اور خدمت۔ ایک روز میں نے مجھے ملک سے پوچھا 'جو اسی گلی میں رہتے تھے کہ یہ کون صاحب ہیں کیا بیٹے ہیں۔

مجید ملک بولا 'یہ ڈاکٹر مسعود ہیں۔

میں نے کہا 'ڈاکٹر دیکھتے تو نہیں۔ ڈاکٹر تو منہجہ مردوڑ کر بیٹھے ہیں۔ یہ تو درویش نظر آتے ہیں۔

کہنے لگا 'یہ ہومیو ڈاکٹر ہیں۔

وہ کیا ہوتا ہے۔ ہومیو' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا 'ہومیو طبی ایک طریقہ علاج ہے۔ مجھے خود تو علم نہیں کہتے ہیں کہ ہومیو طبی درویشانہ طریقہ علاج ہے۔

پھر تو ڈاکٹر مسعود بڑا موزوں معالجے میں نے سواہ۔

ان دنوں میں نے ڈاکٹر مسعود کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ پہلے ہومیو پیتھ تھے۔ جنہوں نے



ڈاکٹر نقیشت



ڈاکٹر مہاراج پیدائش امراض

ڈاکٹر مہاراج پیدائش امراض

یہ طریق علاج لاہور میں رائج کیا تھا۔

ہمارے ایک سال بعد میرے والد نے ایمریس پارک میں مکان خرید کر لیا۔ ایمریس پارک کو

مگر سے ملحق تھا۔ شاہو کی گڑھی جانے کے لیے ہم محمد عمر سے اس سڑک پر پہنچنے سے تھے آن
کل علاج اقبل روڈ کہتے ہیں۔

ایک روز میں نے دیکھا کہ علامہ اقبال روڈ کی ایک دوکان پر ڈاکٹر مسعود بیٹھے ہیں۔ ظاہر تھا
کہ انہوں نے کئی چھوڑ کر سڑک پر اپنا عمل بنالیا تھا۔

ایک روز جب وہ فارغ بیٹھے تھے تو میں ان کے پاس جا بیٹھا۔

میں نے کہا 'ڈاکٹر صاحب یہ ہومیو پتی کیا طریق علاج ہے۔'

کہنے لگے 'یہ ایک فریڈن طریق علاج ہے۔ جو ہمارے ملک میں اور ہمارے مزاج کے لیے
بہت موزوں ہے۔'

میں نے کہا 'جب آپ گوانڈی کی ایک کھلی میں پرکیش کرتے تھے تو میں نے مجید ملک
سے پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ درویشانہ طریق علاج ہے۔'

ہاں وہ بولے 'یہ سچ ہے اس طریق علاج کا موجد ایک درویش تھا۔ اس طریق علاج کے
اصول ایسے ہیں جو صرف ایک درویش کو سوجھ سکتے تھے۔'

میں نے کہا 'آپ میں تو اتنی انکساری ہے' مجھ سے یہ کیا اس طریق علاج کی دین ہے۔
وہ ہنسنے لگے 'گوئی بھی طریق علاج ہو۔ معالج میں مجزو انکساری نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔'

بات نہیں بنتی کا مطلب 'میں نے پوچھا۔
کہنے لگے 'معالج شفا بخشا ہے۔ اگر اس میں مجزو انکساری نہ ہو تو وہ خدا بن جاتا ہے۔'

ڈاکٹر مسعود سے دو ایک ملاقاتیں ہوئیں اس کے باوجود مجھ میں ہومیو پتی کو جاننے کی
خواہش پیدا نہ ہوئی۔ اگر اس روز کوئی شخص مجھ سے کہتا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تو ہومیو
پتی کا بہت بڑا پھارک ہو گا تو میں قہقہہ مار کر خنس دیتا۔

چند ایک سال بعد وہ دن آیا جب گورے ڈاکٹروں نے مجھے ہر ملاکہ دیا تھا کہ تمہاری بیوی کا
اندھ کر گل کیا ہے اور وہ چند روز کی مہمان ہے اور میں اتفاقاً 'دو مہینے' کے ڈاکٹر محمود کے پاس چلا
گیا اور محمود کی ایک بیوی نے میری بیوی کو صحت عطا کر دی تھی۔ اس وقت مجھے علم نہ تھا کہ محمود

الٹی چرخ

ایسے ہی تقسیم کے بعد اشفاق حسین ہومیو ڈاکٹر محمود کے سامنے سائل کی حیثیت سے
استاذہ تھا۔ یہ لاہور کی بات ہے۔

بیٹہ جانو، محمود نے اشفاق حسین کو حکم دیا تھا اور اشفاق حسین بیٹہ گیا تھا۔

وہ آٹھ دن محمود کے عمل کی بچ پر بیٹھا رہا تھا۔

روز محمود مریضوں کو دیکھا 'انہیں دو انیکل دتا اور جب عمل کے بند ہونے کا وقت ہوتا تو وہ
اشفاق حسین سے کہتا 'اب تم جانو۔ کل آئے۔'

آٹھ دن اشفاق حسین محمود کی حاضری دیتا رہا۔

اشفاق حسین ایسے سلوک کا بادی نہیں تھا۔ لیکن وہاں بیٹھے پر مجبور تھا۔

اس کی سرپٹ چال بچین لی گئی تھی۔ اسے پیدل کر دیا گیا تھا۔ اس کی طبی جرأت منظور ہو
چکی تھی۔ اس کی جگہ انڈرٹن اور خوف نے اس کی شخصیت کو بکڑ لیا تھا۔ اشفاق حسین میرا
لنگوٹیہ پار ہے۔

ایلو بیٹھی نے اشفاق حسین کو بولب دے دیا تھا۔ ان کے پاس اشفاق حسین کے لیے کوئی
دوا نہ تھی۔

اشفاق حسین ایلو بیٹھی کا دلدادہ تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک ڈپٹری بنا رکھی تھی۔

اشفاق حسین نے اس تبدیلی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں میں جیوں گے۔ ایکسپلر پر پاؤں
رکھ کر جیوں گے۔ بریک کی ایلی کی تھی۔ اسی اسیر پر وہ محمود کے عمل میں آٹھ روز بیٹھا رہا تھا۔

نودیس دن جب محمود عمل بند کرنے لگا تو اس نے اشفاق حسین کو پاس بلایا 'مگر سامنے پڑی
ہوئی شیشیوں سے ایک شیشی نکلی۔ ایک خوراک نکلی۔ بولا 'مہنہ مکول۔ اشفاق نے منہ مکول۔'

محمود نے دوا اس کے منہ میں ڈال دی۔ بولا 'جا بیٹہ جا' آدھ گھنٹہ اسی بچ پر بیٹھا رہا۔ جو جو کچھ تو
محسوس کرے مجھے بتاتا جا سکے۔ میں تجھے انڈر آپزرویشن رکھوں گا۔

آدھ گھنٹہ اشفاق حسین وہاں بیٹھا رہا۔

آوردہ کنندہ محمود اس پر لکھیں بتائے بیٹا رہا۔
کیا ہوا؟ محمود نے آگے بڑھنے کے بعد پوچھا۔
اشفاق حسین نے سرنگی میں بلا دیا ہوا، کچھ بھی نہیں ہوا۔
کچھ بھی نہیں ہوا؟ محمود حیرت سے منہ میں گرہاں جکڑ چکا تھا۔ گٹ آؤٹ۔ تمہارے
اندہ کوئی اٹل چٹنی لگی ہوئی ہے؟ جو دو اکھام کرنے نہیں دیتی۔ دو اکھامے اڑا کر دیتی ہے۔ چاند بھر
ریں گے۔ تانہ ہمارا وقت ضائع نہ کرے۔

اشفاق حسین، محمود اور ہومیو پیٹھی کو کانپیں دیتا ہوا مگر آہستہ
اس وقت اسے علم نہ تھا کہ ایک روز وہ اپنے ہومیو پیٹھ میں بیٹھا ہو گا۔ اور اس کے گرد
مریضوں کی بڑی گلی ہو گی۔ اسے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ لوگوں میں شفا پانے کا، نہیں خود شفا سے
محروم رہے گا۔ اور اس کے اندر بھی ہوئی چٹنی جوں کی توں اٹنی چلتی رہے گی جو دو اکھام
ہلانے میں دے گی۔

ہومیو پیٹھی سے باغی ہو کر اشفاق حسین واپس ایلیہ پیٹھی میں چلا گیا۔ 'ایلیہ پیٹھی کے مصلحت
اس کا علم اور تجربہ وسیع تھا، جوانی میں ہی اس نے ایمن ایڈوائس گھر میں ایک انرجی ڈیپنری
کھول رکھی تھی۔ کھان میں کسی کو تکلیف ہوئی تو وہ اشفاق حسین کی ڈیپنری میں آ جاتا۔ وہاں
دوا سنت لیتی تھی۔

نیدی

پھر جب ہم کرشن نگر کے لولی لان میں مقیم تھے تو اتفاقاً "نیدی سے ملاقات ہو گئی۔ نیدی
ایک ہومیو پیٹھ تھی۔ اس نے گھر میں ہی مصلحت کھول رکھا تھا۔

نیدی بہت ہوشیار تھا۔ کسی کام کاغ کے قتل نہ تھا۔ ہاتھ کاچنے تھے۔ آنکھوں میں پٹائی نہ
ہونے کے برابر تھی۔ اور گردن ایک دھندلا سا چھپلا رہتا تھا۔ اسے پیرہ کمانے سے دلچسپی نہ تھی۔
اس نے میز پر ایک پیالہ رکھا ہوا، جس میں ہر مریض دو آگے ڈال دیتا تھا۔ اس کے گھروالے
نیدی کے اس فعل پر بہت برہم تھے۔ کہتے تھے "وہ بڑا صاحب نے یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے۔ سارا
دن مریض کھانے کے روتے ہیں۔ پڑیاں ہلاتے روتے ہیں۔ آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے۔

میں نے ایک دن پوچھا "نیدی جی سی ایم ایچ سے مریض آپ کی طرف کیوں بھیجے جاتے
ہیں۔
کہتے تھے "اس لیے کہ وہ امراض کا حقیقی علاج ہمارے پاس موجود ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی وہ
دل اور گردے کے مریض بھی دیکھ کر کیا کریں گے۔

ابتدائی ایام میں جب میں نیدی سے ملتا تھا تو اس کی ٹانگ پر ایک ہاتھس کی تیلی لپٹی ہوئی نظر
آتی تھی۔
میں نے پوچھا "یہ کیا چیز ہے۔

ہوا "ٹانگ سے ایک کیرا نکل رہا ہے اسے لارڈا کہتے ہیں۔ اسے میں ہاتھس کی تیلی پر لپٹا دیتا
ہوں۔ روز تو کھانچ لگا رہا ہے۔ اگر یہ سارا نکل آیا تو پھر اس مرض کی آکسیر دوا دیں جائے گی۔

اور اگر ٹوٹ گیا تو؟ میں نے پوچھا۔
ٹوٹ گیا تو اپنی رخصتی ہو جائے گی۔ یہ مرض منگ ہے۔
پھر تو یہ بڑا سیریس معاملہ ہے۔



وہ ہنسا ہوا، میں ہم نے تو اب جاننا ہی ہے۔ آج میں تو کل۔ کچھ لو ہم کو یاد ہے۔

پچھنے میں انتظار کر رہے ہیں کہ کب گاڑی آئے۔

میں پتہ کیسے پٹے گا کہ شخصیت پر اثر ہوا ہے۔

کننے کا آپ خود آکر رپورٹ کریں گے۔

meern

پوالہ سسٹم روحانی سسٹم معلوم ہوتا ہے۔

آپ کس بنا پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

© Oneurdu.com

ہو میو شمشکی کے اس الجاز کو دیکھ کر بھی مجھے ہو میو شمشکی کو جاننے کی خواہش

meern neurd.com

زندگی میں میں نے ہومیو پتھی کے پوسے پوسے مجھے دیکھے تھے، لیکن اس سسٹر کو جاننے کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی، لیکن اس چھوٹی سی بات نے میرے دل میں ہومیو پتھی کو جاننے کا جنون پیدا کر دیا۔ جن دنوں میں ہومیو پتھی پڑھ رہا تھا، اشفاق حسین کراچی سے اسلام آباد آیا۔ اشفاق حسین میرا پرانا یار تھا۔

اپنا اپنا محلہ

اگرچہ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہے تھے، لیکن اشفاق حسین سے میرا رابطہ نہیں ٹوٹا تھا۔ جب میں نیا نیا پنڈی آیا تھا تو اشفاق حسین کیسٹ پور کے کورسٹ کالج میں پیکچر تھا اس کی طبیعت میں وہی رعینہ تھی، وہی ایڈیٹر تھا، وہی باتوں کی پہلوئیاں تھیں اور وہی موسیقی کی نگہیں ان کے علاوہ وہ سپورٹس میں بن چکا تھا۔ کالج میں ٹینس کا بہترین کھلاڑی تھا۔ مگر میں

اشفاق حسین ایمن آباد کے شیون میں سے ہے۔ تقسیم کے بعد سارے شیخ کراچی چلے گئے تھے اور انہوں نے چند ایک سال میں کراچی کا آٹوموبائل سے متعلقہ بزنس اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور وہ سب کچھ جیتی ہو گئے تھے۔

اشفاق حسین کو روپیہ جوڑنے سے نہیں بلکہ خرچ کرنے سے دلچسپی تھی اور جسے روپیہ جوڑنے سے دلچسپی نہ ہو وہ بزنس میں نہیں بن سکتا۔

غالباً وہ کراچی اس لیے چلا گیا کہ وہ پروفیسری میں مغلیہ ٹھانڈے سے نہیں رہ سکتا تھا اور مغلیہ ٹھانڈے سے زندگی بسر کرنا اس کی واحد آرزو تھی۔

بہر حال بزنس میں اس نے کئی پاپے پیلے روپیہ بھی کمایا۔ مگر اس کام میں اس کا جی نہ لگا۔ پھر اسے چھوٹا بخار رہنے لگا۔ آٹھ دس ماہ اس نے کراچی کے تمام سپیشلسٹ چھان مارے،

meern

میں نے کہا 'ہتھیار ڈال دینا تو ہر حلیم کر لیا ہے۔
 بالکل 'قدرت بولا' عام باتوں میں ہتھیار ڈال دینا کثرت ہوتی ہے لیکن کثرت کے ساتھ ساتھ
 میں ہتھیار ڈالنا فتح ہوتی ہے۔ ہتھیار ڈال دو اور جیت پاؤ، سبھی ہو چلا۔

قدرت اللہ کا یہی فلسفہ تھا جس پر وہ زندگی بھر محال رہا کہ ہتھیار ڈال دو۔ بچے دل سے
 ہتھیار ڈال دو۔ ہار چلا بچے دل سے ہار چلا۔ کوئی بحث کرے تو بولا "بحث نہ کرو" بات نہ بڑھاؤ۔

اس کی بات مان لو۔ کوئی الزام دھرے تو اسے حلیم کر لو اپنی پوزیشن صاف نہ کرو۔ مان جائے
 میں بڑا سکھ ہے اور سکھ جیت کا دوسرا نام ہے قدرت اللہ کہتا تھا "دوسروں کو سکھ پہنچاؤ گے تو
 آپ خود بخود سکھی ہو چلا۔ مفت میں۔

شدت

قدرت کا فلسفہ نہ اشفاق حسین اپنا سکھاتا نہ میں۔ اشفاق حسین کے راستے میں میں مائل
 تھی۔ میرے راستے میں میری طبیعت شدت۔

بچپن سے ہی میں شدت کا مارا ہوا قلم میری طبیعت شدت سے سبھی غلاں تھے۔ پاؤ، اشفاق
 احمد، نکسی، میری بیوی 'قدرت۔ اگرچہ قدرت نے نکسی اس کا تہدار نہیں کیا تھا لیکن بات کہہ
 چھپی راتی ہے۔

قدرت نے میرے حلقے جو پہلا جملہ لکھا تھا اس میں ہی بات کھل گئی تھی۔ اس نے کہا تھا
 ممتاز ملتی کی دوستی ایک پھوڑا ہے جس کی ٹیٹوں میں لذت ہے۔

اس جملے کے مفہوم کو میں پورے طور پر نہیں سمجھا تھا آج تک نہیں سمجھ پایا۔
 اللہ زندگی بھر میں شدت کو ایک وصف کہتا رہا میں سمجھتا تھا کہ اگر جذبہ شدت ہے تو
 شدت ایک خوبی ہے۔

ساری زندگی میں شدت کو انعام سمجھتا رہا ملائکہ دو ایک بار قدرت نے بریکسل توڑا
 شدت کی خدمت کی تھی۔

ایک بار جب میں غفور صاحب کے جذبہ کے گمن کا رہا تھا تو قدرت نے کہا تھا "لو لو لو"
 ان میں توازن نہیں۔

کا مفہوم تو پتا چلا لیکن میں سمجھا یہ اصول صرف بزرگوں پر لاگو ہوتا ہے
 عام لوگوں پر نہیں۔

پھر اسی سہل کی عمر میں بیٹھے بٹھے مجھ پر انکشاف ہوا تھا کہ شدت چاہے خیر کی ہو۔
 ہر حال ایک تخریبی عمل ہے۔

رجینش

اس روز میں اشفاق احمد کے گھر میں بیٹھا قلم اشفاق نے کہا "بچے ایک چیز سنائوں۔
 میں نے کہا نکسی ہے۔

بولتا "سن لے پتہ چل جائے گا۔
 اشفاق نے ریڈیو پر ایک کیسٹ لگا دیا۔

کوئی غصہ بول رہا تھا ارے "یہ کون بول رہا ہے۔ کیسے بول رہا ہے۔ مدھم۔ بیٹھا کیا
 لے ہے۔ کیا انداز ہے۔ بات کلن سے سیدھی دل میں اتر رہی ہے۔

کون ہے یہ "میں نے پاؤ سے پوچھا۔
 بولی "رجینش۔

کون رجینش۔ وہ جو امریکہ میں پڑھتا بیٹھا ہے۔ امریکی دھڑ دھڑا اس کے مرید بن رہے
 ہیں۔

دبی، اشفاق بولا۔
 کیا وہ جو قری ٹیکس کا قاتل ہے۔

ہاں دبی۔
 نہیں میں نہیں جانتا۔ جیسی مغفرت میں اتنی مٹھاس اتنا آڑ۔ رجینش کے اس ٹاک کا

موضوع شدت تھا۔
 میں وہ کیسٹ سن رہا تھا بار بار سن رہا تھا۔ اور میں نے زندگی میں پہلی بار جانتا کہ شدت

قیہری عمل نہیں ہے۔
 پھر مجھ پر رجینش کے کیسٹ حاصل کرنے کا جنون طاری ہو گیا اشفاق احمد نے اس سلسلے

اشفاق احمد کی عادت ہے کہ وہ ایسی چیزیں سنبھال کر رکھتا ہے جو دوسروں کو حیران کر دیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایسی باتیں یا چیزیں عام کر دی جائیں۔ اس کے برعکس میری یہ عادت ہے کہ کوئی ایسی نئی چیز یا بات مجھے مل جائے تو میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہوں 'کو' 'آج' یہ دیکھو یہ کیا ہے۔ ہر معاملہ میں نے بڑی مشکل سے رنجش کے چند ایک کیسٹ حاصل کر لیے اور انہیں نئے لگا' سنائے لگا۔

جب کبھی میں کیسٹ سن رہا ہوتا اور قدرت اللہ آجائے تو رنجش کو سن کر اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر چھا جاتا تھا۔

بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس قدر محاسن بھری آواز 'مہم انداز اور دل میں اتر جانے والے بول۔ پھر ناگواری کیوں۔

ایک دن میں نے قدرت سے کہا۔ رنجش نے مجھے اتنی بڑے حقیقت کا احساس دلایا ہے کہ شدت قہری چیز نہیں ہے۔

ہاں 'وہ بولا' ساتھ ہی اس نے آپ کے جذبے میں مزید شدت پیدا کر دی ہے۔

چھوٹا اور بڑی

چھوٹا

عصم دروازہ ہوا کہ اس نے جان لیا تھا کہ قصہ درحقیقت دوسرے کی خطا پر خود کو سزا دینے کا نام ہے۔ خود کو چائی میں ڈال کر بلوٹنے کا عمل ہے۔ جان لینے کے باوجود جان لینے کے باوجود آج تک خود کو چائی میں ڈال کر بلوٹنے پر مجبور ہے۔

اس کے غصے کے کراؤں سے منع ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ نے اسے کچھ کہہ دیا۔ جواب میں وہ جی ہاں! جی ہاں! کہتا رہا۔ مگر کچھ بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ آپ نے تو یہ کہا تھا "میں آپ نے یہ کہہ کر اس کی توہین کی تھی۔" جواب میں اسے جی ہاں نہ کہنا چاہیے تھا۔ دماغ اسے قصہ آجائے گا، خون سر کی جانب پورش کرے گا، کپٹیاں بیٹھے گلیں گی، ذہن میں آگ لگ جائے گی، ذہنی دھچکا مشقی شروع ہو جائے گی۔

اسے کبھی موقع پر دوبارہ قصہ نہیں آیا۔ لہذا تو "تو" میں میں "نہیں ہوئی" باقائے باقی کی فوج نہیں آئی۔ اس کا قصہ کمزور اور زور پرک آدمی کا قصہ ہے، بے بسی کا اظہار ہے۔ ہاں! اگر ذہنی دھچکا مشقی کے فوراً بعد آپ سامنے آ جائیں تو دوبارہ اظہار ہو جائے گا۔ شرک سے غصے کی برقت مکمل جائے گی۔

عورت

عورت کے متعلق ممتاز مفتی کا رویہ کٹھن مطالعہ ہے، جسے انگریزی میں لوہیت ریلیشن شپ Love Hate کہتے ہیں۔ مفتی میں ایک ریڈیو ارم کار میجر لگا ہوا ہے۔ قرب و جوار میں کوئی عورت آجائے تو وہ تک تک کرنا شروع کر دیتا ہے اور اگر آنے والی باگی تار ہو تو ٹٹوں ٹٹوں کر لگتا ہے۔

ممتاز مفتی کو ہر عورت سے عشق ہے، بظاہر رنگ اور خدو خصل۔ چنے سفید رنگ پر تو اس

انہوں کے ساتھ نہیں کھلے گا۔ چھوٹے ٹٹ کے درمیان ایٹم بوم محسوس ہوگا یا تو جی حضور یا ہوتا ہے چڑا سب کو سلام کرنا اس کی پرانی عادت ہے۔ اگر کے ساتھ اس کا برکتو یا تو جی حضور یا ہوتا ہے اور یا کچھ کچھ۔ ممانہ روی سے محروم ہے۔ جی حضور یا ہو تو سراسر جی صاحب! جناب عالی!!

جسے اچھا سمجھ لے پھر اس کی ہر بات میں اچھا نظر آتی ہے۔ وقت یہ ہے کہ جسے برا سمجھو اس میں بھی اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ پھر اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ جسے میں اچھا نہیں سمجھتا اس میں اچھائیاں کیوں نظر آتی ہیں؟

شدت

ممتاز مفتی میں شدت ہے۔ اس شدت کا قیاس کچھ زیادہ ہی گاڑا ہے۔ ایک عالم کسی حکیم صاحب کی دکان پر گئے۔ پوچھا "آپ کے پاس "شعیرہ" ہے؟ حکیم نے جواب دیا "جنت! شیرا تو ہے پر اتنا گاڑا نہیں۔ ممتاز مفتی کی شدت شین والی شدت نہیں، شے والی شدت ہے۔ زندگی بھر وہ شدت کو وصف سمجھتا رہا۔ اس پر باز کرتا رہا۔ لہذا غصے سے کرا دلوں سے الگ رہا۔ سمجھتا رہا کہ جس میں شدت ہے "اس میں غلطی ہے" سچائی ہے۔ اناسی سال کا ہوا تو پہلی بار اس نے جانا کہ شدت وصف نہیں، صوب ہے، رکوت ہے اور لہذا غصے سے جسے لوگوں کے دم کرم سے زندگی ہری بھری ہے۔ یہ بات پہلے اس نے رنجش کے منہ سے سنی، جو جنسی آزادی کا پر ہمارک ہے اور اسی وجہ سے رسوائے زنانہ ہے۔ رنجش کی زبان میں مطلقاً جی "مخترقا" تار تھا۔ ممتاز مفتی نے رنجش کی بات سنی، جان لی۔ دل سے سن لی، لیکن اسے ملامت

Oneurdu.com

کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر غائب ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ "آئینہ دیکھ پائے تو اسے دھکا لگتا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اس غیر معزز روئے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پڑائیں حاصل تھیں جسے عقل و فکرم کما جائے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، ابھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پڑوسن کی بے حیائی کی بات پر بھی کان نہیں دھرا۔

گھر میں کسی کو لوب سے "خصوصاً" اس کی تحریروں سے دلچسپی نہیں۔ بیوی کہتی ہے "میں خود بخود جھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو؟ ایک انٹرویو میں کسی صحافی نے اس کی بیوی سے پوچھا "تپ کے میاں میں کوئی خوبی تو ہو گی جو آپکو پسند ہے۔ جواب میں بیگم نے کہا "کوئی ہو تو بتائیں گاؤں کی بے بی نہیں۔"

دراصل مفتی کو توجہ دینے کے لیے وقت نہیں ملتا اسے بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ کچھ ہانڈی روٹی کے لیے، کچھ لوب کے لیے۔ جو وقت بچتا ہے وہ ہومیو پتھی کھا جاتی ہے۔

اللہ میاں

اللہ میاں سے مفتی کے تعلقات ازلے پڑتے رہے ہیں۔ بچپن میں وہ اللہ سے خوف زدہ رہا۔ کچھ تھا کہ اللہ نے ایک بھٹی کھا رہا تھا، کچھ میاں سوٹا پکڑ رکھا ہے اور جو بھی آتا ہے اسے سوٹا مار کر بھٹی میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ کہہ کر وہ اللہ سے منکر ہو گیا، کچھ اللہ کی بے لوثی کرنے میں لذت حاصل کرنے لگا۔ جب وہ پچاس سال کا ہوا تو ایک بزرگ نے اس پر رقت طاری کر دی۔ چائیں کیا ہوا۔ اس کا رخ بدل گیا۔ دل اللہ سے ڈال ڈال "پت پات میں اللہ نظر آئے لگے۔ آج کل وہ حیرت میں ڈوبا ہوا ہے کہ اللہ اس پر اس قدر مہربان کیوں ہے؟ قدم قدم پر اس کی مدد کیوں کرتا ہے؟

فرقت کے وقت وہ اللہ کو پاس بٹھا کر اس سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ کلام کی باتیں نہیں، دوسرا دوسری گپ شب: اللہ تجھے پتا ہے آج مجھے ایک لڑکی کا خدا ملا ہے۔ بڑی باگلی لڑکی ہے۔ کھتی ہے "جو تو اٹلی ہے تو میں بھی اٹلی ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ آج کل مفتی کی کتابوں میں اللہ

کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر غائب ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ "آئینہ دیکھ پائے تو اسے دھکا لگتا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اس غیر معزز روئے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پڑائیں حاصل تھیں جسے عقل و فکرم کما جائے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، ابھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پڑوسن کی بے حیائی کی بات پر بھی کان نہیں دھرا۔

ممتاز مفتی اذلی طور پر اکیلا ہے۔ اکیلے وہ جسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو جان بوجھ کر الٹرا "انگ رہتا پسند کرتے ہیں۔ محفل لگ جائے تو وہ بے نہیں، تیرتے رہتے ہیں، دوسرے وہ جو محفل سے گھبراتے ہیں، "کھڑتے ہیں۔ اکیلے میں سالم محسوس کرتے ہیں، محفل میں دھورے۔

اگر آپ ممتاز مفتی کو ایک کمرے میں بند کریں، جہاں اس کی ضروریات اسے ملتی رہیں تو بے شک چھ مہینے کے بعد آکر دروازہ کھولیں "ممتاز مفتی یوں ہشاش بشاش بیٹھا ہو گا جیسے ابھی ابھی روز گارڈن کی سیر کر کے آیا ہو۔

اس نے زندگی بھر باقاعدہ ورزش کی ہے نہ سیر کی ہے۔ پچھلے دنوں "واکنز" کہا آپ کو چاہیے کہ باقاعدگی سے ہر روز سیر کریں ورنہ آپ تیار ہو جائیں گے۔ مفتی نے کہا "واکنز صاحب" سوچ لیجیے کیونکہ میں نے زندگی بھر سیر نہیں کی۔ "واکنز" کہا "شور سیر کریں۔ مفتی نے دس دن سیر کی۔ مگر وہ تیار نہ کیا۔ وہ مینے پڑا رہا۔ فگنوں میں درد آج تک نہیں گیا۔

مفتی صمان لوازنی سے بڑا اڑک بک ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ڈرامہ کوئی آئے نہ جائے "وہ صمان لوازنی کیا کرے گا۔ وہ "واکنز" صمان سے چاہئے یا لٹریچر پڑھنا بھول جاتا ہے۔ صمان رخصت ہو جائے تو اسے یاد آئے گا کہ لوہا چاہئے کا تو پوچھا نہیں۔ لوگ انتظار کرتے ہیں کہ صمان آئے تو کھانا کھائیں۔ مفتی انتظار کرتا ہے کہ کب صمان جائے تو کھانا کھائے۔

مفتی نے عمر بھر کوٹھن کی ہے کہ اس کا بڑا بڑا ایسا ہے جو معزز لوگوں کا ہوتا ہے۔ مگر میں اس نے بھی خود کو بیٹھ آف جلی نہیں کھاتا۔ اسی وجہ سے اس کی تحریروں میں شوق ہے "بے تکلفی ہے" پچھلے ہے۔ اس نے بھی خود سے خود کو اپنے میں نہیں دیکھ جیسا آئینہ سامنے رکھے

کیوں خود لٹائی کر رہا ہے؟ محفل میں کوئی بات کروں تو کہتا ہے: کیوں زمانہ کی باتیں کرتا ہے؟
کھانے کو ناپسند کروں تو چلاتا ہے: شکرانہ شکر! اس کچیڑی مسلسل کتہ چینی کی وجہ سے مفتی
اپنی تحریروں میں جھوٹ میں بول سکتا مجبوری ہے۔

محبت

مفتی مفتی نے بڑی محبت کی ہیں لیکن بڑی دیر کے بعد اسے حقیقت کا شعور ہوا کہ
دراصل اسے محبت کرنے کے عمل یا کیفیت سے محبت تھی محبوب سے نہیں۔ "بیتے دیں
تصور جانیں کیے ہوئے" کی کیفیت سے محبت تھی محبوب کی اہمیت تو تھی لیکن محض۔

اس کے محبوب میں چند اوصاف کا ہونا لازم ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ رنگ گورا ہو۔
خود غل اہم نہیں۔ عمر رسیدہ ہو۔ خیال ہو۔ نور سب سے اہم بات یہ کہ محبوب میں ہر بات کی
واضح تفہیم یا دھونس موجود ہو۔ کسی نیک یا بدکار خاندان سے محبت نہیں لگا سکتا۔ آج کل
کی لڑکیاں اسے انجیل نہیں کرتیں۔ کہتا ہے: محبت لگانا ایک فن ہے۔ یہ کھلی مٹھی پکی لڑکیاں
بھلا کیا جانیں کہ محبت کیا ہے؟

مفتی کے نزدیک محبوب میں متنا کا ہونا ضروری ہے۔ متا بھرے لگاؤ کے ساتھ بے وفائی کی
دھونس کا ہونا بھی لازم ہے۔ اسے طوائف قسم کی عورت سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ نے دیکھا
ہو گا کہ اس کی کمائیوں میں طوائف کا بیادناڑہ ہوتا ہے۔

مفتی کا کہنا ہے کہ محبت میں چار مرحلوں سے گزرنا ضروری ہے: "ورنہ آپ کے کردار کی
تحقیق نہیں ہو گی۔"

۱۔ کسی سے ٹوٹ کر محبت کرنا۔

۲۔ کاپیالی ایسی کہ محبوب دل و جان سے جھینس لیتا ہے۔ تخت پر بٹھا کر مود چل کرے۔

۳۔ پھر تار مار کر تخت کے نیچے گر ادے تحلیل کرے۔

۴۔ اور آخر میں آپ محبوب سے بے نیاز ہو جائیں۔ دم مند مل ہو جائے "یوں جیسے کبھی لگا

ی نہ تھا۔

مفتی کے نزدیک کردار کی تحقیق کے لیے ان چاروں کیفیتوں سے گزرنا ضروری ہے۔

زبردستی آگھستا ہے۔ مفتی میں عقیدے کا فقدان ہے، عقیدت کی بھرمار ہے!
اللہ نہ کرے کہ مفتی کو آپ سے عقیدت ہو۔ ہو جائے تو آپ زنج ہو کر رہ جائیں گے۔
مفتی کو شکرگزاری کی بیماری لاحق ہے۔ قدرت اللہ شباب کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ وہ مفتی کی
عقیدت کا شکار ہے اور اس لیے مظلوم ہے۔

مفتی کو ویسب ہونے پر فخر نہیں ہے بلکہ مسذرت ہے۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ویسب
بنے۔ اتفاق سے بن گیا۔ تلی لگی۔ پھر تلی کا ایسا چمکا پڑا کہ آج تک گھسنے پر مجبور ہے۔

ادب

مفتی کو اردو نہیں آتی۔ اس نے کبھی اردو ادب کا مطالعہ نہیں کیا۔ جب اس نے لکھنا
شروع کیا تو اہل زبان بڑے ناراض ہوئے۔ انہوں نے شور مچا دیا: مفتی کو زبان نہیں آتی! بند
کرو! لکھنا بند کرو۔ وہ جھجکتے تھے۔ واقعی مفتی کو زبان نہیں آتی تھی۔ وہ کہتے رہے۔ مفتی لکھتا
رہا۔ اس نے لکھ لکھ کر اپنی زبان خود وضع کر لی۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مفتی کے لکھنے کا انداز
منفرد ہے تو اسے یقین نہیں آتا کیوں کہ اب بھی اسے زبان نہیں آتی۔

مفتی نے لکھ کر ادب پر کوئی احسان نہیں کیا نہ ہی خدمت کی ہے۔ انادب نے مفتی پر
احسان کیا ہے کہ اسے اہمیت عطا کر دی۔ زندگی بے مصرف نہیں رہی۔ وہ سوچنے والے ادب کو
نہیں مانا۔ کہتا ہے: ادب ہنر ہے سوچ نہیں۔ ادب کا مقصد انسان میں مثبت تبدیلی لگانا
ہے۔ ہمدردیاں پیدا کرنا ہے۔ سوچ کو ہنر میں بھگو کر پیش کرنا ہے "اگر تحریر میں تاثر نہیں"
اگر وہ قاری میں ہنر کی بھیک نہیں پائیں گے تو بے کار ہے۔

کچیڑی

مفتی کا بیان ہے کہ اللہ نے مجھ میں ایک کچیڑی لگا رکھا ہے۔ چائیں "اسے اللہ کی دین
کھوں یا بھاب؟ اس کچیڑی نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ یہ کچیڑی میری ہر بات پر اپنے
کو منہ دیتا رہتا ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے بتا دیجئے تو وہ جھج کر کہے گا:
کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ اگر میں کہوں کہ میں نے آپ کی اچھی کھائی کھلی ہے تو وہ بولے گا:

میں نے کہا: آج کل ہر جوان لڑکی کو ڈیڑھ پلٹن کے دورے پڑتے ہیں۔ جن کے حالات ناماز گاہ ہیں انہیں بھی۔ جن کے حالات سازگار ہیں۔ انہیں بھی۔ ایسا کیا ہے۔
 کہنے لگی: ہاں۔ یہ سچ ہے، لیکن ایسا کیا ہے، مجھے معلوم نہیں، جب وہ جانے لگی تو میں نے پریسٹیل بتا کر پوچھا: وہ صحیحی راسخ نہیں آئی۔ کیا نام ہے اس کا۔
 مسیحہ، وہ بولی: وہ شہزادی ہے۔ سن کی سوچ ہے۔ پھر موزا لنگی لگا کر لے گیا، پہلی گئی۔
 یہ سن کر میری دل میں اب گہری گنگائی۔ مسیحہ کے خلاف۔

دوا ضعیف دعا

کچھ دنوں کے بعد مسیحہ آگئی۔ کہنے لگی: میری ماں آئی ہوئی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
 تیار ہے کیا؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں تو وہ بولی۔
 پھر مجھ سے ملنا کیا چاہتی ہے۔
 بولی: مجھے معلوم نہیں۔ اہل کشتی جس دن سے وقت لے کر۔
 میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا: لڑکی میں کیا ہے، ماں اپنی کشتیوں کے لئے کے لیے وقت لینا پڑتا ہے۔

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی: اہل کشتی سے ملنا چاہتی ہے۔

ان دنوں میرے پاس لڑکیاں اور خواتین اکثر آیا کرتی تھیں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ موکی نسبت عورت زیادہ تیار پڑتی ہے۔ موزا تیار ہو جائے تو وہ بے کار ہو کر پڑ جاتا ہے۔ عورت تیار ہونے کے باوجود کام کم میں گئی رہتی ہے۔ قدرت نے اسے درگنگ صحت عطا کر رکھی ہے۔ وہ تیار کی کے ساتھ جینے کی ہمت رکھتی ہے۔

لیکن یہ ایسے میں لئے کی بات میری سمجھ میں نہ آئی۔

میں نے کہا: آپ مکمل راضی ہیں۔

بولی: آپ پھر کے ایک کواڑ میں۔ اس نے پورا پتہ دے دیا۔

محبت میں ممتاز مفتی بہت کینہ ہے۔ فراخ دل نہیں۔ اس کی محبت میں ملکیت کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اپنی لانا کی وجہ سے وہ خواہی اور پردگی کے عمل سے محروم ہے، اس لیے وہ شک و شبہات کا شکار رہتا ہے۔ محبوب کے غیب کے بارگشا رہتا ہے۔ شاید محبت کرنے سے اس کا مقصد یہی ہو کہ محبوب کے غیب کے حوض سے ہونے مار گئے، دل پر چوٹ لگتی رہے، ترپن جاری رہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ درد حد سے بڑھ جائے تو لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ شاید مفتی شک و شبہات اس لیے پاتا ہے کہ درد کی لذت حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

مفتی کو تقاضا ہے شدید غفلت ہے سینٹ اسمرٹھ Self Assertive خود پسند لوگوں سے وہ الگ ہے۔ اپنے لوگوں سے حتی الوسع دور رہتا ہے۔ کتا پتہ اتے اپنے نہ ہو کہ دوسرے میلے میلے نظر آئیں۔ اپنا گھونسل لٹاؤ نہ پھانساؤ کہ دوسرے بالائے نظر آئیں۔

مفتی کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر قدرت اللہ شباب نے ڈالا۔ اسے سنڑی سے تسلی ہوا اور حیرت کی بات ہے کہ تیس سال کی رفاقت میں قدرت اللہ نے اسے کبھی نصیحت نہیں کی۔ کبھی نہیں کہا کہ یہ مت کر۔

قدرت اللہ سے ملنے سے پہلے وہ کئی بولی رات تھا۔ اس سے ملنے کے بعد بھروسے بن گیا۔

بڑی

ان دنوں میں حادثہ مشہور کو ہومس دوائیں دیا کرتا تھا۔
 پریکٹس نہیں کرتا تھا۔ مفت دوا دیتا تھا اور جب دوا دیتا تو زیر لب کہتا: یا اللہ جس نے تو اپنا کام کر دیا اب تو جان اور تیرا کام۔

ایک روز دو لڑکیاں آئیں۔ ایک دہلی تھی۔ ساولی تھی، دوسری بھرسے جسم کی گوری۔
 دونوں ہی ڈیڑھ پلٹن کی ماری ہوئی تھیں۔ میں نے دوا دے دی اور وہ چلی گئیں۔

دس بارہ روز کے بعد چلی دہلی پھر آئی۔ وہ کالج میں بیگم رکھی تھی۔ میں نے اس سے کہا: مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا تو اس پر خوشی دل سکتی ہے۔

بولی: ہنس بات پر۔

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوئی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جانتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا ہلکا بولا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
اچھا میں نے کہا 'میں اکثر آپ پارے جانا دیتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آ جاؤں گا۔
اس روز میں نے غور سے مسجد کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر لٹر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
باد تار تھی۔

رزق بند

آپ بارہ سے واپس آ کر میں نے شاب کو فون کیا 'میں نے کہا 'ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
پوچھا کون ہے۔
میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ میں نے کہا 'آپ وقت دے دیں۔ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔

بولا 'اچھا کل جتاؤں گا۔

قدرت اللہ کی عجیب عادت تھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو وہ اس کے بارے میں فوری فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ بات کل پر ٹل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بات دیکھ کر بغیر فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں دیکھ کر کرتا تھا۔

اگلے روز وہ خود میرے گھر آیا۔ کہنے لگا 'آپ فارغ ہیں تو میرے ساتھ چلیے۔ مجھے آپ پارے جانا ہے۔ کام ہے ایک۔ واپسی پر اس خاتون سے بھی مل لیں گے۔

میں نے کہا 'آپ کا وہاں مناسب نہیں ہے۔ میں اس خاتون کو میںیں لے آتا ہوں۔
بولا 'میں وہیں مل لیں گے۔

ہم خاتون کے گھر پہنچے تو گھر والے حیران رہ گئے۔

شاب پٹنلی پر بیٹھ گیا۔ میں باہر نکل آیا۔ تاکہ خاتون اکیلے میں بات کر سکے۔

واپسی پر میں نے قدرت سے پوچھا کہ کیا کیس ہے۔

بولا 'اس کی مٹی کتنی ہے رزق بند ہے۔ افریقہ میں کسی خاتون نے جادو کر دیا ہے۔ میرا اہم اسے انکس ہے' لیکن ایک سال سے نوکری کی تلاش میں ماری ماری بھر رہی ہے۔ نوکری

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوئی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جانتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا ہلکا بولا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
اچھا میں نے کہا 'میں اکثر آپ پارے جانا دیتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آ جاؤں گا۔
اس روز میں نے غور سے مسجد کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر لٹر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
باد تار تھی۔

وہ آپ پارے کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے۔ کمرے میں کوئی مازو سلان نہ تھا۔ صرف ایک پٹنلی چھٹی ہوئی تھی۔ دوسرے کمرے میں چند برتن پڑے ہوئے تھے۔
گھر میں تین چار لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔
میں کشمیر تھی۔ بھیجی بھیجی سی۔ مٹا کے پیچھے اڑ رہے تھے۔ میں پٹنلی پر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

میں بولی 'مفتی جی ہمیں دعا کی ضرورت نہیں ہم تو دعا کی محتاج ہیں۔ ہمیں کسی صاحب دعا کا پتہ بتائیے کہ کہہ کر وہ رک لگی۔

پھر بولی 'خانا ہے شاب صاحب دعا ہیں اور وہ آپ کے دوست ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چلے میری سفارش کر دیجیے۔

یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا اکیلے میں کہنے کی بات تھی۔ میرے پاس تو بہت سے مسائل آیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں شاب صاحب سے ملو دیجیے۔

میں شاب کو فون کیا کہ تھا کہ شاب صاحب اب تو آپ کی پرنکس میں لگی ہے۔ اب تو فیس لگا دیجیے چلیے آپ کو گورا میں ہے تو مجھے ہی اجازت دیجیے کہ میں لانے کی فیس وصول کر لیا کروں۔

UrduPhoto.com

اس پر شاب ہنسنے لگا۔
ایک دن میں نے یہی بات دہرائی تو سیدھی سی بولی 'اگر واقعی آپ کو ضرورت ہے تو گا لچکے نہیں۔

UrduPhoto.com

نہیں مل رہی۔ تو دس پہلی نہیں ہیں۔ باپ بے تعلق ہوا بیٹھا ہے۔ گھر میں کمانے والی صرف مصیبت تھی۔

خدا حافظہ

آٹھ دس دن کے بعد مصیبت پھر آگئی۔ کسے غلی 'شباب' نے کہا تھا کوئی بات ہو تو ملتی صاحب کے ذریعے مجھے خبر کرنی۔

میں نے کہا پھر۔

بولی 'شباب' صاحب نے مجھے کچھ پڑھنے کو دیا تھا 'ملی' پر چلتی ہے۔ کیا میں بھی پڑھوں۔

میں نے کہا 'ملی' کب ہے میں پوچھ کر آتا ہوں گا۔

بولی ہم وہ فلیٹ چھوڑ رہے ہیں۔

کہاں 'میں' نے پوچھا۔

بولی 'انورہ' نہیں کر سکتے۔

پھر کہہ چلا گئے۔

کسے غلی 'میں' مندرجہ اعلیٰ جانے گی۔ وہاں ہمارا چھوٹا سا گھر ہے۔ اب ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ میری چھوٹی بہن یونسہ دکان میں فورتحہ انٹر کی طالبہ ہے۔ وہاں میں اسے ایک کمرہ ملا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس جا رہی ہوں گی۔ اگر وہاں مجھے رہنے کی اجازت مل گئی تو۔

ورنہ 'میں' نے پوچھا۔

ورنہ یہاں کسی لڑکی کے ہاں میں جگہ ڈھونڈ رہی ہوں گی۔

فلت کب چھوڑ رہی ہیں آپ۔

پرسوں 'وہ بولی' شرم تک۔

میں نے قدرت سے بات کی۔

اس نے کہا 'ہاں' میں بھی پڑھوں۔ 'خبر' کی کتاب کے بعد 'خاندانہ' ہو۔ 'انہیں' یہ اطلاع آج ہی

دے دیں۔ میں اسی روز اطلاع دینے چلا گیا۔

جب میں واپس آ رہا تھا تو مصیبت نے فلیٹ کے پردے سے جھانک کر کہا۔ خدا حافظہ۔

وہ خدا حافظہ گویا بندوبست کی گولی کی طرح میرے دل میں اتر گیا۔ ساری رات مجھ پر خدا حافظہ کی چاند ماری ہوتی رہی۔

اگلے دن میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کتاب کو 10 تو سطروں کے پردے سے جھانک کر کوئی کتنی خدا حافظہ۔ کتنے جیستا تو خیالات منتشر ہو جاتے۔ ایسے گنگا جیسے میں خدا ہوں اور مصیبت نے خود کو میری حفاظت میں دے دیا ہے۔

چاند ماری

دو ایک دن تو میں اس ذاتی کیفیت سے لڑتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیے۔ میں نے اشفاق حسین کو فون کیا۔ میں نے کہا 'یار' تو فارغ ہے کیا۔

اس نے پوچھا 'کیا بات ہے۔'

میں نے کہا 'میں' ایک لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں۔

بولی 'پھر۔'

میں نے کہا 'تو مجھے اپنی گاڑی میں بٹا کر لے چل۔'

بولی 'کہاں۔'

میں نے کہا 'یونسہ دکان میں۔'

یونسہ دکان میں پہنچ کر ہم نے آگیا لگایا۔ مصیبت کو تلاش کیا اور پھر وہیں یونسہ دکان کے علاقے میں ہم تینوں ایک چھپرے کے کنارے جا بیٹھے۔ اور کمرے پالی پر کھڑیاں چلائے رہے۔

اشفاق حسین مصیبت سے باتیں کرتا رہا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔

مصیبت کے خدا وصال سوئے تھے۔ جسم بھاری تھا۔ وہ نسائی نخرے سے سرا سر غلی تھی۔

نمازش نہ تھی۔ توجہ طلبی نہ تھی۔

ترت بہرت نہ تھی۔ اس قدر بے جھجک بات کرتی تھی جیسے لڑکی نہیں بلکہ لڑکا ہو۔ اس کی شخصیت کی تمام تر مٹاس اس کے طبعی شعور اور بے نیازی کی وجہ سے تھی۔

ہم اس چھپرے کے کنارے ایک ذریعہ محنت بیٹھے رہے۔ دواں ہوتے وقت اس نے خدا حافظہ کی ایک اور گولی ڈالی۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو اشفاق حسین کہنے لگا 'اچھی لڑکی ہے مگر بے

چند ہی دنوں میں مسجد کے گھروالوں کو رام کر لیا۔ وہ ان کے چاروں بیٹے خائے میں جا کر برتن
انجھ دیتی۔ کھوں کی مٹائی کر دیتی۔ بچوں کے ہوم ورک میں مدد کر دیتی۔

چند دنوں میں وہ اس گھر کی فردین تھی۔

اس کمرے میں مسجد صرف دو سینے رہی، پھر ایک مکان کا پورن مل میبل یہ پورن مکان
کے بالکل الگ تھا۔

کرار کے لحاظ سے بتانا میں چھوٹا تھا اتنی ہی وہ بڑی تھی۔

پہلے چند دنوں میں ہی اس نے بات کھول دی تھی۔

کتنے تھی۔ آپ میں اتنی شدت کیوں ہے۔

میں نے کہا شدت نہیں غلوں سے۔

نہیں، اس نے جواب دیا، غلوں مدھم ہوتا ہے۔ کتنے تھی، پتہ نہیں کیوں تھے ایسے لوگ
بند نہیں، جن میں شدت ہو۔ مجھے لکھڑے تھے لوگ اچھے لگتے ہیں۔

پھر اس نے مجھے اپنی کھائی سنائی۔ کتنے تھی، میرا باپ ایک معمولی سی ملازمت کرتا تھا۔ پھر وہ
رنگار ہو گیا۔ اور اس نے ایک معمولی سی دکان کھول دی۔

تم تو بھائی بہن ہیں۔ لگتا ہے میرے باپ کا بچہ پیدا کرنے کے علاوہ کوئی شغل نہ تھا۔

آنڈیل

بہر حال باپ میرا آنڈیل تھا اور میں اس کی خدمت میں تھی رہتی تھی۔ اس کے وارے
نیارے لیتی رہتی۔ بچپن سے جوانی تک میری علانیں لڑکوں جیسی تھیں۔ لڑکوں کے کھیل کھاتی۔

درختوں پر چڑھتی۔ چنگ اڑاتی۔ مجھے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے دسویں پاس
کر لی تو باپ نے مجھے آگے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا دکان کی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ
مشکل سے پڑھائی روٹی چل سکتی ہے۔ اچھی تعلیم دینا میں کوشش کر سکتا۔

میں نے کہا، 'میرے میری نہیں دے دیجیے باقی اخراجات پارے کرنے کے لیے میں
نیوشن کرواؤں گی۔

باپ نے انکار کر دیا۔

میں نے کہا شلپ صاحب دعا کریں کہ میں فارغ ہو جاؤں۔

پار اور جیت

اسی شام میں قدرت اللہ کے گھر چلا گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس سے ساری بات کروں اور
کہوں کہ مجھے اس تجربے سے رہائی دلا دے۔

قدرت نے چھوٹے ہی مجھ سے پوچھا، 'اس لڑکی کا ٹیلی فون آیا تھا کیا۔

نہیں، میں نے سر نہیں ہلایا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا، 'بولو، دیکھئے، اس میں دو دن کا بھلا ہے۔ آپ کا بھی۔ اس لڑکی کا
بھی۔ آپ اسے سارا دیں۔ اس کی مدد کریں۔ اس کا کہنا تھا میں۔ اس پر احسان نہ دھریں، بلکہ
خود کو اس کا احساس مند محسوس کریں، اس میں صرف دو خطرے ہیں۔ ایک تو خواہش یا اس
بچہ نہ مارے، وہ تو انشاء اللہ نہیں ہو گا۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ آپ اسے جیت لینے کی کوشش
کریں گے۔

محبت جیت نہیں، پار ہوتی ہے۔ پار ملے لو۔ خود کو حوالے کر دو۔ اختیار ڈال دو۔

میں حیرت سے قدرت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں کیا کہنے آیا تھا اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔

ساری رات میں سوچتا رہا۔ مجھے شک پڑ رہا تھا کہ یہ خدا کا عطا کی گئی کس قدرت اللہ ہے۔
تو نہیں چلائی تھی۔ کس وہ مجھے پار جانے کی تعلیم دے رہا تھا۔ آخر اس کا کیا مطلب تھا
کہ اس میں دو دن کا بھلا ہے۔ اس کا بھی میرا بھی۔ کیا یہ اللہ والے لوگ اتنے طاقت ور ہوتے
ہیں کہ دوسرے کے ذہن کو قس قس کر کے دکھا دیں۔

اگلے روز مسجد کا فون آنیلا۔ کتنے گئی، ایف، بی، سیون میں مجھے ایک چھوٹا سا کرا مل گیا ہے۔

وہ کرا ایک رستے تھے گھر میں واقع تھا۔ باپ اپنا بیڑا لے کر گئے تھے۔ دو دنوں بڑے مٹتی اور

جناں تھے۔ بچے تو جنم تھے۔ مجھ سے دو بچے تھے۔ ایک مسجد کوکری کی تلاش میں بسوں پر اور پیدل
ہوتے چلتی۔ دو بچے میں بیچ جائے۔ مجرموں کی طرح دروازہ بھاگے۔

دو گھنٹے ہم اس چھوٹے سے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ کمرے کا دروازہ ہم باہر

کھلا رکھتے۔ وہ مجھے بتاتی کہ دن بھر وہ کہیں کہیں کوکری کی تلاش میں گھومتی رہی۔

پھر رات کے وقت میرے گھر سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسے لگتا جیسے کوئی ٹل رہا ہو۔ دروازے آپ ہی آپ کھل جاتے۔ کوئی کہتا: بھاگ جاؤ ورنہ۔

میں نے ایک افریقی بڑھیا سے کہا: بی بی اگر تو میرے گھر میں میرے ساتھ آ رہے تو میں تجھے الگ کمرائیوں میں لے کر رکھواؤں گی۔

وہ عورت صرف ایک رات میرے گھر میں رہی اگلے روز ہاتھ جوڑ کر بولی: نہ بی بی اس گھر پر تو کسی نے کلا جادو کر دیا ہے۔ یہ بد رو میں تجھے چھوڑیں گی نہیں۔

اس پر میں اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ نرم فٹم کیے بغیر تو کبری چھوڑ کر پاکستان واپس آ گئی۔ یہاں آئی تو ماں مجھے دو ایک خانوں کے پاس لے گئی تھی، وہ کہتے ہیں اس لڑکی کا رزق بند ہے۔ تو کبری نہیں لے گی، شادی نہیں ہو گی۔

دیوانگی

اس کی کہانی سن کر مجھ پر اک پائل بن سوار ہو گیا۔ تو کبری کی تلاش میں سارا سارا دن اسے اپنے سکوتر پر بٹھا کر میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے دفنوں، پرائیویٹ کیمپوں، غارن اہیسیہ بھوں کے پتھر کاٹا رہا۔ لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ اس بڑے کھوسٹ کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک جوان لڑکی کو سماتا پھرتا ہے۔

میرے گھر والے اس بات پر غلام تھے۔ میں نے اپنی بیوی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بچاڑا حلق نہیں ہے۔ لیکن اسے یقین نہ آیا۔ وہ بھی تھی اسے یہ حکایت تھی کہ اگر تعلق نہیں تو اتنی توجہ کیوں۔ میری بیٹیوں مند سے کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن وہ مجھ پر غناؤں تھیں۔

پھر بھی مجھے باپ سے بد روی تھی۔ میں نے سوچا کوئی چھوٹی موٹی تو کبری کر لوں تاکہ گھر چلانے میں لاپاکی مدد کر سکوں۔

پھر اتفاق سے مجھے اپنے باپ کے چیک بنٹس کا پتہ چل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے میں دیتا سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک خود غرض ادارے پر جس فکس تھا۔ آئیڈیل پینا چور ہو گیا۔ ساتھ میرے بھی پر پٹھے اڑ گئے۔ بہتوں تیار پڑی رہی۔ پھر میرے دل میں ایک عزم جاگا کہ میں اپنی تعلیم از خود حاصل کر لوں گی۔

چھ سال قدم قدم پر مصیبتیں آنیں اور میں نے انہیں جھیل لیا۔ لیم اے کرنے کے بعد میں گورنمنٹ کالج میں پیکچرار ہو گئی۔ میں اپنے سارے بہن بھائیوں کو اپنے گھر لے آئی اور سب کو تعلیم اداروں میں داخل کرا دیا۔ لاپا دیکھ کر ہانک رہی کنارہ کش ہو گئے۔ بھائی بہنوں نے بے حس ہو کر بچاڑا دھوا ڈال دیا۔ وہ محفزی اتنی بوجھل ہو گئی کہ میری کمرٹ ہو گئی۔

اتنا قرض چڑھ گیا کہ اگر بڑا ممکن نہ تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر افریقہ میں پیکچرار کی ایک تو کبری قبول کر لی۔

افریقی جادو

افریقہ میں میں ایک مکان میں تن عمار رہتی تھی۔ خوف تو آتا تھا، لیکن مجبوری تھی۔ پھر ایک روز میرے گھر ایک پاکستانی جوڑا آ گیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ

یہ نہ کرو۔ وہ نہ کرو۔ اس سے نہ ملو۔ ایسے نہ رہو۔ ویسے نہ رہو۔

صیغہ معنی "اپنی مرضی کی مانگ تھی۔ وہ بڑی خوددار تھی۔ وہ میرے رویے پر خوش نہ تھی بلکہ وہ مجھ سے سخت تنگ آ چکی تھی۔ فرائضی غفلتوں نے کہا یہ تیرا دوست تو پاگل معلوم ہوا ہے۔"

وہ سچ کہتی تھی میں پاگل ہو گیا تھا۔ تین سال یہ پاگل پن میرے سر پر سوار رہا۔ میری "غوابشات" تھیں "ایک یہ کہ اس کا رزق کل جائے" دوسری یہ کہ اس کی شادی ہو جائے۔ میرا طرز عمل میں شدت کم ہونے کی بجائے دو چاند ہو چکی تھی۔

نیا جنم

ایک روز ہفتہ "شباب" کے سامنے ہفتہ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ کئے گئے گی۔ اب بس کیجیے شباب بھائی۔ مفتی کی تو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

شباب نے کہا "مجھے بھی ترس آنے لگا ہے۔"

ان دنوں فرائضی غفلتوں کی سفارش پر ورلڈ بینک نے افریقہ میں تحقیق کرنے کے لیے ایک گروپ میں صیغہ کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔ پورہ لندن چلی گئی تھی۔

حقوق کے جانے کے بعد خدا اکیلا رہ گیا تھا۔ یہ تھائی اس قدر تکلیف دہ تھی کہ میں قدرت کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا "شباب صاحب! اللہ کے واسطے مجھے اس درجہ آگے کے پتھر سے نکال لیجیے۔"

قدرت بہت افسردہ تھا۔ غصہ تھا۔ میں نے دو تین بار اپنی درخواست دہرائی وہ بولا "مفتی صاحب! آپ نے ایک بہت اچھا موقع ضائع کر دیا۔"

مجھے اس کا احساس ہے شباب صاحب! میں نے جواب دیا۔

احساس ہے تو ایسا کیوں کیا۔

شباب صاحب میں گواہوں۔ انی طور پر گواہوں "کیونکہ میں بن سکے احساس کے باوجود کوشش کے باوجود میں بن سکے مجھے پتہ ہے کہ میں ہار نہ بن سکا۔ اسے جیت لینے کی خواہش جنوں بن گئی۔ بے شک میں گردن زنی ہوں "لیکن اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔"

انتہاء کے بعد۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر حشرات کی جھلک تھی۔ بولا "پیارا ایسی لٹی پٹی لڑکی کو لے کر میں اپنے دفتر کے باہر کو خراب نہیں کر سکتا۔ لپیٹ اسے کاسٹریکٹ پر کام دے سکتا ہوں۔"

تکس کی بات سن کر میرا دل ٹوٹ گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں صرف ایک فرد ایسا ہے جس کو مجھ پر رحم ہے۔

پھر میری چار یاری آگئی۔

وہ سب میرا لائق الزام تھے۔

میرولا "مفتی تو پاگل ہو گیا ہے کیا۔"

ہاں! میں نے جواب دیا۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔

اس عمر میں ایک کرل فریڈ کو اعصابی سکڑ پے لے پھرتا ہے تو تجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے کیا؟ مسعود نے کہا نہیں! میں نے جواب دیا "مجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے۔"

ارے! "اعظمی بولا" تجھے شرم نہیں آتی۔

نہیں آتی! میں نے کہا۔

اگر کسی نے شباب صاحب کو بتا دیا تو "موتو لے گا"

شباب صاحب! "گوں شباب صاحب! میں نے جواب دیا۔"

لوٹوں! بے کار ہے وہ سب چلانے لگے۔ گستا ہے۔ یہ مہذب ہو گیا ہے۔ انتہاء اللہ شکر پڑیاں کی ہڈیاں پر طاقت ہو گئی۔

اس انتہاء میں ورلڈ بینک کی ایک فرائضی غفلتوں اسلام آباد میں ریسرچ کا کام کرنے کے لیے آگئی۔ اسے درکردگی ضرورت تھی۔

صیغہ کا کام دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ فرائضی غفلتوں نے صیغہ کو اپنا نائب بنا لیا۔ وہ غفلتوں دو ایک مرتبہ مجھ سے کہی گئی۔ اس کی آمد پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا۔ انھیں چرچہ دانے بھرنے لگا۔

دراصل میں صیغہ کا خدا بن بیٹھا تھا۔ میں اسے اپنی حلقوں سمجھنے لگا تھا۔ میں اس پر احکام چلاتا تھا۔

قدرت دیر تک خاموش رہا پھر یوں۔ اللہ کی خدمت میں منتیں بھیجے کہ وہ آپ کو اس جہنم سے بچالے۔

انہوں والی باب

میں نے کہا گیند آپ نے لڑھکایا تھا کیا اب آپ اسے روک نہیں سکتے۔
یہی آپ کی غلط فہمی ہے۔ وہ یوں گیند اسی نے لڑھکایا تھوڑی روک سکتا ہے۔
کیا آپ میری مدد نہیں کر سکتے؟ میں نے پوچھا۔
اس نے سر ہلکی میں ہلا دیا۔ یوں آپ کو خود کچھ کرنا پڑے گا۔
کیا کرنا پڑے گا۔

اس کی منت کئی پڑے گی، تڑا کرنا پڑے گا، توپ کئی پڑے گی
کس طرح؟ میں نے پوچھا۔

کلام پڑھنی پڑے گی۔ یا اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ کو نکال دے۔

میں نے کہا شائب صاحب میں ایک ٹپاک آدمی ہوں۔ مجھ سے وعید نہیں پڑھا جائے گا۔
مجھ کو یہ ہے، وہ یوں۔

وہ دن میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ میں نے کہا شائب صاحب آپ جو
فرمائیں گے میں کروں گا اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔

وہ مہینے میں جانتا تھا خصوصی اوقات پر خصوصی مقام پر بیٹھ کر اللہ کے حضور منت سہاوت کرتا
رہا کہ اے اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ نکال دے۔

وہ مہینے کے بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے میں نے محسوس کیا جیسے میرے سر کا بوجھ اتر گیا ہو۔
میں ہلکا ہلکا ہو گیا جیسے میں نے نیا جنم لے لیا ہو۔ میں نے قدرت کو فون کیا۔ میں نے کہا مبارک
ہو۔

کہنے لگا، کس بات کی مبارک۔

میری رہی برکت کی مبارک شائب صاحب میں آزاد ہو گیا ہوں۔

یوں آپ ایک بات کا وعدہ کیجیے، اب خدمت کرنی ہو گی۔ جہاں تک ہو سکے۔ احسان کے
بغیر، جتنا ہے بغیر عمر بھر، اللہ انہوں کو اس کا احسان مند سمجھتا ہو گا۔

وفات

آخری ایام میں قدرت اللہ کے معمولات میں شائب نامہ کا اضافہ ہو گیا تھا۔
وہیے تو قدرت عرصہ دراز سے شائب نامہ رکھ رہا تھا۔ وہ شائب نامے کے کئی ایک باب
اپنی محفلوں میں پڑھ چکا تھا۔ خصوصاً سلسلہ میں۔

سلسلہ اور رابطہ

سلسلہ اسلام آباد کی ایک اپنی عظیم حسی جو ادا جعفری نے شروع کی تھی۔ اس عظیم میں
زیادہ تر ارکان سول افسر اور ان کی بیگمات تھیں۔ اس عظیم کا مقصد عظیم الفرصہ لپکاڑوں کو
اپنی تعلقات کی جانب مائل کرنا تھا۔

ایک روز قدرت نے مجھ سے کہا اگر آپ قاری ہوں تو چلیے ایک اپنی محفل میں ہو آئیں۔
کہیں ہو رہی ہے؟ میں نے پوچھا۔

ادا جعفری کے کمرے

وہ لوہ جو ساز و صوفی رہی؟ میں نے پوچھا۔

قدرت نے سر ہٹات میں ہلا دیا۔

پانچ چہ دونوں کے بعد ملاقات ہوئی تو کتنے لگاؤ یہ بتائے کہ میں آخری باب کا نام کیا رکھوں۔
میں نے کہا 'شاب صاحب نہ میں اسلام سے واقفیت رکھتا ہوں نہ اردو زبان سے۔ آپ
کسی زبان و فن سے پوچھیے۔

کئی ایک دن وہ آخری باب کا نام سوچتا رہا۔ لوگوں سے پوچھتا رہا۔ پھر ایک دن فون پر کئے
لگا مجھے نام مل گیا ہے۔ اس کی آواز سرت سے یوں چمک رہی تھی جیسے کسی بچے کو فہارہ مل گیا
ہو۔

میں نے پوچھا 'کیا نام ملا۔

یولا۔ چھوٹا منہ بڑی بات، 'کیا ہے۔

میں نے کہا بے حد سوزوں ہے۔

وہ کہیے 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا آپ نے خود کو پیشہ چھوٹا سمجھا، مانا اور اسلام کو پیشہ بڑی بات سمجھا۔

شاب شے کی کتاب مکمل کر کے سو دہ تاثر کے حوالے کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔

وفات سے چار ایک دن پہلے میں اتفاقاً 'شاب کے گھر گیا تو وہ اکیلا ڈانٹنگ روم میں بیٹھا
تھا۔

اسے دیکھ کر میں چوٹا۔ میں نے کہا 'شاب صاحب یہ کیا ہو گیا۔ آپ ایک دم اس قدر
دلے پٹے ہو گئے ہیں۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔

اس کی آنکھ میں قاتلانہ چمک لہرائی۔ 'یولا' مجھ پر دم کرا لیا وہ مٹی ہیں۔

کیا میں نے پوچھا۔

مجھے کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز کر دیا کیا ہے 'اس نے فرما 'انہما سے کہا۔

یہ ہماری آخری بات تھی۔

چونکہ پھر لوگ آگئے تھے۔ بات کی وضاحت دیا ہو سکی۔

وفات

UrduPhoto.com

چوبیس جولائی کو شام کے پانچ بجے کے قریب منشا پور آمید کئے لگا، دہلیے میں آپ کو لینے

کیا ہوں۔

کہیں 'میں نے پوچھا۔

یولا 'ایک ادبی محفل میں جانا ہے۔

میں نے کہا 'منشا پور تھے پتہ ہے۔ میں ادبی محفلوں میں نہیں جاتا۔

کئے لگا 'پتہ ہے لیکن اس محفل میں تو جانا ہو گا۔

میں نے کہا 'وہ کس خوشی میں۔

کئے لگا میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کو لاؤں گا۔

چلو بھی میں شہناہ سمارا وعدہ پورا ہو جائے۔ کاپے اپنا کپاڑہ ہو جائے۔

یہ محفل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں تھی۔ ہلی بھرا ہوا تھا۔ افسر زیادہ تھے۔ ادیب کم

کہ۔ خلدہ حسین کے ساتھ شہناہ منجلی جاری تھی۔

دو ڈھائی گھنٹوں کے بعد جب میں واپس گھر پہنچا تو حسینہ نے کہا 'شاب صاحب کو دل کا

دورہ پڑ گیا ہے۔

میں نے اس خبر کو خاص اہمیت نہ دی۔ شاب کی زندگی میں دل کا دورہ تو عام سی بات

تھی۔ بیسیوں بار اسے دل کا دورہ پڑا تھا۔ جب بھی میں اس سے پوچھتا تو وہ کہتا۔ کوئی بات نہیں۔

شیشے کے برتن پر زیادہ دباؤ نہ پڑ جائے تو خرچ جاتا ہے۔

آخری ایام میں ایلو پتیشی کی دواؤں کا راری ایکشن شروع ہو گیا تھا۔ اس نے لندن کے ڈاکٹر

سے رابطہ قائم کیا 'اپنی کیفیت بیان کی اور اسے بتایا کہ میں آپ کی تجویز کردہ دوائیاں ہاتھ لگے سے

کھانا رہا ہوں۔ ڈاکٹر حیران رہ گیا کہنے لگا 'آپ اتنے برس سے مسلسل دوائیاں کھا رہے

ہیں۔ دوائیوں کا راری ایکشن ہوتا ہی تھا۔

قدرت نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا 'کیا ہو سید پتیشی میں دل کی ایسی ادویات ہیں جو ری ایکشن

پیدا نہیں کرتیں۔

میں نے کہا 'ہیچا' ہیں۔ لیکن دوا کھانے کا قاعدہ۔

کیوں 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'مجھے آپ کے دل پر ترس آتا ہے۔ ایک طرف آپ اس پر ضرب لگاتے

بکیت میں تھے، چلتے ہوئے لڑکھارہے تھے۔ وہاں میں ککت تھی۔ گتا تھا پیسے پی کر آئے
ہوں۔ دھمت۔

رہتے ہیں۔ دوسری طرف اسے تقویت دینے کے لیے دوائیاں کھاتے ہیں۔

میں نے تھینر سے پوچھا، شاپ کو کب دور در پڑا۔

بعد وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا ہے۔ اس کی باتوں میں صیحت کا رنگ نہیں ہوتا۔ حکم نہیں ہوتا۔ دھونس نہیں ہوتی۔ اس کی بات میں منت ہوتی ہے۔ تڑا ہوتا ہے۔

جب میری بیوی کسی رشتہ دار کے خلاف شکایت کرتی ہے تو وہ میرے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس دیتا ہے کہتا ہے 'سنیے نہیں۔ لیکن یوں کہ تبکم کو احساس نہ ہو کہ سن نہیں رہے۔ ہاں ہاں کہتے رہتے ورنہ اسے دکھ ہو گا کہ میری بات پر توجہ نہیں دی۔

میرے دوست دانش ور بھی کبھی اپنے کالموں میں میرا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔

حال ہی میں ایک صاحب نے سرفی جمالی۔ سٹو سنو جٹو میں ندی ڈوب گئی۔ فرانیڈ کا پتھر کار صوفی بن بیٹھا اس پر مجھے بڑا فحشہ آیا کہ نہ تو اسے فرانیڈ کے مضمون کا علم ہے نہ صوفی کا مطلب جانتا ہے۔ میرے پاس بھی قلم ہے۔ میں بھی ————— قدرت نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ نہ 'وہ یولا' اکتور ہم۔ ذیوالین ڈسٹرین۔

دودن میں اسے صوفے پر بیٹھے دیکھتا رہا۔

میں نے سوچا کہ میرا ذہن چل گیا ہے اور مجھے ویلیو سی نیشن ہونے لگے ہیں۔

چلو اچھا ہوا کہ ذہن چل گیا میں نے سوچا۔

یادداشتوں کی چاند باری سے بچنے کے لیے یہ ایک دفعہ کیے نہام ہے۔ انسان اپنے خوف کے لیے کیا نہیں کرے گا۔

پھر وہ صوفے سے اٹھ کر میرے اندر آ بیٹھا۔

وہ کہتا ہے

جب بھی میری بیوی مجھ پر کوئی الزام دھرتی ہے اور وہ اکثر مجھ پر الزام دھرتی رہتی ہے۔

اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ اسے کہوں کہ بی بی میرا قصور نہیں ہے۔ ————— میں اس

میں کچھ کہہ میں سکے

اشفاق احمد نے کتاب اور مصنف کے حلقہ کی باتیں کیں اور پتہ نہیں کس مصلحت کے تحت آخری باب کا ذکر ہی نہ کیا۔

موتے کا ایک گواہ مخرب ہو گیا۔

میرزا یونس نے اپنی کتاب مبراہیم میں قدرت اللہ پر عزت و احترام کے پہلو برمائے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ قدرت اللہ سے جس قدر قریبی تعلقات خان صاحب اور ان کے بچوں کے تھے اور کسی کے نہ تھے۔

میرزا یونس میں بازو قریب نے شباب ہائے کے آخری باب کے حوالے سے کچھ نہ لکھا۔
موتے کا ایک اور گواہ کسی مصلحت کے تحت مخرب ہو گیا۔————— میں اکیلا رہ گیا۔

اصحاب کشف

پھر مجھے خیال آیا کیوں نا کسی صاحب کشف بزرگ سے پوچھوں کہ الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

سب سے پہلے میں نے صدیق راہی سے پوچھا۔ میں نے کہا یا اگر قدرت اللہ سے حیرا رابطہ قائم ہے تو مجھے یہ پوچھ کر تا کہ میں الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

چند روز کے بعد صدیق نے مجھ سے کہا کہ ہاں ہاں لکھیے، لکھنے میں کیا حرج ہے۔

صدیق کی بات میں ذہن میں تھا، خود احمدی نے قسمی، مجھے اس کی بات پر یقین نہ آیا۔

پھر میں نے ایک دو اور بزرگوں سے پوچھا۔ انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔

میں نے پھر صدیق سے پوچھا۔ میں نے کہا یا تو مجھے ڈھانسیں۔ اگر تو صاحب کشف ہے تو

مجھے صرف یہ پوچھ دے کیا الگہ عمری قدرت اللہ کے لیے آرزوی کا باعث تو نہ ہو گی۔

چند روز کے بعد صدیق نے کہا کہ پہلی بار جب آپ نے پوچھا تھا تو ناخوشواری کا احساس ہوا تھا۔

اب نہیں ہوا۔ مطلب ہے 'اب اجازت ہے۔'

صدیق کی یہ بات بھی مجھے یقین نہ دلا سکی۔

کچھ چیزوں نے کہا کہ آخری باب قدرت اللہ شباب کی تحریر نہیں ہے۔ یہ باب ان کے چیلوں ہاتھوں نے تحقیق کر کے شباب ہائے میں شامل کر دیا ہے۔

اس سے پہلے بھی کچھ لوگ اپنے کالموں میں، میں سلسلہ شباب کے چار درویشوں کے طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس پر میں نے سوچا کہ مجھ پر لازم ہے کہ الگہ عمری کھوں اور لوگوں کو بتاؤں کہ یہ آخری باب کا درویش۔ ایک حقیقت تھا اور وہ قدرت اللہ کی تمام زندگی پر ملوی رہا تھا۔
اگر شباب ہائے میں آخری باب شامل نہ کیا جاتا تو میں الگہ عمری نہ لکھتا۔

کشف

بہر حال قدرت کی وفات کے بعد یہ کشف پھر سے جاری ہو گئی کہ کھوں یا نہ کھوں۔ میرے ذہن سے آواز آئی، 'دیکھ ملحق الگہ عمری لکھنے سے حیرا متعدد اپنی شخصیت کو بوست کرنا نہیں ہے۔ شباب کو بزرگ ثابت کرنا نہیں ہے، چونکہ شباب نے کبھی بزرگی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کے کردار کا بڑا اعظم تو عجز تھا۔ وہ خود کو الگہ عازب بندہ سمجھتا تھا اور حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ترین غلام۔' الگہ عمری میں قدرت اللہ کی تشریف کرنا مقصود نہیں ہے۔ تشریف تو صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ پھر تو الگہ عمری لکھنے سے کیوں چٹکاتا ہے۔

پھر دل سے آواز آئی شاید میری یہ تحریر قدرت اللہ کے لیے آرزوی کا باعث ہو۔

نہیں میں چاہتا قدرت اللہ کی آرزوی مجھے گوارا نہیں، کسی قیادت پر گوارا نہیں۔ میرے لیے قدرت اللہ کی گزند سے بڑھ کر کوئی چیز قابل حصول نہیں ہے۔

موقعہ کے گواہ

انہی دنوں ٹی وی نے شباب ہائے پر ایک پروگرام تشکیل دیا۔ اس پروگرام میں تین شرکاء تھے۔ جمیل الدین علانی، اشفاق احمد اور میں۔ یہ پروگرام شرکاء کے درمیان بات چیت پر مبنی نہ تھا۔ ہر شخص کو الگ الگ کتاب اور مصنف کے حلقہ کی اپنی رائے کا اظہار کرنا تھا۔ جمیل الدین علانی نے کتاب کی اولیٰ حیثیت اور قدرت اللہ کے کردار کی تشریف کی اور آخری باب کے مصنف کہا کہ میں شباب صاحب کے کردار کے اس پہلو سے واقف نہیں ہوں، لہذا اس بارے

محسوس ہوتا ہے جیسے تھیب کہ رہے ہوں۔ ہونچے 'بالوب' یا 'لاندھ' ہو 'شیار' عالی 'دناپ' عالم دین
قدم رہنما فرما رہے ہیں۔

شلہ صاحب کو دیکھ کر میرا یقین ایمان کامل میں بدل گیا اور میں نے محسوس کیا جیسے میں
کی خدمت میں خود حاضر نہیں ہوا بلکہ بھیجا گیا ہوں۔

شلہ صاحب کا اسم گرامی سرفراز شاہ ہے۔ وہ ایک معروف کھیتی میں اعلیٰ حد سے ہر فائز
ہیں۔ ان کے مرشد محترم سید یعقوب علی شلہ ہیں جن کا وصال ۳۰ اگست ۱۹۸۸ء کو ہوا۔ سزا
القدس لاہور میں واقع ہے۔ ان کا سلسلہ چشتیہ 'صابریہ' وار ہے۔ اس سلسلے میں روحانے کے
مطابق خلافت سب سے کم عمر کے مرید کو عطا کی جاتی ہے۔

سید سرفراز شاہ کو خلافت ۱۹۸۸ء میں عطا ہوئی تھی۔ جب سے خدمت فلاح جاری ہے۔
پہلے میں ایک دن سوموار کو مغرب کی نماز کے بعد عبادت مندوں اور سالکوں سے بلا امتیاز اور بلا
افتراق و تفریق ملتے ہیں۔ مشورہ دیتے ہیں 'دعا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر خانے کا رنگ سراسر
مستقر ہے۔

انہی دنوں پر اسٹریٹ گیٹلڈ کی وجہ سے میں بیمار پڑ گیا۔

میں نے حسب معمول ہومیو پیتھی کا علاج شروع کر دیا۔

چند روز بعد آگے کے بعد لائق ہو جاؤ۔ پھر دورہ پڑا۔

یہ دورہ بڑے تکلیف دہ تھے اور بار بار پڑتے تھے۔

میری بیٹی نقیہ جو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے 'اس نے کہا 'ابو یہ ایک مکینیکل ریکلوٹ
ہے 'اسے کٹوائے بغیر چارہ نہیں۔ دوا کام نہیں کرے گی۔ آپ آپ یقین کر دالیں۔

سرجن شکار

ایک روز دو بجے زبردستی ہسپتال لے گئی۔ پھر رات سرجن ڈاکٹر شکار سے ملوایا۔

ڈاکٹر شکار کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر نہیں لگتا تھا۔ اس میں روحانیت لہریں لے
رہی تھی۔ آنکھ بھری ہوئی تھی۔ لہریں اٹھ رہی تھیں۔ چیمپے اڑ رہے تھے۔

اگر ڈاکٹر شکار کو رات سرجن نہ ہوتا تو شاید میں آپ یقین کرانے پر رضامند نہ ہوتا۔

ملتی صاحب تصوف یا روحانیت پر کتب آپ کے دسے قرض ہے اور قرض بٹا لو جائے اور
میں ہو گا۔ کتب لکھتے وقت احتیاط کیجئے گا کہ مبالغہ آرائی نہ ہوئے پاسے کہ اسی نے تعلیم یافتہ
ڈاکٹروں کو تصوف سے دور کر دیا۔ حالانکہ یہ شرع پر ۱۰۰ فی صد عمل و درآمد کی ایک راہ تھی۔ تاریخ
اس پر گواہ ہے۔ فقیروں نے کوئی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی تنہا لاکھوں کفار کو مسلمان
کر لیا۔ اس کے برعکس کوئی مولوی آج تک صرف ایک غیر مسلم کو مسلمان نہ کر سکا۔ اپنے تمام
تر وسائل کے باوجود۔ امید ہے آپ کی کتب تصوف یا روحانیت کے بارے میں اکثر شکوک کو
صاف کر دے گی اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔

امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگی۔ فائدہ کھاتے رہیں۔ پیغم صاحب کی طبیعت
کیسی ہے قرآن کیجئے گا۔

حیرت ہے آج آپ کو خط لکھتے وقت بجلی نہیں گئی ورنہ تو بیشک آپ کو خط اندھیرے میں
ہی لکھا گیا۔ معلوم نہیں آپ کو کچھ میں آیا کہ نہیں یا آپ موت میں ہی برداشت کر گئے۔

والسلام

سرفراز

ہم میں سے

انہیں دیکھ کر میں سمجھا کہ یہ شلہ صاحب کے کوئی کارکن ہیں۔

اصل شلہ صاحب انہی تشریف لائیں گے۔ سفید ریش ہوں گے 'لبا چند لصب تن ہو گا'
انداز مزین سے بھر پور ہو گا 'جیسے مروج عالم دین' بزرگ یا پھر فقیر ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے کہ ملنے 'کرام' بزرگ اور پھر صاحبان کو دیکھ کر محسوس ہوتا
ہے 'جیسے وہ ہم میں سے نہ ہوں' جیسے وہ کوئی غائب مخلوق ہوں۔

شلہ صاحب کے پاس بیٹھ کر میں نے محسوس کیا جیسے وہ ہم میں سے تھے 'جیسے میرے پاس
کوئی دوست یا ساجھی بیٹھا تھا۔ اس کے برعکس ملنے دین کا انداز کچھ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر

آپریشن ہوا تو مٹانے میں سوزو کا کینیڈا داخل ہو گئے، جو چھپ جاتے ہیں۔ انفکشن ہو گئی۔ پیٹ میں سوزاں کر کے بھی لگا دی گئی جس سے چھٹاب براہ راست تھیلے میں خارج ہو جاتا تھا۔

ہسپتال میں میں تین مہینے پڑا رہا۔

ان دنوں مجھے صرف ایک فکر دامن ہے، قہار کیا مجھے اگلے گھری کو عمل کرنے کی صلت ملے گی۔ مرنے کا خوف نہ تھا۔ مرنے کے لیے تو میں عمر دروازے چار بیٹھا ہوں۔ اللہ نے ایک بھر پور زندگی عطا کی۔ اتنی "ریج" زندگی شاید ہی کسی کو عطا ہوئی ہو۔ صرف ایک خیال دامن گیر تھا کہ اگلے گھری کو ضروری نہ رہ جائے۔

ڈاکٹر ثار روزانہ رولڈز پر آتے تو میں ان سے کتا ڈاکٹر میرے لیے دعا کرو۔ لوگ پہنچتے تھے کہ یہ کیا احمق مریض ہے، جو ڈاکٹر سے دعا کی بجائے دعا کی بات کر رہا ہے۔ ان دنوں سر فراز شاہ مجھے حوصلے دیتے رہے۔ مجھے یقین دلانے رہے کہ اگلے گھری عمل ہو گی۔ انشاء اللہ، بلکہ ابھی تو آپ کو ایک کڑیچہ لگتا ہے۔

اہل ابدال

شاہ صاحب نور شمس کے علاوہ ڈاکٹر نقی اور ڈاکٹر ابدال بیلا میری صحت بہتر بناتے رہے۔ چھ سات سال گزرے، مجھے ڈاک کے درجے ایک کتاب موصول ہوئی۔ کمال کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب نہ تھی بلکہ کتاب گمے پرف تھے جن پر جلد پڑھا رکھی تھی۔ یہ کتاب کتابوں کا ایک مجموعہ تھی۔ ساتھ ایک خط تھا۔ کتا قادیان کے بچے کتاب اشاعت کے لیے ہائل تیار ہے، لیکن یہ پیسے کی نہیں، جب تک آپ اس کا پانچ نہ لکھیں گے۔

یہ ایک انوکھا طرز تکلم تھا، وہ خط نہیں تھا بلکہ ایک دھول تھا، لیکن اس دھول سے بے پناں غلوس تھا۔ میں نے سوچا یہ کون صاحب ہیں جو غلوس میں بھیگی ہوئی دھول سے

اوسے یہ تو ایک غلاب علم ہے۔ وہ بھی ایم بی بی ایس کا ایم بی بی ایس کے غلاب علم کو تو

سر کھانے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس شخص نے اتنی ساری کتابیں کیسے لکھ لیں اور پھر اس سوز کا یہ عالم کہ پیشاب بھی دھو بیٹھا۔ لیڈر بشر پر اسے لکھنے والے کو بھی نہیں ملتا۔

کتابیں پڑھیں تو میں ہکا بکا رہ گیا۔ روایتی رنگ میں رنگی ہوئی اتنی چٹل۔ اتنی بھیک۔ یہ بندہ ہے یا جن ہے اس جن کا نام ابدال بیلا تھا۔

پھر ابدال بیلا نے مجھے خط لکھتے شروع کر دیے۔ طویل خط اپنے تجربات مشاہدات، آپ جیتے واقعات، شرارتیں، محبتیں، سب لکھتے۔

میں نے ابدال بیلا کو لکھا کہ آپ کے خط بے حد دلچسپ ہوتے ہیں، پڑا ہوتے ہیں، لیکن نہ تو مجھے خط و کتابت کی عادت ہے اور نہ میرے پاس وقت ہے۔ لہذا آپ کو ایک ہاتھ کی تلی بھائی پڑے گی۔

ڈاکٹر بیلا نے کتا لکھا کہ پڑو نہیں، ہم ایک ہاتھ کی تلی بھائی کے جاوی ہیں۔ ڈاکٹر بیلا کی ایک ہاتھ کی تلی کے جواب میں اگرچہ میرا ہاتھ نہیں تھا، لیکن دل ضرور تھا تھا۔

یہ ایک ہاتھ کی تلی تھی ایک سال بھتی رہی۔

پھر ڈاکٹر بیلا کا چلہ اسلام آباد تبدیل ہو کر انڈیا میں ہو گیا۔ وہ روزانہ ہسپتال آتا تھا۔ پیشاب پر امید۔ مجھ سے کتا۔ ابھی تو آپ نے اگلے گھری عمل

کئی ہے۔
تجربے کیسے پڑے کہ وہ عمل ہو جائے گی۔
مجھے پتہ ہے، وہ جواب دیتا۔ میرے اندر کوئی بڑا ہے۔ کتا ہے۔ مفتی سے کہہ دے یہ کتاب عمل ہو گی۔

پھر کسی کا لنگوٹ بھانگیر آ جاتا ہے۔ جواب آئی، چیلنٹ ہے۔
ڈاکٹر بھانگیر ایک سید۔ مسک فرمے۔ اس کی کسی معلوم صحت سے تار جڑی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اک پچھلی چٹائی رہتی ہے اور وہ اپنے مدھم ذریعہ انداز میں کتا ہے یو دل بی کل رائیٹ۔

شاہ صاحب، ڈاکٹر ثار، ڈاکٹر بھانگیر، ڈاکٹر ابدال بیلا اور ڈاکٹر نقی، ان سب نے میرے

دل میں ایسے کی کرن چگائے رکھی۔

اس کتب کی تکمیل شاہ صاحب کی مرہون منت ہے۔ وہ مسلسل میرا حاصل ہندو جاتے

رہے۔

عرفِ آخر

آج میں عمر کے ۸۷ ویں سال میں ہوں۔ زندگی کی گماگمی سے گزر چکا ہوں۔ پلیٹ فارم پر بیٹھا انتظار کر رہا ہوں کہ کب گاڑی آئے اور میں سوار ہو کر رخصت ہو جاؤں۔

مجھے جتنی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں تو حیرت میں ادب جاتا ہوں۔

حیرتی زندگی میں دو چار باتیں حیران کن ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جب بھی حیرتی زندگی میں کوئی مشکل مقام آیا تو اللہ نے ہاتھ بڑھا کر مجھے بچا لیا۔ ان دنوں میں ابھی جب میں اللہ کو نہیں جانتا تھا نہیں جانتا تھا اور ان دنوں میں بھی جب میں نے اسے جان لیا۔ ان لیا۔

ایسا کیوں ہوا۔ وہ مجھ پر اتنا مہربان کیوں تھا کیوں ہے۔ مجھ میں ایسا کوئی وصف نہ تھا نہ ہے۔ جس کی وجہ سے مجھ پر کرم فرمائیاں کی جاتیں۔ اللہ میں ایک گلا ہوا بچہ تھا جیسی ہڈیات میں لٹ پٹ لو جو ان قلم میرا ذہن تھک و شہلت سے بھرا ہوا قلم مغرب زدہ قلم

میں منہ زبانی مسلمان قلم میں نے اپنی ساری زندگی قلم چوس سنبلیلی میں گزار دی۔ میں نے اپنی ہل کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔

مجھ میں کوئی بھی ایسا وصف نہ تھا جس کی وجہ سے مجھے نوازا جائے۔

دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ جہاں میں جب میں نے مجھے مل کے حلقہ رفیع الدین کی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہا ہے۔ مجھے ان باتوں پر غصہ آتا تھا۔ کون بڑھائیوں انتظار کر رہا ہے۔ میں میں نہیں جاؤں
 گج۔ میں جاؤں کو نہیں مانتا۔ میں ایک آزاد آدمی ہوں جو چاہوں گا کروں گا۔
 پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مجبوراً مجھے لاہور چھوڑ کر دلہن لے کر آنا پڑا۔ سائیں اللہ بخش
 اور خواجہ جان محمد بٹ دونوں بزرگ میرے شہر تھے۔ انہوں نے مجھ پر رقت طاری کر دی۔ پھر
 میرا سفر بدل دیا۔ یہ ایک حیرت انگیز سفر تھا۔ تہذیبی حق۔ چاروں طرف مجھے اللہ ہی اللہ نظر آئے
 لگے۔ مجھ پر اتنی بڑی کرم فرمائی کہ میں گئی اب حیرت کے ساتھ ساتھ میرے دل میں شکرگزاری
 کے جذبات پیدا ہو گئے۔ مجھے خواجہ جان محمد بٹ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ پھر بھی میں عقیدے
 سے بے گناہ رہا۔

اس کے بعد میرا چلار کراچی ہو گیا۔ کراچی میں پہلی بار میں قدرت اللہ شہاب سے ملد
 میں انی طور پر ایک چھوٹا آدمی ہوں۔ اس لیے بڑے افسروں سے ملنے سے الریک ہوں
 لیکن قدرت اللہ شہاب کے بجز اور وسعت قلب سے متاثر ہو کر میں اس کی چٹک چٹک چٹک
 اس کے قریب گیا تو اس کے چند ایک اوصاف دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔
 وہ بہت ذہین تھا۔ قابل تھا۔ خود کو کسی شخص سے برتر نہیں سمجھتا تھا اس میں بڑا کام
 تھا۔ رواداری تھی۔ برداشت تھی۔ مہربان تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی میں ایک بے اسرار عنصر ہے۔ اسے
 بدایات موصول ہوتی ہیں وارنگ دی جاتی ہیں۔
 پھر میں کئی سال اس بے اسرار عنصر کا کونج لکھنے میں لگا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی ہے
 اس کی کوئی حیثیت ہے۔ بزرگوں میں اس کا کوئی مقام ہے۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا ایک کالی ہے اور کسی خاص کام کو سرانجام دینے
 کے لیے مقرر ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون سا کام ہے اور اس کا کیا پیش ہے۔
 بہر حال میرا دل اس کے لیے جذبہ عقیدت سے سرشار ہو گیا۔ میرا ایمان ہے کہ میری تمام
 تر زندگی کا سب سے بڑا مشاہدہ قدرت اللہ شہاب ہے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم
 پر سب سے بڑا کرم کیا تو میں جواب دوں گا کہ سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اللہ نے مجھے
 قدرت اللہ شہاب عطا کیا۔

خدمت میں بھیجا جو پیشہ تسلیم کرے بزرگ تھے۔ تو انہوں نے مزاح کر کے فرمایا کہ والدہ صاحبہ
 سے کہہ دیجیے کہ جس بات سے وہ خوفزدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی۔ بڑی بدنامی ہوگی رسوائی ہوگی
 تخیل ہوگی یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا لیکن آخری عمر میں انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں
 گے۔

مالی صاحب کی بات حرف بحرف سمجھ جاتی ہوئی۔ میری وجہ سے بڑی بدنامی ہوئی رسوائی
 ہوئی تخیل ہوئی اس دوران میں بھی ہر مشکل کے وقت اللہ نے مجھے ہاتھ پیرھا کر بٹھالیا۔
 جب محلے دار لالعلیاں اٹھائے مجھے تلاش کر رہے تھے تو دفعاً میرے منہ پر انگیرھا کے
 چھلے لٹل آئے جو پھوٹ کر ڈھم گئے اور ایک جراح نے کپڑا جا کر میرے منہ پر قہقہ
 دیا۔ میرا منہ کھلا ہو گیا۔ محلے دار کی بار میرے قریب سے گزر گئے وہ مجھے پہچان نہ سکے۔
 مجھ پر چوری اور دعوہ دی کا مقدمہ چل رہا تھا۔ عدالت میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو میری
 منانیت دیکھ کر مجھے جاننا نہ تھا۔ جو جانتے تھے وہ میرے دشمن ہو رہے تھے۔ میں اس وقت ایک
 قحطی دار پند نہیں کہیں سے آگیا۔ اس نے عدالت سے عرض کی کہ جناب میں اس کی منانیت
 دیتا ہوں۔

وکیل نے کہا تم اس کی منانیت نہیں دے سکتے کیوں کہ تم قحطی دار ہو۔
 قحطی دار نے اپنی چٹائی اتار کر جینز پر رکھ دی بولا:
 عالی جلالہ تو میں منانیت دے سکتا ہوں۔
 وہ قحطی دار کو ان قحطی کے علم نہیں۔ اس نے کیوں میری خاطر اپنی نوکری واؤ پر لگا دی۔
 حیرت انگیز طریقوں سے اللہ نے مجھ پر کرم فرمائیں کہیں۔

پھر تقسیم کے وقت جب میں پاکستان آ رہا تھا تو میں کیسے غامض کی ایک ایسے اتفاقات
 ہوئے جن کی وجہ سے ہم سب خیریت سے پاکستان میں آ پہنچے۔ کیا وہ اتفاقات تھے۔ میں اس
 سارے مثبت اتفاقات نہیں ہو سکتے۔ قدم قدم پر میری مدد ہوتی رہی۔ کیوں؟
 یہ ان دلوں کی بات ہے۔ جب میں اللہ کو نہیں تھا پھر بھی مجھ پر حیرت طاری رہی اس
 اتفاقات۔ مسلسل سے اتنے مثبت اتفاقات یہ کیسے ہوا۔ کیوں ہوا۔

پھر سب مجھے کہتے رہے۔ اور چلا جا۔ جہاں میرا بڑا کام ہے وہاں ایک بڑا کام تھا انتظار کر



میرے دل میں اس کے لیے جذبہ عقیدت تھا، اس کے لیے ہمت پر مبنی تھا۔ وہ کتا تھا۔
عقیدت اچھی چیز نہیں۔ عقیدہ پاؤ۔

مجھ میں جذباتیت تھی، شدت تھی۔ وہ ان دنوں خصوصیات کو "اُس کو ملی ٹیکنیشن" کہتا
تھا۔

پھر ایک اور بات تھی اس پر بات چھپانا عام تھا۔ دبا "بھی وہ کہنے والا نہیں تھا اس کے
برعکس میں دبا "کہہ دینے پر مجبور تھا۔

مجھے شک پڑا تھا کہ میں اس کی آزمائش تھا۔ اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔

میں صرف آخری باب بچا ہے۔ باقی ۵۰ ابواب جھوٹ نہیں مگر بھی نہیں ہیں۔
جب میں نے لیک لکھی تو دانش وروں نے کہا کہ مفتی نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ
یہ ثابت کرے کہ قدرت اللہ شباب ولی قہد
عام طور پر ولی قہد افسر ہوتے ہیں۔ قدرت اللہ قہد افسر میں قہد اسے بیکر ٹیٹ سے
تعلق قہد
قدرت اللہ کی وفات کے بعد اتفاقاً لاہور کے ایک بزرگ سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے
میرا رابطہ پیدا ہوا۔
محترمہ صفیہ شیریں صاحبہ وسیلہ بنیں اور میں نے محسوس کیا کہ میں خود شاہ صاحب کی
خدمت میں حاضر نہیں ہوا بلکہ مجھے ان کی خدمت میں بھیجا گیا ہے۔
قدرت اللہ شباب کی کرم لوازیں وفات کے بعد بھی جاری و ساری ہیں۔
جناب شاہ صاحب مجھ پر بہت نرمی ہیں 'حالا' کہ مجھ میں کوئی ایسا وصف نہیں کہ وہ مجھے
قتلِ اعتقائیں سمجھیں۔
شاہ صاحب بہت بڑے بزرگ ہیں۔ وہ صاحب کشف اور صاحب دعا ہیں اور جہاں تک
میں سمجھتا ہوں ان کا مرجع بہت بلند ہے۔
مناہذا میں داخل ہونے کے باوجود ایک بڑا خوش نصیب فرد ہوں۔ دعا فرمائیں کہ میرا انجام
بخیر ہو۔



شاہد قاتل میں الکوی کے خیرین ممتاز مفتی کو محمد حسین ریکل کی کتاب "حیات محمد مصطفیٰ ﷺ" پیش کیا
رہے ہیں درمیان میں افتخار عارف ڈی بی الکوی کمرے میں پہنچ کر عزت مک بیٹھے ہیں (۱۹۹۱)



ممتاز مفتی اپنے اہل خانہ کے ہمراہ (۱۹۹۱)

13. 6. 60

IV meern

..... /

آپ نے اپنے تبادلوں کا میں خوب کما ہے۔ کہ ہو گیا
میں لیا ہے اور نہیں ہو سکا۔ آپ اعلیٰ تھے مگر
کا اسب سے اب تو فیصلہ ہو گیا ہو لا۔ خدا
بہرہ کرے۔

شہاب اسب سے مرے بے گئے سو گئے۔ ورنہ
چن روز ہوئے تو ڈر آیا تھا کہ وہ ایک روز میں
جانے والے ہیں۔ ان پیاروں کو میں دوسرے
پریشانی اٹھا رہا تھا۔ میری بی اور بیاں میں
کی ہیں۔ ہم دونوں کا دنیاؤں کو آکر رہنے تو
علاج کرنا۔ اب بیاں جانے گئے کہ دوسری
نہ اصل مقدمہ پورا ہو جائے۔ اور ہماری سہیلیاں
میں دوسرے ہو جائیں۔ شہاب جیسے نیک اور شریف
آدمی کو فراء محض میرے ساتھ اتنا کلمہ بگلتا
پڑا۔ پچھلے باقی طالبان کی پریشانیوں دیکھے
سے۔ شادی کی تو بہوی بھی کوئی خوشی نہ
دے سکے۔ بہتہ نہیں آتے گلتا ہن بک سزا
مل رہی ہے۔ خدا صاف کرے۔

پتہ نہیں لیا کیا کاشی میں۔ بعض دفعہ
بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ مدد نہیں
ایک آبا ہو گا۔ ان ارسالوں میں

دل قلمے ہیں۔ ہر ناشکی نہیں مری ملے
پھر میں پرائیں سے بہت بہر ہیں۔ ایک وہ ہیں
بہر بہر کا دکھ میں کوئی شکل نہیں بننا بیان کرنا
فخوار تو ہیں۔

حیرت کیاں ہیں اب کا فی ہو گیا۔
برسان مال کی خدمت میں سدا۔
میاں جان کی خدمت میں بہت بہت سلام
عزیز کر۔ جیسا۔

رسالہ

علاج دعا
عقد

راہِ حق میں قید منیٰ حبیب

اس لیے کہ۔ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا
میرے بچے کو غائب کیا کوئی کام نہ تھا وہ صرف $\frac{11}{23}$ سے $\frac{1}{2}$ کا
کہ غامی کوٹ بند رہنے کے سبب میں خوشاب اپنے گھر پہنچا
آپ کو گرامی نامہ اغلب باری غیر عافری میں یہاں پہنچا جو کوٹلی کا
گورنر نے عام ڈاک میں رکھ دیا۔ چند روز چلنے میں نے جب
پہنچا عام ڈاک کا بندھا دیکھا تو آپ کو فرسٹ نامہ بک فرسٹی بھی
چوکی اور ان ٹوٹوں پر بھی دھڑکیا اگر یہ گڈ بے وقت ہر دہیت
تجربہ آپ کو جواب پتہ کر لیتا۔ حالات بالآخر وقتِ سعادت فوج
میں۔

آپ عاجز ہیں کہ میں کیسے منت بہار کو کہہ سکوں ان دنوں

اس لیے کہ آپ کو میرے تعلق نیکوئی رکھنے اور تم کو فراموش
کرنے میں نہ دبا رہی میں دعا کر رہی ہوں۔ تنہا فرشتوں
نظر آئے ہیں اللہ کریم برکت فرمائی۔

سبب وجہ گرامی نامہ فوجیہ مورخہ $\frac{11}{23}$ کے وصول پر
نئی ایکشن فلڈ انی فہرست میں مورخہ $\frac{11}{23}$ کا کوٹلی کا
جو کہ غالباً ان کو مل گیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنسروں نے
اس کو رک لیا ہو۔ کیونکہ آپس میں مشفقانہ نامی لکھنے
حال تھا۔ تو میں انہیں دوبارہ فلڈ کمر دے رہی ہوں۔

بچے کے تعلق سے بھی انہوں نے فرمایا تھا کہ زمینی مسائل
تیار ہی ہے کہ یہ کہ میں بھی مسائل بچے کے لیے جانوں میں رکھ
میں مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سبوتا
آیات و قری آیات میں حضور نے دوبار ان الفاظ
میں ارشاد فرمایا۔ اچھا اسے بھیج دو۔ بہت اچھا تم اسے
بھیج دو۔ ایک دفعہ حکم قبول کر کے میں ہوا ہوتا۔ خدا کی امان
نہیں ہاں یہ ہے تھا۔ نہ وہ خدمت میں رہی تھی اور نہ ہی ارادہ میں تھا



GOVT MAIL

AEROGRAMME

1. AIR MAIL IS CHARGED
2. THE CANCELLATION OF POST
3. AIR MAIL IS CHARGED



Hon. Excellency Qudus Gulshan Shadab
Pakistan's Ambassador to
Holland, The Hague
Holland

Haris Meem Station House
4. Habatullah Road, Lahore

1068

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

neern

نہ آتا تھا نہ اللہ کا رسول - دینی مقصد چھوڑ دیں تھیں اور ان کی پھر پڑا ہے -
 بات نہیں تھی - کہیں یا ان کی لغات اور کھلم کی بدعت نے ہمیں اس کو
 چھیننے بنا کے دکھایا -

بیان کی لغات اور کھلم کی بدعت ہی اللہ بیان کی تسبیح و ثناء
 میں ہے آپ صحت ہے - یہی ایک قہر آفرین آئی - اسی صفت کی خان
 بے نیازی کے صحت سے ہم کھلم کا انداز ہی عرفان بتا رہا -
 کہیں تاکہ ہے ؟

پچھلے ایک برس میں پہلے سے کس زیادہ غار روزہ، درد و غم
 سے تشغیل رہا - کہیں نہ کوئی چھوڑا ڈھکی، نہ کسی نے پھر پڑا ہے -
 باطن میں وہ تاریکی صفت ہی تھی جس میں چھوڑا میں بیدار ہوتی تھی - کہیں ظاہر
 کی جس کو یہ روشنی اندھیرا نظر آئے گی - وہ نہیں اس مایہ میں گرفت
 پر جا رہی تھی دلاہتر آئے، بڑھا، جلن چار دیواری کا داروغہ بھر کر
 آ گیا - اور آپ نے چار کا یہ چھوڑا میں اٹھ کر لیا -

خط جانے اچھے اور کھیلے باقی ہیں ؟ کہیں ترقی کے اس
 زمرے میں صبر اور شادمانی کا کچھ اور ہی تسلط ہے !

تجربہ -
 ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱

میری - ابو نعیم

آج آفرودہ تاریخ ہی آئی جس دن ہم پٹری سے واپس کر رہے
 پٹرک کی ایک صف دربار اور پٹری کی ایک صف سے ہے - الوداع کی ایک صف میں
 اس وقت سے کہ اس میں ہی وہی تاریخ کا شائبہ نظر آتا ہے - البتہ تاریخ کی ایک صف
 پھر ہی ہے - سوائے اس کے کہ بات چیت کے مابین کا ایک جہاں ہی باقی ہے
 بات چیت رہے ! (دو زبانوں کو) اسی تاریخ کو اظہار میں ہی پوری پائی کہ
 کھلت ہوئے اور وہی میں صبر و شکیں کا آئینہ اور قسمی ہوا، اور..... (پتہ)

اس ایک ہی کا بیان نہ کیا، تو ایسا ہی آپ کے پیار کا ایک
 اور چھوڑا اٹھ کر لیا - آئینے میں تعویذ بہت دھنا اور کچھ رحمت کا
 قدرتمند پرکھتا ہے - کہیں آئینے میں کبھی بھڑکی اور لاچار ہی چھوڑا
 یہ کیا چھوڑا آئینے میں، بکھر رہا ہے -

پہلے ہمیں یہ شکا ہے کہ جب بھی نماز روزہ، درد
 و غم میں صبر و شکیں پیدا ہوئی، پھر وہی پٹرک میں ہی
 شیعہ انسانہ ہوتا رہا، "مشتف" ہوا، کہ اس کی حقیقت وہ
 کچھ اندھ تھی - دراصل نماز روزہ، درد و غم کا مقصد

اب آدم پر مطلب :-

۱ - شہر قہر کے منتقل آپ کے نڈکا انتظار رہا۔ فی الحال اسے دیکھ رہے ہیں۔

۲ - دوسروں کے کامیابی اور رستہ پر ذیل شہر پہنچے ہیں :-

محمد اشرف خان
۶۶۴

قائد پولیس - باغ - آزاد کشمیر۔

۳ - کچھ عرصہ پہلے خزانہ دار، جابر پور، پانچ سو روپے کا فی راکٹر آپ نے بھیجا تھا۔ اسکا رسید ملی یا نہیں ؟

۴ - موسم بہار کے پاس شہر بہار کے رہائشیوں کو چوکا کر دیا گیا ہے۔
ہم بھی یا نہیں ؟ انہیں تو بے تکلف لکھیں۔ میں صرف اسی پر غور کرتی
کرتا جا رہا ہوں کہ آپ بھی (بنا دینے سے مسامتہ میں) تکلف
کا نام نہیں لیتے۔ (دیں گا تکلف انہیں اپنی جگہ ہے۔)

مازیدہ
نہ تہتم

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

30/4

دی تب
۲۶ رات

مکرمی - اسلام علیہ

ابھی ابھی آپ کا چھانڈ ملا، جس پر شاید غلطی سے پانچوں غیر
شہر ہے ! اس کی تاثیر کی وجہ کل ملے کیا ہیں۔ امیر ہے کل لیا گیا
خدا خدا کرے آپ مشکل تھائی سے نکل آ رہے ہیں۔ دعاؤں
نے بڑا ساتھ دیا۔ کھانے منقسم تو اٹل ہوتی ہے۔ کپڑے جھانکے مبرور
دعا سے مل جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کچھ ٹھیک ہے۔ بھائی جان اور سائیں صاحب
نہرو دعا کو اتارے ہیں۔

پروان تھائیوں آسان ہوتی ہیں۔ چٹا دھڑون وغیرہ
آپ آمیرش سے منبریں رہتی ہیں۔ اب دوسری بات ہے۔ ابھی
تو بنی دتی تھی۔ چھوٹی سی تھائیوں۔ ابھی وہ بھی نکل آ رہے ہیں۔
آئی ! خدا کا شکر ہے کہ وہ حالت طاری میں ہوتی۔

آپ کے خطوط میں جو امور جواب طلب ہیں، ان کے
منتقلی آنے لگے ہیں۔ بھائی جان اور سائیں صاحب سے دعا کی درخواست میں دیر

مکرمی

مازیدہ
نہ تہتم

Letli Poth
on 1.9.65

جی پیٹ -

۳ رندری - ۱۹۶۲

تقریبی - اسلام علیہ

خط سے خبریں معلوم ہوئیں۔ معلوم ہئی یوں، مجموعی تاثر
 ایک کھلی سی شخصیت کا ہوا۔ چند خبریں ہی ایسی تھیں۔

خبروات پھر بھی بدستور قائم رہتے ہیں۔ وانی سے کنارہ کش ہونا
 چاہئے۔ اس کے ساتھ رابطہ جاری رکھنا چاہئے۔ نہ معلوم
 کس وقت قلوب القلوب اس کی حالت بدل دے۔
 ۶۔ آئی ڈی ڈیٹا ڈیوی و ضرور یرقان ہی ہوا ہوگا۔ اچھی دیکھ
 بات کا خضرہ ہیں۔ ان کے اگلا نئے میں درج ہے کہ ان کا عمل

یہ اہل عجب کو رحم دہندا ہے - مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں گواہ رہ جاتی ہے - شوق تیز ہو تو مجاہدہ کھڑو رہ جاتا ہے - ان دونوں

ان کا نام اچھا طرف ، اندر ہی اندر یہ احساس شکست و مایوسی دوسری طرف : اس تضاد اور خلیج میں

موجودہ ٹروپ کام کرنا ہے۔ کام اچھا ہو رہا ہے۔ کیس۔

عنادی اور فسادی عنصر بھی گھات میں لگے ہو رہے ہیں۔

اس لحاظ میں خبروں یا انوائسوں سے مطلع کرتے ہیں۔

4۔ میں اب ہمتن اپنے پردہ نام میں ٹک گیا ہوں۔

پچھلے چھ ماہ گویا بنا۔ tuning کا عرصہ تھا۔ اب

۔ wave-length, frequency

1964 جن 5

کرتی۔ السلام

دہلی کے بٹھے اب امید ہے کچھ ساکن ہو چکے ہوں۔

ان کی ٹک دد لیا گیا رتبہ اختیار کرتی ہے۔ کیس

تقری - اسلام علیہ

دونوں خط مل گئے۔ بھائی جان کا ارشاد سن کر
دل مطمئن ہو گیا۔ ان لوگوں کی باتیں وہ توں ہی جانیں۔
اپنا کام تو خط یہ ہے کہ جب تک بشارت نہ سن لیں
فکرت ہیں۔ جب سن لیں تو مطمئن ہو گئے بیٹھے جائیں۔
چنانچہ اب بیٹھے ہیں!
بھائی جان اور ساس کی کئی خدمت میں میرا سلام
عرض کرتے ہیں۔

۲۔ 5 جولائی کو مجھے لندن سے بلاوا آیا تھا۔ آٹھ
دن وہاں رہ کر پوسٹوں سے واپس آیا ہوں۔ [بھائی جان
میں تو 5 جولائی ہی کو لوٹے تھے!]

لندن میں اچھی ملاقاتیں ہیں۔ دنیا کا
ہر موضوع زیر بحث آیا۔ کین دایسی کی بات نہ
انہوں نے اٹھائی نہ میں نے۔ دونوں کا انداز

6۔ دثوق سے بنا تو محال ہے۔ کین دثوق
اندازہ تھا کہ اٹھ سال ارض منور کی زیارت
نصب ہوئی۔ تھام طویل ہوا یا مختصر، ہر صورت میں
آپ کی شرکت کا اہتمام بھی ضرور ہوتا۔ انشا اللہ۔

7۔ بیڈی بخیریت پہنچ گئی ہے۔ اب اپنی والدہ کے پاس
برضی جا رہی ہے۔ غصت فریب ہے۔ اور آپ سب کو
سدم ملواتی ہے۔ تاقب لفظ خوش دھرم ہے۔
اکثر "معتی جا حب" اور "راہے صبا" کو یاد
کرتا ہے۔

8۔ آپ کے خط اب دیر دیر سے آنے لگے ہیں۔
وجہ ضرور مصروفیت ہوئی۔ مصروفیت کا لحاظ بھی
لازم ہے۔ لیکن یقیناً میں اپنے خط کی رفتار اور
قائم ہو جائے تو شاید زیادہ گراں نہ ہو سکے۔

9۔ تمہارے بارے میں
مزید خبریں دیا کوئی
ڈاکٹر بتا سکتا ہے کہ اس
کان کے لائسنس نمبر کا آئینہ

کے ساتھ اشتقاق اور تدریس کے متعلق آپ کا کہنے کا
موقع ملا۔

۵۔ راجہ صاحب، خان صاحب کو ہم سب کی طرف سے
بہت بہت سلام۔ اگر دانی صاحب بھی اپنے ذہن کی
غلام گردشوں سے نکل آئے ہوں تو ان کو بھی سلام۔
جو کچھ اچھا برا وہ محسوس کرتے رہے ہیں وہ محض
مصحف متخیلہ کا کچھ دخل ہے۔ علاج اس کا
اللہ کے لئے ہے۔

۶۔ غوث سلام کیلواتی ہے۔ مولوی صاحب بہ سحر
حق صاحب کو اور راجے صاحب کو یاد کر رہے ہیں۔
دعائے خیر
نور اللہ

کچھ ایسا تھا کہ ”مجھے کیا پڑی ہے کہ میں یہ ذکر پھیروں
تہم پر غرض ہو تو بولو۔“ چنانچہ دونوں اس موضوع پر
کاوش کرتے رہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ
ہے۔ آسم کو درخت پر لٹا رہے دیں، تو وہ سرد
نہ ہو گا کہ خود بخود موسم کے مطابق پلتا ہے۔ اگر اس
پرانی میں رکھیں، تو دوسروں کی مرضی کے مطابق پلتا
ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہو، کہ دونوں
ایک دوسرے کی پرانی سے محفوظ رہیں اور فقط اس
واحد ذات کی رضا کا انتظار کریں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ نقوش کا آپ جتنی بھر دیکھا۔ بہت اچھا ہوا
کہ میں کچھ نہ لکھ سکا۔ ورنہ آپ کے معنوں کا آخری
حصہ بے معنی ہو جاتا! اب ہم از ہم آپ کے معنوں
کی وجہ سے کچھ نہ لکھ سکتے تو قائم رہتے۔

۴۔ لندن میں جا دید۔ ہمیں ملاقات ہو گئی تھی۔ اس

بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں کچھ
دوسروں کے لئے۔ کچھ دین کے لئے دعا کرتے ہیں کچھ دنیا کے
لئے۔ یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ جائز، ضروری اور
مفید ہیں۔ لیکن کچھ لوگ، خالص، ایسے بھی ہیں جو
محض اللہ کی رضا کے لئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ جب تک
کسی تک نادم میں دربار ایسے لوگ موجود ہیں، اس
پر مہمت تو آسکتی ہے کہیں تمہاری نہیں۔ دعا اور کوشش
کوئی کہ پاکستان میں ایسے لوگ ہمیشہ موجود ہیں

۴۔ ہندوستان کے پورے ٹیکسٹ میں ہیں۔ بین الاقوامی
منڈی میں بھی انصاف اور ایمانداری بہت کماب ہے۔
ہمارے لئے ابھی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے۔ منتہی
ہوا۔

۵۔ پہلے میرا خیال تھا کہ ۲۰۱۰ء قحط ہو گیا ۵۰۰
روزہ کی اس جگہ کے دروازے دروازے۔ ان دو
جگہوں نے توئی بھائی پٹی خدیں بڑا اہم پارک
کھیلے۔ ان مقامات پر تعمیر نو کی ایسی نیا د
پڑی چاہیے تو آئندہ بچنے بچنے کے مشعل راہ اور

مکرمی - اربعہ

آپ کے پیاروں و عزیزوں کی ساقیہ طے ۷ ستمبر
۱۲ ستمبر دوے برسوں ۱۱ ۲۳ ستمبر اور ۱۴ اکتوبر
دوے طے ۱۱ ستمبر وادی تھی۔ غائب اب تک ہوا
وہاں کا نظام نارمل ہو گیا ہوگا۔

۳۔ دیکھتا ہوں پاکستان پر جو فتنہ کیا
ہے۔ وہ تمام شکریہ ہے اور مقامِ عبرت بھی۔ ہم
لوگ بھی جو تھے جسے مسلمان میں رہ تو ظلم ہو گیا ہے۔ اس
پر بھی نوازے صبر و غناشی ایمان کی لہجہ رکھ لی۔
آزادئیں کے دہت جو نوازیں دفعہ بند ہوتے ہیں وہ
مستحق ہوتے ہیں عادتاً نہیں۔ اس لئے ان پر شائبہ
پانا یا آئندہ کے لئے ان پر تکلیف نہ کرنا مناسب نہیں
اچھی چیز تو تیار ہے۔ اسلمیہ کے علوان ایمان

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

[illegible]

آدابِ قیامِ شب سے قول ہے کہ اگر اس کے لیے کوئی قفس بچوں
 مکن رہے گا تو کبھی اس کی آواز نہ بچوں آپ خدا تائب ہو کر
 پس کہ اس کا معافی ہے کہ میں اس کے دل - عشق و
 ویرانہ بہت بدست - اپنے کو میں نے تائب نہیں کیا ہے
 خدا کا کہ آپ ہر دم فراموش نہ ہوں
 غلامِ انور
 عبد اللہ

بخار منہ
مدد الفقیر

200

شماره - اسناد علمی

د دنوں خط مل گئے۔ ۵۴۲ میں بھیجے جانے کی تجویز رکھ کر
نقل ہے۔ آپ نورؑ کا اسم رضوی سے بات کریں۔ کہ
ساتھ سال ہونے میں عقد ایک برس باقی ہے۔ ذاتی وجوہات
پر یہ عرصہ سب گزار دیا جائے۔ میری طرف سے بھی
میں پیغام دل دے دوں۔ نیز رشید سے بھی میری طرف سے
کہیں کہ یہ پردہ بزدل خدیوہنا چاہئے۔ عزیز کوائف سے
بر وقت مطلع کرتے رہیں۔ بابائے پاس بھی جانے دیا
ہو جائے۔ اور اللہ پر امید رہیں۔ جو کچھ بھی ہوگا اسی
کی رضا سے ہوگا۔ تدبیر شرط ہے۔ تدبیر کا عیاب
ہوگا تو توفیق الہی سمجھا جائے۔ ناکام ہوگی تو
بے شک تدبیر الہی ہے۔

۲۔ ساتھوں سال بعد کا پروگرام ابھی سے طے کرنا کیا ضرور ہے؟ انشاء اللہ ایسی ایسی باتیں نکلتی رہیں گی جن کا

۵۔ اگر یہ توقع پوری ہوئی کہ ہلال صبحِ مدینہ منورہ
جاری ہے، تو ان کی ایک نجی کی دلیل ہوئی۔
وہ دربارِ توجیبہ کھلا رہتا ہے۔ خواہ کوئی دین کے
وہاں جائے یا دنیا کے لئے۔ البتہ حاضری شرط ہے۔
مقدمہ دین ہو، تو فوہ بلاد آتا ہے۔ ورنہ دھیل
دھیل کر جانا یا بیچا نا پڑتا ہے۔ خدا کرے الگ بندہ
کی کو شخص کا پیاب ہو۔

۶۔ پرنسپل کا یہ خبر وہ سنا ہے کہ اسراہیل نے عینِ حور ہے
میں رکھ کر بھڑکے۔ اس لئے کچھ اخباری بیان بازی
کے لئے ڈر لگتا ہے۔ اس سے نہ صرف پرنسپل
سلبِ مقام کا خوف ہے، بلکہ مقدمہ کو جھٹکے کا
پتہ بھی ابھر سکتا ہے۔ طریقہ کی بلند بندہ۔
یہاں کے ساتھ کھن والی بات ایسے مواقع پر ہی منطبق
ہوتی ہے۔ کتنی کی طبعِ ذرا ہے۔ ورنہ محض اشتراک ہے۔

۷۔ جہاں تک صلاحاتی انتخاب کا تعلق ہے، صدر ایوب
کی کامیابی نہایتِ اغلب ہے۔ یہ کامیابی ذاتی
زیادہ اور جماعتی کم ہوگی۔ جماعتی کامیابی کا مرحلہ

ہم جیسے بے بغور ہم دشمن بھی بن رہتے۔ انکا تعلق
اپنے بندوں سے اپنے وقت پر خود ہی کام لیا ہے۔

۳۔ وزیر کے لیا واقعہ ہوا؛ ذرا تفصیل لکھیں، تو ہم
بھی کچھ مزالیں۔

۴۔ ۱۹۶۵ء میں انشاء اللہ ملاقات کی قوی امید ہے۔
ہو سکتا ہے کہ پہلے کسی وقت پینہ بھرے گئے چھٹی پر
آئیں۔ کہیں فی الحال کوئی امر لے نہ ہے۔ صرف سال
طے ہو کر ہوتا ہے۔ یہ آج بھی احساس نہ تھا۔
رہا پیسوں یا مفتوں یا دنوں کا تعلق، یہ اپنے
بس کا بدل ملے ہے۔ آپ میس لیسٹ سے پٹری طلب
کو دیکھنے کی کوشش کریں تو سمجھ ہی نظر نہ آئے گا۔ بوائے
اس احساس کے مال بد ڈپر کیس ہے۔ بڑا ڈاک خانہ کہ
پاس لے کر آئے جو نہ دیکھیں، تو سامنے ہوگا۔ کوئی کھانا
چار سو گز دور ہے کوئی کھانا پانچ سو گز ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ تین سو یا چھ سو گز دور ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔
فی الحال قلعہ بڑے ڈاک خانہ تک ہی رسائی سمجھئے!
تعمورِ قلعے کا پتہ ابھی اپنی کتابہ بنی کا ہے۔

اندیشہ میں۔ لیکن چونکہ بنیادی طور پر جذبہ دین غالب
ہوئی ہے، اس لئے اختلافات اتفاقات کے حوادث کو
نظر انداز کرنا بھی عقلمندی کے خلاف ہے۔ اتفاقی حادثے
کا رد بار دنیا میں ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں، دین میں نہیں۔

دین کا دامن تمام لمحے سے تقدیر الٰہی بدل
ہو جاتی، جبکہ اس کا محل بدل جاتا ہے۔ جسے
تزلزلہ نفس سے اخلاق طبع میں بدلتے، فقط ان
کا محل ہی بدلتا ہے۔ مثلاً محل - تزلزلہ کے بغیر
نفس پر جائز نہ ناجائز صرف سے بچنا چاہتا ہے۔ کہیں
تزلزلہ کے بعد بعد وہ اسراف سے تو ضرور بچتا مگر
زکوٰۃ سے نہیں۔ چنانچہ محل کی طبع تو رہی، لیکن
اس کا محل وقوع بدل گیا۔

اسی انداز سے دین، ملائی، اتفاق،
حادثہ کے تعلق کو بھی سمجھ لیجئے۔

محمد
نہایت
الہامیہ
1095

ابھی باقی رہ گیا۔ اسی آزمائش صوبائی اور مرکزی
مجمعیوں کے انتخابات کے وقت ہوئی۔ ضرورت نقلیہ
ہوئی کہ جسے الوب کی ذات ۲ جنوری کو کاغذ پر جو، مسئلہ
اصلی مقدمہ ہے کہ بعد ازاں ان کو اسمبلی کی بھی اس شکل
کی میسر آئی کہ وہ کنگ کا کاروبار لیونان شائستہ چلا
سکیں۔ امید ہے کہ ۲ جنوری کے بعد اہل حق اور اہل
تدبیر اس مسئلہ کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

۸۔ مجھے خدیں میں نہ بدل جانے سے میں حدوت
اتفاقات کا جو ذکر کیا تھا، وہ مطلق فارمولہ
ہو گیا تھا۔ لیکن اوقات فراست کو مکاشفہ پر
توثیق ہوتی ہے۔ مکاشفہ میں علم غیب کے دعویٰ
کی سی شکل ہوتی ہے جو عبدیت کے منافی ہے۔ اس لئے
اس میں خلل اور محاسن ناقص کا اقبال میں زیادہ
ہے۔ خواست عین بشری مفوض ہے۔ اس لئے اس میں
بشری حدود کے اندر اندر غلبی کا امکان بھی بہت کم

مقامت بشری کا تقاضا ہے، اب جس کی ملائی
اس کی بچیں۔ اس حدوت تک مسئلہ بدل کر کوئی
1094



United States and other countries, and cultural organizations
and institutions, and many other people, have been in contact with the author.

XVII

۲۰۰

41 - 52, 77

پیارے ممتاز : اس طرح علم

23.6.71

۱) ۲۵۰۰ روپے کا فائدہ ۲۵۰۰ روپے میں مل گیا تھا۔ چند روز بعد میں ایک ٹیپ
میں لکھا تھا کہ اس کا فائدہ ۲۵۰۰ روپے میں مل گیا تھا۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ ہے کہ اگرچہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ایک عرصہ ذاتی فکر کے
آگے دوں تک پہنچا کر شہداء سے جو تعلق بنی ہو، اس پر جو کیا مبالغہ ہے۔ اسی کا
شکر ہے کہ جب وہ سوچ رہا ہے، اس کی تفسیروں میں بھی کسی حد تک ہے۔ (مجلس دہوی
اور روحانی خزائن) ان کی موت تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن جو کچھ شمس بہت سے بڑے ختم ہو رہی ہیں
جسے ٹوٹا گیا ہے اس پر یہ عیدیں عرصہ دراز تک ترنم ہی رہیں گے۔

[illegible]

چند ہفتے ہوئے کہ اچانک مجھے پرنسپل کی صورت پر دست سے ایک تار
آئی، اس کی آمد وہ ہسپتال میں چارے میں اسے اینالیفون پر بتا دیں کہ وہ
وہ بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے نہ دیکھا کہ اسے اینالیفون پر کہا۔ اگلے دن

1101

اس نشست سے خدا کریم
 درپے آگیا میں سے عرض کیا کہ ابلیس تیری شمار
 عبادت میں سے ضرور یہ بھی ایک عبادت تھی۔ کس پر آگیا
 میں تو مرحلہ۔ اور تیرے کو کسی حرام نہ قرار دی بھی ہوئی۔ تو آگیا
 میں ضرور عرض کرنا وہ دن اور آج کا دن۔ وہ جادو
 کیا۔ سری نے خود ہی جیتوں پر ٹائیس دیکھی ہیں؟ اب سرور
 یوں کھول رہا ہے کہ وہی شرک کے پھر کٹنے والے مزدور
 بن کر آگیا۔ ٹائیلوں کو چرہ اور نشست سے جوڑ کر دے
 ٹھونک رہے ہیں۔ ہاتھ اس زود زبیاں کا پیمانہ (عام)
 رسیدہ بود بلے والے خیر نہ تھا
 یقین جانیے، توڑنے اور جوڑنے کے عمل میں
 برابر کی جلیٹی ہے۔ اوفت دانا ہے ایک ہی دانی۔ دیکھ میں لاتی۔

اب آیت احمد اہل سنت پر مبنی ہوں۔ اس کے
مستحق رائے فاضل ہوگا۔ یہ ذرا عکس و عکس پر عکس
ہوئے تو اب برس کے تیرہ برس۔ ۱۴۱۱ھ تک یہاں ہوں۔
درہ دل روزنامہ تیرہ روزہ یہ معلوم ہے۔ آگاہ۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

۵۔ میں: یا اخی، کیسے؟

• : بهار حسن التوحید

مس: کیا جاری ہے؟

— 10 —

5. 10. 1942

4. لا غدر في العلم والادب

۱: مسأله برقرار است؟

نشانہ کار و سونہ

الحمد لله الذي هدانا لهذا

— ۱۱۱ —

...

1900

لاہور میں ایک نیا ہسپتال تعمیر ہو رہا ہے

اپنے بھائیوں کا ہاتھ پاؤں باندھ لیا۔

یہ کنی مریں رو دیا ۔ وہ سلطانوں فرقتہ مبارک نہ سہا ۔

جہاں کہیں میرا

اے کسیر یوں ہوا ، ایسے ہمت مند ہو کر و اجاہ جہاں
 یوں اُٹھ گیا ، ان کو ان کا غنا کوئی حواس نہ ہوئے اس کے لئے اعلان کیا
 میرا فی بیارہ کہ اس لئے کہ ہم ہمہ جہت سے پیغمبروں : فال قیامی

1102

1102

لو ملخص

1959. 5302 W

1500

قونہ میں مولانا رحمہ کے منہر کی پیشانی پر ہنسی کی یہ رماعی درج ہے :-

عالم آواز آواز که هستی خاز آ

لرکافرو پیر و بت پرستی بازار

ایں درگاہ ما درگاہ نو مہدی نیست

صوبار الزلویه شلئی بار آ

مولانا روم بے خوف عارف کا مل تھا۔ لیذا انہوں نے 3

مجھ سے سچ ہی ہوتا ہے۔ پھر ڈرکس کو تو الگ کیا ہے؟

五、六、七、八、九

یہاں پر بہت سے غریب الاغلوں کو شریک و الاکام
سیند ہے۔ اس لئے ارادہ ہے کہ اسے لکھتا رہوں۔ - جہانگیر

11-7-69

1. I have purposely delayed my reply for a few days to avoid the temptation of rushing into some hasty decision. It is quite easy to be extremely sensitive and reasonable and objective about one's personal love affairs. But it is difficult with those who are actually involved in it.

2. I am writing this after picturing myself in the same boat in which you happen to be sinking up and down in the strong ocean of desire.

3. This is quite a natural episode and it can happen to normal human beings alone. Remorse is good only if it does not become morbid. Morbid remorse can be much more debilitating than outright sin.

4. Sin is an affair between man, woman and God. If it gets committed without flow, strong at as a virtue, and, if, later, it causes remorse in the innermost

کھود پاس اور اعلیٰ چوبیا والا تاثیر دے، اسے جلد صحیح ہے۔ غلطی البتہ یہ ہے کہ رانی کو پریت سمجھ لیا جائے۔ ایسے قریب میں ہے چوبیا کو بڑی بات ہے، میڈر بھی نکل آئے تو ٹھیک ہے۔

x x x x x

خسرو، محبوب دانی باتیں اور مائبہ لیا مائے دانی و سب
ہمیں ان کی الحال عالم خیال کا واسطہ ہے۔ کیوں یہ بھی سچ ہے کہ اگر
صر میں ثابت اور ایمان میں استقامت مجتہد رہا تو برکتِ غیب سے
ایسے عجائب و غرائب نمودار ہو سکتے ہیں، جو قلوب و خیال کی

دسترس سے بھی باہر ہوں۔

x x x x x

آپ نے خدا کا شوق سے انتظار کیا ہے۔ پھر بھی
اٹھ قدم بھائی جان سے ملنے کے بعد ہی نہیں۔ غصے کا حال احوال بھی
نہیں۔ اس ذل کے بعد اس سے اٹھ قدم "ایلی" کے لیے
کی کیفیت تباہی میں۔ عتبہ اور شوقِ خوشی میں۔ سلام
پیارے دوستِ الہیہ۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

on both sides, also such that matrimony cannot but fall in the purview of para 5 where! Weighing in the scale of prudence, adherence to para 4 in the oft repeated Commission of Sin will be far preferable to the ample consequences of para 5 emanating from marriage. At our age and maturity we ought to be able to abide by this simple arithmetical calculation.

7 I am emphasising against matrimony because this thought can spring at any time on the crest of desire, love, sex, compassion or just self-pity and maternal remorse. So be on the guard.

8 Please keep ~~me~~ informed at secret intervals write in symbols because there is no need for anybody else to know anything about it.

9 It is easy to enter the

vicissitudes of his conscience, then the whole thing can be left to his inscrutable mercy of God. In this context, it is good to take solace from Marlow's Ruin: Lines 9 find quoted in my previous letter:

آه آه آه پر از درد و غم و اندوه
 مرده فرو بردت پرستش باز
 ای درد ما درد و غم و اندوه
 سوار آه تو که شکستی باز

5. But once sex-kin descends to the level of violating human rights of people other than the man and woman involved, it becomes an offense against society, and, as such, culpable by Divine as well as social and penal laws. This must be avoided.

6. In my judgment, all thoughts and possibility of marriage must be fully and irreversibly averted Family circumstances

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

محرمی - السلام علیہ

آپ کے دونوں خطوط مورخہ ۱۳ اور ۱۴

دسمبر آج آ گئے تھے۔

۱۔ حج کے لئے درخواست دیدین۔ انصاف

نام نکل آیا تو حج کا پاسپورٹ بھی آگیا ہے

۲۔ اور فارن آپلیکیشن بھی۔ اس صورت میں آپ

کس ایسے سمندری جان سے روانہ ہوں۔

۳۔ مارچ کے قریب جدہ پہنچاؤ۔ دعا

پر آگئے ہو جائیے۔

۴۔ اگر حقہ میں نام پس لکھا تو نہ ہئی۔

آپ اپنا انٹر نیشنل پاسپورٹ بروڈن سے لے

کر آ رہیں۔ میں کام آئیگا۔ جیب غالباً فارن

آپلیکیشن نہ دلائیگا۔ نہ ہئی۔ اس سے صرف

vention of God's grace — that it is
exceedingly difficult to fall out of it.
Final mortals may violate divine injunctions
a hundred times, but if it is not in
a spirit of wilful defiance — there is
always hope. The faintest flicker of
healing fear and remorse in the unfathomable
depth of consciousness keeps him hope
alive. It is small things — like
white flickers — that swing the
pendulum of man's fate and
destiny. So be of good cheer.

9. I no longer insist that you
meet Bhai Jan immediately. Take your
own time. Meanwhile, write to me
quite frequently.

A

سی ہوسٹال اپنے لئے اور آپ کے لئے بھی کروا
 رہے ہیں۔ ہنگامے جب آپ کا ٹکٹ بن جائیگا
 تو دس ہزار امریکی ڈالروں کی ضرورت پڑے گی
 امریکی ڈالر دالیا جائیگا۔ اس کے بعد پروگرام
 اٹھا رہیگا۔

۶۔ امریکی ایئر لائن نے بات کر کے کہیں
 کہ اپنے ٹکٹ پر کچھ خرچ ہوگا۔ پاسپورٹ جب
 تیار ہو جائے تو اس پر لبنان، سعودی
 عرب، دیرہ گاہے دیرا بننے ہوتے جو مارچ
 اور اپریل کے مہینوں کے لئے Valable ہوں۔ اس
 میں چھپے مدد ہیں۔

۷۔ ہم اپنا پروگرام اس قسم کا بنا رہے ہیں۔

۲۷ مارچ۔ ایئر ڈم سے پروت
 ۲۸ مارچ۔ پروت سے جدہ
 ۱۶ اپریل۔ جدہ سے پروت
 پروت سے ایئر ڈم

یہ اس لئے کہ وہ سٹیک ہف سے آپ کو
 سفر کی اجازت دلاؤ۔ بغیر آپ کے لئے
 آپ نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے لئے
 exchange دیرہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۸۔ آپ American Express والوں سے
 بات چیت شروع کریں کہ مندرجہ ذیل رستے کا ٹکٹ

بنوانا ہے :
 Karachi → Beirut
 Beirut → Jeddah
 Jeddah → Beirut
 Beirut → Amsterdam → London
 Amsterdam → Israchi
 → Paris

گہرائی سے یوں چلیں کہ 26 یا 27 مارچ
 کو پروت پہنچ جائیں۔ پروت کے بعد باقی
 ساری things smooth کو Open رکھوائیں۔

۹۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کو شام
 کو پروت پہنچ جائیں گے اور ۲۸ کو جدہ
 روانہ ہوں گے۔ پروت سے جدہ اور جدہ سے پروت

۸۔ جی میں جانتا ہے کہ تیرے میں آپ کا نام ہے
کچھ۔ تاکہ پردت سے ہی جیسا تیار ہو۔ تاہم
درخواست دینا ہی ضروری ہے۔ اس کے غور میں۔

۹۔ جے کے بعد شاید آپ کو ٹیوٹورس اور
ان اطراف میں نرورنا پڑے۔ کتاب کے سلسلے میں۔
اس کے ریڈیو یا TV سے جو آخر آئے، اس
سے دست بردار ہے جن چار ماہ کی بنائیں رکھیں۔
آخر اس وقت تک کوئی آخر نہ آئے، تو اب بھی
انتظار ہے۔ داپس کے بعد دیکھا جائیگا۔

بھائی جان یہ سب ایس جی سے ہی اس پر درام
کہ تعیناتی کرالیں۔

میں
میں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اس میں آج
۲۸ ستمبر ۱۸۶

برادر عزیز۔ اسماء بیگم۔
آپ کا خط ملا۔ جہاں تک بچہ یا دلچسپ ہے، آپ کا کوئی بیباغ
ہیں۔ جس کا میں نے جواب نہ دیا ہے۔
وہاں وقت کے ترائے کا شکریہ۔ اگرچہ جلی صاحب خان میں
ہوں۔ تو پھر یہ جانب ہے ان کا شکریہ فرما دیا کروں۔
کوئی بناوٹ کا کہ کسی اخبارات کے کالم میں ہی ادب لکھ دے
جنوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پھر یہ لکھ دے۔ اخبار میں گزرتے۔ اگر آپ نے پڑھا ہے اور
رفتہ نہ ہو تو بچے ان کے آگے ہی دسالی کروں۔ جس صاحب اپنے سوار کی طرح اہتمام سے لکھ
کرتے آتے ہیں۔
رمضان شریف کی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۸ راتوں کو آخر تک ہو۔ تو
پر رات زیادہ۔ جو زیادہ چاہیں۔ وہ لکھ دے دن کے وقت پڑھیں کہیں۔
پر رات اپنے دوستوں کے ساتھ ساتھ پڑھ لیں۔
ام۔ فوائدی۔ کم سے کم ۱۲۔ ایک سے زیادہ جیتیں رکھیں۔ جو۔
۱۲۔ قرآن شریف کی تلاوت۔ خاص طور پر سورہ ابراہیم۔ سورہ یحییٰ۔
سورہ صافات۔ (۱۰ سورہ یحییٰ کے ہیں بچے)۔ سورہ رافعہ۔ سورہ
وہی۔ سورہ صافات۔ سورہ صافات۔ اور چاروں کو۔ اول آخر درود شریف جیتو۔
آسانی سے پڑھا جائے۔ اگر ایک رات میں یہ سب نہ پڑھ سکیں۔ تو ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔
۲۵۔ ۲۷۔ ۲۸ راتوں میں تقسیم کر کے پڑھ لیں۔ اجازت دے دی رات کو پورا پڑیں۔
سوئی گا کہ جو کچھ غارت ہے۔ دے جائیں۔ بچہ کو یا د لکھیں۔ شکریہ
جدا بہ سب صحت روز پڑ جائیں۔ تو رمضان شریف کے بعد ابھی
ہو۔

بیا زید
حضرت امیر شاہ

۹ اپریل ۶۵

مکرمی - اسلام علیہ

دو دنوں خد سے۔ کہیں کے نام آید خلاف ہے۔
اگر اس کے کام نہ لگے، تو صاحب ڈرائیٹ تجھ کو نہیں
کہہ دے گا اس کے مطابق لکھا جائے۔

۲۔ دانی پر خوب بھل سوا۔ کہیں بھی سیاست ہی
بست کام آتی ہے۔ شیخ کے ساتھ بات چیت تو سوتی
رہی، خدا کو دانی کو اس حاضری کا خیر خواہ فائدہ ہو۔

۳۔ عکس پس مہری طرف سے آید کو آید روپے
حاضر ہیں۔ بھائی جان سے اجازت لے کر شامل کر لیں۔
جواب آنے پر جیسے ہیجے دلا۔

۴۔ نفسی اعتبار سے دود شریف بھاری ہونے کے لیے
طریق ہیں۔ آید عالم اور سید عالم دا راستہ تو یہ
ہے کہ ہر وقت چلے پھرتے، کلام کرتے، بے کار بیچے،

۲۳ جون ۶۵

۸ جون ۶۵

مکرمی - اسلام علیہ

اسم تکبر۔ کہی بیج میں آپ کی طرف آنے والا ہمارے بیٹوں پر
کو آپ دین صاحب سے بنی تے ہوئے ہیں۔ یہی سولہ ہوا کہ شاید رفیق صاحب کی طبیعت
پیشانی۔ اچھا خالہ اس کا شفا معائنہ ملے۔

نئی اشاعت کا رد کہ غلے کے آپ کھلے ایک بنایت آسان طریقہ
کھینچ آئی ہے۔ اس میں کوئی وقت اور نہ کڑا قید مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی خاص طریقہ پر
بھیجا ہی ہیں۔ جس وقت آپ مطلع ہوں۔ خود سانس پھر نکالنے کے (عالمی) خاص
= زمین کو لالہ ہیں۔ اور سانس زور کی طرف داتے ہوئے (عالمی) اس طرح خاص
= زبان بول کر آقا ہیں۔ اس طرح ہر سانس کو عالمی کرتے ہوئے لا الہ
عالمی کرتے ہوئے آقا کہتے ہیں۔ اسے پاس انسانی کہتے ہیں۔ یہ جیسے میرے
اچھے جیسے دیکھتے ہوئے نافع اوقات میں کرتے ہیں۔ اس کو اس طرح بکھائی کہ یہ
عادت بنائیں جائے۔ جہاں نصرت ہوگی وہیں سانس کے آنے جانے میں خود بخود نئی اشاعت
شرع ہو گیا۔ حرف غلے میں صاحب غور سے کہ وقت میں دیکھا جائے۔ کہ کون کون
ایسے شق ہم پہنچاتے ہیں کہ غلے میں یہ زبان انہوں نے دیکھا کہتے ہیں تاکہ دیکھ جائے
نہ ہو جائے۔ وغیرہ کوئی چیز نہیں۔

اچھے نصرت خوب شق کریں۔ اور تائیں کوئی شکل و درمیں میں آری
کسی نہ دیکھ جائے اس کے لئے کہ اس کے کان سے۔ (کلی پندہ) شق

شائے کہ اس، شبہ دوازہ شریف مفہوم ان میں موجود ہیں۔
دردِ خفّی یہ ہے :

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

(اس کے اعراب اور لفظ کسی عربی دان سے پوچھ لے جائیں)

با وضو بلا وضو جب خیال آئے کہ کوئی ساجھی سادھی دعا
یہ مسلسل پڑھتا رہے۔ دوام کے ساتھ ساتھ کثرت بھی
لازم ہے۔ اس میں دیر لگتی ہے۔
دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے :

۱۔ درودِ تاج - سوالات (ایک رات میں)

۲۔ درودِ کفّی - سوالات (دوسری رات میں)

۳۔ نمازِ دالہِ خضر - سوالات (تیسری رات میں)

تم، راتوں میں جب یہ تعداد پوری ہو جائے

London
30 Dec 90

جناب مفتی صاحب !

احقر یتیم - جسے ۱۰۰ روپے عطا فرماتے تھے ابھی اس پر پرم لینے کو ہی جایا ہے۔
 امر سوال کی اجازت ہوئی تو آپ سے آپ کا خط طلب لیا۔
 جناب ! آپ کا خط طلب لیا مگر تو مکمل ہو چکی اس خط کا موازنہ جب
 آپ فقیر کو دے کر تشریف لے گئے تھے۔ اس تو ایسی ہے آگے
 کی بات ابوریچہ۔

مفتی صاحب ! تعویذ بدعا بہت پر جناب آپ سے دے
 تھے تھے آخر قریب خاں روٹے اور انہیں پڑا۔ جناب کہتے وقت
 اشیاء کہتے تھے کہ مبالغہ آرائی نہ چوتے پڑے تھے کہ اسی نے
 تعلیم یافتہ ذہینوں کو تعویذ سے دور کر دیا حالانکہ ہم
 شیعہ پر ۱۰۰ روپے عطا کر کے ان کی ایک راہ تھی۔ نارنج اس
 پر گواہ ہے۔ فقیر نے کوئی وسائل نہ چوتے پڑے تھے ہی تنہا
 واقفوں کے لئے کہ سلطان مرزا۔ اس کے برعکس کوئی حوالہ آج
 سند مرث احمد نیر مسلم کو سلطان نہ کر کے اپنے تمام قریبی

4, Viners Close,
 Seethingbourne Kent ME1
 10.1.74

پیارے ممتاز - السلام علیکم

آپ کا خط اور رسالہ امین قلب کے ذریعہ پہنچا۔ مفضل جوہر، چند روز میں
 دوٹوا۔ یہ شخص رسید ہے۔ امید ہے کہ پھر والدہ جیہ کی طبیعت بہتر ہو جائے
 ہم یہاں اپنے توعدت کو مایوس بھی کر چکے ہیں کہ روزِ بختِ ناقب کو اس کے قریب سے جانے
 ایک کی اجازت نہ ملی۔ اس بار خط لکھ کر دیا تھا۔ پھر سے کسی سوگند نہ زیادہ
 دو روز میں جاری مداخلت بارہ مرتبہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد 14 Nov 74 کیا تھا۔ خدا کا
 شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ اب روایت ہے۔ ابھی یہ سات ہفتے اور ہسپتال میں رہنا
 پڑے گا۔

حاجہ محمد دوکان کر دیں کہ اس کا خط ملے گا ہے۔ اس بار پوری خط اور ہم
 سونڈا۔ البتہ قارئین کے نام آید دو خط لکھنے کا وعدہ کرنا نام پھر سونڈا۔ البتہ
 اسے بھی دوٹوا۔ اسے چاہیے۔ میرا پہلا خط نہ پھا ہے۔ سبب اس کے آج بھی
 میرے خط لکھے رکھ چکے۔ اس کے بعد اس کا باوجود بھی بارگاہ۔ یہ بات
 اسے ذرا ہی کہیں۔

آپ کی کتاب صبح کے نام پر اس روز کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے بارے میں
 قادیان بھی لکھا۔ اور وہ بدعت کے لئے دیا چاہیے۔ صدیق راوی کا لکھا ہے کہ
 کسی کو کسی میں رکھنے زیادہ نہ ملے۔ خاموشی کے کام کرے اور سیکھے۔ اس
 لائن میں اچھا لکھا۔ پیار کوئی کسی سے لکھا۔ نام شیعہ ہے۔ باقی ہر اک
 چکر میں چکر۔ البتہ سب سے زیادہ ۱۸ میل دور ہے۔ صبح آج

meern

© Oneurdu.com

کے باوجود - امید ہے آپ کی کتاب نصرت یا روحانیات کہہ ہمارے
ہی اکثر خلوت کو صاف کر دے گی - اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔
امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت محبت ہوگی - خالہ کھانہ ریٹھ
جنگل صافیت کی طبیعت کیسی ہے - نمر پر یکجہ ہے۔
مرتب ہے آج آپ کو خدا کھنڈے وقت نہیں لگے - ورنہ
وہ ہمیشہ آپ کو خدا اندھیرے میں ہی بھاگایا - معلوم نہیں آپ
کہ سمجھ ہی آیا کہ ہیں - یا آپ مررت پی ہی ہو رانت کر رہے۔

دانش
کرزا

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

1120 UrduPhoto.com



meem

oneurdu.

www.ameernews.com

امیر نیوز